اہرام کے دیوتا
اے حمید
PDFBOOKSFREE.PK

- اے حمید کے فن کی شگفتگی اور حُسن ، اور اس کی تحریروں کی رومانوی فضا سے محبت ہے اور اس کے افسانوں اور ناولوں کا لوہا مانتا ہوں ——————— ابن انشاء

- اے حمید کا اسلوبِ بیاں دل میں اُتر جاتا ہے۔ وہ دماغ سے نہیں دل سے لکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تحریریں دل پر اثر کرتی ہیں۔ مجھے اے حمید کے اسٹائل سے پیار ہے ——————— سعادت حسن منٹو

- اے حمید کی پہلی کہانی ''منزل منزل'' ادب لطیف 1978ء کے سالنامے میں چھپی۔ جب میں نے اسے پڑھا تو اس کہانی نے مجھ پر ایک عجیب طلسی اثر کیا۔ مجھے ایسے لگا جیسے میں زردے میں فرنی ملا کر کھا رہا ہوں۔ بلا شبہ اے حمید اُردو ادب میں ایک خوشبو دار، دلگداز، شاعرانہ اسلوب لے کر آیا ہے ——————— کرشن چندر

- اے حمید اُردو ادب میں ایک نئی دریافت لے کر آیا ہے۔ اس کے رومان پرور سٹائل میں قدرت کے حسین مناظر کے تمام رنگ و آہنگ، بارشوں میں گھنے جنگلوں کی پُراسرار سرگوشیاں اور ناکام محبتوں کی افسردہ خوشبوئیں جنم لیتی ہیں
——————— ڈاکٹر ابوالخیر کشفی۔ کراچی

- اے حمید کا ایک خاص رنگ ہے جسے ابن انشاء نے اصلاحاً اے حمیدیت کہا ہے۔ یہ اصطلاح عبارت ہے شگفتگی بیان، شاعرانہ انداز اور مترنم معنونیت سے، اے حمید کی تحریروں میں ایک والہانہ نغمگی کا احساس ہوتا ہے۔ ایک ایسی ندی کا خیال آتا ہے جو میٹھے سُروں میں گاتی کسی گل پوش وادی سے گزر رہی ہو——— ناصر کاظمی۔ لاہور

☆☆☆

آج سے تقریباً چار ہزار سال قبل، سحر و طلسم کے سربستہ اسرار و رموز کی قدیم سرزمین مصر اور مصر کے جابر فرعونوں کا دارالحکومت تھیبز......!

رات آہستہ آہستہ ڈھل رہی ہے۔ ہر طرف گہرا سکوت طاری ہے۔ تھیبز شہر کے دیو پیکر آہنی دروازوں کی محرابوں کے اوپر مشعلیں جل رہی ہیں۔ شہر کے وسط میں فرعونِ مصر کے قصرِ شاہی کے مینار، بُرج اور بارہ دریاں زیتون کے تیل سے جلنے والے فانوسوں سے روشن ہیں۔ فصیل شہر کے پہلو میں دریائے نیل رات کے سناٹے میں خاموشی سے بہہ رہا ہے۔ دریا کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کوئی تیں کوس کے فاصلے پر کھجوروں کا ایک جھنڈ ستاروں کی روشنی میں دُھندلا دُھندلا سا دکھائی دیتا ہے۔ اس جھنڈ کے پاس ہی ایک چار دیواری ہے جس کے احاطے میں ایک جانب دو کوٹھڑیاں بنی ہوئی ہیں۔ ایک کوٹھڑی ذرا بڑی ہے۔ اس کی کھلی کھڑکی میں مدھم روشنی ہو رہی ہے۔ کوٹھڑی میں سے کسی نومولود بچے کے رونے کی آواز آتی ہے...... کوٹھڑی میں چراغ جل رہا ہے۔ ایک نوجوان عورت چارپائی پر نومولود بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔ بچہ روتا ہے تو وہ اُسے اپنے سینے سے لگا کر دودھ پلانے لگتی ہے۔ اس نوجوان کی عمر اٹھارہ اُنیس سال کی ہوگی۔ چہرے کے نقوش نازک اور دلکش ہیں۔ اس نے سیاہ چادر اوڑھ رکھی ہے۔ بچہ خاموشی سے دودھ پینے لگتا ہے۔

چارپائی کے پاس ایک نوجوان لڑکی چوکی پر بیٹھی ہے، وہ بھی سیاہ چادر اوڑھے ہوئے ہے۔ اس کے قریب ہی چھوٹی سی کشتی نما ٹوکری پڑی ہے۔ یہ لمبوتری کشتی نما ٹوکری دریائے نیل کے سرکنڈوں کے نرم ریشوں کی بنی ہوئی ہے۔ کشتی میں سرخ مخمل کا گدیلا بچھا ہے۔ ایک جانب ہاتھی دانت کی چھوٹی صندوقچی رکھی ہے جو قیمتی ہیرے جواہرات سے بھری ہوئی ہے۔ پاس ہی چاندی کی ایک ڈھکن دار کٹوری پڑی ہے جس میں شہد ہے۔

بچے کو پیٹ بھر کر دودھ پلانے کے بعد نوجوان عورت سینے سے لگا کر اُس کا ماتھا چومتی

ہے، پھر نومولود بچے کے بازو پر سے کپڑا ہٹا کر چوکی پر بیٹھی ہوئی نوجوان عورت کو دکھاتی ہے اور کہتی ہے۔

"سوانا! تم گواہ رہنا کہ میرے بیٹے کے بازو پر چاند گرہن کا نشان تھا۔"

سوانا جو چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت کی خادمہ ہے، بچے کے بازو پر چاند گرہن کا سیاہ نشان دیکھتی ہے جو کنول کے پھول کی طرح کا ہے۔ چارپائی پر بیٹھی ہوئی نوجوان عورت فرعونِ مصر ہوتپ سوئم کی بیٹی ہے۔ اس کا نام شہزادی ساہتی ہے۔ شہزادی ساہتی اپنے نومولود بیٹے کو آہستہ سے کشتی نما ٹوکری میں لٹا دیتی ہے۔ بچہ رونے لگتا ہے۔ شہزادی کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ وہ کشتی میں رکھی چاندی کی کٹوری کا ڈھکن کھولتی ہے، سفید بے داغ نرم روئی کی بتی شہد میں ڈبو کر اُس بچے کے ہونٹوں کے ساتھ لگاتی ہے۔ بچہ چپ ہو جاتا ہے اور شہد چوسنے لگتا ہے۔ شہزادی ساہتی بچے کا جسم مخملیں کمبل سے ڈھانپ دیتی ہے اور مامتا کے گہرے غم و اندوہ کو ضبط کرتے ہوئے اپنی خادمہ سوانا کو گلوگیر آواز میں کہتی ہے۔

"دنیا کی کوئی ماں اپنے جگر کے ٹکڑے کو ہمیشہ کے لئے اپنے سے جدا ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ اور میں وہ بدنصیب ماں ہوں جس کو یہ یقین بھی نہیں ہے کہ میرا بچہ مجھ سے جدا ہونے کے بعد زندہ بھی رہے گا یا نہیں۔ لیکن میں اسے زندگی اور موت کے درمیان بہنے والے دریا کی بے رحم موجوں کے حوالے کرنے پر مجبور ہوں۔"

شہزادی ساہتی نے سیاہ چادر کے پلّو سے اپنے آنسو پونچھے اور ٹوکری نما کشتی میں لیٹے شہد چوستے نومولود بچے کے ننھے منّے ہاتھ کو چوم کر بولی۔

"میرے بیٹے! دنیا والے شاید میرے گناہ کو معاف نہ کریں۔ مگر تو مجھے معاف کر دینا۔ اپنی بدنصیب ماں کو معاف کر دینا میرے بیٹے۔ اس خیال سے میرا سینہ پھٹ پڑتا ہے کہ جس بیٹے کو فرعونِ مصر کے شاہی محل میں ناز و نعم میں پل کر جوان ہونا تھا، اُسے اُس کی ماں اپنے ہاتھوں سے دریا کی بے رحم موجوں کے سپرد کر رہی ہے۔"

شہزادی ساہتی کا سر فرطِ غم سے جھک گیا۔ خادمہ سوانا نے اپنا ہاتھ تسلی دینے کے انداز میں شہزادی کے گھٹنے پر رکھ دیا۔ شہزادی ساہتی نے اپنا ہاتھ نومولود بچے کے ماتھے پر آہستگی سے رکھ دیا اور اُمڈتے ہوئے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"آسمانوں کے دیوتا تیرے دشمن ہو گئے ہیں۔ مگر تیری دُکھی ماں کی دُعائیں تیرے ساتھ رہیں گی۔ تو جہاں جہاں جائے گا ماں کی دُعاؤں کا سایہ تیرے سر پر رہے گا۔ تو فرعون کے شاہی تخت پر بیٹھ کر حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوا تھا لیکن تیری ماں تجھے بے یار و مددگار کر کے اپنے ہاتھوں جلاوطن کر رہی ہے۔ میرے بیٹے! کوئی ماں ایسا نہیں کر سکتی۔ مگر میں مجبور ہوں۔ میرے اس گناہ کو بخش دینا۔"

شہزادی ساہتی کے آنسوؤں کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر سسکیاں بھر کر رونے لگی۔ خادمہ سوانا نے اپنا سر شہزادی کے گھٹنوں پر رکھ دیا۔ اُس کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے۔ پھر اُس نے سر اُٹھا کر شہزادی سے کہا۔

"شہزادی صاحبہ! تقدیر کے آگے کسی کا بس نہیں چلتا۔ صبر کریں۔ صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔"

فرعون کی بیٹی شہزادی ساہتی نے سر اوپر اٹھایا، آنسوؤں بھری آنکھوں سے ٹوکری نما کشتی میں شہد چوستے بچے پر ایک نگاہ ڈالی اور دونوں ہاتھوں سے بچے کو ٹوکری نما کشتی سمیت اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور اسی آواز میں خادمہ سے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

دونوں کوٹھڑی سے باہر نکل آئیں۔ باہر آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ کھجور کے درختوں کی شاخیں دریائے نیل کی طرف سے آنے والی رات کی ہوا کے نرم و نازک جھونکوں میں سرسرا رہی تھیں۔ چار دیواری کے احاطے میں ایک جانب درختوں میں دو گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ شہزادی ساہتی چھوٹی سی کشتی میں پڑے اپنے لختِ جگر کو سینے سے لگائے ستاروں کی مدھم روشنی میں آگے آگے چل رہی تھی۔ خادمہ سوانا اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ دونوں گھوڑوں کے پاس آ کر ٹھہر گئیں۔ خادمہ نے آگے بڑھ کر دونوں گھوڑوں کی لگامیں کھول دیں۔ شہزادی نے چھوٹی کشتی کو خادمہ کے بازوؤں میں دیا اور خود گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ اس کے بعد خادمہ نے نومولود بچے والی کشتی شہزادی کو پکڑا دی، پھر خود بھی دوسرے گھوڑے پر سوار ہوئی اور دونوں گھوڑے مکان کی چار دیواری سے نکل کر آہستہ آہستہ دریائے نیل کی طرف چلنے لگے۔

دریائے نیل وہاں سے ایک کوس کی دُوری پر تھا۔ دونوں گھوڑے سبک رفتاری سے دریا

کی طرف بڑھ رہے تھے۔ رات خاموش تھی، آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے ایک بدنصیب ماں کو غم زدہ نگاہوں سے تک رہے تھے جو اپنے ہاتھوں اپنے جگر کے ٹکڑے کو دریا کی بے رحم موجوں کے حوالے کرنے جا رہی تھی۔ دونوں عورتیں دریا کنارے پہنچ کر گھوڑوں سے اُتر پڑیں۔ شہزادی ساہتی نے اپنے بچے والی ٹوکری نما کشتی اپنے سینے سے لگا رکھی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی دریا کے پاس آ کر رُک گئی۔ خادمہ سوانا اُس کے پہلو میں سر جھکائے کھڑی تھی۔ دریائے نیل کی لہریں سبک خرامی سے بہہ رہی تھیں۔ دریا میں ستاروں کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ شہزادی ساہتی نے دریا کو درد میں ڈوبی ہوئی نگاہوں سے دیکھا اور بیٹھ گئی۔ کچھ دیر تک وہ سر جھکائے کشتی گود میں لئے خاموش بیٹھی رہی اور آنسو بہاتی آنکھوں سے کشتی میں لیٹے بچے کو دیکھتی رہی۔ معصوم نومولود بچہ اپنے انجام سے بے خبر سکون کی نیند سو رہا تھا۔ شہزادی نے سر اُٹھا کر آسمان پر چمکتے ہوئے تاروں کو دیکھا اور کشتی خادمہ کو دیتے ہوئے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"میرے بچے! میں تمہیں رحمدل دیوتا راع کے سپرد کرتی ہوں۔"

دریا کی نرم لہریں بڑی آہستگی سے کنارے پر اُگے ہوئے سرکنڈوں کو چھو کر آگے نکل جاتی تھیں۔ خادمہ سوانا نے کشتی کو دریا کی لہروں پر رکھ دیا۔ اس سے پہلے کہ دریا کی لہریں نومولود بچے کو لے کر آگے بڑھتیں، شہزادی ساہتی نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"رُک جاؤ سوانا۔"

خادمہ نے کشتی پر ہاتھوں کی گرفت مضبوط کر لی۔ شہزادی نے جھک کر اپنے بچے کے نازک ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اُسے چوما اور خواب ایسی آواز میں کہا۔

"میرے بیٹے! زندگی عطا کرنے والے دیوتا تیری حفاظت کریں گے۔ تیری بدقسمت ماں تجھے مصر کا شاہی تخت نہ دے سکی۔ لیکن تو جہاں بھی رہے گا جس حالت میں بھی رہے گا، تیرے بازو پر کنول پھول کے گرہن کا نشان اس بات کی گواہی دے گا کہ تو فرعونِ مصر کے شاہی خاندان کا شہزادہ ہے۔"

اور شہزادی ساہتی نے دونوں ہاتھوں سے ٹوکری نما کشتی کو تھام لیا۔ کشتی دریا کی لہروں پر آہستہ آہستہ ڈول رہی تھی۔ پھر جیسے کسی نادیدہ طاقت نے شہزادی کے ہاتھوں کی گرفت کو ڈھیلا کر دیا اور کشتی شہزادی کے جگر کے ٹکڑے کو لے کر دریا کی لہروں پر بہنے لگی۔۔۔۔

اندھیری رات میں، تاروں کی دھندلی روشنی میں چھوٹی سی کشتی بچے کو لئے شہزادی کی نگاہوں سے دُور ہوتی چلی گئی۔ اور جب دریا کی لہروں نے اُسے شہزادی کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ خادمہ سوانا نے روتے ہوئے شہزادی کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ کچھ دیر آنسو بہانے سے جب شہزادی ساہتی کا غم ذرا ہلکا ہوا تو اُس نے دریا پر نظر ڈالی۔ دریا کا پاٹ ستاروں کے دھندلکے میں زرد ریت کی طرح چمک رہا تھا۔ دریا کی لہریں اس خاموشی اور لاتعلقی کے ساتھ بہہ رہی تھیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ دریا دُور تک خالی سا تھا۔ شہزادی کے نومولود بچے کو لے کر سرکنڈوں کی کشتی بہت دُور نکل چکی تھی۔

شہزادی نے غم سے بوجھل آواز میں سوانا سے کہا۔

"سوانا! تم میری زندگی کے سب سے زیادہ گہرے اور گناہ آلود راز کی گواہ ہو۔ وعدہ کرو کہ میرا یہ راز تمہارے سینے میں ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے گا۔"

سوانا کہنے لگی۔ "شہزادی صاحبہ! آپ کا یہ راز میرے ساتھ ہی میری قبر میں جائے گا۔ تسلی رکھیں، میں یہ راز اپنی موت کو بھی نہیں بتاؤں گی۔"

"مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔"

یہ کہہ کر شہزادی نے سوانا کو اپنے ساتھ لیا، دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئیں اور صحرائی رات کے تاریک سناٹے میں ان صحرائی ٹیلوں کی سمت روانہ ہو گئیں جن کے پیچھے فرعون بادشاہوں کا شاہی قبرستان تھا۔ اس شاہی قبرستان میں صرف فرعونوں کے خاندان کے مقبرے تھے جن میں شاہی خاندان کے مرے ہوئے افراد کی حنوط شدہ لاشیں دفن تھیں۔ قبرستان وسیع رقبے میں پھیلا ہوا تھا جس کے گرد بڑے بڑے پتھروں کی چاردیواری تھی۔ اس کے دروازے پر چوبیس گھنٹے پہرہ لگا رہتا تھا اور شاہی خاندان والوں کے سوا کسی دوسرے شخص کو اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ کیونکہ شاہی خاندان کی ہر قبر میں مرے ہوئے مرد یا عورت یا بچے کی حنوط شدہ لاش کی ممی کے ساتھ قیمتی ساز و سامان اور ہیرے جواہرات کا ایک صندوقچہ دفن ہوتا تھا جن کے بارے میں قدیم مصریوں کا عقیدہ تھا کہ یہ تمام ساز و سامان اور دولت موت کے بعد دوسری زندگی میں مرنے والے کے کام آئے گی۔ ان چیزوں کے علاوہ ہر قبر میں لاش کے پہلو میں ایک کتاب بھی رکھ دی جاتی تھی۔ اس کتاب کو کتاب الموت کہا جاتا تھا۔ اس کتاب میں مصر کے سب سے بڑے دیوتاؤں

راع اور اسیرس کے معبدوں کے کاہنوں کے ہاتھوں سے لکھا ہوا نقشہ درج ہوتا تھا جو مرنے والوں کو ان کے عقیدے کے مطابق آسمانوں کے سفر میں ابدی زندگی کا راستہ بتاتا تھا اور مرنے والے کی رُوح کی راہ نمائی کرتا تھا۔ فرعونوں اور ان کی ملکاؤں اور بعض اوقات ان کی چہیتی شہزادیوں اور شہزادوں کی لاشیں صرف اہرام میں حنوط کر کے تابوتوں میں دفن کی جاتی تھیں۔ ان اہراموں میں شاہی خاندان کے افراد کے سوا کوئی دوسرا شخص زندہ حالت میں بھی داخل نہیں ہوسکتا تھا۔

شہزادی ساہتی کا سیاہ گھوڑا صحرا کی رات میں گورستانِ شاہی کی جانب دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے پہلو میں اس کی خادمہ سوانا گھوڑے پر سوار چلی جا رہی تھی۔ اس وقت شہزادی کا ذہن اپنے بچھڑے ہوئے جگر گوشے کے غم کے علاوہ طرح طرح کے پریشان کن خیالات اور پچھتاووں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اُسے شاہی فوج کے سپہ سالار شاطو کا خیال آ رہا تھا جو شہزادی ساہتی کے دریا برد کئے ہوئے بیٹے کا باپ تھا اور جس کی قبر شاہی قبرستان میں تھی۔ شہزادی کا بیٹا اسی سپہ سالار کی ناجائز اولاد تھا۔ سپہ سالار شاطو فرعونِ مصر ہوتپ کا بہت قریبی عزیز تھا۔ قدیم فرعونوں کے عہد میں فوج اور دربار اور انتظامی امور کے بڑے عہدے شاہی خاندان کے افراد کو تفویض کئے جاتے تھے۔ سپہ سالار شاطو اگرچہ فرعونِ مصر ہوتپ کا قریبی عزیز تھا مگر وہ درپردہ فرعون کے تخت پر قبضہ کرنے کی سازشوں میں لگا ہوا تھا جس کی خبر فرعونِ مصر ہوتپ کو بھی ہو گئی۔ فرعون ہوتپ، سپہ سالار شاطو کو قتل کروانے کی فکر میں تھا مگر فوج کے سپہ سالار ہونے کی وجہ سے شاطو پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں تھا۔ مجلسی زندگی میں فرعونِ مصر اور سپہ سالار شاطو کے تعلقات بظاہر بڑے خوشگوار تھے۔ سپہ سالار شاطو بڑا صحت مند اور خوبصورت آدمی تھا۔ شاہی محلات میں وہ بے روک ٹوک آتا جاتا تھا۔ شہزادی ساہتی فرعونِ مصر کی بیٹی اور ولی عہد اخناتون کی بڑی بہن تھی۔ شہزادی ساہتی اور سپہ سالار شاطو ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے۔ انہیں ایک دوسرے سے محبت ہوگئی۔ وہ شادی کرنا چاہتے تھے لیکن انہیں معلوم تھا کہ فرعون ہوتپ یعنی شہزادی ساہتی کا باپ اس شادی کی کبھی اجازت نہیں دے گا۔ دونوں چھپ کر راتوں کو ملتے اور ان ملاقاتوں کے نتیجے میں شہزادی ساہتی شاطو کے ناجائز بچے کی ماں بن گئی۔

یہ خبر جب شہزادی نے اپنے عاشق سپہ سالار شاطو کو بتائی تو وہ پریشان ہو گیا۔ اُس نے

شہزادی کو بچہ ضائع کروا دینے کے لئے کہا مگر شہزادی ساہتی کو یہ گوارا نہیں تھا۔ سپہ سالار شاطو نے کہا۔

''میں جانتا ہوں فرعون ہماری شادی پر کبھی رضامند نہیں ہو گا۔ میں ایسا بھی نہیں کر سکتا کہ تمہیں ساتھ لے کر مصر سے فرار ہو کر کسی دوسرے ملک چلا جاؤں اور وہاں تم سے شادی کر لوں۔ اس صورت حال میں بچے کو پیدا ہونے سے پہلے ضائع کر دینا ضروری ہے۔''

شہزادی ساہتی کو فرعون اور سپہ سالار شاطو کی درپردہ جان لیوا دشمنی کا اتنا زیادہ علم نہیں تھا۔ اُس نے کہا کہ میں اپنے باپ کو راضی کر لوں گی۔ تب سپہ سالار شاطو نے ساری بات کھول کر بیان کر دی اور شہزادی کو بتا دیا کہ اس کا باپ فرعون ہوتپ اسے اپنا جانی دشمن سمجھتا ہے۔ سپہ سالار نے شہزادی کو یہ تو نہ بتایا کہ وہ خود بھی مصر کے تخت شاہی پر قبضہ کرنے کی سازش کر رہا ہے۔ اُس نے کہا۔

''نہ جانے کیوں فرعون ہوتپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ میں اس کے خلاف کوئی سازش کر رہا ہوں۔ چنانچہ وہ میرا دشمن بن گیا ہے اور مجھے قتل کروانے کی فکر میں ہے۔ جب حالات یہ شکل اختیار کر چکے ہوں تو فرعون ہماری شادی کی اجازت کیسے دے سکتا ہے؟ اُسے اگر سا بھی یہ علم ہو گیا کہ تم میرے ناجائز بچے کی ماں بننے والی ہو تو وہ میرے ساتھ تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

لیکن شہزادی ساہتی یہی اصرار کرتی رہی کہ وہ اپنے باپ کو اس شادی پر رضامند کر لے گی۔

''تم مجھے سوچنے کے لئے تھوڑا سا وقت دو۔''

''لیکن خبردار! یہ بات تمہارے میرے سوا کسی کے علم میں نہیں آنی چاہئے کہ تم میرے بچے کی ماں بننے والی ہو۔'' شاطو نے شہزادی کو تاکید کرتے ہوئے کہا۔

دو تین دن تک شہزادی اسی سوچ میں ڈوبی رہی کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اور اگر وہ اپنے باپ سے یہ بات کرے تو کس طریقے سے کرے۔ مگر اُس کی سمجھ میں کوئی طریقہ نہیں آ رہا تھا۔ اسی دوران بابل کے بادشاہ کی فوج نے مصر کے شمال مغربی صوبے پر زبردست حملہ کر دیا۔ سپہ سالار شاطو فوج لے کر دشمن فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل گیا۔ دونوں ملکوں کی فوجوں کے درمیان زبردست معرکہ کارزار گرم ہوا۔ اس جنگ میں مصری

فوج کو فتح حاصل ہوئی مگر سپہ سالار رشاطو میدانِ جنگ میں مارا گیا۔

اس کی موت کی خبر شہزادی ساہتی پر بجلی بن کر گری۔ فرعونِ مصر ہوتپ کو دہری خوشی ہوئی۔ ایک خوشی اپنی فوج کی فتح کی اور دوسری خوشی اپنے دشمن سپہ سالار رشاطو کی موت کی ہوئی۔ اُس نے فوراً شاہی خاندان کے اپنے ایک وفادار فوجی افسر کو سپہ سالار بنا دیئے جانے کا شاہی فرمان جاری کر دیا۔ رسم پوری کرنے کی خاطر فرعون نے سپہ سالار رشاطو کی موت پر پچیس دنوں تک سرکاری طور پر سوگ منانے کا اعلان کر دیا۔

اس دوران میں اتنی دیر ہوگئی کہ اب اگر شہزادی بچہ ضائع کرواتی تو خود اُس کی جان کو بھی خطرہ تھا۔ چنانچہ شہزادی نے اپنی محبت کی پہلی نشانی کو پیدا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس زمانے کے ملک سوڈان کی جانب حکومت مصر کی ایک نو آبادی تھی جس کی پہاڑیوں پر ایک صحت افزا مقام تھا۔ وہاں فراعنہ مصر نے شاہی خاندان کے افراد کی خاطر ایک ''قصرِ صحت'' بنایا ہوا تھا۔ چونکہ یہ جگہ مصر کے دارالحکومت سے کافی فاصلے پر تھی اس لئے وہاں کبھی کبھار ہی کوئی جاتا تھا۔ شہزادی ساہتی نے ناسازیٔ طبع کا بہانہ بنایا، اپنی رازدار خادمہ سوانا کو ساتھ لیا اور صحت افزا مقام ''قصرِ صحت'' میں آ گئی۔ یہاں اُس نے بیٹے کو جنم دیا اور ولادت کے کچھ روز بعد نومولود کو لے کر سوانا کے دیہاتی مکان پر آ گئی جو دارالحکومت سے تیس کوس کے فاصلے پر تھا اور جہاں پر آنے کے بعد آج رات اُس نے اپنے لختِ جگر کو دریائے نیل کی لہروں کے سپرد کر دیا تھا۔ اور اب شہزادی ساہتی اپنی خادمہ سوانا کے ہمراہ اپنے ناجائز بیٹے کے باپ کے مقبرے کی طرف جا رہی تھی۔

سوانا اُس کے ساتھ تھی۔ صحرائی رات کی تاریکی میں دُور سے شاہی گورستان کے بڑے دروازے پر جلتی مشعل کی روشنی جھلملاتی دکھائی دی۔ شہزادی نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ گورستانِ شاہی کے دروازے کی دونوں جانب شاہی سپاہ کے فوجی پہرے پر کھڑے تھے۔ مشعل کی روشنی میں انہوں نے شہزادی ساہتی کو دیکھا تو فوراً قبرستانِ شاہی کا دروازہ کھول دیا۔ گورستانِ شاہی کی وادی میں موت کا سکوت چھایا ہوا تھا۔ سپہ سالار رشاطو کا مقبرہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں تھا۔ شہزادی اور سوانا نے اپنے گھوڑے دروازے کے باہر ہی چھوڑ دیئے تھے۔ شہزادی فراعنہ مصر کے شاہی خاندان کی قبروں کے درمیان سے گزرتی ہوئی سپہ سالار رشاطو کے مقبرے کے پاس آ کر رُک گئی۔

سپہ سالار رشاطو کی قبر سنگ مرمر کے ایک لمبے تعویذ کی شکل میں تھی۔ اس تعویذ کے سرہانے کی جانب سپہ سالار رشاطو کا گردن تک کا مجسمہ نصب تھا۔ پیچھے سنگ مرمر کا کتبہ لگا تھا جس پر سپہ سالار کا نام، عہدہ اور جنگوں میں اُس کے کارناموں کی تفصیل درج تھی۔ شاطو کی حنوط شدہ لاش کا تابوت اس تعویذ کے نیچے زمین دوز تہہ خانے میں رکھا ہوا تھا جس کے اندر جانے کا راستہ پتھر کی سِل سے بند کر دیا گیا تھا۔ شہزادی نے شاطو کی قبر کے سنگ مرمر کے تعویذ پر آہستہ سے ہاتھ رکھ دیا۔ سوانا اس سے چند قدم پیچھے سر جھکائے کھڑی تھی۔ قبرستان میں سناٹا طاری تھا۔ ہر طرف موت کی حکمرانی تھی۔ شہزادی نے دھیمی آواز میں کہا۔

''تمہاری محبت کی نشانی اور اپنے جگر کے ٹکڑے کو میں نے نیل کی لہروں کے حوالے کر دیا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے میرا جگر پاش پاش ہو گیا تھا۔ لیکن تمہاری اور اپنی اور اپنے شاہی خاندان کی عزت بچانے کی خاطر میں ایسا کرنے پر مجبور تھی۔ یہ غم ساری زندگی میری رُوح کو تڑپاتا رہے گا کہ میں تمہارے بیٹے کی حفاظت نہ کر سکی۔ اُسے شاہی محلات میں ناز ونعم سے نہ پال سکی اور اُسے اپنے ہاتھوں ایک ایسی جگہ چھوڑ دیا جہاں وہ زندہ بھی رہ سکتا ہے اور زندہ نہیں بھی رہ سکتا۔ جہاں زندگی اور موت اُس کے ساتھ چل رہی ہے۔ میں فنا ہو جانے والے جسم میں قید ہوں، تم ابدی زندگی کے دیوتاؤں کی دنیا میں ہو۔ میرے گناہ کو معاف کر دینا اور میرے بیٹے کی، اپنے بیٹے کی حفاظت کرنا۔''

شہزادی ساہتی نے جھک کر قبر کے تعویذ کو بوسہ دیا۔ اُس کے آنسو سنگ مرمر کے تعویذ پر ٹپک پڑے۔ گورستانِ شاہی سے نکلنے کے بعد شہزادی اور خادمہ سوانا گھوڑوں پر سوار ہو گئیں۔ شہزادی ساہتی نے گھوڑے کو اُس صحرائی راستے پر ڈال دیا جو دریائے نیل کے ساتھ ساتھ قدیم مصر کے دارالحکومت تھیبز کے شاہی محلات کی طرف جاتا تھا۔ آسمان پر رات کی تاریکی کافوری رنگت اختیار کر رہی تھی۔ صحرا میں صبح کا اوّلین نور جھلکنے لگا تھا۔

اور جب صبح کے نور نے دن کی روشنی میں تبدیل ہو کر آج سے ساڑھے تین ہزار برس پہلے کی وادیٔ مصر کے صحرائی ٹیلوں اور دریائے نیل کے کنارے ایستادہ کھجوروں کے جھنڈوں کو روشن کر دیا تو شہزادی ساہتی کے نومولود بیٹے کی سرکنڈوں کی بنی ہوئی چھوٹی سی کشتی نیل کی لہروں پر ہچکولے کھاتی دریائے نیل کے موڑ پر سے گزر رہی تھی۔ یہ علاقہ دریا

کی گزرگاہ ہونے کے باوجود خشک اور ریتلا تھا۔ کہیں کہیں کھجوروں کے چھوٹے چھوٹے جھنڈ ضرور دکھائی دے جاتے تھے۔ کھیت کھلیانوں کا کہیں نام و نشان نہیں تھا، ہر طرف ریت کے اُونچے نیچے ٹیلے ہی ٹیلے تھے۔ دریا کا پاٹ بھی یہاں تنگ تھا اور طغیانی کے دنوں میں بھی جو سرزمین مصر کے لئے رحمت کا مہینہ تھا، یہاں دریا کا پانی اپنے کناروں سے باہر نہیں آتا تھا۔ نومولود بچے کی کشتی ساحل کے ساتھ ساتھ دریا کی لہروں پر آہستہ آہستہ بہتی چلی جا رہی تھی۔ دریا کا بہاؤ بھی کافی سست تھا۔ آگے ایک جگہ چھوٹا سا نخلستان تھا جہاں صحرائی ڈاکوؤں کا ایک گروہ رات بھر قرب و جوار میں گزرنے والے قافلوں کی لوٹ مار کے بعد لوٹے ہوئے مال کا حساب کتاب کرنے میں مصروف تھا۔ اچانک ایک ڈاکو کی نظر دریا پر بہتی چلی آتی چھوٹی سی کشتی پر پڑ گئی۔ کشتی اور قریب آئی تو اُسے کسی بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ پہلے تو اُس نے اسے اپنا وہم سمجھا، لیکن جب کشتی کے قریب آنے سے بچے کے رونے کی آواز زیادہ نزدیک سے سنائی دینے لگی تو اُس نے دوسرے ڈاکو ساتھیوں کی توجہ اس طرف دلائی اور کہا۔

"لگتا ہے کشتی میں کوئی بچہ رو رہا ہے۔"

ڈاکو دوڑ کر ساحل پر گئے۔ دیکھا کہ کشتی میں مخمل کے گدیلے پر ایک ماہ کا بچہ سیدھا پڑا ہاتھ پاؤں چلاتے ہوئے رو رہا ہے۔ ڈاکوؤں کے سردار کی نگاہ بچے کے پہلو میں رکھی چھوٹی صندوقچی پر پڑی۔ اُس نے بچے کو تو وہیں رہنے دیا اور صندوقچی اُٹھا کر کھولی۔ اُس کی آنکھیں چکا چوند ہو کر رہ گئیں۔ صندوقچی قیمتی ہیرے جواہرات سے بھری ہوئی تھی۔ وہ ایک نعرۂ مستانہ لگا کر بولا۔

"دیوتا اسیرس ہم پر مہربان ہو گیا ہے۔ اتنی دولت ہم ساری زندگی ڈاکے ڈال کر نہیں کما سکتے تھے جتنی اس صندوقچی میں ہمیں مل گئی ہے۔"

ایک ڈاکو بچے کو کشتی میں سے اٹھانے لگا تو سردار نے چلا کر کہا۔

"اس مصیبت کو کشتی میں ہی پڑا رہنے دو۔ یہ کسی دولت مند کنواری کی ناجائز اولاد معلوم ہوتی ہے جس نے اپنے گناہ کو چھپانے کی خاطر اسے دریا میں بہا دیا ہے۔"

بچہ رو رہا تھا۔ ایک ڈاکو نے چاندی کی کٹوری دیکھی تو اُسے کھولا۔ اُس میں شہد تھا۔ اُس نے شہد اُنگلی کے ساتھ لگا کر بچے کو چٹایا تو بچہ چپ ہو گیا اور مزے سے شہد چوسنے

لگا۔ سردار تو جواہرات کی صندوقچی لے کر دوسرے ڈاکوؤں کے ساتھ درخت کے نیچے چلا گیا تھا۔ یہ ڈاکو نومولود بچے کے پاس ہی تھا۔ چاندی کی کٹوری دیکھ کر پہلا خیال اُسے یہی آیا کہ چاندی کی کٹوری چرا لینی چاہئے۔ پھر خیال آیا کہ اس میں بچے کی ماں نے بچے کی بھوک مٹانے کے لئے شہد رکھا ہوا ہے۔ اُس نے کٹوری وہیں رہنے دی، بلکہ قریب ہی پڑی روٹی کی اٹی کو شہد میں بھگویا اور بچے کے ہونٹوں کے ساتھ لگایا، پھر کشتی پر سے اپنا ہاتھ اُٹھا لیا۔ ہاتھ کے اُٹھتے ہی دریا کی لہریں کشتی کو بہاتی ہوئی آگے لے گئیں۔

جب تک شہد کی اٹی بچے کے منہ میں لگی رہی، وہ خاموشی سے شہد چوستا رہا۔ جب اٹی اُس کے ہونٹوں سے نکل کر نیچے گر پڑی تو بچے نے رونا شروع کر دیا۔ اس وقت دریا ایک صحرائی گزرگاہ کے قریب سے گزر رہا تھا جس پر جنوبی افریقہ سے آنے والے قافلے مصر سے ہوتے ہوئے شام اور بابل کے ملکوں کی جانب سفر کرتے تھے۔ عین اُسی لمحے جالوت نام کا ایک نوجوان مصری سنگ تراش اپنی بیوی کے ساتھ اونٹ پر بیٹھا وہاں سے گزر رہا تھا۔ جالوت سنگ تراشی کے علاوہ جڑی بوٹیوں سے دوائیاں بنا کر مختلف بیماریوں کا علاج بھی کرتا تھا۔ وہ افریقہ کے جنگلوں سے کچھ سرخ و زرد پتھر اور جڑی بوٹیاں لا رہا تھا جو اُس کے پیچھے آنے والے اُونٹ پر لدی ہوئی تھیں۔ دونوں میاں بیوی نے بچے کے رونے کی آواز سنی تو اُونٹ کی مہار کھینچ کر اسے روک لیا اور کان لگا کر آواز کو غور سے سننے لگے۔ بیوی نے کہا۔

"یہ کسی نوزائیدہ بچے کے رونے کی آواز ہے۔"

"ہاں، مگر یہاں تو کوئی بچہ نظر نہیں آتا۔" جالوت بولا۔

بیوی نے کہا۔ "آواز دریا کی طرف سے آ رہی ہے۔"

انہوں نے اونٹ کو بٹھایا اور اس پر سے اتر کر دریا کے کنارے آ گئے۔ دیکھا کہ ایک چھوٹی سی ٹوکری نما کشتی ساحلی سرکنڈوں کے درمیان آ کر رُکی ہوئی ہے اور اس میں لیٹا ایک نوزائیدہ بچہ بری طرح رو رہا ہے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ اس کے پاس ہی چاندی کی کٹوری میں شہد ہے اور ایک طرف روٹی کی کچھ خشک اٹیاں بھی پڑی ہوئی ہیں۔ جالوت کی بیوی نے جلدی سے بچے کو کشتی میں سے اُٹھا کر گود میں لیا۔ چاندی کی کٹوری اور اٹیاں جالوت نے اٹھا لیں۔ جالوت کی بیوی نے ایک اٹی شہد میں بھگو کر بچے کے ہونٹوں کے

ساتھ لگا دی۔ بچہ چپ ہو گیا اور مزے سے شہد چوسنے لگا۔ جالوت کی بیوی بولی۔

"جانے کس سنگدل ماں نے اسے کشتی میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا ہے۔"

جالوت بچے کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "بڑا خوبصورت بچہ ہے۔ کسی دولت مند خاتون کا لگتا ہے۔ یقین نہیں آتا کہ اس کی ماں نے اسے دریا کے حوالے کیا ہو گا۔"

اُس کی بیوی نے بچہ گود میں اٹھایا ہوا تھا اور دونوں اپنے اونٹ کی طرف جا رہے تھے۔ بیوی نے بچے کی پیشانی کو چوم کر کہا۔ "میں تو سمجھتی ہوں کہ دیوتا اسیرس نے میری دُعا قبول کی ہے اور ہمیں ایک بیٹا دے دیا ہے۔"

جالوت کی شادی کو چھ برس گزر گئے تھے مگر ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ جالوت کی بیوی کا نام سارا تھا۔ سارا کی یہ بات سن کر جالوت بولا۔

"یہ تو تم نے بالکل ٹھیک کہا۔ اسیرس نے نیل کے دیوتا کے ذریعے ہمیں یہ بچہ دیا ہے۔ ہم اپنی بستی کے نجومی سے اس کا کوئی بڑا اچھا سا نام نکال کر رکھیں گے۔"

جالوت اور اُس کی بیوی سارا بچے کو لے کر اپنے گھر آ گئے۔ اُن کا چھوٹا سا کچی دیواروں والا مکان مصر کے دارالحکومت تھیبز کے مضافات میں دریائے نیل کے کنارے واقع تھا۔ سارا نے سب سے پہلے بچے کو بکری کا تازہ دودھ پلایا، پھر اُسے نہلانے لگی تو اُس کے بازو پر چاند گرہن کا کنول کے پھول جیسا نشان دیکھ کر جالوت سے کہا۔ "ذرا دیکھنا، اس کے بازو پر چاند گرہن کا نشان ہے۔ بالکل کنول پھول کی طرح لگتا ہے۔"

جالوت نے بھی چاند گرہن کے نشان کو دیکھا اور کہنے لگا۔ "کہتے ہیں چاند گرہن کا نشان بڑے قسمت والے بچوں کے جسم پر ہوتا ہے۔"

سارا نے خوش ہو کر کہا۔ "تم دیکھنا، ہمارا بیٹا بھی بڑا قسمت والا ہو گا۔"

اگلے روز دونوں میاں بیوی بچے کو لے کر بستی کے بوڑھے نجومی کے مکان پر گئے۔ بوڑھے نجومی نے حسب عادت اسے بھی عام بچہ سمجھ کر زمین پر چند ایک آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر زائچہ سا بنایا اور روایتی انداز میں بولا۔

"لڑکا بڑا ہو کر بڑی دولت کمائے گا۔ ماں باپ کی بڑھاپے میں بڑی خدمت کرے گا۔ جس کام میں ہاتھ ڈالے گا اس میں کامیاب ہو گا۔ دوست اس کی حفاظت کریں گے۔ دشمن اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔"

جالوت اور اُس کی بیوی سارا یہ سن کر بڑے خوش ہوئے۔ جالوت نے نجومی سے کہا۔

"بچے کے بازو پر چاند گرہن کا نشان بھی ہے، بالکل کنول پھول کی طرح کا نشان ہے۔"

نجومی نے بچے کے بازو پر سے کپڑا ہٹا کر کنول پھول کی طرح بنا ہوا چاند گرہن کا نشان دیکھا تو یکایک گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اُس نے زمین پر انگلی سے آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر نیا زائچہ بنایا۔ کچھ دیر تک بڑے غور سے زائچے کو تکتا رہا، پھر چہرہ اُٹھا کر جالوت سے پوچھا۔ "یہ بچہ تمہیں کہاں سے ملا؟"

جالوت نے جواب دیا۔

"کہاں سے ملا ہے کا کیا مطلب ہے؟ آپ کو بتایا تو ہے کہ یہ میرے بڑے بھائی کا بیٹا ہے۔ اس کے پہلے ہی تین بیٹے تھے، ہم نے اسے گود لے لیا ہے۔"

بوڑھا نجومی ایک بار پھر زمین پر بنے ہوئے زائچے پر جھک گیا۔ جالوت کی بیوی نے بڑے تجسس کے ساتھ پوچھا۔ "بابا! کیا کوئی خاص بات ہے ہمارے بیٹے میں؟"

بوڑھے نجومی نے جیسے سارا کی بات نہیں سنی۔ عالم استغراق میں ڈوبا زائچے کی لکیروں کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ جب جالوت نے بھی نجومی سے یہی پوچھا کہ کیا وہ بچے کے زائچے میں کوئی خاص بات دیکھ رہا ہے تو بوڑھے نجومی نے عالم استغراق سے واپس آتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "نہیں، کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس اس بچے کی حفاظت کرنا اور اسے اچھی تعلیم دینا۔"

جالوت بولا۔ "ہم اسے اپنا بیٹا سمجھ کر پالیں گے بابا۔ اس کے لئے ہم سے جو کچھ ہو سکا، کریں گے۔"

جالوت نے کرتے کی جیب سے تانبے کے دو سکے نکال کر بوڑھے نجومی کو دیئے اور بچے کو لے کر دونوں میاں بیوی وہاں سے چل پڑے۔ اُن کے جانے کے بعد بھی بوڑھا نجومی دیر تک بچے کے زائچے کو سر جھکائے تکتا رہا اور سوچتا رہا۔ زائچہ اُسے بتا رہا تھا کہ اس بچے کو شاہی محل میں ہونا چاہئے، لیکن اس کے برعکس بچہ ایک غریب سنگتراش کے بوسیدہ مکان میں پرورش پانے والا ہے۔ کافی غور و فکر کے بعد بوڑھے نجومی نے یہ سوچ کر زائچے کی لکیروں کو مٹا دیا کہ کبھی کبھی زائچہ بھی جھوٹ بولتا ہے۔ یہ بات اُس کے علم میں نہیں تھی کہ اس دفعہ زائچہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

جالوت اور اُس کی بیوی بڑی محبت اور ماتما کے ساتھ شہزادی ساہتی کے ناجائز بچے کی پرورش کرنے لگے۔ انہوں نے اس کا نام بڑے پیار سے شعبان رکھا جو اُن کے عقیدے کے مطابق رات کی دیوی کا نام تھا۔

وقت گزرتا گیا۔ شعبان پانچ سال کا ہو گیا۔ جالوت نے بوڑھے نجومی کی ہدایت کے مطابق شعبان کو اپنے حالات کے مطابق اچھی تعلیم دلانے کی پوری کوشش کی۔ اس کے علاوہ وہ شعبان کو سنگ تراشی اور جڑی بوٹیوں سے دوائیں تیار کرنے اور مختلف بیماریوں کے علاج کا بھی علم سکھاتا۔ شعبان بڑے شوق سے جالوت کے پاس بیٹھ جاتا اور اُسے مختلف دیوی دیوتاؤں کی سنگ مرمر کی مورتیاں تراشتے اور کتبوں پر قدیم مصر کے تصویری رسم الخط میں عبارت تحریر کرتے دیکھتا رہتا۔ جالوت جب مختلف جڑی بوٹیوں کی کانٹ چھانٹ کرتا تو شعبان اس کام میں بھی اپنے باپ کی مدد کرتا۔ اُس کا باپ جڑی بوٹیاں تسلے میں ڈال کر انہیں کھولتے ہوئے پانی میں اچھی طرح سے اُبالتا، پھر اس محلول کو کپڑے میں چھان کر سبز رنگ کی پتھر کی بوتلوں میں بھرتا اور شعبان وہ بوتلیں بڑے قرینے سے دیوار میں بنی ہوئی الماری میں لگا دیتا۔ جس روز شعبان کا باپ جالوت شہر یعنی مصر کے دارالحکومت تھیبز میں کچھ خرید و فروخت کے لئے جاتا تو شعبان بھی اپنے باپ کے ساتھ گدھے پر سوار ہو کر جاتا۔ شعبان کو تھیبز کی پتھر جوڑ کر بنائی گئی شہر کی سڑکیں اور ان سڑکوں کی دونوں جانب بنے ہوئے کھلے دالانوں والے مکان بڑے اچھے لگتے تھے۔ پہلی بار جب شعبان گدھے پر سوار اپنے باپ جالوت کے ساتھ فرعونِ مصر کے شاہی محلات کے قریب سے گزرا تو اُس نے بڑی حیرت سے قصرِ شاہی کی سنہری بُرجیوں اور سنگ زرد کی بارہ دریوں کو دیکھ کر اپنے باپ سے پوچھا تھا۔

''بابا! یہ مکان کس کا ہے؟''

اُس کے باپ نے کہا تھا۔ ''بیٹا! یہ مصر کے بادشاہ کا محل ہے۔ اس میں فرعونِ اعظم رہتا ہے جو خدائے زیوس کا بیٹا ہے۔''

''بابا! ہم اس محل میں کیوں نہیں رہتے؟''

اس کے جواب میں شعبان کے باپ نے کہا تھا۔ ''بیٹا! ہم رب فرعون کے غلام ہیں۔ اس کی رعایا ہیں۔ ہم تو خواب میں بھی ان محلات میں نہیں جا سکتے۔''

اور شعبان فرعون کے قصرِ شاہی کے مناروں، بُرجوں اور چمکتی بارہ دریوں کو دُور سے تکتا ہوا اپنے باپ کے ساتھ آگے گزر گیا تھا۔

شعبان بچپن ہی سے کم گو اور کم آمیز لڑکا تھا۔ بستی میں اُس کے کئی ہم عمر لڑکے تھے مگر شعبان کی دوستی صرف طاغوت نام کے لڑکے کے ساتھ تھی۔ طاغوت کا باپ کھجور کی چھال سے ڈیورا شراب بنا کر شہر میں فروخت کرتا تھا۔ ڈیورا ایک مشروب تھا جو اُس زمانے کی بیئر تھی۔ اس میں نشہ بہت کم ہوتا تھا اور یہ مشروب مصر کے عوام میں بڑا مقبول تھا۔ طاغوت عمر میں شعبان سے دو سال بڑا تھا اور بڑے چوڑے ہڈ کاٹھ کا لڑکا تھا۔ وہ شعبان کے مقابلے میں زیادہ دلیر اور نڈر تھا اور ذرا ذرا سی بات پر بستی کے لڑکوں کو پیٹ ڈالتا تھا۔ بستی کے لڑکے اُس سے بڑا ڈرتے تھے۔ طاغوت کی صحبت کی وجہ سے شعبان میں بھی تھوڑی بہت دلیری آ گئی تھی مگر وہ فطرتاً امن پسند اور شرمیلا تھا اور بستی میں دوسرے لڑکوں کے ساتھ مار دھاڑ میں وہ حصہ نہیں لیتا تھا۔

شعبان کے باپ اور اُس کی والدہ سمارا کو طاغوت کے ساتھ شعبان کی دوستی پسند نہیں تھی اور جالوت نے کئی بار شعبان کو منع کیا تھا کہ وہ طاغوت سے زیادہ ملا جلا نہ کرے۔ لیکن شعبان کو معلوم نہیں طاغوت کی کون سی شے پسند آ گئی تھی کہ وہ اُس سے ملے بغیر نہیں رہتا تھا۔ طاغوت کے علاوہ شعبان کو سائنا بھی بڑی اچھی لگتی تھی۔ سائنا کا مکان شعبان کے مکان کے پچھواڑے تھا۔ وہ بھی شعبان کی ہم عمر تھی اور اُس کا باپ کوزہ گر تھا اور مٹی کے برتن بنا کر، اُنہیں پکا کر اُن پر نیلا رنگ پھیر کر انہیں بازار میں فروخت کرتا تھا۔ سائنا کی آنکھیں سیاہ اور چمکیلی تھیں جو شعبان کو بڑی پسند تھیں لیکن اپنی شرمیلی طبیعت کی وجہ سے وہ سائنا سے زیادہ نہیں ملتا تھا۔ ملتا بھی تھا تو زیادہ باتیں سائنا ہی کرتی، شعبان زیادہ تر خاموش رہتا۔

دریائے نیل بستی کے قریب ہی بہتا تھا۔ طاغوت اور شعبان کھیلنے کے لئے اکثر دریا پر نکل جاتے۔ طاغوت نے ایک غلیل بنا رکھی تھی۔ وہ اس سے پرندوں کا شکار کرتا۔ شعبان اُسے معصوم پرندوں کو مارنے سے منع کرتا تو وہ ہنس کر کہتا۔

''دیوتاؤں نے پرندے اسی لئے بنائے ہیں کہ ان کا شکار کیا جائے اور انہیں بھون کر کھایا جائے۔ اس طرح دیوتا بڑے خوش ہوتے ہیں۔''

طاغوت کے باپ کی دو کشتیاں تھیں جن پر شراب کے مٹکے لاد کر وہ شہر لے جایا کرتا تھا۔ ان میں ایک چھوٹی سی کشتی تھی۔ کبھی کبھی طاغوت اس کشتی پر دریا کی سیر کرنے نکل جاتا۔ شعبان بھی اُس کے ساتھ ہوتا۔ وہ مچھلیاں پکڑتے اور دریا کنارے کسی جگہ آگ جلا کر انہیں بھون کر مزے سے کھاتے۔ کسی روز شعبان اپنے دوست طاغوت کے ساتھ دارالحکومت تھیبز کے بازاروں اور باغوں کی سیر کرنے بھی نکل جاتا۔ بازاروں میں ہر قسم کی چیزیں بک رہی ہوتی تھیں۔ پھلوں کی دُکانوں کے باہر تربوز، انار اور خربوزوں کے ڈھیر لگے ہوتے۔ زیتون کا تیل بیچنے والوں نے زیتون کے تیل سے بھرے ہوئے بڑے بڑے مٹکے دُکانوں کے باہر تک لگا رکھے ہوتے۔ کپڑا بیچنے والوں کی دُکانیں ملک شام اور بابل کے ریشمی پارچات سے بھری ہوئی ہوتیں۔ قالینوں کی دُکانوں کے اندر اور باہر بابل کے شکارگاہ کے ڈیزائنوں والے اور ایتھوپیا کی محنت کش دیہاتی لڑکیوں کے ہاتھ سے بُنے ہوئے شوخ رنگ والے قالین لٹک رہے ہوتے۔ گھریلو استعمال کے اور آرائشی ظروف فروخت کرنے والوں کی دُکانیں ہر قسم کے رنگین، پھول دار اور خوشنما برتنوں سے سجی ہوئی ہوتیں۔ ان میں عام گھریلو استعمال کی مٹی کی صراحیاں، مٹکے، کوزے، کٹورے بھی ہوتے اور سنگ مرمر کے پیالے، رکابیاں اور گلدان بھی ہوتے جن پر نیلے رنگ سے پھول بنے ہوتے۔ نیلا رنگ قدیم مصر کے لوگوں کا قومی رنگ تھا۔ آج سے ساڑھے تین ہزار برس پہلے مصر کے ہنرمندوں کو شیشہ گری کا فن آ گیا تھا۔ وہ دریائے نیل کی ساحلی ریت کو سکھا کر اسے بڑے بڑے مٹکوں میں ڈال کر آگ پر اتنا گرم کرتے کہ ریت کے اندر قدرتی چاندی اور ابرق کے ذرات پگھل کر ریت کے ذروں سے الگ ہو جاتے۔ اس پگھلے ہوئے مواد سے مصری ہنرمند شیشے کے گلاس، صراحیاں، گلدان اور اُمراء کے گھروں میں استعمال ہونے والے ظروف اور آرائشی سامان تیار کرتے۔ کھانے پینے کی دُکانوں کے باہر زیتون کے تیل میں تلی جانے والی مچھلیوں کی مسالے دار مہک پھیلی ہوتی۔ ان میں دریائے نیل سے پکڑی ہوئی مچھلی بھی ہوتی، سوڈان کی بڑی اور سیاہ فام مچھلی بھی ہوتی اور بحیرہ روم کے کیکڑے، جھینگے اور دوسری سمندری مچھلیاں بھی ہوتیں۔ لوگ دُکان کے اندر اور دُکان کے باہر لکڑی کے تختوں پر بیٹھے مزے لے لے کر خمیری روٹیوں کے ساتھ مچھلی کھاتے نظر آتے۔ ساتھ والی دُکان میں تنور کے اندر خمیری روٹیاں لگ رہی ہوتیں۔ نانبائی

تنور پر جھک کر اندر روٹیاں بھی لگاتا اور پکی ہوئی روٹیاں لمبی سلاخوں سے تنور سے باہر بھی نکالتا جاتا۔ سرخ سرخ گرم گرم خمیری روٹیاں تنور سے باہر نکلتیں تو گاہک جلدی جلدی انہیں سمیٹنے لگتے۔ آس پاس کے گھروں سے آئی ہوئی کم سن بچیاں ہاتھوں میں ٹوکریاں پکڑے پیچھے کھڑی رہ جاتیں۔ ان کی باری سب سے آخر میں آتی۔ اس دوران بازار میں سے کئی پھیری لگانے والے بھی گزر جاتے۔ کوئی ٹھنڈے پانی کی مشک بغل میں دبائے، تانبے کے کٹورے بجاتا "ٹھنڈا یخ پانی" کی صدا لگاتا گزر جاتا۔ کوئی گلے میں لٹکی ہوئی جھابڑی میں مصر کے باہر سے سبز اور اندر سے سرخ میٹھے اور رس دار تربوزوں کی قاشیں سجائے آواز لگاتا نکل جاتا۔ سلے ہوئے کپڑے فروخت کرنے والا اپنے کندھوں پر نیلے رنگ کے لمبے لمبے کرتے ڈالے، ہاتھوں میں دریائے نیل کے نازک سرکنڈوں سے بنائی ہوئی دُھوپ سے بچانے والی سفید اور نیلی ٹوپیاں لئے صدا لگاتا گزر جاتا۔ اس دوران بازار سے اگر کسی امیر کی سواری گزرتی یا فرعون کی شاہی سپاہ کا کوئی افسر گھوڑے پر سوار لمبی تلوار کمر سے لٹکائے گزرتا تو لوگ جلدی سے بازار خالی کر دیتے اور دُکانوں کے باہر کھڑے ہو کر امیر کی سواری اور فوجی افسر کو گزرتے دیکھتے اور سروں کو جھکا جھکا کر ان کی تعظیم کرتے۔ ہر بازار میں ایک آدھ ڈیورا شراب یا بیئر کی دُکان ضرور ہوتی تھی اسے آپ مے خانہ کہہ سکتے ہیں۔ وہاں دُکان کے اندر ہاؤ ہو کا شور مچا رہتا۔ شراب بیچنے والا ڈیورا شراب سے بھرے لکڑی کے بڑے سے بُھٹل کے سامنے بیٹھا گاہکوں کو مٹی کے پیالوں میں شراب بھر بھر کر دے رہا ہوتا۔ لوگ بے دریغ یہ مشروب پیتے۔ یہ قدیم مصر میں غریبوں کا مشروب کہا جاتا تھا۔ یوں سمجھ لیں کہ دو پیسے میں ایک بھرا ہوا پیالہ مل جاتا تھا۔ اس مشروب میں نشہ بہت کم ہوتا تھا۔ لیکن شراب آخر شراب ہوتی ہے۔ زیادہ پی جانے سے جب کوئی گاہک نشے میں دُھت ہو جاتا اور واہی تباہی بکنے لگتا تو دُکان دار کے ہٹے کٹے حبشی غلام اُسے اُٹھا کر دُکان کے باہر پھینک دیتے۔ نشے میں دُھت شرابی کچھ دیر تو بازار میں ہی پڑا رہتا، پھر اپنے آپ کو بمشکل سنبھالتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوتا، ڈولتے ہوئے سر کو اِدھر اُدھر گھما کر آس پاس کھڑے لوگوں کو دیکھتا اور ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ ایک طرف کو چل دیتا۔

سنگ تراشوں کی دُکانیں قسم قسم کے دیوی دیوتاؤں کے چھوٹے بڑے مجسموں اور مورتیوں سے سجی ہوئی ہوتی تھیں۔ قدیم مصر میں دو ایک ہی بڑے دیوتا تھے، باقی ان گنت

چھوٹے دیوتا اور دیویاں تھیں جن کی اہل مصر پوجا کرتے تھے۔ ان میں سمندر کے اور خشکی کے جانور، پرندے اور درندے شامل تھے۔ سانپوں کے علاوہ کتے بلیوں کو بھی مقدس دیوتا سمجھ کر ان کی پوجا کی جاتی تھی۔ آٹا، دال، چاول اور دیگر مسالے فروخت کرنے والوں کی دُکانوں پر گاہکوں کا ہجوم ہوتا جن میں زیادہ تعداد گھریلو نوکروں اور نوکرانیوں کی ہوتی۔ گیہوں اور چاول اہل مصر کی پسندیدہ اور خاص خوراک تھی۔ گرم مسالے مصر کی وادی نیل میں بھی کاشت کئے جاتے تھے اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک سے بھی درآمد کئے جاتے تھے۔ تھیبز کے بازاروں میں ایک آدھ دُکان ایسی بھی نظر آ جاتی تھی جہاں غریب اور متوسط گھرانوں کی لاشوں کو حنوط کرنے کے واسطے رال، گوند، راب اور کافور فروخت ہوتا تھا۔ عام طور پر لوگ ان دُکانوں سے کترا کر گزرتے تھے۔

قدیم مصر کا دارالحکومت تھیبز وسیع و کشادہ علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔ ان میں اُمراء کے مکانات اور حویلیاں بھی تھیں جن کے باہر حبشی غلام پہرہ دیتے تھے اور درمیانے طبقے کے ایک منزلہ مکان بھی تھے۔ گھروں کے آگے صحن کے لئے جگہ چھوڑ دی جاتی جہاں اپنی پسند کا کوئی درخت اور پھول پودے لگائے جاتے۔ شہر کے پارکوں اور باغوں میں کھجور کے درختوں کے جھنڈ نیل کی طرف سے آنے والی ہواؤں میں جھوم رہے ہوتے۔ باغوں میں بچے کھیلتے نظر آتے۔ پارکوں میں کہیں کوئی مداری تنی ہوئی رسّی پر چلنے کا تماشہ دکھا رہا ہوتا اور کہیں کوئی سیاہ فام سپیرا بین کی دُھن پر پھن دار سانپ کو نچا رہا ہوتا۔ شاہراہ پر سے اُمراء یا شاہی خاندان کی خواتین کی سواری گزرتی تو لوگ ادب سے سر جھکا کر سڑک کے کنارے کنارے کھڑے ہو جاتے۔ کسی کی مجال نہ ہوتی کہ وہ آنکھ اُٹھا کر دیکھے۔ تھیبز کے ہیکل اعظم کا کوئی کاہن اپنے ہوادار تخت پر بیٹھا گزرتا تو لوگ گھٹنوں کے بل جھک جاتے اور سر جھکا کر دونوں بازو آگے ڈال دیتے۔ کاہن کے تخت کو غلاموں نے کاندھوں پر اُٹھایا ہوتا۔ کاہن کے ہاتھ میں عصا ہوتا جس کے سرے پر آمون دیوتا کی شکل بنی ہوتی۔ آگے آگے ڈھول اور نفیریاں بجانے والے چل رہے ہوتے۔ پیچھے ہیکل اعظم کی دیوداسیاں ہاتھ باندھے چل رہی ہوتیں۔

رات کے وقت فصیل شہر کے دروازے بند کر دیئے جاتے۔ بازاروں، پارکوں اور باغوں میں مشعلیں روشن کر دی جاتیں۔ شہر کی حفاظت کرنے والی پولیس کے سپاہی

گھوڑوں پر سوار ساری رات شہر کے سنسان بازاروں میں گشت کرتے اس کے باوجود رات کو شہر میں چوری کی وارداتیں ہو جاتی تھیں۔ پکڑے جانے پر چوروں کو عبرت ناک سزا دی جاتی۔ ہیکل اعظم اور دیوی دیوتاؤں کے دیگر معبدوں میں چوری کی واردات ہو جاتی اور چور پکڑا جاتا تو کاہن اعظم کے حکم سے اُسے کھولتے ہوئے تیل کے کڑاہے میں ڈال دیا جاتا تھا۔ دیوی دیوتاؤں اور کاہن اعظم اور فرعون کی بے ادبی کرنے والے کی کھال کھینچ کر اس میں بُھس بھر کر شہر پناہ کے دروازے پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ فصیل شہر کے اندر رات کے شروع میں، پھر آدھی رات کو اور پھر پو پھٹے گجر بجتا تھا۔ شہر پناہ کی فصیل ایک گرانڈیل قلعے کی دیوار کی طرح تھی جس کے اوپر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مورچوں کی شکل کی بُرجیاں بنی ہوئی تھیں۔ ان بُرجیوں میں فوج کے اسلحہ بردار سپاہی رات کو پہرہ دیتے تھے۔ شہر کی فصیل اتنی چوڑی تھی کہ اس پر چھ گھوڑے ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملائے دوڑ سکتے تھے۔ جگہ جگہ فصیل کے اوپر تیل سے بھرے ہوئے کڑاؤ چولہوں پر رکھے ہوتے تھے۔ چولہوں کے نیچے آگ نہیں جل رہی ہوتی تھی۔ دشمن کی فوج کو دُور سے دیکھتے ہی ان چولہوں کے نیچے آگ روشن کر دی جاتی تھی اور تیل کو خوب گرم کیا جاتا تھا۔ دشمن کی فوج اگر فصیل شہر پر سیڑھیاں لگا کر چڑھنے کی کوشش کرتی تو تیل کے کڑاؤ میں سے کھولتے ہوئے تیل کو بڑی بڑی پچکاریوں کے ذریعے اوپر سے نیچے دشمن کے سپاہیوں پر ڈال کر انہیں ہلاک کر دیا جاتا تھا۔

جس روز شعبان اپنے دوست طاغوت کے ساتھ دارالحکومت کے بازاروں کی سیر کرنے یا شہر کے پارکوں اور باغوں میں کھیلنے آتا تو طاغوت اس بازار میں ضرور جاتا جہاں ڈیورا شراب کی دُکان تھی۔ دُکان پر جا کر وہ ڈیورا مشروب کا ایک پیالہ ضرور پیتا۔ دُکان کا مالک جانتا تھا کہ طاغوت شراب بنانے والے کا بیٹا ہے، وہ اُس سے شراب کے پیسے نہیں لیتا تھا۔ طاغوت نے کئی بار شعبان کو بھی اپنی شراب نوشی میں شریک کرنے کی کوشش کی لیکن شعبان نے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ وہ طاغوت کو بھی نشہ کرنے سے منع کرتا۔ لیکن طاغوت اُلٹا شعبان کا مذاق اُڑاتا اور کہتا۔

”تم میں مردوں والی ایک بھی بات نہیں ہے۔ تمہیں تو عورت ہونا چاہئے تھا۔“

لیکن شعبان کو شراب کی بدبو سخت ناپسند تھی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ شراب کی دُکان میں بیٹھ

کر طاغوت نے شراب کے تین چار پیالے چڑھا لئے اور اُسے نشہ ہو گیا اور شعبان اُسے بڑی مشکل سے سنبھالتا ہوا اُس کے گھر لایا۔ طاغوت کا باپ جو شراب بناتا تھا، خود بھی ہر وقت نشے میں رہتا تھا۔ وہ طاغوت کو نشے میں دیکھ کر اُسے پیٹنے کی بجائے دو چار گالیاں دے کر خود بھی شراب کا ایک پیالہ چڑھا لیتا۔ باپ کی طرف سے روک ٹوک نہ ہونے سے طاغوت کی عادتیں زیادہ بگڑ گئی تھیں۔ اس چھوٹی عمر میں ہی وہ کبھی کبھی چھوٹی موٹی چوری بھی کر لیا کرتا۔ کبھی باپ کے گلے میں سے پیسے چرا لیتا، کبھی دُکاندار کی آنکھ بچا کر دُکان پر سے کوئی چیز اُٹھا لیتا۔ دارالحکومت کے باہر ایک بہت بڑی کارواں سرائے تھی جہاں باہر سے آنے والے قافلے آکر ٹھہرا کرتے تھے۔ ایک دفعہ طاغوت ایک سوداگر کے مال میں سے چاندی کا ایک گلدان چرا کر بھاگا تو پکڑا گیا۔ کارواں سرائے کے آدمیوں نے طاغوت کی خوب مرمت کی اور اُسے کوتوالِ شہر کے حوالے کرنا چاہتے تھے مگر رحم دل سوداگر نے طاغوت کو معاف کر دیا۔

طاغوت دو تین دن تک اپنے جسم پر لگی ہوئی چوٹوں کو سینکتا رہا۔ اُس کے شرابی باپ نے پوچھا کہ یہ چوٹیں کیسے لگی ہیں تو طاغوت نے کہا کہ درخت پر سے گر پڑا تھا۔ طاغوت کا باپ شرابی ہونے کی وجہ سے اپنے کاروبار کی طرف پوری توجہ نہیں دے سکتا تھا چنانچہ وہ جتنا مال تیار کرتا، اس کی آمدنی سے بمشکل اُس کا گزارا چلتا تھا۔ جبکہ شعبان کا باپ بڑا محنتی اور ذمہ دار سنگ تراش اور طبیب تھا۔ وہ دُور دراز جنگلات سے جڑی بوٹیاں تلاش کر کے لاتا، اُن کی دوائیاں تیار کرتا، ان دوائیوں سے مریضوں کا علاج کرتا۔ اس کے علاوہ پتھر کی مورتیاں بھی بناتا اور کتبے بھی لکھتا۔ شعبان کا باپ جالوت بڑا خوش خط تھا۔ اس زمانے کی مصری زبان میں وہ اتنی خوشخطی سے پتھر کی تختیوں اور کتبوں پر سیاہ برش سے عبارت لکھتا کہ لوگ دیکھتے رہ جاتے۔ امیر لوگ اپنے خاندان کا شجرہ نسب اور تختیوں پر اپنے آباؤ اجداد کے سلسلہ وار نام لکھوانے جالوت کے پاس ہی آتے۔ متوسط طبقے کے لوگ اپنے عزیزوں کی قبروں پر کتبے لکھوانے بھی جالوت کے مکان کا ہی رُخ کرتے۔ اس طرح جالوت کو کافی آمدنی ہو جاتی تھی اور وہ اپنی بیوی سارا اور بیٹے شعبان کے ساتھ بڑی خوش حالی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ طاغوت اکثر شعبان سے پیسے بٹورتا رہتا تھا۔ شعبان چونکہ طاغوت کو اپنا پیارا دوست جانتا تھا اس لئے وہ اُسے خوشی خوشی پیسے دے دیتا تھا۔

کسی روز دونوں دوست طاغوت اور شعبان سیر سپاٹا کرتے شہر کے سب سے بڑے معبد ہیکل اعظم کی طرف نکل جاتے۔ ہیکل اعظم قدیم مصر کے دارالحکومت کا سب سے بڑا معبد تھا۔ اس میں مصریوں کے سب سے بڑے دیوتا آمون کا بہت بڑا بُت نصب تھا۔ اس بُت کی چوبیس گھنٹے دن رات پوجا ہوتی تھی۔ معبد کے جس بڑے ہال کمرے میں آمون کا دیو پیکر مجسمہ نصب تھا، اس کی چھت پر سونے چاندی کے تاروں سے گل بوٹے بنے ہوئے تھے اور بڑے بڑے جھاڑ فانوس سونے کی زنجیروں کے ساتھ لٹکے ہوئے تھے جو دن رات روشن رکھے جاتے تھے۔ آمون کے بت کے چبوترے کی دیواروں پر زرد اور نیلے رنگوں کی خوشنما چمکیلی ٹائلیں لگی تھیں۔ چبوترے کے چاروں کونوں پر سونے چاندی کے کنول کے کھلے ہوئے پھولوں کی شکل کے بڑے بڑے پیالے رکھے تھے جن میں دن رات عود و عنبر اور دیگر خوشبو دار بخور سلگتے رہتے تھے۔ ہال میں دونوں جانب بڑے بڑے مرمریں ستونوں پر بھی آمون کی مورتیاں لگی ہوئی تھیں۔ ہال کمرے میں بابل و نینوا کے رنگین ریشمی قالینوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ آمون دیوتا کے بڑے بت کے قدموں میں نیل کے کنارے اُگنے والے نیلے، سفید اور گلابی کنول کے پھولوں کا ڈھیر لگا رہتا تھا۔ شام کے وقت باسی پھولوں کو ہٹا کر وہاں تازہ پھول لا کر رکھ دیئے جاتے۔

ہیکل اعظم کے دروازے کے باہر دونوں جانب صومالیہ اور سوڈان کی پھول بیچنے والی کنواری لڑکیاں بیٹھی ہوتی تھیں۔ دریائے نیل کے تازہ کنول پھول انہوں نے ڈنٹھلوں سمیت ٹھنڈے پانی سے بھرے ہوئے مٹی کے تسلوں میں ڈال رکھے ہوتے۔ آمون دیوتا کی پوجا کرنے والے ان سے پھول خریدتے اور معبد میں جا کر دیوتا آمون کے قدموں میں رکھ دیتے۔ یہ دیہاتی لڑکیاں ہوتی تھیں۔ طاغوت اپنی عادت سے مجبور ہو کر ان لڑکیوں سے اکثر چھیڑ خانی کرنے لگتا۔ بعض لڑکیاں شرما کر خاموش رہتیں، بعض شوخ لڑکیاں طاغوت کو ڈانٹ دیتیں اور کہتیں۔

"یہ شوخیاں جوان ہو کر دکھانا۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔"

لیکن طاغوت پر ان کی ڈانٹ ڈپٹ کا کوئی اثر نہ ہوتا اور شعبان کے منع کرنے کے باوجود وہ لڑکیوں کے تسلوں میں سے ایک دو پھول اُٹھا کر بھاگ جاتا۔ شعبان بھی لڑکیوں کی مار پیٹ کے ڈر سے دوسری طرف بھاگ جاتا۔

طاغوت کی بے راہ روی کا سلسلہ جاری رہا۔ باپ نے اُس کی تربیت کیا کرنی تھی، باپ خود شراب کے نشے میں دُھت رہتا تھا۔ طاغوت بگڑتا چلا گیا۔ اب وہ راتوں کو گھر سے غائب رہنے لگا۔ باپ اگر پوچھتا تو طاغوت اُسے بدتمیزی سے پیش آتا۔ ایک بار جب اُس نے باپ کو پیٹنے کی کوشش کی تو باپ نے اُس سے یہ پوچھنا بھی چھوڑ دیا کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کہاں سے آتا ہے۔

دوسری طرف شعبان اپنے سنگتراش باپ کا اُس کے کام میں برابر ہاتھ بٹاتا۔ جڑی بوٹیاں اکٹھی کرنے اُس کے ساتھ جنگل میں جاتا۔ دوائیاں تیار کرنے میں اُس کی مدد کرتا۔ اُس نے بچپن ہی میں سنگ تراشی بھی سیکھ لی تھی اور مختلف بیماریوں کا مختلف جڑی بوٹیوں سے علاج کرنا بھی اُسے آ گیا تھا۔ طاغوت کی بری عادتوں کی وجہ سے شعبان نے اُس سے ملنا جلنا کم کر دیا تھا۔ ویسے بھی طاغوت اب گھر پر کم ہی نظر آتا تھا۔ خدا جانے کہاں کہاں آوارہ گردی کرتا رہتا تھا۔ شعبان کی ساری توجہ اپنے باپ کا ہنر سیکھنے کی طرف ہو گئی تھی۔ بستی کے کوزہ گر کی لڑکی سائنا میں بھی اُس نے دلچسپی لینا چھوڑ دی تھی۔

وقت گزرتا چلا گیا...... شعبان جوان ہو گیا۔

وہ بڑا خوبصورت اور صحت مند تھا۔ اُس کے ماں باپ بوڑھے ہو گئے تھے۔ شعبان اب خود جنگل میں جڑی بوٹیاں تلاش کرنے جاتا۔ سنگ زرد اور سنگ مرمر کے پتھر بھی خود دوسرے شہر سے لاتا۔ ماں باپ کی خدمت بھی کرتا۔ چونکہ گھر میں خوشحالی تھی اس لئے شعبان کا باپ اپنے بیٹے کی تعلیم کی طرف سے غافل نہیں رہا تھا۔ شعبان نے لکھنے پڑھنے کے علاوہ اس زمانے میں رائج بابلی اور عبرانی زبانوں پر بھی عبور حاصل کر لیا تھا۔ اُس کے ماں باپ بیمار رہنے لگے۔ شعبان دن رات ان کے علاج معالجے اور خدمت میں مصروف رہتا لیکن ان کی بیماری دُور نہ ہوئی۔ اور پھر پہلے شعبان کی والدہ سارا فوت ہوئی اور اس کے دو دن بعد اُس کا باپ جالوت بھی انتقال کر گیا۔ وفات سے کچھ دیر پہلے جالوت نے شعبان کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور کمزور آواز میں کہنے لگا۔

''بیٹا! میں جانتا ہوں میرا اس دنیا سے جانے کا وقت آ گیا ہے۔ لیکن جانے سے پہلے میں تم پر وہ راز ظاہر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جسے میں نے آج تک اپنے سینے میں دفن کر رکھا ہے۔''

شعبان نے اپنے باپ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے رکھا تھا اور ایک احساسِ تجسس کے ساتھ اپنے باپ کے چہرے کو تکتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ ایسا کون سا راز ہے جسے اُس کے باپ نے آج تک اس کو نہیں بتایا؟ جالوت نے دو تین گہرے سانس لئے اور بولا۔

''بیٹا! میں تمہیں یہ راز بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن تمہیں بتائے بغیر میں مرنا بھی نہیں چاہتا۔ بیٹا! تم ہمارے حقیقی بیٹے نہیں ہو۔''

اور پھر بوڑھے جالوت نے شعبان کو سارا واقعہ سنایا کہ کس طرح وہ اپنی بیوی کے ساتھ سوڈان سے پتھر لے کر دریائے نیل کے کنارے واپس آ رہا تھا کہ انہیں کسی نومولود بچے کے رونے کی آواز آئی۔ وہ اُونٹنی سے اُتر کر دریا پر گئے تو سرکنڈوں کی چھال سے بنی ہوئی ایک چھوٹی سی کشتی دریا کی لہروں پر بہتی کنارے کی جھاڑیوں میں لگی ہوئی تھی اور اس میں ایک نوزائیدہ بچہ لیٹا رو رہا تھا۔

''ہم اُسے اُٹھا کر گھر لے آئے۔ ہمارے کوئی اولاد نہیں تھی۔ ہم نے اُسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ وہ نوزائیدہ بچہ تم تھے......''

شعبان کے ہونٹ حیرت سے کھلے تھے۔ جو کچھ اُس نے بوڑھے جالوت کی زبانی سنا، اس پر اُسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے تو جالوت کو ہمیشہ اپنا باپ سمجھا تھا۔ بوڑھا جالوت شعبان کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے کہا۔

''مگر بیٹا! ہم نے تمہیں اپنا بیٹا سمجھ کر ہی پالا ہے۔ میں اب بھی تمہیں اپنا بیٹا ہی سمجھتا ہوں۔ لیکن جو اصل حقیقت ہے اسے تمہارے آگے بیان کئے بغیر اس دنیا سے رخصت نہیں ہو سکتا۔ شاید یہ بات مجھے بہت پہلے تمہیں بتا دینی چاہئے تھی۔ لیکن میرا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ اس کے لئے مجھے معاف کر دینا۔''

شعبان نے بوڑھے جالوت کے دونوں کمزور ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر انہیں عقیدت سے بوسہ دیا اور بولا۔

''بابا جان! میں نے ہمیشہ آپ کو اور والدہ کو اپنے ماں باپ ہی سمجھا ہے۔ میرے دل میں آپ کے لئے جو محبت اور عقیدت ہے وہ مرتے دم تک قائم رہے گی۔''

بوڑھے جالوت نے آنکھیں بند کر لیں۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ اگرچہ شعبان جالوت کو ہی اپنا باپ سمجھتا رہا تھا لیکن باپ کی زبانی یہ سن کر کہ وہ اس کے حقیقی ماں باپ

نہیں ہیں، شعبان کو بڑا جذباتی صدمہ پہنچا تھا۔ اُس کا ذہن اس اُلجھن میں مبتلا تھا کہ اگر یہ اس کے ماں باپ نہیں ہیں تو اس کے اصلی ماں باپ کون تھے اور وہ کون سے حالات تھے جن سے مجبور ہو کر انہیں اپنے لختِ جگر کو پیدا ہوتے ہی دریا کی لہروں کے سپرد کرنا پڑا۔ شعبان نے دھیمی آواز میں بوڑھے جالوت سے پوچھا۔

"بابا جان! آپ نے معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ میرے ماں باپ کون تھے؟"

مگر بوڑھے جالوت نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کی رُوح پرواز کر چکی تھی۔ شعبان نے اپنا سر بوڑھے جالوت کے سینے پر رکھ دیا اور دیر تک آنسو بہاتا رہا۔ اُس کے دل میں غم کے دو گہرے گھاؤ تھے۔ ایک غم اُس کے باپ کے بچھڑ جانے کا تھا جس نے اُسے اپنے بیٹے کی طرح محبت سے پالا پوسا تھا اور دوسرا غم یہ تھا کہ اُسے اپنے حقیقی ماں باپ کا کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کون تھے اور انہوں نے اسے پیدا ہوتے ہی دریا کی بے رحم لہروں کے حوالے کیوں کر دیا تھا۔ شعبان کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا۔ اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا، اُس کے پیچھے اُس کی بچپن کی ساتھی کوزہ گر کی بیٹی سائنا کھڑی تھی۔ سائنا بھی اب جوان ہو چکی تھی اور دل میں اندر ہی اندر شعبان سے پیار کرتی تھی۔ دونوں ایک لمحے کے لئے ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے تکتے رہے۔ دونوں کے چہرے غمزدہ تھے۔ سائنا نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے بابا جان کے جدا ہونے کا بڑا دُکھ ہے۔"

شعبان نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُسی روز شعبان بوڑھے جالوت کی لاش کو حنوط گھر لے گیا جہاں اپنی حیثیت کے مطابق لاش کو حنوط کروایا اور لاش کی ممی کو تابوت میں بند کر کے متوسط طبقے کے قبرستان میں جالوت کی بیوی کے پہلو میں سپردِ خاک کر دیا۔

قبرستان سے واپس اپنے گھر آیا تو اُسے زندگی میں پہلی بار شدید تنہائی کا احساس ہوا۔ اُسے محسوس ہوا کہ وہ دنیا میں اکیلا رہ گیا ہے۔ اُس کا ایک ہی دوست طاغوت تھا اور وہ اپنے باپ کا گھر چھوڑ کر غائب ہو چکا تھا۔ شعبان کا ذہن ہر لمحے اسی اُلجھن میں مبتلا رہتا کہ اُس کے ماں باپ کون تھے؟ جب اُسے اس اُلجھن کا کوئی حل دکھائی نہ دیا تو اُس نے ساری توجہ اپنے کاروبار کی طرف لگا دی۔ وہ بڑی محنت سے کام کرتا۔ سنگ تراشی میں نئی نئی جدتیں پیدا کرنے کی کوشش کرتا۔ اُس کی لکھائی بوڑھے جالوت سے بھی زیادہ

خوبصورت تھی۔ وہ کتبوں اور تختیوں پر ایسی دلکش لکھائی کرتا اور ایسے نئے نئے گل بوٹے بناتا کہ لوگ حیران رہ جاتے۔ شعبان کے ہنر کی شہرت مصر کے علاوہ مصر کے مقبوضہ صوبوں میں بھی پھیل گئی۔ لوگ دُور دُور سے اپنے کتبے اور تختیاں شعبان سے لکھوانے آتے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ شعبان نے جڑی بوٹیوں سے دوائیاں تیار کر کے بیماروں کا علاج کرنے کا کام بھی جاری رکھا۔ قدرت نے اُس کے ہاتھ میں ایسی شفا عطا کر رکھی تھی کہ ہر مریض اُس کی دوائی سے اچھا ہو جاتا۔ اُس کی شہرت ملک میں دُور دُور تک پھیل گئی۔ شعبان نے کچھ ملازم بھی رکھ لئے جو سنگ تراشی اور دوائیاں تیار کرنے میں اُس کی مدد کرتے۔ اُس کی آمدنی میں اضافہ ہوتا گیا۔

ایک بار اُس سے چھپ چھپ کر پیار کرنے والی سائنا بیمار پڑ گئی تو شعبان دوائیوں کا بکس کندھے سے لٹکا کر اُس کا علاج کرنے خود اُس کے مکان پر گیا۔ سائنا بستر پر لیٹی تھی۔ شعبان کو دیکھ کر اُس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ شعبان اُس کے قریب ہو کر سٹول پر بیٹھ گیا اور اُس کی نبض دیکھنے لگا۔ سائنا پیار بھری نگاہوں سے شعبان کو دیکھتی رہی۔ شعبان نے نبض دیکھ کر کہا۔

"تمہاری نبض تو ٹھیک چل رہی ہے، مجھے تو تم اچھی بھلی لگتی ہو۔"

سائنا بولی۔ "اگر تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے۔ مجھے کچھ نہیں ہوا۔"

شعبان نے دوائیوں کے بکس میں سے سبز سنگِ مرمر کی ایک بوتل نکالی۔ اُس میں سے تھوڑا سا سفوف نکال کر پیالی میں ڈالا اور اسے پانی میں گھولتے ہوئے بولا۔

"تم پر کچھ ذہنی دباؤ کا اثر ہے۔ زیادہ نہ سوچا کرو۔"

سائنا نے کہا۔ "تم سامنے آجاتے ہو تو پھر میرا ذہن ہلکا ہو جاتا ہے۔"

شعبان، سائنا کی دلی کیفیات کو اچھی طرح سمجھتا تھا لیکن اُس نے سائنا کے اس ذو معنی جملے کو نظر انداز کرتے ہوئے کٹورے میں پانی ڈال کر سائنا سے کہا۔

"یہ سفوف پانی کے ساتھ پی لو۔ کل تک تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔"

سائنا اُسے تکتی رہی۔ منہ سے کچھ نہ کہا۔ شعبان اُٹھ کر جانے لگا تو سائنا نے بے اختیار ہو کر اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ ہاتھ تھام کر بھی خاموش نظروں سے اُسے دیکھتی رہی۔ شعبان اُس کی نگاہوں کی زبان جانتا تھا۔ وہ بھی دل میں اُسے پیار کرتا تھا لیکن اُس کی فطری حیا

داری اور شرمیلی طبیعت اُسے محبت کا اظہار کرنے سے روکتی تھی۔ دونوں کے دلوں کی دھڑکن ایک دوسرے کی محبت میں تیز تر ہو رہی تھی۔ لیکن دونوں کے ہونٹ خاموش تھے۔ زبان چپ تھی۔ مگر خاموش نگاہیں ایک دوسرے سے بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ شعبان نے آہستہ سے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹایا اور کہا۔

"دوائی ضرور پی لینا۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔ سائرہ نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

شعبان کے بچپن کے دوست طاغوت کو گھر سے بھاگے ایک مدت ہو گئی تھی۔ اُس کا شراب ساز باپ انتقال کر چکا تھا۔ ایک روز اچانک طاغوت نمودار ہو گیا۔ اُس کی حالت بالکل بدل چکی تھی۔ اُس نے بڑا قیمتی لباس پہن رکھا تھا، بازوؤں پر زمرد کے بازو بند تھے۔ گلے میں سونے کی ہیکل تھی۔ مخملیں لباس پیچھے لٹک رہا تھا۔ ایک غلام ٹوکری اٹھائے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ شعبان کو گلے لگ کر ملا۔ کہنے لگا۔

"میں اپنے گھر نہیں گیا، سیدھا تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ کیسے ہو تم؟" پھر صحن میں ملازموں کو سنگ تراشی اور دوائیاں تیار کرتے دیکھ کر بولا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کاروبار میں بہت ترقی کی ہے۔ یہ اچھی بات ہے۔ مجھے خوشی ہوئی ہے۔"

پھر اُس نے غلام کو اشارہ کیا۔ غلام ٹوکری لے کر آگے آ گیا۔ طاغوت نے ٹوکری میں سے ریشمی پارچات، ایک شال اور دو بازو بند نکال کر شعبان کو دیئے اور بولا۔

"یہ میں کچھ تحفے تمہارے لئے لایا ہوں۔

شعبان نے پوچھا۔ "تم اتنے دن کہاں رہے؟ کیا کرتے رہے؟ معلوم ہوتا ہے تم نے بھی اپنے کاروبار میں کافی ترقی کر لی ہے۔"

طاغوت قہقہہ لگا کر ہنسا۔ شعبان کے کندھے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "تم نے بالکل ٹھیک کہا۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے باپ سے میرا ہر گھڑی لڑائی جھگڑا رہتا تھا۔ بس اس سے تنگ کر میں ایک قافلے کے ساتھ ملک شام کی طرف نکل گیا۔ شروع شروع میں کافی تکلیفیں اُٹھانی پڑیں۔ لیکن پھر میں نے گھوڑوں کی خرید و فروخت کا کاروبار شروع کر دیا جو دیکھتے دیکھتے چمک اُٹھا۔ اب میں کافی امیر ہو گیا ہوں۔ بولو! تمہیں کچھ چاہئے؟"

شعبان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میرے پاس ضرورت کے مطابق سب کچھ ہے۔" پھر سنجیدہ ہو کر بولا۔ "تم اپنے باپ کی وفات پر بھی نہیں آئے۔"

طاغوت نے بیزاری سے کہا۔ "مجھے خبر مل گئی تھی۔ میں آ کر کیا کرتا؟ نہ اُسے مرنے سے بچا سکتا تھا، نہ اُس کے ساتھ مر سکتا تھا۔" پھر شعبان کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر اُسے آہستہ سے جھنجھوڑتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "اب میں آ گیا ہوں۔ کافی دیر یہاں رہوں گا۔ میرا ارادہ شہر سے باہر ایک نیا مکان خریدنے کا ہے۔ تم سے روزانہ ملنے آیا کروں گا۔"

پھر اُس نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ شعبان سے مصافحہ کیا، اُسے بڑے پُرجوش انداز میں گلے لگایا اور آنکھ مار کر بولا۔ "آج رات کو آؤں گا۔ تم تیار رہنا، تمہیں ایک جگہ لے کر جانا ہے۔" پھر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

طاغوت کے جانے کے بعد شعبان دیر تک سوچتا رہا کہ طاغوت کی عادتیں بالکل ویسی کی ویسی ہیں۔ یہ سن کر اُسے خوشی ہوئی تھی کہ طاغوت سیدھی راہ پر آ گیا ہے اور اُس نے اپنا کاروبار شروع کر رکھا ہے اور شریفانہ زندگی گزار رہا ہے۔

رات کو وعدے کے مطابق طاغوت اپنے رتھ پر سوار ہو کر آ گیا۔ شعبان کا اُس کے ساتھ جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اُس نے انکار کیا تو طاغوت اُسے زبردستی اُٹھا کر لے جائے گا۔ وادیٔ مصر کی وہ رات بڑی پُرسکون تھی۔ آسمان پر ستارے ہیرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی جس میں نیل کنارے کھلے ہوئے کنول کے پھولوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ شعبان رتھ میں طاغوت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ رتھ کے آگے دو گھوڑے جُتے ہوئے تھے۔ طاغوت خود رتھ چلا رہا تھا۔ شعبان نے پوچھا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

طاغوت نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

"ایک خاص جگہ پر جا رہے ہیں۔ تم خوش ہو جاؤ گے۔"

رتھ کچھ دُور تک دریائے نیل کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، پھر کنارے سے ہٹ کر صحرا کے ٹیلوں کی طرف مُڑ گیا۔ دو تین ٹیلوں کو پیچھے چھوڑنے کے بعد ستاروں کی روشنی میں دُور دو تین ٹمٹماتی روشنیاں دکھائی دیں۔ کھجوروں کے ایک دو جھنڈ بھی دُھندلے دُھندلے سے

نظر آ رہے تھے۔ وہاں درختوں کے پیچھے چھ سات حویلی نما مکان بنے ہوئے تھے۔ ہ
مکان کے دروازے کے اوپر ایک روشن فانوس لٹک رہا تھا۔ اپنی وضع قطع سے یہ حویلی
ایک منزلہ مکان بڑے بڑے خوشحال گھرانوں کے لگتے تھے۔ جس مکان کے باہر طاغوت نے
اپنا رتھ روکا اس کے دروازے پر ایک ہٹا کٹا حبشی غلام نیزہ ہاتھ میں لئے چاق و چوبند
کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ طاغوت کو دیکھ کر وہ جلدی سے آگے بڑھا۔ طاغوت اور شعبان
رتھ سے اُترے تو حبشی غلام رتھ کو آگے لے گیا۔ شعبان نے مکان پر ایک نگاہ ڈالی او
خاموش ہو گیا۔ حبشی غلام نے فوراً واپس آ کر دروازہ کھول دیا۔ دونوں دوست حویلی میں
داخل ہو گئے۔

حویلی کے صحن میں جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ صحن کے وسط میں گول حوض تھا جس میں
فوارہ چل رہا تھا۔ صحن سے گزر کر وہ سامنے والے بڑے برآمدے میں آ گئے۔ یہاں بھ
ایک دروازہ تھا جس کی دونوں جانب حبشی غلام پہرہ دے رہے تھے۔ طاغوت کو دیکھتے ہ
انہوں نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا۔ طاغوت، شعبان کی طرف دیکھ کر بڑے فخر سے
مسکرایا اور اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے اندر لے گیا۔ حبشی غلاموں نے اُن کے پیچھے
دروازہ بند کر دیا۔ کمرے میں جگہ جگہ فانوس روشن تھے۔ دیواروں پر باریک ریشم کے سفید
اور نیلے پردے لٹک رہے تھے۔ فرش قیمتی قالینوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ کمرے میں جگہ جگہ
بیٹھنے کے لئے نرم آرام دہ صوفہ نما دیوان پڑے تھے۔ ایک دو صوفوں پر کچھ مہمان بیٹھے تھے
جو اپنی قیمتی پوشاک سے سوداگر لگ رہے تھے۔ باریک لباسوں میں ملبوس کھلے سیاہ بالوں
والی نوجوان خادمائیں چاندی کے طشت اٹھائے مہمانوں کے پیالوں میں شراب ڈال رہی
تھیں۔ کمرے کی فضا مُشک و عنبر کی خوشبوؤں سے معطر ہو رہی تھی۔ طاغوت شعبان کو لے
کر ایک دیوان پر ٹانگیں دراز کر کے بیٹھ گیا۔ انہیں دیکھ کر ایک نازک اندام خادمہ
ہاتھوں میں بھرے ہوئے شراب کے جام رکھے مسکراتی ہوئی اِٹھلاتی ہوئی ان کی طرف
بڑھی۔ اُس نے طاغوت کو شراب کا جام پیش کیا جو اُس نے تھام لیا اور ساتھ ہی نازک
اندام خادمہ کا ہاتھ تھام لیا۔ خادمہ نے بڑی ادا سے جھک کر تعظیم پیش کی اور شعبان کو بھی
ایک جام پیش کیا۔ شعبان نے کہا۔

''میں شراب نہیں پیتا۔''

طاغوت نے شعبان کے کندھے کو ہاتھ سے دباتے ہوئے کہا۔ ''یہ وہ شراب نہیں ہے
جو تم سمجھ رہے ہو۔ خرطوم کے سرخ انگوروں کا عرق ہے۔ پی لو۔''

مگر شعبان نے ہاتھ سے خادمہ کا جام والا ہاتھ پیچھے کر دیا۔ خادمہ مسکراتی ہوئی دوسری
طرف چلی گئی۔ کمرے کی ایک جانب مور کی شکل کا قدیم ساز طاؤس ہاتھی دانت کے تخت
پر رکھا تھا جس کے پاس نیم عریاں لباس میں بیٹھی ہوئی ایک حسینہ اپنی نازک اُنگلیوں سے
اس کے نقرئی تاروں کو چھیڑ رہی تھی۔ طاؤس کے تاروں میں سے دھیمے اور چمکیلے سروں
میں نغمے اُبھر کر فضا کو اور زیادہ مسحور کن بنا رہے تھے۔

ایک دوشیزہ ہاتھوں میں چاندی کا طشت لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ طشت میں
گلاب، چنبیلی، سوسن اور کنول کے پھولوں کے ہار رکھے ہوئے تھے۔ دوشیزہ نے جو باریک
ریشمی لباس پہن رکھا تھا اس میں سے اُس کے جسم کے خدوخال صاف دکھائی دے رہے
تھے۔ وہ سرمگیں آنکھوں سے مسکراہٹوں کی بجلیاں گراتی ایک ایک مہمان کے پاس گئی، اُن
کے گلے میں پھولوں کے ہار حمائل کئے اور جھک کر تعظیم پیش کرتی واپس چلی گئی۔ کمرے
کے وسط میں سنگ مرمر کے ایک ستون پر سیاہ فام بلی کا بت رکھا ہوا تھا جسے قدیم مصریوں
کے سینکڑوں دیوی دیوتاؤں میں سے ایک دیوی سمجھ کر اُس کی پوجا کی جاتی تھی۔ چھوٹے
ستونوں پر سنگ سیاہ کی مورتیاں نصب تھیں جو دیوی دیوتاؤں کے جانوروں کے رُوپ
تھے۔ کمرے کی خوشبوؤں میں بسی ہوئی فضا میں طاؤس کے تاروں میں سے سرور انگیز
موسیقی کے سُر گونج رہے تھے۔ کمرے کے دو بڑے ستونوں کے درمیان باریک جالی دار
پردہ لٹک رہا تھا جس میں سفید اور نیلے موتیوں کی لڑیاں گندھی ہوئی تھیں۔ ایک ہندی
نوجوان کنیز پردے کے پیچھے سے نمودار ہوئی۔ اُس کے سیاہ بالوں کے جوڑے میں کنول کا
سفید پھول لگا تھا۔ اُس نے آہستہ سے پردہ ایک طرف کو ہٹا دیا۔ کمرے میں مے نوشی میں
مشغول مہمانوں کی نگاہیں اُس طرف اُٹھ گئیں۔

دونوں جانب کو ہٹے ہوئے پردے کے درمیان حسن و جمال کی دیوی ایک حسینۂ دل
نواز اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ کھڑی ایک ادائے خاص سے مسکرا رہی تھی۔ اُس
کے حسن بلاخیز نے گویا دیکھنے والوں پر ایک سحر سا طاری کر دیا تھا۔ سب اپنی اپنی جگہوں
سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جنہیں شراب زیادہ چڑھی ہوئی تھی، اُن کے جسم جھول رہے تھے

لیکن وہ حسن کے پاس ادب کے پیش نظر اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھے۔حسن و جمال کی یہ دیوی مصر کے دارالحکومت تھیبز کی سب سے امیر ترین اور حسین ترین طوائف برقہ تھی۔ اُس کے بال موتیوں میں گندھے ہوئے تھے جن کی لڑیاں اُس کے شانوں پر لٹک رہی تھیں۔سر پر ہیرے جواہرات سے جڑا ہوا سونے کا چھوٹا سا تاج تھا جس کے اوپر سانپ کا پھن بنا ہوا تھا۔لمبی سیاہ پلکوں کے نیچے رخساروں پر چھڑکا ہوا غازہ فانوسوں کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ ہاتھ کی اُنگلیوں میں ہیرے جواہرات کی انگوٹھیاں تھیں جن کے سرخ، نیلے اور سبز قیمتی پتھروں میں سے شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔اُس نے اپنی گود میں بلوریں آنکھوں والی سیاہ بلی اٹھا رکھی تھی۔ ہونٹ سرخ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے لگ رہے تھے۔وہ بڑی تمکنت سے قدم قدم چل رہی تھی۔ چلتے ہوئے اُس کے باریک ریشمی لباس میں سے اُس کے جسم کے خدوخال نمایاں ہو کر نظر آنے لگتے تھے۔ ہندی کنیز دوشیزہ اُس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ وہ اس دیوان کے پاس آ کر ایک لمحے کے لئے رُک گئی جہاں حلب اور دمشق سے آئے ہوئے مال دار سوداگر شراب کے سرور میں برقہ کی تعظیم کے لئے کھڑے کھڑے ڈول رہے تھے۔ برقہ نے اُن کی طرف مسکرا کر دیکھا تو عیش پسند سوداگر مخمل کی تھیلیوں میں سے ہیرے جواہرات نکال نکال کر اُس کے قدموں پر نچھاور کرنے لگے۔ برقہ مسکراتی ہوئی اور بلوریں آنکھوں والی بلی کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ پیچھے پیچھے آنے والی ہندی خادمہ ان جواہرات کو سمیٹتی جاتی تھی۔

برقہ کا رُخ اُس دیوان یا صوفے کی طرف تھا جہاں طاغوت اور شعبان برقہ کے خیر مقدم کو ادب سے کھڑے ہو گئے تھے۔ برقہ نے طاغوت کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا، طاغوت نے ایک گھٹنا فرش پر ٹکا کر برقہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنی کمر کی پیٹی کے ساتھ بندھے شیر کی کھال کے چھوٹے سے تھیلے میں سے سفید موتیوں کا ست لڑا ہار نکال کر برقہ کو پیش کیا۔ برقہ نے مسکراتے ہوئے ہار کو اپنے ہاتھ میں لے کر ایک نظر دیکھا اور پھر اُسے ہندی دوشیزہ کے حوالے کرتے ہوئے بولی۔

''طاغوت! اس بار بڑی دیر بعد تم سے ملنا ہوا ہے۔''

دو کنیزیں جلدی سے ایک چھوٹا صوفہ اٹھا کر لے آئیں اور جہاں طوائف برقہ کھڑی تھی، اس کے قریب ہی لا کر رکھ دیا۔ وہ جانتی تھیں کہ ان کی مالکن طاغوت کے پاس کچھ

دیر بیٹھ کر اُس سے باتیں ضرور کرتی ہے۔ برقہ اپنے باریک ریشمی لباس کو سمیٹتی ہوئی صوفے پر بڑے دلنشیں آواز میں بیٹھ گئی۔طاغوت اور شعبان بھی اپنے دیوان پر بیٹھ گئے۔ طاغوت بولا۔''اس بار دیر اس لئے ہو گئی کہ تجارت کے سلسلے میں مال لے کر ملک فارس کی طرف جانا پڑ گیا۔''

برقہ نے اپنی نگاہیں شعبان کی طرف پھیرتے ہوئے طاغوت سے پوچھا۔''تم نے ابھی تک اپنے دوست کا تعارف نہیں کرایا۔''

طاغوت نے شعبان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''یہ میرا بچپن کا دوست ہے۔اس کا نام شعبان ہے۔ یہ بڑا اچھا سنگ تراش ہے۔بس ذرا کچھ زیادہ ہی شرمیلا ہے۔''

برقہ مسلسل شعبان کو تک رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر بڑی دل آویز مسکراہٹ تھی۔ کہنے لگی۔''مجھے شرمیلے نوجوان اچھے لگتے ہیں۔''

برقہ نشیلی آنکھوں سے شعبان کی طرف دیکھ رہی تھی۔شعبان بھی اُسے شرمیلی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس کے دل میں پہلی بار وہ جذبہ بیدار ہوا تھا جس سے وہ یا تو ابھی تک ناآشنا تھا یا اُس نے اس جذبے کو بیدار ہونے کا موقع نہیں دیا تھا۔اس جذبے کو برقہ کے حسن نے کم اور اُس کی پیشہ ورانہ اداؤں نے زیادہ ہوا دی تھی۔حبشی کنیز جام و مینا کا طشت لے کر آئی اور درمیان میں پڑی تپائی پر رکھ دیا۔ برقہ نے گود میں لی ہوئی بلی حبشی کنیز کو دیتے ہوئے خواب آلود آواز میں کہا۔

''سالیکا! اسے لے جاؤ۔''

حبشی کنیز سیامی بلی کو گود میں لے کر چلی گئی۔طشت میں چاندی کے تین پیالے پڑے ہوئے تھے جن پر باہر کی طرف زمرد اور مرجان جڑے ہوئے تھے۔ برقہ نے اپنے ہاتھ سے مینا کا ڈاٹ کھولا اور پیالوں میں مئے ناب ڈالنے لگی۔ طاغوت نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

''برقہ! تمہارا خیال میرے ساتھ رہا۔ یمن کی سنگلاخ پہاڑیوں اور حلب کے صحراؤں میں سفر کرتے ہوئے بھی تمہیں یاد کرتا رہا۔''

برقہ کے حسین لبوں پر ایک معنی خیز تبسم تھا جیسے وہ جان گئی ہو کہ طاغوت جھوٹ بول رہا تھا۔ لیکن برقہ چونکہ خود جھوٹ کا کاروبار کرتی تھی اس وجہ سے اُسے طاغوت کی باتوں پر

کوئی حیرت نہ ہوئی۔ اُس نے جام اُٹھا کر طاغوت کو دیا۔ طاغوت نے جام لے لیا۔ پھر اُس نے شعبان کی طرف سرخ شراب والا پیالہ بڑھایا تو شعبان نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا۔ ’’میں اس چیز کا عادی نہیں ہوں۔‘‘

طاغوت خاموش تھا اور شرارتی نظروں سے شعبان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ برقہ اگر کسی کو شراب پیش کرتی ہے تو وہ انکار نہیں کر سکتا۔ برقہ کا جام والا ہاتھ شعبان کی طرف بدستور بڑھا ہوا تھا۔ شعبان کے انکار پر ایک پل کے لئے برقہ کے چہرے کا رنگ بدلا۔ یہ اُس کی توہین تھی کہ وہ اپنی محفل خاص میں کسی کو شراب پیش کرنے کا شرف عطا کرے اور دوسرا اُسے قبول کرنے سے انکار کر دے۔ دوسرے ہی لمحے برقہ کی پیشہ ورانہ موقع شناسی اُس پر غالب آ گئی۔ برقہ آگے بڑھ کر شراب کا جام شعبان کے ہونٹوں کے بالکل قریب لے گئی۔ اُس کے ہونٹوں پر دعوتِ عیش کا تبسم تھا۔ اپنی نیم باز آنکھیں شعبان کی آنکھوں میں ڈال کر بولی۔

’’کیا برقہ کی خاطر بھی نہیں پیو گے؟‘‘

جب شعبان نے کوئی حرکت نہ کی اور پیالے کو اپنے ہونٹ نہ لگائے تو برقہ کی انا کو سخت ٹھیس پہنچی مگر اُس کے چہرے پر مسکراہٹ ہی رہی۔ برقہ نے جام میں سے شراب کا ایک گھونٹ خود پیا اور اس کے بعد جب جام شعبان کی طرف بڑھایا تو شعبان کو اُس کی دریائے نیل سے بھی گہری آنکھیں ایسی لگ رہی تھیں جیسے سیاہ بادلوں میں بجلیاں چمک رہی ہوں۔ طاغوت بھی فکرمند ہوا کہ اب اگر شعبان جام نہ پینے کی ضد پر اڑا رہا تو اس کا برقہ اور اس کے اپنے تعلقات پر سخت برا اثر پڑ سکتا ہے۔ اُس نے شعبان کی چٹکی بھری اور شعبان نے مسکراتے ہوئے برقہ سے کہا۔

’’اب میں انکار نہیں کر سکوں گا۔‘‘ اور شعبان نے جام برقہ کے ہاتھ سے لے کر اس کے دو تین گھونٹ چڑھا لئے۔ طاغوت کی جان میں جان آئی۔ برقہ نے فتح مندانہ نگاہوں سے طاغوت کی طرف دیکھا۔ اس کی انا کی تسکین ہو گئی تھی۔

شعبان کے لئے بھی مے حرام نہیں تھی۔ یا وہ اسے اپنے لئے حرام نہیں سمجھتا تھا کیونکہ وہ کبھی کبھار جب طاغوت کے ساتھ دارالحکومت تھیبز کی سیر کرنے نکلتا تھا اور طاغوت شراب کی دُکان میں ڈیوڑھا ہلکی شراب کا ایک آدھ پیالہ چڑھاتا تھا تو شعبان بھی کبھی کبھی

اُس کے کہنے پر ایک دو گھونٹ پی لیا کرتا تھا۔

برقہ نے خود بھی مئے ناب کے ایک دو ہلکے ہلکے گھونٹ پئے، جام طشت میں رکھ کر عطر میں ڈوبے ہوئے ریشمی رومال کو اپنے سرخ ہونٹوں پر بڑی نزاکت کے ساتھ لگایا اور طاغوت سے باتیں کرنے لگی۔ اُس نے شعبان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اب اُسے شعبان سے سوائے اس کے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ اُس کے دولت مند چاہنے والے طاغوت کا دوست اور اس کا مہمان ہے۔ اُس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے ماتھے کے اوپر آئی ہوئی اپنے بالوں کی موتیوں میں گندھی ہوئی لٹ کو پیچھے ہٹایا اور طاغوت سے یوں ہمکلام ہوئی۔

’’پچھلی بار آمون دیوتا کے مقدس تہوار پر تم نے مجھے زمرد کی مالا دی تھی۔ اس دفعہ میرے لئے کیا تحفہ لائے ہو؟‘‘

طاغوت نے مئے ارغوانی کا دوسرا جام چڑھا کر برقہ کے نازک ہاتھ کو بوسہ دیا اور ہنستے ہوئے بولا۔

’’تم جو کہو گی وہی تمہاری خدمت میں پیش کر دوں گا۔‘‘

برقہ مسکرائی، کہنے لگی۔ ’’تحفہ تو اپنی پسند کا دیا جاتا ہے۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ اس دفعہ تم میرے لئے نیلم کا تاج لاؤ گے جس میں سرخ عقیق بھی جڑے ہوں گے۔‘‘

طاغوت نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر گردن پیچھے کی اور بولا۔ ’’حسن و جمال کی دیوی برقہ کو یہ تاج پیش کر کے مجھے خوشی ہو گی۔‘‘

اس کے بعد دف اور نفیریوں کی گونج میں مصر کی نازک اندام سانولی لڑکیاں گلے میں کنول کے پھولوں کے ہار ڈالے پردے کے پیچھے سے تتلیوں کی مانند تھرکتی لہراتی نمودار ہوئیں اور رقص کرنے لگیں۔ کچھ دیر بیٹھی رہنے کے بعد برقہ نے طاغوت کی طرف اپنا نازک ہاتھ بڑھا دیا۔ طاغوت سمجھ گیا کہ برقہ آرام کرنا چاہتی ہے۔ اُس نے آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ برقہ نے شعبان پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی اور اُٹھ کر شاہانہ تمکنت کے ساتھ واپس چل پڑی۔ ہندی دوشیزہ نے اُس کے پیچھے پیچھے قالین پر گھسٹنے والے بیش قیمت لبادے کے کناروں کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا رکھا تھا تاکہ وہ اس قالین پر نہ لگے جس پر دوسروں کے پاؤں آتے ہیں۔ برقہ کے جانے کے بعد طاغوت نے شعبان

کا ہاتھ پکڑ کر اُس کی طرف تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر تم برقہ کا پیا ہوا جام نہ پیتے تو میں تمہیں کبھی معاف نہ کرتا۔ چلو، اب چلتے ہیں۔''

شعبان وہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ وہ کچھ دیر اور بیٹھا رہے۔ شاید حسن کی دیوی برقہ دوبارہ آ جائے۔ لیکن جب طاغوت نے اُسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ ہی اٹھایا تو وہ خاموشی سے چل پڑا۔ شعبان ہلکے ہلکے سرور میں تھا۔ اُس نے مے ارغوانی کے صرف تین چار گھونٹ ہی پیئے تھے مگر ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ ساری رات پیتا رہا ہو۔ اس سرور میں حسن و جمال کی دیوی برقہ کے سحر انگیز خیال اور اُس کے لب لعلیں کا اثر بھی شامل تھا۔ برقہ نے شعبان کو خود دو گھونٹ پی کر اسی پیالے میں مے پلائی تھی۔ طاغوت کو زیادہ چڑھی ہوئی تھی مگر وہ اس کا عادی تھا۔

برقہ کے مکان کے باہر کھجور کے درخت کے نیچے طاغوت کا رتھ موجود تھا۔ ذرا پیچھے اُس کے غلام کا رتھ بھی کھڑا تھا۔ دونوں دوست رتھ پر سوار ہو گئے۔ طاغوت اپنے دوست شعبان کو چھوڑنے اُس کے گھر تک آیا۔ شعبان رتھ سے اُترتے ہوئے ذرا سا لڑکھڑایا۔ طاغوت نے اُسے سنبھال لیا اور قہقہہ لگا کر بولا۔

''میری طرح اگر تم بھی بچپن سے تھوڑی تھوڑی پی لیا کرتے تو اس طرح نہ لڑکھڑاتے۔''

شعبان اُس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا وہ کل رات کو بھی برقہ کے ہاں جائے گا؟ مگر یہ سوال اُس کے ہونٹوں تک آ کر رہ گیا۔ طاغوت نے کہا۔

''صبح ایک قافلہ ملک بابل کی طرف روانہ ہو رہا ہے۔ میں اس کے ساتھ چلا جاؤں گا۔''

شعبان نے پوچھا۔ ''پھر کب آؤ گے؟''

طاغوت نے رتھ کے آگے جتے گھوڑوں کو موڑتے ہوئے کہا۔ ''کچھ پتہ نہیں۔ آیا تو تمہیں ضرور ملوں گا۔'' اُس نے ہنٹر کو تھوڑا سا پھٹکارا اور رتھ دوڑاتا آگے نکل گیا۔

رات بھر شعبان کے دل و دماغ پر حسن کی دیوی برقہ کا تصور چھایا رہا۔ اگلے دن وہ دیر سے سو کر اُٹھا۔ اُس کے کاریگر اپنے کام میں مصروف ہو گئے تھے مگر شعبان کا کام میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ گزری ہوئی رات کا حسین تصور بار بار اُس کے ذہن میں آ رہا تھا۔ جب شام ہوئی تو شعبان کا دل برقہ کے قصرِ عیش کی طرف جیسے اُڑنے لگا۔ اُس نے برقہ کے

قصرِ عیش میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اُس کے لئے کوئی خاص تحفہ لے کر جانا چاہتا تھا۔ اُسے خیال آیا کہ برقہ نے طاغوت سے زمرد کے تاج کی فرمائش کی تھی۔ شعبان اُسی لمحے گھوڑے پر سوار ہو کر تھیبز کے جوہری بازار میں پہنچ گیا۔ اس بازار میں قدیم مصر کے جوہریوں کی دُکانیں تھیں جہاں اُمرا کی خواتین کے واسطے ہر قسم کے قیمتی اور نایاب زیورات ہر وقت موجود ہوتے تھے۔ شعبان کا شمار بھی اُمرا میں ہوتا تھا۔ اُس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ ایک دُکان پر اُسے زمرد کا تاج مل گیا۔ اس تاج میں زمرد کے علاوہ سرخ عقیق بھی جڑے ہوئے تھے۔ یہ بہت مہنگا تاج تھا۔ شعبان نے اُسے خرید لیا اور اپنے مکان پر آ کر رات ہونے کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔

۞......۞

جب رات کا پہلا پہر گزر گیا تو شعبان نے سفید سلک کی پوشاک کے اوپر سرخ مخمل کی کھلی آستینوں اور سونے کی کڑھائی والی عبا پہنی اور اپنے سفید گھوڑوں والے رتھ میں سوار ہو کر برقہ کے ہاں پہنچ گیا۔ حبشی دربان شعبان کو دولت مند سوداگر طاغوت کے ساتھ گزشتہ شب آتا دیکھ چکے تھے۔ اُنہوں نے دروازہ کھول دیا۔ کل کی طرح اُس رات بھی کمرے کی فضا خواب ناک تھی۔ چاروں گوشوں میں رکھے ہوئے کنول پھولوں کی طرح کے سنگ مرمر کے بڑے پیالوں میں عود و عنبر سلگ کر کمرے کی فضا کو معطر کر رہے تھے۔ صوفوں پر کچھ مہمان پہلے سے بیٹھے جام و مینا سے جی بہلا رہے تھے۔ ایک کنیز نے آگے بڑھ کر شعبان کو سنگ سبز کے دو ستونوں کے درمیان والے صوفے پر بٹھا دیا اور آداب بجا لا کر چل دی۔ دوسری کنیز پھولوں کا طشت لے کر آ گئی۔ اُس نے شعبان کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا اور گلاب پاش میں سے گلاب کا عطر چھڑک کر تعظیم بجالاتے ہوئے چلی گئی۔ پھر ایک تیسری کنیز جام و مینا کا چاندی کا طشت لے کر آئی اور اُس نے زمرد جڑے پیالے میں تھوڑی سی سرخ شراب ڈال کر پیش کی۔ شعبان نے مسکرا کر جام لے لیا اور ہونٹوں سے لگا کر ایک گھونٹ پی کر اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ کب حسن و جمال کی دیوی برقہ اپنے شعلہ صفت حسن کی بجلیاں گراتی آئے گی اور وہ اُسے زمرد کا تاج پیش کرے گا۔

نازک اندام مطربہ مہمانوں کو جھک کر آداب پیش کرتی ہوئی نمودار ہوئی۔ وہ سیدھی طاؤس کے پاس گئی اور اُس کے پہلو میں بیٹھ کر اُس نے طاؤس کے ساز کے تاروں کو نازک اُنگلیوں سے چھیڑا تو فضا میں ترنم ریز سُر بیدار ہو گئے۔ طاؤس کے تاروں کی موسیقی نے ماحول کو زیادہ رومان انگیز بنا دیا۔ اور پھر ستونوں کے درمیان والا باریک جالی دار ریشمی پردہ ہٹا اور برقہ اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ نظر آئی۔ شراب ناب کے سرور سے نیم مدہوش مہمانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ کسی نے ایک نعرہ مستانہ کے ساتھ اپنے بازو

بلند کر دیئے، کوئی برقہ کی خدمت میں زر و جواہر کے تحفے پیش کرنے لگا جنہیں برقہ کے پیچھے چلنے والی ہندی کنیز سمیٹتی چلی گئی۔

برقہ نے کمرے میں داخل ہوتے اپنے نئے شکار شعبان کو دیکھ لیا تھا۔ شعبان صوفے سے اُٹھ کر ہاتھوں میں زمرد کے تاج کی خوش نما آبنوسی ڈبیا پکڑے ادب سے کھڑا تھا۔ برقہ بڑی شانِ بے نیازی سے چلتی شعبان کے پاس آ گئی۔ اُس نے اپنا ہیرے جواہرات کی انگوٹھیوں والا نازک مرمریں ہاتھ شعبان کی طرف بڑھا دیا۔ شعبان نے برقہ کے ہاتھ کو جھک کر بوسہ دیا اور آبنوس کی ڈبیا اُس کی خدمت میں پیش کی۔ برقہ نے دلبرانہ تبسم کے ساتھ پوچھا۔ ''اس میں کیا ہے؟''

شعبان نے کہا۔ ''تمہارے لئے ایک حقیر سا تحفہ لایا ہوں۔''

دو کنیزوں نے جلدی سے مخمل کے گدے والی کرسی لا کر قریب رکھ دی۔ برقہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ آج اُس کی گود میں بلوریں آنکھوں والی سیامی بلی نہیں تھی۔ شعبان بھی صوفے پر بیٹھ گیا۔ برقہ نے بڑی نزاکت اور بظاہر بڑی بے نیازی سے ڈبیا کو کھولا تو زمرد کے جگمگاتے تاج کو دیکھ کر اُس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ مگر اس عیار طوائف نے اپنے حقیقی محسوسات کو چہرے پر نہ آنے دیا۔ ہندی دوشیزہ ادب سے پیچھے کھڑی تھی۔ برقہ نے زمرد کے تاج والی ڈبیا بند کی اور اسے ہندی کنیز کے حوالے کر دیا۔ ہندی کنیز اُسے طشت میں رکھ کر چلی گئی۔ برقہ شعبان سے ہم کلام ہوئی۔

''تمہارا تحفہ مجھے پسند آیا ہے۔''

شعبان خوش ہو کر بولا۔ ''اس سے زیادہ قیمتی تاج کسی جوہری کے پاس نہیں تھا۔ نہیں تو میں وہ لاتا۔''

برقہ مسکرا دی تھی۔ کہنے لگی۔ ''اس سے زیادہ قیمتی تاج بھی جوہریوں کے پاس آ جائیں گے۔ تب وہ لے آنا۔''

''ضرور لاؤں گا۔ تمہیں قیمتی سے قیمتی تحفہ دے کر مجھے خوشی ہو گی۔''

شعبان کے اس جملے پر برقہ نے کسی قسم کے ردِ عمل کا اظہار نہ کیا۔ بس شعبان کی طرف نیم باز سرگیں آنکھوں سے دیکھتی رہی۔ کنیز خاص جام و مینا کا طشت تھامے آ گئی۔ اُس نے ایک جام بنا کر برقہ کو دیا اور ایک جام بنا کر شعبان کو پیش کیا۔ شعبان نے بالکل انکار نہ

کیا۔ برقہ کے سرخ لب ہلکے سے تبسم کے ساتھ کھلے اور بولی۔

''کل تم نے انکار کر دیا تھا، آج کیوں نہیں کیا؟''

شعبان نے جواب دیا۔''کل تک میں زندگی کی حقیقی رعنائیوں سے بے خبر تھا۔ آج میں ان کی لذت یابیوں سے آشنا ہو چکا ہوں۔''

برقہ مسکرانے لگی۔ ایک نیا شکار اُس کے دامِ فریب میں پھنس چکا تھا۔ اب اُس کا کام اس شکار، اس مالدار اسامی کی ساری دولت آہستہ آہستہ سمیٹ کر اسے بھکاری بنانا تھا اور برقہ اس کام کی بڑی ماہر تھی۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنی توبہ شکن اداؤں اور گرمجوشی کے سلوک سے شعبان کو اس فریب میں مبتلا کر دیا کہ وہ اپنے سب چاہنے والوں سے بڑھ کر صرف شعبان ہی سے پیار کرتی ہے۔ شعبان وہ بھولا شکار تھا جو خود اس حسین شکاری کے جال میں پھنسنے کو بے قرار تھا۔ چنانچہ وہ روزانہ رات کو قسم قسم کے بیش قیمت تحائف لے کر آستانۂ حسن پر حاضری دینے لگا۔ برقہ نے بھی نئے شکار کو اپنی نگاہِ التفات کا مرکز بنا لیا۔

برقہ کے قصرِ عیش کی کنیزیں اور غلام بھی اپنے فرائض سے غافل نہیں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جب کوئی نئی مال دار اسامی ان کی مالکن کے دام میں پھنستی ہے تو انہیں کیا کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب شعبان زرق برق قیمتی لباس میں برقہ کے قصرِ عیش میں آتا تو وہ اس کے آگے پیچھے پھرنے لگتے۔ وہ کنیزوں اور غلاموں کو بھی انعام و اکرام سے نوازتا۔ اب اُس نے دن کے وقت بھی برقہ کے لئے تحفے تحائف لے کر قصرِ عیش میں آنا شروع کر دیا۔

برقہ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ دن کے وقت عام طور پر طوائفیں اپنے چاہنے والوں سے ملنے سے گریز کرتی ہیں لیکن برقہ شعبان کے آنے پر خوش ہوتی تھی۔ کیونکہ یہ اُس کی شاطرانہ منصوبہ بندی کا اہم ترین حصہ تھا۔ ایسی صورت حال میں شعبان کا اپنے کاروبار کی طرف سے غافل ہو جانا قدرتی امر تھا۔ اُس کی ساری توجہ برقہ کی طرف گئی ہوئی تھی۔ کاروبار کا کام اُس کے کاریگر چلاتے تھے۔ کاریگروں نے جب دیکھا کہ ان کا مالک عیش وعشرت کی دنیا میں گم ہو گیا ہے تو انہوں نے بھی اپنے ہاتھ رنگنے شروع کر دیئے۔ پیچھے کاروبار پر نگاہ رکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ شعبان کو حسن و جمال کی نقلی دیوی کے راز و نیاز ہی سے فرصت نہیں تھی۔ اس کا جو لازمی نتیجہ نکلنا تھا، وہ اس کے سامنے آ گیا۔

شعبان کے تمام کاریگر ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ جاتے جاتے جس کے ہاتھ

جو آیا لے گیا۔ شعبان برقہ کے حسن فتنہ ساز کے جال میں پوری طرح پھنس چکا تھا۔ اُس نے دن رات مے پینی شروع کر دی تھی اور سارا سارا وقت برقہ کے قصرِ عیش میں گزارنے لگا تھا۔ طوائف برقہ کا جاسوسِ خاص اُسے شعبان کی مالی حالت سے پوری طرح باخبر رکھے ہوئے تھا۔ اُس نے اپنی مالکن برقہ کو بتا دیا تھا کہ شعبان کا کاروبار ختم ہو گیا ہے لیکن ابھی اس کے پاس قیمتی زر و جواہرات کا مختصر سا خزانہ باقی ہے۔ برقہ اب شعبان کو اس خزانے سے بھی محروم کر دینے کی تگ و دو میں لگ گئی۔ وہ شعبان پر ہر اعتبار سے مہربان تھی۔ اُسے کسی کسی وقت اپنی خواب گاہ میں داخل ہونے کی اجازت بھی دے دیتی۔ لیکن ان سب ناز و نیاز کے باوجود برقہ نے شعبان کو وصل کی لذتوں سے سرفراز نہیں کیا تھا۔ وہ ہر لمحے شعبان کے اندر خواہش وصل کی آگ کو مزید بھڑکاتی اور جب شعبان ذرا آگے بڑھتا تو برقہ مسکراتے ہوئے پیچھے ہٹ جاتی اور کوئی نہ کوئی فرمائش کر دیتی۔

اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ شعبان کے گھر پر جتنی بچی کھچی دولت تھی، وہ ختم نہ ہو گئی۔ جب شعبان نے اپنی آخری جمع پونجی بھی برقہ کے قدموں میں لا کر رکھ دی تو اُس نے برقہ سے خواہش وصل کا اظہار کیا تو برقہ نے حسب معمول اس سے گریز کیا اور شعبان کے پہلو سے اُٹھ کر صوفے پر جا بیٹھی۔ شعبان اس وقت برقہ کے پلنگ پر نیم دراز تھا۔ وہ بھی پلنگ سے اُتر کر صوفے پر آ گیا۔ اُسے برقہ کی اس لمحے بے اعتنائی بری لگی تھی۔ اُس نے برقہ کے بازو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''برقہ! تم مجھ سے بے مروتی کا سلوک کیوں کر رہی ہو؟ دنیا کی ایسی کون سی شے ہے جو میں نے تمہارے قدموں پر نچھاور نہیں کی؟ یہاں تک کہ آج اپنی آخری جمع پونجی بھی تمہاری نذر کر دی، اس کے باوجود تم مجھ سے دُور دُور کیوں رہتی ہو؟ مجھے اپنے قریب کیوں نہیں آنے دیتی؟''

برقہ کے چہرے پر ایک ایسا تبسم نمودار ہوا جسے مکارانہ تبسم ہی کہا جا سکتا ہے۔ اُس نے بڑی محبت سے اپنی بانہیں شعبان کے گلے میں حمائل کر دیں اور گردن کو ایک طرف جھکا کر ایک خاص ادا سے اُسے دیکھا اور بولی۔

''عورت کے پاس اس کی عصمت ہی ایک ایسی چیز ہوتی ہے جس کی وہ اس وقت تک اپنی جان دے کر بھی حفاظت کرتی ہے جب تک اُسے وہ مرد نہیں مل جاتا جو اس کی عزت و

عصمت کا ضامن بنتا ہے۔ عورت کے پاس یہی اس کا سب کچھ ہوتا ہے جسے وہ اس مرد کے حوالے کرتی ہے جو اپنا سب کچھ اُسے سونپتا ہے۔"

شعبان نے آہستہ سے برقہ کا چہرہ اپنے قریب لا کر کہا۔ "تو کیا میں نے ایسا نہیں کیا؟ کیا میں نے اپنا سب کچھ تمہارے حوالے نہیں کر دیا؟"

اس پر برقہ کی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرائی۔ اُس نے آہستہ سے شعبان کی بانہیں اپنے گلے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم نے اپنا سب کچھ مجھے کہاں دیا ہے؟ تمہارے پاس ابھی ایک اور شے ہے جو تم نے مجھ سے چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔"

شعبان کو قدرے حیرت ہوئی۔ اُس نے پوچھا۔ "کون سی شے ہے وہ؟ مجھے تو اس کی خبر نہیں۔"

برقہ پلنگ پر جا کر نیم دراز ہو گئی اور اپنے نوکیلے ناخنوں پر لگے ہوئے نیلے اور سرخ روغن کو ریشمی رومال سے چمکانے لگی۔ شعبان اُٹھ کر اُس کے پاس آ گیا۔ اپنے ہاتھ سے برقہ کی ٹھوڑی کو آہستہ سے اُوپر اٹھایا اور بولا۔ "تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا برقہ! کون سی شے ہے وہ جو میں نے تم سے چھپائی ہوئی ہے؟"

برقہ نے شعبان کی طرف نگاہیں نہیں اٹھائیں، ناخنوں کا روغن چمکاتے ہوئے کہنے لگی۔ "وہ شے کتاب الموت ہے۔"

شعبان کو سخت حیرانی ہوئی کہ برقہ نے کس شے کا ذکر کر دیا ہے کیونکہ کتاب الموت یعنی مُردوں کی کتاب کا تعلق انسانوں کی دنیا اور انسانوں سے بالکل نہیں تھا۔ اس کتاب پر جنت کو جانے والے راستے کا نقشہ بنا ہوا ہوتا تھا جس کی مدد سے مرنے والے کی رُوح جنت میں پہنچ کر ابدی زندگی حاصل کرتی تھی۔ اس کتاب کو مُردے کی حنوط شدہ ممی کے سینے پر تابوت کے اندر رکھ دیا جاتا تھا۔ یہ چار صفحات پر مشتمل کتاب عہد قدیم سے ہیکل اعظم کے کاہن اعظم کے قبضے میں چلی آ رہی تھی اور صرف فرعونوں اور شاہی خاندان کے مُردوں کے تابوت میں ہی اُس کی نقل کی ہوئی کتاب رکھی جاتی تھی۔ پھر ایسا ہوا کہ دولت کے لالچ میں آ کر کاہن اعظم نے اُمرا اور صاحب ثروت لوگوں سے خفیہ طور پر بھاری رقوم لے کر کتاب الموت کی نقلیں اندر ہی اندر فروخت کرنی شروع کر دیں۔ ہر کوئی چاہ

تھا کہ موت کے بعد ان کے عزیزوں کی رُوح کتاب الموت میں درج جنت کے راستوں کے نقشے کی مدد سے جنت میں رہ کر ابدی زندگی حاصل کرے۔ اُمرا اور دولت مند لوگ اس کتاب کو کاہن اعظم کے جاسوسوں کے ذریعے بھاری رقمیں دے کر خرید لیتے اور خفیہ طور پر اپنے عزیزوں کے تابوتوں میں چھپا کر رکھ دیتے۔ شاہی جاسوسوں نے اس کی خبر فرعونِ مصر ہوتپ کو کر دی۔ فرعونِ مصر یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ جس جنت میں شاہی خاندان کی رُوحیں ابدی زندگی بسر کر رہی ہوں وہاں عام لوگوں کی رُوحیں بھی جا کر قیام کریں۔ چنانچہ اس نے فوری طور پر خاص شاہی فرمان جاری کر کے کتاب الموت یعنی مُردوں کی کتاب کو کاہن اعظم سے واپس اپنے قبضے میں لے لیا۔

جس زمانے میں رُوحوں کو جنت کا راستہ دکھانے والی یہ کتاب کاہن اعظم کے قبضے میں تھی اور وہ خفیہ طور پر بھاری معاوضہ لے کر اس کی نقلیں اُمرائے شہر کے ہاتھوں فروخت کر رہا تھا یہ وہ زمانہ تھا جب شعبان کا سنگ تراشی کا کاروبار اپنے عروج پر تھا اور اُس کے پاس کافی دولت تھی۔ چنانچہ اُس نے بھاری معاوضہ ادا کر کے کاہن اعظم کے ایک جاسوس کے ہاتھوں مُردوں کی کتاب کی ایک نقل خرید لی۔ جب شعبان کا سنگ تراش باپ جالوت فوت ہوا تھا تو شعبان پر غربت کا دور تھا چنانچہ اُس نے اپنے باپ کی ممی کو مُردوں کی کتاب کے بغیر ہی دفن کر دیا تھا لیکن جب اُس کے پاس دولت کی ریل پیل ہوئی تو اُسے اپنے باپ کا خیال آیا جس نے اُسے دریائے نیل کی لہروں سے اٹھا کر کس محبت اور جفاکشی سے پالا تھا۔ اور اُس کی ممی کو شعبان نے مُردوں کی کتاب کے بغیر ہی دفن کیا تھا۔ یہی سوچ کر اُس نے کاہن اعظم کے جاسوس سے اس کتاب کی ایک نقل خریدی تھی۔ چنانچہ ایک رات کو شعبان رتھ پر سوار ہو کر قبرستان گیا، باپ کی قبر کھودی اور مُردوں کی کتاب کی نقل اُس کے تابوت میں رکھ کر قبر کو دوبارہ اسی طرح بند کر دیا۔ پھر اُس نے اپنے باپ کی قبر سے مخاطب ہو کر کہا۔

"بابا جان! میں نے تمہارے تابوت میں وہ کتاب رکھ دی ہے جو جنت کے راستوں میں تمہاری راہ نمائی کرے گی۔ مجھے یقین ہے اب تمہاری روح کو آسمانوں میں بھٹکنا نہیں پڑے گا اور وہ جنت میں ابدی زندگی بسر کرے گی۔"

چنانچہ جب برقہ نے شعبان کے سامنے کتاب الموت کا نام لیا تو اُسے سخت حیرت

ہوئی تھی۔ اُس نے برقہ کی طرف تعجب کی نگاہ سے دیکھا اور پوچھا۔

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا، کتاب الموت سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

تب برقہ نے اپنی نظریں شعبان پر مرکوز کر دیں اور کہنے لگی۔ ''مجھے اس بات کا علم ہے کہ تم نے اپنے باپ کے تابوت میں کتاب الموت کی ایک نقل خفیہ طور پر کاہن اعظم سے خرید کر رکھ دی تھی۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اب اس کتاب کی اصل ربّ فرعون ہوتپ کے قبضے میں ہے اور جو اب سوائے فرعونِ مصر اور اس کے شاہی خاندان کی رُوحوں کے دوسرے کسی کے نصیب میں نہیں ہے اور اس حقیقت کو ہم دونوں جانتے ہیں کہ اگر کوئی اس کتاب کو کسی ممی کے تابوت سے چرانے کی کوشش کرتا ہے تو ممی کی بد دُعا کے اثر سے اسی لمحے مر جاتا ہے اور اُس کا جسم گل سڑ جاتا ہے۔ میں بھی چاہتی ہوں کہ مرنے کے بعد میری رُوح جنت میں ابدی زندگی حاصل کرے۔ لیکن میں تمہارے باپ کے تابوت سے جنت کا راستہ دکھانے والی کتاب نہ تو چرا سکتی ہوں اور نہ کسی قیمت پر اُسے خرید سکتی ہوں۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں تمہیں کیا کہنا چاہتی ہوں۔''

شعبان برقہ کا مطلب صاف صاف سمجھ گیا تھا۔ برقہ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ بات بھی تمہارے علم میں ہو گی کہ مقدس دیوتاؤں کا فرمان ہے کہ اگر کسی مرنے والی یا مرنے والے کا وہ فرد جس کو مرنے والے نے اپنے ہاتھوں پال پوس کر جوان کیا ہو اگر اس کے تابوت میں سے کتاب الموت نکالنے کی کوشش کرتا ہے تو مرنے والے کی ممی اُسے کوئی بد دُعا نہیں دیتی اور وہ مرتا نہیں ہے۔''

شعبان کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ وہ آنکھیں کھولے عالم استعجاب میں اُسے تک رہا تھا۔ برقہ نے اپنی بانہیں ایک ادائے دلبری کے ساتھ شعبان کے گلے میں حمائل کر دیں، اپنے ہونٹوں سے اُس کا منہ چوما اور بولی۔

''مجھے اپنے باپ کے تابوت میں سے کتاب الموت نکال کر لا دو۔ بس مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔ اس کے بعد میں اپنا آپ تمہارے سپرد کر دوں گی اور تمہیں محبت کی اُن مسرتوں اور لذتوں سے ہم کنار کروں گی جہاں تک پہنچنا کسی کسی مرد کو نصیب ہوتا ہے۔''

شعبان تو پوری طرح اس فتنہ ساز عیار عورت کے دام میں جکڑا ہوا تھا۔ اُس کی حالت برقہ کے سامنے اُس پتلے جیسی تھی جس پر کسی جادوگرنی نے جادو کر دیا ہو اور اُسے اپنی مرضی

کے مطابق چلا رہی ہو۔ محبت کی لذتوں سے ہم آغوش ہونے کے لئے شعبان پر جذبات کا جن سوار تھا اُس نے بے اختیار ہو کر برقہ کا منہ چوم لینا چاہا۔ برقہ نے آہستہ سے اُسے پیچھے کر دیا اور تبسم کی بجلیاں گراتے ہوئے بولی۔

''پہلے میری خواہش پوری کر دو۔ مجھے کتاب الموت لا کر دو، پھر میں تمہیں کسی بات پر نہیں روکوں گی۔''

شعبان کے ہونٹوں سے جیسے اپنے آپ نکل گیا۔ ''کل میں کتاب الموت ساتھ لے کر آؤں گا۔''

اُس کے دل میں ایک پل کے لئے بھی یہ خیال نہ آیا کہ ایسا کرنے سے وہ اپنے باپ کو جنت کی ابدی زندگی سے محروم کر دے گا۔ وہ اُٹھ کر چلا آیا۔ مکان پر پہنچنے کے بعد شراب کا نشہ ذرا کم ہوا تو شعبان کا ضمیر اُسے ملامت کرنے لگا کہ اُس نے ایک بدکردار عورت کے لئے اپنے باپ کی رُوح کو جنت کی ابدی زندگی سے محروم کرنے کا جو فیصلہ کیا ہے اُس کے اس جرم کو آسمانوں کے دیوتا اور اُس کے باپ کی رُوح کبھی معاف نہیں کرے گی۔ شعبان نے ضمیر کی ملامت سے بچنے کے لئے مٹکے میں سے شراب کے دو پیالے پیئے اور بستر پر گر کر بے سدھ ہو کر سو گیا۔ دوسرے دن وہ دوپہر تک سویا رہا۔ مکان میں اب سوائے کچھ ضروری سامان کے کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا۔ سنگ تراشی کے کچھ اوزار کونے میں پڑے تھے۔ جڑی بوٹیوں کی ٹوکریاں اور دواؤں کی پتھر کی بوتلیں خالی پڑی تھیں۔ شاگردان میں سے دوائیاں نکال کر لے گئے تھے۔ صحن میں سنگ مرمر کے ٹکڑے اِدھر اُدھر بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے۔ شعبان رات کی پی ہوئی مے ناب کے خمار کی حالت میں صحن میں بچھے ہوئے تخت پر سر جھکائے بیٹھا تھا کہ صحن کے بند دروازے پر کسی نے آہستہ سے دستک دی۔ شعبان نے سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا اور خمار میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولا۔

''دروازہ کھلا ہے۔''

اُس کے بچپن کی ساتھی سائنا اندر داخل ہوئی۔ اُس نے ہاتھ میں ٹوکری اٹھا رکھی تھی۔ وہ خاموشی سے شعبان کے پاس بیٹھ گئی۔ ٹوکری میں سے رومال میں لپٹی ہوئی خمیری روٹیاں اور بھنی ہوئی مچھلی نکالی اور شعبان سے کہا۔

"تمہیں بھوک لگی ہوگی۔ یہ کھالو۔"

شعبان نے کوئی بات نہ کی اور روٹی کھانے لگا۔ سائنا اُسے اُداس نگاہوں سے تک رہی تھی۔ کاروبار کے ختم ہو جانے اور شراب نوشی نے اُس کی صحت پر برا اثر ڈالا تھا۔ سائنا کو معلوم تھا کہ شعبان روزانہ رات کو کسی طوائف کے ہاں جاتا ہے اور دیر گئے شراب کے نشے میں واپس آتا ہے۔ اُس سے نہ رہا گیا، اُس نے پوچھا۔ "تم اپنا خیال کیوں نہیں رکھتے؟ پہلے تو تم کبھی نہیں پیتے تھے۔ اب تمہیں کیا ہوگیا ہے؟"

شعبان کو سائنا کی بات سخت ناگوار لگی۔ لیکن اُس نے سائنا کو کچھ نہ کہا۔ وہ جانتا تھا کہ دنیا میں اگر کوئی اس کا ہمدرد اور دوست رہ گیا ہے تو وہ یہی لڑکی ہے جو اس سے بے پناہ پیار کرتی ہے۔ لیکن جب سائنا نے ذرا جرأت سے کام لے کر اُس سے یہ پوچھ لیا کہ وہ راتوں کو کہاں جاتا ہے تو شعبان کو غصہ آ گیا۔

"تم کون ہوتی ہو مجھ سے یہ پوچھنے والی؟"

سائنا گھبرا گئی۔ فوراً بولی۔

"میں نے یونہی پوچھ لیا تھا۔ مجھے معاف کر دو۔ آرام سے روٹی کھاؤ۔"

روٹی کھانے کے بعد شعبان کوئی بات کئے بغیر کمرے کے اندر چلا گیا۔ سائنا نے رومال سمیٹ کر ٹوکری میں رکھا، ایک نظر کمرے کی طرف دیکھا جس کا دروازہ بند تھا اور خاموش قدم اٹھاتی مکان سے نکل گئی۔

کمرے کے اندر شعبان رات کو قبرستان میں جا کر اپنے باپ کی قبر کھودنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اُس نے ایک بیلچہ نکال کر رکھ لیا تھا۔ صندل کی لکڑی کی ایک چھوٹی سی صندوقچی بھی رکھ لی تھی۔ وہ بستر پر لیٹ کر سوچنے لگا کہ ممی کا تابوت کھولتے وقت کہیں اُسے ممی کی بد دُعا نہ لگ جائے۔ لیکن دیوتاؤں کی کتابوں میں صاف لکھا ہوا تھا کہ اگر کسی ممی کے تابوت سے مرنے والی یا مرنے والے کا کوئی حقیقی بیٹا یا بیٹی یا ایسا بیٹا یا بیٹی جس کو مرنے والے نے باپ کی طرح پال پوس کر بڑا کیا ہو، وہ مُردوں کی کتاب کے اوراق نکالتا ہے تو اُسے ممی بد دُعائیں نہیں دے گی۔ لیکن کتاب الموت کے نکال لئے جانے کے بعد مُردے کی رُوح اگر آسمانوں میں جنت کو جانے والے راستوں میں سفر کر رہی ہو گی تو بھٹک جائے گی۔ اور اگر مرنے والی کی رُوح جنت میں پہنچ چکی ہو گی تو اُسے جنت سے

نکال دیا جائے گا۔ اس خیال سے شعبان کے ارادے کو تقویت مل رہی تھی۔ کیونکہ باپ کے تابوت میں سے وہ کتاب الموت کو نکالنے اور اُسے برقہ کی خدمت میں پیش کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

وہ رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ یہ کام وہ رات کی تاریکی میں کرنا چاہتا تھا۔ سورج دُور دریائے نیل کے کھجوروں کے جھنڈ کے پیچھے غروب ہوگیا۔ شام ہوگئی۔ پھر شام کا اندھیرا رات کی سیاہی میں تبدیل ہوگیا۔ شعبان نے لباس تبدیل کیا، بیلچہ اور صندوقچی اپنے سیاہ گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھی اور قبرستان کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ اس خیال سے اپنے رتھ پر سوار ہو کر نہیں گیا تھا کہ رتھ کے پہیوں کا کافی شور بلند ہوتا تھا۔

قدیم مصر کے نیلے آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ صحرا میں گہرا سکوت طاری تھا۔ یہ آج سے ساڑھے تین ہزار برس قبل کی خاموشی تھی جب نہ کوئی بس چلتی تھی نہ ویگن نہ رکشہ نہ موٹر سائیکل اور نہ ہوائی جہاز آسمان کی بلندیوں پر شور مچاتا گزرتا تھا۔ اور خاموشی بھی رات کی...... ہم آج کے شور مچاتے زمانے میں اُس زمانے کی خاموشی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ شعبان کا گھوڑا صحرائی ٹیلوں کے درمیان چلا جا رہا تھا۔ اُس کے پیچھے کچھ فاصلے پر ایک اور گھوڑ سوار چلا آ رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ وہ شعبان کا پیچھا کر رہا ہے۔ شعبان اپنے پیچھے پیچھے آنے والے گھوڑ سوار سے بے خبر تھا۔ قبرستان اب زیادہ دُور نہیں تھا۔ کچھ ہی فاصلے پر سنگلاخ ٹیلوں کے دامن میں واقع قبرستان کے درختوں کی قطار ستاروں کی پھیکی روشنی میں سیاہ لکیر کی مانند نظر آنے لگی تھی۔ یہ قبرستان متوسط طبقے کے لوگوں کے لئے وقف تھا۔ نہ تو اس کی کوئی چار دیواری تھی اور نہ وہاں کوئی پہریدار ہی ہوتا تھا۔ صرف ایک شکستہ دیوار ہی تھی جہاں سے قبریں شروع ہو جاتی تھیں۔ شعبان اس دیوار کے پاس پہنچ کر گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اُس نے گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھا ہوا بیلچہ اُتارا، اپنے پیچھے ایک نگاہ ڈالی۔ جب اُسے یقین ہوگیا کہ وہاں سوائے اُس کے دوسرا کوئی نہیں ہے تو وہ قبرستان میں داخل ہوگیا۔

ایک دہشت ناک سناٹا تھا جس نے قبرستان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ شعبان اپنے باپ کی قبر پر آ گیا۔ قبر پر سنگ مرمر کا کتبہ لگا تھا جو ٹیڑھا ہو رہا تھا۔ اس پر شعبان کے باپ کا نام اور دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایک دُعا لکھی ہوئی تھی۔ شعبان

کے سر پر عشق کا بھوت سوار تھا۔ ایک لمحے کے لئے اُس کے دل میں خیال آیا کہ وہ اپنے باپ کی رُوح کو جنت کی ابدی زندگی سے محروم کر کے ایسا گناہ کر رہا جس کو آسمانوں کے دیوتاؤں کا دیوتا آمون بھی معاف نہیں کرے گا۔ دوسرے لمحے برقہ کی حسین صورت اُس کی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ شعبان نے اس خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا اور بیلچے سے زمین کھودنی شروع کر دی۔ زمین ریتلی تھی اور شعبان جلدی جلدی بیلچہ چلا رہا تھا۔ قبر کھل گئی اور مُردے کا تابوت نظر آنے لگا۔ شعبان نے تابوت کا ڈھکن اُٹھایا اور اُس کے اندر اُس کے باپ کی، جس نے شعبان کو اپنا حقیقی بیٹا سمجھ کر پالا تھا، ممی لیٹی ہوئی تھی۔ ممی رال میں بھگوئی ہوئی پٹیوں میں لپٹی تھی۔ ممی کے دونوں ہاتھ اُس کے سینے پر بندھے تھے۔ درمیان میں مخمل کے غلاف میں لپٹی ہوئی کتاب الموت پڑی تھی۔

شعبان نے کتاب اٹھانے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا تو اُس پر ایک خوف طاری ہو گیا۔ اُس نے جلدی سے ہاتھ پیچھے کر لیا۔ اُسے وہم ہونے لگا کہ اگر اُس نے کتاب کو ہاتھ لگایا تو ممی کی بد دُعا سے اُس کا جسم ایک دم گل سڑ کر بھربھری ریت میں تبدیل ہو جائے گا۔ پھر اُسے مقدس کتابوں میں لکھا ہوا دیوتاؤں کا قول یاد آ گیا کہ اگر کسی ممی کا لے پالک بیٹا اُس کے تابوت میں سے روح کو جنت کا راستہ دکھانے والی کتاب الموت نکالتا ہے تو اس کو ممی بد دُعا نہیں دے گی۔ شعبان نے مزید ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ہاتھ بڑھا کر ممی کے سینے پر سے غلاف میں لپٹی ہوئی کتاب اٹھالی اور ایک پل کے لئے وہیں ساکت ہو گیا۔ اُسے کچھ نہیں ہوا تھا۔ اُس کے باپ کی ممی نے اُسے بد دُعا نہیں دی تھی۔ شعبان نے کتاب اپنے لبادے میں رکھی اور جلدی جلدی بیلچہ چلاتے ہوئے قبر پر مٹی ڈالنی شروع کر دی۔ جب قبر بھر گئی تو اُس نے بڑی احتیاط کے ساتھ قبر کو بالکل پہلے کی طرح بنایا اور واپس چل پڑا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا قبرستان سے باہر نکل آیا۔ بیلچے کو زین کے ساتھ باندھا، زین پر سے صندوقچی اٹھا کر اس میں کتاب الموت کو رکھا، صندوقچی بند کر کے دوبارہ زین کے ساتھ باندھا اور گھوڑے پر سوار ہونے لگا تو قبرستان کی تاریکی میں سے ایک سایہ نکل کر اُس کے سامنے آ گیا۔

اُس نے چونک کر سائے کی طرف دیکھا۔ سایہ قریب آ گیا۔ یہ سائنا تھی۔ سائنا نے دردمند لہجے میں کہا۔ "شعبان! یہ تم نے کیا، کیا؟ تم نے اپنے باپ کو جنت کی ابدی زندگی

سے محروم کر دیا ہے۔"

شعبان نے کوئی جواب نہ دیا اور گھوڑے پر سوار ہونے لگا۔ سائنا نے آگے بڑھ کر شعبان کا بازو تھام لیا اور بڑی عاجزی سے کہا۔ "شعبان! تمہارے اس گناہ کو تمہارے باپ کی رُوح اور دیوتا کبھی معاف نہیں کریں گے۔ میں تمہیں دیوتا آمون کا واسطہ دیتی ہوں، یہ کتاب واپس تابوت میں رکھ دو۔"

شعبان نے آہستہ سے سائنا کا ہاتھ جھٹک دیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اُسے تیز تیز چلاتا ہوا قبرستان سے نکل گیا۔ سائنا دُکھی دل اور اُداس آنکھوں کے ساتھ شعبان کو رات کی تاریکی میں گم ہوتے دیکھتی رہی۔ شعبان کے گناہِ کبیرہ کے خیال سے اُس پر ایک ہیبت طاری ہو گئی تھی۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھر بوجھل قدم اٹھاتی آہستہ آہستہ درختوں کے اس جھنڈ کی طرف چل دی جہاں اُس کا گھوڑا کھڑا تھا۔ عین اُسی وقت آسمان پر ایک ستارہ ٹوٹ کر اپنے پیچھے بجھتی ہوئی لکیر چھوڑتا مغرب کی طرف غائب ہو گیا۔

اس لمحے مشرق کی سمت سے سیاہ کالے بادلوں کی گھٹا اوپر اُٹھ رہی تھی۔ ان سیاہ گھٹاؤں میں آسمانی بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ شعبان گھوڑا دوڑاتے ہوئے برقہ کے قصرِ عیش کی طرف رواں دواں تھا۔ اُس کے برقہ کے قصرِ عیش تک پہنچتے پہنچتے آسمان کو سیاہ بادلوں نے ڈھانپ لیا اور ستارے بادلوں میں روپوش ہو گئے۔ صحرا میں تاریکی چھا گئی لیکن دُور سے شعبان کو ستم کیش پیشہ ور طوائف برقہ کے قصرِ عیش کی مشعل کی روشنی ٹمٹماتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ شعبان کے گھوڑے کا رُخ اُسی ٹمٹماتی ہوئی روشنی کی طرف تھا۔

اس وقت قتالہ جہاں برقہ اپنی تمام حشر سامانیوں اور عشوہ طرازیوں کے ساتھ قصرِ عیش کے وسطی کمرے میں زرنگار صوفے پر نیم دراز ایک اور نوگرفتار دولت مند سوداگر زادے کو اپنے دام میں اُلجھا رہی تھی جو اُس کے سامنے کھڑا جھک کر اُسے سرخ عقیق اور مرجانِ زرد کا بیش قیمت ہار پیش کر رہا تھا۔ اتنے میں برقہ کی کنیز خاص ہندی دوشیزہ نے آ کر برقہ کے کان میں کہا۔

"سنگ تراش طبیب شعبان آیا ہے۔"

برقہ کے چہرے پر فتح مندی کی چمک سی آ گئی۔ اُس نے اپنی زلف گرہ گیر کو جو اُس کے

رخساروں کو چوم رہی تھی، اپنی نازک اُنگلی سے پیچھے ہٹاتے ہوئے ہندی دوشیزہ سے کہا۔

''اُسے میرے کمرۂ خاص میں بٹھاؤ۔''

ہندی دوشیزہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی تیزی سے قصرِ عیش کے صدر دروازے کی طرف چلی گئی۔ نوگرفتار نوجوان سوداگر نے جومشتاق نگاہوں سے برقہ کو تک رہا تھا، کہا۔

''کیا تھیبز کی حسن کی دیوی کو میرا تحفہ پسند نہیں آیا؟''

برقہ نے مسکرا کر کہا۔ ''اسے میری کسی کنیز کو دے دو۔ وہ اسے پہن لے گی۔'' اور اُٹھ کر اپنے شب خوابی کے کمرے کی طرف چل دی جس کا نام اُس نے کمرۂ خاص رکھا ہوا تھا۔ اس وقت برقہ باریک ہلکے آسمانی ریشمی لباس میں تھی، گلے میں نیلم کے موتیوں کی مالا تھی جو چلتے وقت بار بار اُس کے مرمریں نیم عریاں سینے کو چھو رہی تھی۔ اُس کی خواب گاہ صحیح معنوں میں خواب کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ کنول کے سفید پھولوں ایسے پیالوں میں عود وعنبر سلگ رہا تھا۔ سفید ستاروں والی نیلی چھت کے وسط میں بلوریں فانوس لٹک رہا تھا جس میں زیتون کے تیل کے چراغ بڑی دھیمی روشنی دے رہے تھے۔ دیواروں پر سرخ مخمل کے پردے گرے ہوئے تھے اور پلنگ پر جالی دار ریشمی مسہری لگی ہوئی تھی جس کی لرزوں میں سرخ اور نیلے موتی پروئے ہوئے تھے۔ پلنگ کے پاس ہی شعبان سنہری صوفے پر بیٹھا بے چینی سے برقہ کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں بار بار خوابگاہ کے دروازے کی طرف اُٹھ رہی تھیں جس پر چینی سلک کا قرمزی پردہ گرا ہوا تھا۔ شعبان نے وہ صندوقچی اپنی گود میں لے رکھی تھی جس میں کتاب الموت مخمل کے غلاف میں لپٹی پڑی تھی۔

خواب گاہ کے دروازے کا پردہ ایک طرف کو ہٹا اور برقہ نمودار ہوئی۔ شعبان اُٹھ کھڑا ہوا۔ برقہ کی مکار نگاہوں نے شعبان کے ہاتھ میں صندوقچی دیکھ لی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی ہے اور اس کا احمق اور عاقبت نا اندیش عاشق اپنے باپ کے تابوت میں سے وہ کتاب الموت چرا کر لے آیا ہے جو مرنے کے بعد برقہ کے گناہوں کا کفارہ ادا کرتے ہوئے اس کی رُوح کو جنت میں لے جائے گی اور اسے ابدی زندگی سے ہم کنار کرے گی۔ وہ مسکراتی، کمر کو توبہ شکن انداز میں آہستہ آہستہ لچکاتی اپنے گلے کی مالا کو اپنی انگلیوں پر کبھی لپیٹتی کبھی کھولتی شعبان کے پاس آ گئی اور خمار آلود آواز میں بولی۔

''تم ضرور اپنی محبوبہ کے لئے وہ تحفہ لے آئے ہو گے جس کی اس نے تمہیں فرمائش کی تھی۔''

برقہ نے صندوقچی کا ڈھکن اُٹھا دیا اور صندوقچی کے اندر غلاف میں لپٹی ہوئی کتاب الموت نکالی، خالی صندوقچی اُس نے شعبان کو دے دی اور کتاب الموت کو کھول کر دیکھا۔ یہ سات صفحوں کی کتاب تھی جس پر جنت کو جاتے آسمانی راستوں کا نقشہ بنا ہوا تھا اور جس کی راہ نمائی میں مرنے والے کی رُوح جنت میں پہنچ جاتی تھی اور ابدی زندگی پاتی تھی۔ کتاب کے سرورق پر آمون دیوتا کی صورت منقش تھی اور کاہن اعظم کی انگوٹھی کی مُہر ثبت تھی۔ برقہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ جس چیز کو وہ اپنی ساری دولت بلکہ اپنی زندگی دے کر بھی حاصل نہیں کر سکتی تھی وہ شے اُسے اُس کے ایک احمق عاشق نے لا کر دے دی تھی۔ برقہ نے کتاب کو دوبارہ مخملیں غلاف میں لپیٹا اور اسے اپنے پلنگ کے ریشمی تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ شعبان نے برقہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر کہا۔

''میں نے تمہاری فرمائش پوری کر دی۔ اب تم اپنا وعدہ پورا کر دو۔''

اور شعبان نے برقہ کے بازو کو پکڑ کر اُسے اپنے سینے سے لگانے کی کوشش کی۔ برقہ نے آہستہ سے اُسے پیچھے کر دیا اور متبسم ہونٹوں کے ساتھ بولی۔

''اپنا وعدہ پورا کرنے سے پہلے میں اپنے ہاتھوں سے تمہیں شراب ارغوان کا ایک جام پیش کرنا چاہتی ہوں۔''

برقہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اُس نے تین بار تالی بجائی۔ شعبان کا خیال تھا کہ وہ ہندی دوشیزہ کو طلب کر رہی ہے کہ وہ جام و مینا لے کر آئے۔ لیکن اُس کا خیال غلط نکلا، نازک اندام ہندی دوشیزہ کی جگہ دو دیو پیکر ہٹے کٹے حبشی غلام اندر آ گئے۔ طوطا چشم پیشہ ور دشمن دین وایمان برقہ نے حبشی غلاموں سے کہا۔

''اسے اُٹھا کر قصرِ عیش سے باہر پھینک دو۔''

شعبان پر جیسے اچانک بجلی سی گر پڑی ہو۔ اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ برقہ کی گردن کو اپنے ہاتھوں کے شکنجے میں جکڑ لیتا، دونوں حبشی غلام آگے بڑھے، پلک جھپکتے میں انہوں نے شعبان کو بازوؤں سے دبوچا اور گھسیٹتے ہوئے خواب گاہ سے باہر لے گئے۔ باہر برقہ کے قصرِ عیش کے آگے گلی سنسان پڑی تھی۔

یکلخت بجلی ایک زوردار گڑگڑاہٹ کے ساتھ کڑکی اور قصرِ عیش کی گلی روشن ہوگئی۔ اس روشنی میں دو حبشی غلاموں نے شعبان کو لا کر گلی میں پھینک دیا اور دروازہ بند کر دیا۔

بجلی بار بار چمکنے اور کڑکنے لگی۔ اور پھر بارش شروع ہوگئی۔ شاید آسمان بھی شعبان کے عبرتناک انجام پر آنسو بہا رہا تھا۔ شعبان گلی کی زمین پر اوندھا پڑا بارش میں بھیگ رہا تھا، ایک شکست خوردہ سپاہی کی طرح جو لڑتے لڑتے جنگ ہار کر میدانِ جنگ میں گر پڑا ہو۔ کچھ دیر تک وہ بارش میں بھیگتا اسی طرح گلی میں اوندھا پڑا رہا۔ بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی، بادل گرج رہے تھے۔ پھر وہ اُٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس درخت کی طرف چلا جہاں اُس کا گھوڑا بندھا تھا۔ گھوڑے کو کھولا اور اس پر بیٹھ کر جس طرف سے آیا تھا، اس طرف چل پڑا۔

جس وقت شعبان اپنے مکان پر پہنچا، بادل اسی طرح چھائے ہوئے تھے۔ بجلی چمک رہی تھی اور بارش ہو رہی تھی۔ کمرے میں آ کر وہ بستر پر گر پڑا اور پھر اُسے کوئی ہوش نہ رہا۔ جس وقت اُس کی آنکھ کھلی، کمرے کی کھڑکی میں سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ اُس کا جسم ایسے دُکھ رہا تھا جیسے زخموں سے چور ہو۔ دیر تک وہ بستر پر پڑا ٹکٹکی باندھے کھڑکی کی طرف دیکھتا رہا۔ رات کے واقعات اُسے ایک ڈراؤنے خواب کی طرح یاد آ رہے تھے۔ اب اُسے احساس ہوا کہ اُس نے باپ کو جنت کی ابدی زندگی سے محروم کر کے کتنا گھناؤنا گناہ کیا ہے۔ اُس کا حلق کڑوا ہوگیا۔ اُس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور رو پڑا۔ اتنے میں سائنا اُس کے لئے روٹی لے کر آ گئی۔ اُس نے شعبان کی حالت دیکھی تو سمجھ گئی کہ اُس کے ساتھ کیا واردات ہوئی ہے۔ شعبان نے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ سائنا اُس کے زخموں کو کریدنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ روٹیوں کی ٹوکری تپائی پر رکھ کر واپس چلی گئی۔

اب شعبان نے خود کو مکان کی چار دیواری میں بند کر لیا۔ وہ اپنے کمرے میں ہی پڑا رہتا۔ سائنا اُس کے لئے کھانا لے آتی، اُس کے میلے کپڑے دھوتی، گھر کی صفائی وغیرہ کرتی، کچھ دیر کے لئے شعبان کے پاس بیٹھ کر اُس سے بات کرنے کی کوشش کرتی۔ مگر شعبان اُس سے کوئی بات نہ کرتا اور خاموش بیٹھا رہتا۔ اسی عالم میں دس بارہ دن گزر گئے۔ شعبان کی حالت کچھ سنبھل گئی۔ ایک روز اُس نے کپڑے بدلے اور اس خیال سے

دارالحکومت کی طرف پیدل ہی چل دیا کہ بازاروں کی رونق دیکھ کر شاید اُس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ تھیبز کا گہرا نیلا آسمان سفید دُھوپ میں روشن تھا۔ دریائے نیل پر ایک بجرا دریا کی سبک خرام لہروں کے ساتھ بہتا چلا جا رہا تھا۔ بجرے میں مصر کے کسی خوشحال گھرانے کی عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ دریا کی سیر کر رہی تھیں۔

شعبان پُل پر سے گزر کر دریا کی دوسری جانب آ گیا۔ سامنے تھیبز شہر کی فصیل اور شہر کے سفید مکان کچھ فاصلے پر دُھوپ میں چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔ کچھ دیر تک وہ شہر میں یونہی بے مقصد گھومتا رہا۔ اُس کا جی کہیں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ شہر سے باہر نکل آیا اور اُس طرف چلنے لگا جدھر فرعون ہوتپ کا اہرام بن رہا تھا۔ یہ اہرام مکمل ہو چکا تھا، صرف اُس کی عقبی دیوار کی بڑے بڑے پتھروں سے چنائی ہو رہی تھی۔ مچانیں بندھی ہوئی تھیں، ایک طرف گارے کا مسالہ تیار ہو رہا تھا۔ مزدور اور کاریگر اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ سنگ تراش پتھروں کی تراش خراش میں لگے تھے۔ بڑے بڑے پتھروں کو چاروں طرف سے اس خوبی سے تراشا جا رہا تھا کہ لگتا تھا کسی نے انہیں چھری سے کاٹا ہو۔ کئی کئی ٹن وزنی چوکور پتھروں کو مضبوط موٹے رسوں کی مدد سے اٹھا کر اہرام کی دیوار میں رکھا جاتا اور پھر کاریگر راج اُس کے پہلوؤں میں مسالہ بھرنا شروع کر دیتے۔ فرعون ہوتپ کا یہ اہرام بھی دوسرے اہراموں کی طرح زمین سے پانچ سو فٹ بلند تھا۔ اس مخروطی اہرام کے اوپر کے حصے کی تعمیر ہو چکی تھی۔ صرف پشتے کی دیوار کا کام ہو رہا تھا۔ شعبان ایک طرف کھڑے ہو کر دلچسپی سے اہرام کو تعمیر ہوتے دیکھ رہا تھا۔

اچانک ایک طرف سے شور بلند ہوا۔ اس شور میں گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ ہنٹروں کے پھٹکارنے کی آواز بھی تھی۔ شعبان نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا، ایک جانب لوگوں کا ایک جلوس سا چلا آ رہا تھا۔ یہ جلوس نہیں تھا، ان گنت غلام بڑے بڑے پتھروں کو تختوں پر لادے لا رہے تھے۔ لکڑی کے گول گول شہتیر ان تختوں کے نیچے رکھ دیئے جاتے تھے اور غلام موٹے رسوں کے ذریعے ان کئی ٹن وزنی پتھروں کے تختے کو آگے کھینچ رہے تھے۔ یہ رسے غلاموں کے جسموں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے اور بیلوں کی طرح تختے پر رکھے بڑی بڑی چٹانوں کے سائز کے پتھروں کو کھینچ رہے تھے۔ دو غلام تختوں کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ تختوں کے نیچے پھسلتے ہوئے گول شہتیر جیسے ہی پچھلی جانب تختوں سے باہر نکلتے،

غلام فوراً انہیں اٹھا کر آگے لے جاتے اور تختوں کے آگے ڈال دیتے۔ دونوں جانب سپاہی ہاتھوں میں ہنٹر پکڑے غلاموں کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ذرا کوئی غلام سستی دکھاتا، اس پر ہنٹروں کی بارش کر دیتے۔

قدیم مصر کی تاریخ کے فرانسیسی محقق ڈی فورگ نے اپنی کتاب ''اہراموں کی داستان'' کے مطبوعہ ماڈرن لائبریری نیو یارک کے صفحہ 213 پر لکھا ہے۔ یہ کئی کئی ٹن وزنی پتھر مصر کے دارالحکومت سے چھ سو کلومیٹر کے فاصلے پر موجود سنگلاخ ٹیلوں کو کاٹ کر لائے جاتے تھے۔ کیونکہ دارالحکومت کے آس پاس صحرا تھا۔ ان پتھروں کو ڈھونے والے غلاموں کو جانور سمجھا جاتا تھا اور ان کے ساتھ جانوروں جیسا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی غلام چھ سو کلومیٹر کے فاصلے سے پتھر ڈھوتے ڈھوتے گر کر مر جاتا تو نگران سپاہی اُس کی لاش کو اُٹھا کر پرے پھینک دیتے اور اہرام کی تعمیر میں کام آنے والے پتھروں کا خونی سفر جاری رہتا۔

مشہور فلاسفر تاریخ دان وِل ڈیوراں اپنی کتاب ''ہمارا مشرقی ورثہ'' میں قدیم مصر کے باب میں لکھتا ہے کہ یہ غلام خریدے نہیں جاتے تھے۔ ایسا ہوتا تھا کہ فرعونِ مصر کے سپاہی بادبانی جہاز میں بیٹھ کر یا گھوڑوں پر سوار ہو کر مصر کی نو آبادیات کے دیہات کی طرف نکل جاتے اور شہر یا دیہات میں داخل ہونے کے بعد جو صحت مند جوان آدمی سامنے نظر پڑتا، اُسے پکڑ لیا جاتا اور یوں اہرام کی تعمیر کے واسطے ان اغوا کئے ہوئے جوانوں کو جہازوں کے ذریعے دارالحکومت لایا جاتا اور ان سے پتھر ڈھونے کا کام لیا جاتا۔ وِل ڈیوراں کے بیان کے مطابق ان غلاموں کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔ ان کی کوئی انسانی حیثیت یا حقوق نہیں تھے۔ انہیں دن میں صرف ایک بار پیاز اور تھوم کے ساتھ کھانے کو دو روٹیاں دی جاتیں۔ پینے کو قدیم مصر کی سستی بیئر ڈیورا کا ایک چھوٹا مٹکا ملتا۔ ان تمام غلاموں کا تعلق ان علاقوں سے تھا جن پر حکومت مصر نے قبضہ کر رکھا تھا۔ ان میں مصری غلام ایک بھی نہیں ہوتا تھا۔ وِل ڈیوراں نے ایک بڑی دلچسپ بات لکھی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک بار مصر میں پیاز کی فصل بہت کم ہوئی۔ اہراموں کے پتھر ڈھونے والے غلاموں کو جو روزانہ چار پیاز ملتے تھے انہیں گھٹا کر دو پیاز کر دیئے گئے۔ غلاموں نے اس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ہڑتال کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تاریخ انسانی کی پہلی ہڑتال تھی۔ ایک اہرام کو مکمل ہونے میں دس سے بارہ سال کا عرصہ لگتا تھا۔ قدیم مصریوں کا عقیدہ تھا کہ انسان

کی رُوح کو اس کے جسم کی ضرورت رہتی ہے۔ چنانچہ اہل مصر مرنے والوں کے جسموں کو حنوط کر کے اصلی حالت میں رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ مانتے تھے کہ مرنے کے بعد رُوح کو بھوک لگتی ہے، پیاس لگتی ہے اور اسے نوکر چاکر کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ مُردے کی ضروریات کا سارا سامان اس کے ساتھ ہی قبر میں دفن کیا جاتا تھا۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ فرعونِ مصر کی لاش کے ساتھ اُس کے چند ایک غلاموں اور لونڈیوں کو بھی اُس کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا۔ اس کا ثبوت یوں ملا ہے کہ جب فرانس کے ماہر آثارِ قدیمہ نے فرعونِ مصر کے پہلے اہرام کی کھدائی کی تو اہرام کے کشادہ تہہ خانے میں جہاں فرعون کا سونے چاندی کا رتھ، زر و جواہر سے بھرا ہوا صندوق، سونے چاندی کے روزمرہ استعمال کے برتن اور فرعون کے قیمتی پارچات پڑے تھے، وہاں تہہ خانے میں انسانی ہڈیوں کے پنجر بھی ملے۔ یہ انسانی پنجر آڑے ترچھے ہو کر اس طرح فرش پر پڑے تھے کہ جیسے جب انہیں زندہ حالت میں تہہ خانے میں فرعون کی اگلی زندگی میں خدمت کے واسطے بند کیا گیا اور بند تہہ خانے کی آکسیجن آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی اور ان کا دم گھٹنے لگا تو وہ بے بسی کی حالت میں زخمی پرندے کی طرح اِدھر اُدھر پھڑاتے رہے اور باہر نکلنے کی جدوجہد کرتے رہے۔ لیکن اہراموں کی ہزاروں لاکھوں ٹن وزنی چٹانی دیواروں سے باہر نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور وہ تڑپ تڑپ کر دم توڑ گئے۔ یہ غلام عام طور پر مصری شہری نہیں ہوتے تھے۔ یہ وہ بدقسمت لوگ ہوتے تھے جنہیں اہراموں کی تعمیر اور قصرِ شاہی میں اہل دربار، امرا اور کاہن اعظم کی خدمت گزاری کے لئے شاہی فوج کے سپاہی مصر کے مقبوضہ علاقوں سے بھیڑ بکریوں کی طرح پکڑ کر لے آتے تھے۔ ان کے ساتھ بھیڑ بکریوں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی غلام بیمار پڑ جاتا تو اُس کا علاج کرنے کی بجائے اُسے اٹھا کر صحرا کی تیز دُھوپ میں مرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔

شعبان ٹہلتے ہوئے اہرام کے صدر دروازے کی طرف آ گیا جو اہرام کے عقب میں تھا اور جہاں ایک چبوترے کے اوپر رکھے ہوئے ہزاروں ٹن وزنی چوکور پتھر کو رسوں اور گول شہتیروں کی مدد سے پشتے کی دیوار کے شگاف میں لگایا جا رہا تھا۔ شعبان اس بڑے چبوترے کے پاس ہی ایک طرف ہو کر کھڑا اس منظر کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اہرام کے صدر دروازے سے ایک سڑک فرعون کے قصرِ شاہی کو جاتی تھی۔ شعبان کے اِردگرد

کچھ اور دیہاتی لوگ بھی اس منظر کو دیکھنے کے لئے کھڑے تھے۔ فرعون کے شاہی قصر
جاتی سڑک پر دُور سے چار گھوڑ سوار اہرام کی طرف آتے دکھائی دیئے۔ وہ صحرا میں گھوڑے
دوڑاتے چلے آرہے تھے۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ شعبان بھی ان گھوڑ سواروں کی طرف
دیکھنے لگا۔ ان گھوڑ سواروں کے پیچھے کچھ غلام ایک پالکی اُٹھائے چلے آرہے تھے۔ پالکی
کے اوپر دُھوپ سے بچاؤ کے واسطے تنے ہوئے شامیانے کی سونے کی لرزیں اور منقش کی
جھالریں دُھوپ میں چمک رہی تھیں۔ پالکی کے آگے آگے کچھ شاہی کنیزیں ہاتھوں میں
کنول کے پھولوں کے گلدستے پکڑے چل رہی تھیں۔ گھوڑ سوار شاہی فوج کے سپاہی تھے۔
چونکہ وہ گھوڑے دوڑاتے آرہے تھے اس لئے پہلے پہنچ گئے۔ انہوں نے آتے ہی اہرام
کے چبوترے کے اِردگرد کھڑے لوگوں پر شڑاپ شڑاپ ہنٹر پھٹکارتے ہوئے بلند آواز
میں پکارا۔

"چہرے دوسری طرف کرو...... چہرے دوسری طرف کرو۔"

شعبان سمجھ گیا کہ قصرِ شاہی کی کوئی شہزادی وغیرہ اہرام کے معائنے کو آرہی ہے۔ جب
بھی شاہی خاندان کی کسی شہزادی کی سواری تھیبز کے بازاروں سے گزرتی تھی تو شاہی فوج
کے سپاہی ہنٹر برساتے آگے آگے پکارتے چلے جاتے تھے۔

"چہرے دوسری طرف کرو...... چہرے دوسری طرف کرو۔"

اور لوگ منہ دکانوں مکانوں کی طرف اور پشت بازاروں کی طرف کر کے سر نیچا کر کے
کھڑے ہو جاتے تھے۔ ایسا شاہی خاندان کی شہزادیوں اور بیگمات کو لوگوں کی نظر بد سے
بچانے کے لئے کیا جاتا تھا۔ غلام اور کاریگر اپنے اپنے کام میں لگے رہے۔ کسی نے کام نہ
چھوڑا۔ اہرام کی تعمیر کرنے والوں پر یہ حکم لاگو نہیں کیا جاتا تھا تا کہ اگر کوئی فرعون زادی
اہرام کے معائنے کو آتی ہے تو وہ کام ہوتے دیکھ سکے۔

شعبان نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح اپنا منہ سڑک سے ہٹا کر دوسری طرف کر لیا
لیکن وہ کنکھیوں سے سڑک پر آنے والی پالکی کو دیکھ رہا تھا۔ شاہی فوج کے گھوڑ سوار اب
اہرام کی زیرِ تعمیر دیوار کی دونوں جانب چوکس ہو کر کھڑے ہو گئے تھے۔ شعبان نے دیکھا
کہ پالکی ایک چوکور تخت کی شکل میں ہے۔ تخت پر ایک زرنگار کرسی پر ایک عورت زرق
برق لباس میں ملبوس ہیرے جواہرات کے زیورات پہنے گردن اونچی کئے بڑی تمکنت سے

بیٹھی ہے۔ دو کنیزیں اُس کے دائیں بائیں کھڑی مور کے نازک پنکھوں سے اُسے ہوا دے
رہی ہیں۔ کنیزوں کی دو قطاریں پالکی کے آگے آگے ہاتھوں میں کنول کے پھولوں کے
گلدستے پکڑے چل رہی ہیں۔ جب پالکی قریب آئی تو شعبان نے پالکی پر بیٹھی ہوئی شاہی
خاندان کی شہزادی کو غور سے دیکھا۔ وہ جوان نہیں تھی، ادھیڑ عمر تھی اور اُس کے بالوں میں
سفید بالوں کی لٹیں صاف نظر آرہی تھیں۔ شعبان کے قریب کھڑے اہرام کی دیوار کی
طرف منہ کئے ہوئے ایک دیہاتی نے دبی زبان میں کہا۔

"یہ رب فرعون کی بڑی بیٹی شہزادی ساہتی ہے۔ اس نے شادی نہیں کی۔"

شہزادی ساہتی کا نام سن کر شعبان پر کسی قسم کا ردِعمل ظاہر نہ ہوا۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ
پالکی میں سوار رب فرعون ہوتپ کی جو بیٹی اپنے باپ کا زیرِ تعمیر اہرام دیکھنے آئی ہے، وہ
اُس کی یعنی شعبان کی حقیقی ماں ہے۔ وہی ماں جس نے آج سے بیس بائیس سال پہلے
اپنے لختِ جگر کو رات کی تاریکی میں ایک کشتی میں ڈال کر دریائے نیل کی لہروں کے
حوالے کر دیا تھا۔

حبشی غلاموں نے شہزادی ساہتی کی پالکی زمین پر رکھ دی اور ہاتھوں کو اپنے سینوں پر
باندھ کر سر جھکا کر نظریں نیچی کر کے کھڑے ہو گئے۔ شہزادی ساہتی پالکی میں ہی بیٹھی
رہی۔ چار کنیزیں دوڑتی ہوئی اہرام کے چبوترے پر گئیں اور چبوترے پر کنول پھول کی
پتیاں توڑ توڑ کر بکھیرنے لگیں۔ شعبان کی پشت ان کنیزوں کی طرف تھی۔ ایک نازک
اندام سانولی کنیز پھولوں کی پنکھڑیاں بکھیرتی ہوئی غلطی سے ذرا آگے چلی گئی اور اُس کی
ریشمی عبا اس دیو پیکر چوکور چٹانی پتھر کے نیچے آگئی جسے رسوں کی مدد سے آہستہ آہستہ اہرام
کے شگاف کی طرف کھسکایا جا رہا تھا۔ کنیز گر پڑی اور اپنی عبا کے ساتھ ہی وہ بھی چٹانی پتھر
کی طرف کھسکنے لگی۔ اُس کی چیخ نکل گئی۔ چیخ کی آواز سن کر شعبان نے پلٹ کر دیکھا کہ
چبوترے پر افراتفری مچی ہوئی ہے۔ اہرام کے انجینئر اور سپاہی مزدوروں کو چٹانی پتھر کو
روکنے کے لئے چلا رہے ہیں۔ دس بارہ آدمی دیوار کی طرف کھسکتے پتھر کے ساتھ چمٹے
ہوئے ہیں اور اُسے روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کنیز کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ اُس کا
پاؤں عبا میں اُلجھ گیا تھا اور وہ ہزاروں ٹن وزنی پتھر کی طرف کھسکتی جا رہی تھی۔ جو غلام اس
پتھر کو موٹے رسوں کی مدد سے کھینچ رہے تھے وہ اس جگہ سے کافی دُور تھے اور انہیں ابھی

تک پتہ نہیں چلا تھا کہ پیچھے کیا حادثہ پیش آ گیا ہے۔

ایک دم سے شاہی فوج کے دو سپاہی چھلانگ لگا کر چبوترے پر چڑھ آئے اور انہوں نے تلواروں کے وار سے موٹے رسوں کو کاٹ ڈالا۔ رسوں کے کٹتے ہی بھاری بھرکم پتھر کی چٹان وہیں رُک گئی۔ لیکن اس دوران نازک اندام کنیز کا پاؤں زخمی ہو گیا تھا۔ اس میں سے خون بہہ رہا تھا اور کنیز پر غشی کی حالت طاری تھی۔ شعبان نے یہ منظر دیکھا تو چبوترے کی طرف دوڑا۔ سپاہیوں نے اُسے روکا تو اُس نے کہا۔

''میں طبیب ہوں۔ زخمی کنیز کی مدد کرنے جا رہا ہوں۔''

سپاہی اُسے اپنی نگرانی میں چبوترے پر لے گئے۔ کنیز سخت گھبرائی ہوئی تھی۔ چہرے پر موت کی زردی چھا رہی تھی۔ زخمی پاؤں میں سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ شعبان نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر کنیز کی عبا میں سے ایک چوڑی پٹی پھاڑ کر اسے دو پٹیوں میں تقسیم کیا۔ ایک پٹی کنیز کی ٹانگ پر گھٹنوں کے نیچے کس کر باندھ دی تا کہ خون بہنے سے رُک جائے اور دوسری پٹی اُس کے پاؤں کے زخم پر باندھ دی۔ شعبان نے سپاہیوں سے کہا۔

''اس کا خون بہت زیادہ بہہ چکا ہے۔ اگر فوری طور پر اس کا علاج نہ کیا گیا تو اس کے دل کے بند ہو جانے کا خطرہ ہے۔''

اس دوران کنیز بے چاری بے ہوش ہو چکی تھی۔ شاہی فوج کے سپاہی نے کہا۔ ''تم طبیب ہو۔ اس کا فوراً علاج کرو۔''

شعبان بولا۔ ''اسے اٹھا کر میرے مطب میں لے چلو۔ وہیں اس کا علاج ہو سکے گا۔''

سپاہی بولا۔ ''یہ رب فرعون کی بیٹی شہزادی ساہتی کی کنیز ہے۔ شہزادی صاحبہ کی اجازت کے بغیر ہم اسے نہیں لے جا سکتے۔''

ادھیڑ عمر شہزادی ساہتی کچھ فاصلے پر پالکی میں بیٹھی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ ایک کنیز دوڑتی ہوئی شاہی پالکی کے پاس آئی۔ شہزادی نے پوچھا۔

''کیا ماجرا ہے؟ لوگ کیوں شور مچا رہے ہیں؟''

کنیز نے کہا۔ ''شہزادی صاحبہ، کنیز لائیکا زخمی ہو گئی ہے۔ وہ بے ہوش ہے۔''

اتنے میں شاہی فوج کے حفاظتی دستے کا سپاہی بھی شہزادی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے شہزادی کو سارا واقعہ سنایا اور کہا۔ ''شہزادی معظمہ! اتفاق سے جائے حادثہ پر

ایک طبیب موجود تھا۔ کنیز کا بہت زیادہ خون بہہ گیا ہے۔ طبیب اُسے اپنے مطب میں لے جا کر اس کا علاج کرنا چاہتا ہے۔''

شہزادی ساہتی نے کہا۔ ''اُس طبیب کو میرے سامنے پیش کرو۔''

سپاہی جھک کر تعظیم پیش کرتا اسی لمحے واپس گیا اور شعبان کو اپنے ساتھ لا کر شہزادی کی خدمت میں پیش کر دیا۔

ادھیڑ عمر شہزادی ساہتی نے نگاہیں اُٹھا کر شعبان کی طرف دیکھا۔ نومولود بچے کو دریائے نیل کی لہروں کے سپرد کر دینے کے بائیس تیئس سال بعد ماں بیٹے کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کو نہ پہچانا۔ ادھیڑ عمر شہزادی ساہتی نے شعبان کو دیکھتے ہی اپنے دل میں خفیف سی لرزش محسوس کی لیکن اُس نے کوئی خیال نہ کیا۔ اُس نے شعبان سے پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''شعبان۔'' شعبان نے ادب سے کہا۔

شہزادی بڑی گہری نظروں سے شعبان کو دیکھ رہی تھی۔ شعبان کے چہرے پر ایک پُروقار سنجیدگی تھی۔

''کیا کرتے ہو؟'' شہزادی نے پوچھا۔

''میں پیدائشی طور پر سنگتراش ہوں شہزادی صاحبہ! لیکن جڑی بوٹیوں سے علاج بھی کرتا ہوں۔ اس کنیز کا اگر فوری طور پر علاج نہ کیا گیا تو اس کی جان کو خطرہ ہے۔''

شعبان کے چہرے سے خاندانی شرافت ٹپکتی تھی جس نے شہزادی ساہتی کو متاثر کیا تھا۔ اُس کے پہلو میں ایک ادھیڑ عمر خادمہ کھڑی تھی۔ اُس نے خادمہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

''تم لائیکا کے ساتھ جاؤ گی۔''

لائیکا زخمی کنیز کا نام تھا جو ابھی تک بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ شاہی اہلکاروں نے اسی وقت کنیز لائیکا کو بوڑھی خادمہ کے ساتھ شعبان کے مکان پر پہنچا دیا۔ شاہی اہلکاروں کو شعبان کے مکان پر آتے دیکھ کر کوزہ گر کی بیٹی جو شعبان سے پیار کرتی تھی، وہ بھی آ گئی۔ شعبان نے بے ہوش کنیز لائیکا کو تخت پر لٹا دیا اور سائنا سے پانی کا تسلا اور پٹیاں لانے کو کہا۔ اُس نے سب سے پہلے بے ہوش کنیز کے زخم کو صاف کر کے اس پر دوائی لگائی اور

پٹی باندھ دی۔ پھر دو تین دواؤں کا محلول بنا کر کنیز کے منہ میں قطرہ قطرہ ڈالا اور اُسے ایک خاص بوٹی کا سفوف سونگھایا۔ تھوڑی ہی دیر بعد کنیز لائیکا ہوش میں آ گئی۔ لیکن خون زیادہ بہہ جانے سے کنیز کو بے حد کمزوری ہو گئی تھی۔ شعبان نے بوڑھی شاہی خادمہ سے کہا کہ لائیکا کو کم از کم تین دن تک وہیں رہنا ہوگا۔ بوڑھی خادمہ بولی۔

"ٹھیک ہے، میں اس کے ساتھ ہی رہوں گی۔"

شعبان نے باقاعدہ کنیز لائیکا کا علاج شروع کر دیا۔ سائنا اُس کی برابر مدد کرتی رہی۔ روزانہ اُس کے پاؤں کی پٹی بدلی جاتی۔ دن میں تین مرتبہ اُسے مختلف دوائیں پلائی جاتیں۔ کنیز لائیکا چوتھے روز صحت مند ہو گئی۔ جب وہ بوڑھی خادمہ کے ساتھ شاہی محل کو واپس جانے لگی تو اُس نے شعبان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُس کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

"اگر تم عین وقت پر میرا علاج نہ کرتے تو پتہ نہیں میرا کیا حال ہوتا۔ میں تمہارا احسان ساری زندگی یاد رکھوں گی۔"

شعبان نے جواب دیا۔ "اس میں احسان کی کون سی بات ہے۔ یہ تو میرا فرض تھا جو میں نے پورا کیا۔"

کنیز لائیکا کے نیم وا ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم تھا۔ اُس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ لائیکا ہمیشہ نیم وا آنکھوں سے دیکھتی تھی۔ اُس کی لمبی پلکیں جھکی ہوئی رہتی تھیں۔ اپنے علاج کے دوران اُس نے شعبان کو بتایا تھا کہ وہ ملک حبشہ کی رہنے والی ہے۔ وہ ابھی چھوٹی تھی کہ اُس کے ماں باپ مر گئے۔ اُس کی ایک رشتہ دار عورت اُسے حبشہ سے مصر کے دارالحکومت تھیبز لے آئی۔ یہ عورت قصرِ شاہی میں خادمہ تھی۔

"جب میں جوان ہوئی تو میری رشتے دار عورت نے مجھے بھی شاہی محل کی کنیز بنوا دیا۔"

لائیکا کا رنگ گہرا سانولا تھا وہ کنیز ضرور تھی مگر اپنی گفتگو اور چہرے مہرے سے وہ کنیز نہیں لگتی تھی۔ شعبان اُس کی پُرکشش سنجیدہ شخصیت سے بڑا متاثر ہوا تھا۔ لائیکا بوڑھی خادمہ کے ساتھ چلی گئی لیکن شعبان کے دل میں دوبارہ ملنے کے لئے ایک کسک، ایک تڑپ چھوڑ گئی۔ شعبان کی بچپن کی ساتھی اور اُس سے دل ہی دل میں پیار کرنے والی سائنا نے لائیکا کنیز کی طرف شعبان کا جھکاؤ محسوس کر لیا تھا مگر اس چھوٹے سے دُکھ کو بھی اپنے سینے سے لگا کر دوسرے چھوٹے چھوٹے جذباتی دُکھوں میں شامل کر لیا تھا۔

اس رات شعبان نے خواب میں اپنے باپ کو دیکھا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک لق و دق صحرا ہے، تیز ہوا چل رہی ہے، چاروں طرف ہوا کا شور ہے، ریت کے بگولے اُڑ رہے ہیں، ان بگولوں میں اُس کا باپ جس نے اُسے پال پوس کر جوان کیا تھا، اِدھر اُدھر بھٹک رہا ہے۔ ایک بگولے سے نکلتا ہے تو دوسرا بگولا اُسے اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ ایک تیز رفتار بگولا گھومتا، گردش کرتا، صحرا کی ریت اُڑاتا شعبان کی طرف بڑھا۔ اُس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

اور شعبان کی آنکھ کھل گئی۔ اُس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔ اُس پر گھبراہٹ طاری تھی۔ اپنے باپ کی رُوح کو صحراؤں میں بھٹکتا دیکھ کر شعبان کی اپنی رُوح تڑپ اُٹھی تھی۔ اُسے بے حد صدمہ ہوا تھا۔ اُس کا ضمیر اُسے ملامت کر رہا تھا کہ اُس نے ایک آوارہ پیشہ طوائف کی خاطر اپنے اس باپ کی رُوح کو جنت کی ابدی زندگی سے محروم کر کے ہمیشہ کے لئے بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا ہے جس باپ نے اُسے دریا کی غضبناک موجوں سے نکال کر اپنے بیٹے کی طرح پروان چڑھایا تھا۔ وہ پریشانی کی حالت میں اپنے کمرے میں ہی بند رہا۔ سائنا اُس کے لئے ناشتہ لے کر آئی تو اُس نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

سائنا اُس کے پاس بیٹھ گئی۔ "کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں، تم ناشتہ واپس لے جاؤ۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

لیکن سائنا وہ عورت نہیں تھی جو اُس کو اُس کے حال پر چھوڑ دیتی۔ وہ اُس کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر سکتی تھی۔ افسوس کہ اس کا شعبان کو احساس نہیں تھا، لیکن سائنا محبت کے اس مقام پر تھی جہاں نہ ستائش کی تمنا ہوتی ہے نہ صلے کی پرواہ ہوتی ہے۔ جہاں محبت صرف محبت کی خاطر کی جاتی ہے چاہے دوسرا محبت کرے یا نہ کرے۔ چاہے دوسرا اس محبت کا جواب نفرت سے ہی کیوں نہ دے۔ سائنا نے کہا۔

"جب تک تم مجھے اپنی پریشانی نہیں بتاؤ گے میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔"

شعبان اگرچہ سائنا سے ایسی محبت نہیں کرتا تھا جس کا محبوب کے سامنے اظہار کیا جاتا ہے اور جس کی ایک تڑپ ہر لحظہ دل میں ضرور رہتی ہے۔ لیکن اُسے اتنا احساس ضرور تھا کہ اس کا اگر کوئی ہمدرد ہے تو وہ سائنا ہی ہے۔ چنانچہ جب سائنا نے اُسے مجبور کیا تو اُس نے

کہا۔

''رات میں نے اپنے باپ کو خواب میں دیکھا ہے۔''

اور پھر اُس نے سائنا کو سارا خواب سنا دیا۔ سائنا خاموش بیٹھی سنتی رہی۔ جب شعبان اپنا خواب سنا چکا تو وہ بولی۔

''تم نے ایک بڑا گناہ کیا ہے جس کی سزا تمہارے باپ کی رُوح بھگت رہی ہے۔ میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ اپنے باپ کے تابوت میں سے جنت کا راستہ دکھانے والی کتاب مت نکالو، مگر تم نے میری بات نہیں مانی۔''

شعبان نے جھنجھلا کر کہا۔ ''ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہئے کہ میرے گناہ کا ازالہ ہو سکے اور میرے باپ کی رُوح کو جنت کی ابدی زندگی پھر سے مل جائے؟''

سائنا بولی۔ ''اس سوال کا جواب تمہیں دیوتا اسیرس کے معبد کا کاہن ہی دے سکے گا۔ دیوتا اسیرس جنت کی طرف جانے والے آسمانی راستوں کا دیوتا ہے۔ اس کے معبد کا کاہن، دیوتا اسیرس کا رازدان ہے۔ صرف وہی اس بارے میں تمہاری راہ نمائی کر سکتا ہے۔ تم آج ہی اس سے ملو۔''

دیوتا اسیرس کے معبد میں شام کے وقت پوجا پاٹھ شروع ہو جاتی تھی۔ شعبان نے رسم کے مطابق دیوتا اسیرس کے معبد میں پہنچ کر کالے بکرے کی قربانی دی اور معبد کے کاہن کو سونے کے تین سکے اور پھلوں سے بھری ہوئی ٹوکری نذر کی اور عرض کی کہ میں ایک ضروری بات عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

منہ سر منڈھے بھاری چمکیلے جسم والے کاہن نے بے نیازی سے جواب دیا۔ ''رات کو میرے حجرے میں آ جانا اور مشورہ لینے کی نذر لانا مت بھولنا۔''

سائنا نے اُسے ساری باتیں پہلے سے بتا دی تھیں۔ شعبان معبد میں ہی بیٹھا رہا۔ جب رات گہری ہو گئی اور لوگ پوجا پاٹھ سے فارغ ہو کر چلے گئے اور معبد میں صرف دیوتا اسیرس کے بڑے بت کے آگے اُس کی تعریف کے گیت گانے والی دیوداسیاں ہی رہ گئیں تو شعبان کاہن کے حجرے میں پہنچ گیا۔ اس وقت کاہن آرام دہ تخت پر نیم دراز تھا اور ایک دیوداسی اُس کا بدن دبا رہی تھی۔ شعبان نے بڑے ادب سے کاہن کے آگے سونے کے مزید تین سکوں کی نذر پیش کی اور سر جھکا کر خاموش بیٹھ گیا۔ کاہن نے سونے کے سکے

قریب ہی پڑی سیاہ آبنوس کی صندوقچی میں ڈالے اور دیوداسی کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ جب دیوداسی جھک کر تعظیم کرتی چلی گئی تو کاہن نے شعبان سے پوچھا۔

''بتاؤ، کیا کہنا چاہتے ہو؟''

شعبان نے کاہن کو اپنا رات کا سارا خواب بیان کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اُس نے اپنے باپ کے تابوت میں سے کتاب الموت نکال کر ایک طوائف کو دے دی تھی جو بے وفا نکلی اور اُسے دغا دے گئی۔ کاہن ساری بات بڑے غور سے سنتا رہا۔ جب شعبان ساری بات بیان کر چکا تو کاہن جیسے گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اُس نے سر اٹھا کر شعبان کی طرف دیکھا اور بولا۔

''تم نے ایک ایسا گناہ کیا ہے جس کا ازالہ ممکن نہیں ہے۔ اس گناہ کے کفارے کے لئے اگر تم اپنی جان کی قربانی بھی دے دو تو کچھ نہیں ہوگا۔ تمہارے باپ کی رُوح کو جنت کی ابدی زندگی نہیں مل سکے گی۔''

شعبان پریشان ہو گیا۔ کہنے لگا۔ ''کاہن اعظم! آپ دیوتا اسیرس کے خاص دوست ہیں، اس کے رازدان ہیں۔ دیوتا اسیرس جو راز آپ کو بتاتا ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں بتاتا۔ اور دیوتا اسیرس جنت کے راستوں کے دیوتا ہیں۔ آپ اگر دیوتا سے میری سفارش کر دیں تو وہ میرے باپ کی رُوح کو بھٹکتے رہنے سے بچا کر جنت میں پہنچا سکتے ہیں۔ آپ جو کہیں گے میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔''

موٹا کاہن اپنی تعریف سن کر خوش ہو گیا۔ کہنے لگا۔

''میں آج رات دیوتا اسیرس کی خدمت میں پیش ہو کر تمہاری عرضداشت پیش کروں گا اور تمہاری سفارش بھی کروں گا۔ تم کل اسی وقت میرے حجرے میں آ جانا۔ دیوتا نے جو کہا ہو گا وہ میں تمہیں بتا دوں گا۔ اور ہاں، آتے ہوئے دیوتا کی خدمت میں پیش کرنے کا نذرانہ سونے کے چھ سکے لانا مت بھولنا۔''

شعبان بولا۔ ''میں دیوتا اسیرس کا نذرانہ لے کر حاضر ہو جاؤں گا۔''

شعبان کے دل میں اُمید پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اپنے باپ کی رُوح کو جنت کی زندگی کا ابدی سکون دینے میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ وہ قدیم مصر کے اس معاشرے کا ایک فرد تھا جن کا عقیدہ تھا کہ دیوتاؤں کا درجہ نعوذ باللہ خدا کا ہوتا ہے اور دیوتاؤں کے معبدوں

کے کاہن دیوتا کی طرف سے فرستادہ سفیر اور ان کے خاص دوست ہوتے ہیں۔ اگر کاہن کوئی سفارش کر دے تو دیوتا اسے نہیں ٹالتے اور سائل کا کام ضرور ہو جاتا ہے۔ شعبان بھی اسی توہم پرست قدیم مصری معاشرے کا ایک فرد تھا۔ وہ بھی اسی عقیدے کا قائل تھا۔ چنانچہ جب کاہن نے دیوتا اسیرس کے آگے اس کی سفارش کرنے کا وعدہ کر لیا تو اُسے یقین ہو گیا کہ وہ اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور اُس کے باپ کی رُوح کو جنت میں ابدی زندگی کا سکون مل جائے گا۔

گھر آ کر وہ سو گیا۔ دوسرے روز سائنا ناشتہ لے کر آئی تو شعبان نے اُسے رات کاہن سے اپنی ملاقات کی ساری تفصیل بیان کر دی۔ سائنا بڑی خوش ہوئی، کہنے لگی۔

''میں نے تمہیں بالکل صحیح مشورہ دیا تھا۔ اب تم فکر نہ کرو، دیوتا اسیرس معبد کے کاہن کو وہ طریقہ ضرور بتا دیں گے جس پر عمل کرنے سے تمہارے ضمیر کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا اور تمہارے باپ کی رُوح کو بھی سکون نصیب ہو سکے گا۔''

شعبان کہنے لگا۔ ''معبد کے کاہن نے دیوتا کو پیش کرنے کے واسطے نذرانے کے لئے سونے کے مزید چھ سکے مانگے ہیں۔ میری جو حالت ہے وہ تم سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ میں نے اپنے پاس جو جمع پونجی بچا کر رکھی تھی وہ سونے کے چند ایک سکے تھے جن میں سے چھ سکے میں پہلے ہی کاہن کو دیوتا کے معبد کی نذر کر چکا ہوں۔ اب میرے پاس صرف تین سکے باقی رہ گئے ہیں، اس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ باقی کے تین سکے میں کہاں سے لاؤں؟ سوچتا ہوں میرا باپ جو میرے پاس اپنا قیمتی ورثہ سنگتراشی کے اُوزاروں کی شکل میں چھوڑ گیا ہے، اسے بیچ ڈالوں۔ اس کی رقم سونے کے تین سکے تو ضرور مل جائیں گے۔''

شائنا کو شعبان کی یہ بات سخت ناگوار لگی۔ کہنے لگی۔ ''یہ اوزار اس سے کہیں زیادہ قیمتی ہیں اور پھر کیا تمہیں معلوم نہیں اپنے مرے ہوئے باپ کے کپڑے اور اُس کی استعمال کی ہوئی چیزوں کو فروخت کرنا دیوتاؤں کی توہین کے برابر ہوتا ہے؟''

''تو پھر میں کیا کروں؟'' شعبان بولا۔ ''یہ بھی تو میں اپنے باپ کی رُوح کے سکون کی خاطر ہی کر رہا ہوں۔''

سائنا نے کہا۔ ''میں نے کچھ رقم بچا کر رکھی ہوئی ہے میں اس میں سے تین سکے لا

دیتی ہوں۔ تم ناشتہ کرو، میں ابھی لے کر آتی ہوں۔''

سائنا اسی وقت اُٹھ کر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئی تو اُس کے ہاتھ میں چھوٹی سی تھیلی تھی، اُس نے تھیلی میں سے سونے کے پانچ سکے نکال کر شعبان کے آگے رکھ دیئے۔

''ان میں سے تین سکے معبد کے کاہن کو دے دینا، باقی اپنے پاس رکھ لینا۔ ہو سکتا ہے ان کی ضرورت پڑ جائے۔''

سائنا کے اس ایثار اور بے غرض مروّت اور محبت کو دیکھ کر شعبان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے سائنا کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''سائنا! میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھلا سکوں گا۔''

سائنا کے دل کو چوٹ سی لگی۔ شعبان اب بھی اُس کے دل کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ وہ بچپن سے اُسے محبت کرتی آئی تھی لیکن وہ ابھی تک اس سے بے خبر تھا۔ اُس نے اپنا ہاتھ آہستہ سے کھینچ لیا اور کہا۔ ''میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔'' اور پھر ناشتے کے خالی برتن ٹوکری میں ڈال کر اُٹھی اور چلی گئی۔

شعبان نے سونے کے سکے سنبھال کر رکھ لئے۔ جب سورج غروب ہو گیا اور مصر کے قدیم دارالحکومت تھیبز کی فصیل شہر کی بُرجیوں میں مشعلیں روشن ہو گئیں تو وہ اُٹھ کر دیوتا اسیرس کے معبد کی طرف چل پڑا۔

دیوتا اسیرس کے معبد میں شام کی پوجا شروع تھی۔ معبد کے صدر دروازے پر دونوں جانب بڑی بڑی مشعلیں روشن تھیں۔ عورتیں، مرد اپنے بچوں کو لئے دیوتا اسیرس کی پوجا کرنے چلے آتے تھے۔ عورتوں اور مردوں کے ہاتھوں میں پھولوں کی چنگیریں اور مٹی کے فانوس تھے جن کے اندر زیتون کے دیے جل رہے تھے۔ بچوں نے اپنے ننھے منے ہاتھوں میں لمبے ڈنٹھلوں والے کنول پھول پکڑے ہوئے تھے۔ معبد میں عود وعنبر کے بخورات کی خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں۔ نفیریوں اور جھانجھروں کی آوازوں کے ساتھ حبشہ، صومالیہ اور خرطوم کی نازک بدن دیوداسیوں کے ربّ اسیرس کے گیت گانے کی دھیمی آوازیں آ رہی تھی۔

شعبان نے معبد میں جا کر دیوتا اسیرس کے بہت بڑے بت کے آگے سر جھکا کر پھولوں اور پھلوں کی ٹوکری کا نذرانہ پیش کیا اور وہیں پجاریوں میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا

اور ہاتھ باندھ کر دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ بھی دیوتا کی تعریف میں گانے جانے والے بھجن میں شریک ہوگیا۔ معبد کا کاہن ہاتھ میں بخورات کا نقرئی پیالہ پکڑے دیوتا کے بت کے آگے دائرے کی شکل میں پھرا رہا تھا اور ساتھ ساتھ قدیم زمانے کی زبان میں کچھ پڑھتا بھی جاتا تھا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں چاندی کا عصا تھا۔ موٹی گردن میں رنگ برنگے موتیوں اور مونگوں کی مالائیں چمک رہی تھیں۔

پوجا کی رسومات آدھی رات کو جا کر ختم ہوئیں اور پجاری ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگے۔ جب سب لوگ چلے گئے اور شعبان اور کاہن معبد کے پوجا کے کمرے میں اکیلے رہ گئے تو کاہن نے شعبان کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ شعبان اُٹھ کر کاہن کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ کاہن اپنے حجرے میں آ کر تخت پر بیٹھ گیا۔ شعبان ایک ہاتھ سینے پر رکھے ادب سے کھڑا رہا۔

کاہن نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ تخت کے قریب ہی فرش پر بچھے ہوئے پرانے قالین پر بیٹھ گیا۔ کاہن نے صراحی میں سے کوئی مشروب سبز پتھر کے پیالے میں انڈیلا، اس کے دو تین گھونٹ پیئے اور اپنی لال لال آنکھوں سے شعبان کو گھور کر دیکھا۔ شعبان پر ایک دم مایوسی چھا گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ دیوتا اسیرس نے اُس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

کاہن کچھ دیر اُسے گھور کر تکتا رہا۔ زمرد کا پیالہ اُس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ پھر اُس نے پیالہ صراحی کے پاس رکھ دیا اور نرم تکیوں کا سہارا لیتے ہوئے بولا۔ ''میری نذر لائے ہو؟''

شعبان نے جلدی سے سونے کے چھ سکے تھیلی میں سے نکال کر کاہن کے آگے رکھ دیئے اور ہاتھ سینے پر باندھ کر بیٹھا رہا۔ کاہن نے سکے اُٹھا کر صندوقچی میں ڈال دیئے اور بولا۔

''تم نے دیوتا اسیرس کی جنت کا راستہ دکھانے والی مقدس کتاب کو اپنے باپ کے تابوت سے چرا کر اور اسے ایک طوائف کے حوالے کر کے دیوتاؤں کے خلاف جو گناہ کیا ہے اور مقدس کتاب کی جو بے حرمتی کی ہے، دیوتا اسیرس کے علاوہ کوئی بھی دیوتا اسے معاف نہیں کر سکتا۔ رات میں نے دیوتا اسیرس کا مراقبہ کیا اور تمہاری سفارش کی۔ دیوتا اسیرس نے تمہارے اس مذموم فعل پر سخت برہمی کا اظہار کیا اور صاف لفظوں میں کہا کہ اس کا گناہ ناقابل معافی ہے۔''

کاہن خاموش ہوگیا۔ حجرے میں سناٹا چھا گیا۔ دیوتا اسیرس کے جواب پر شعبان کا دل بجھ گیا۔ اُس کے چہرے پر مُردنی سی چھا گئی۔

''لیکن......'' کاہن نے کہا۔

کاہن کے اس لفظ پر شعبان نے چہرہ اٹھا کر پُر اُمید نگاہوں سے کاہن کی طرف دیکھا۔ کاہن نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن جب میں نے دیوتا اسیرس کو عرض کی کہ شعبان اپنے کیئے پر سخت پچھتا رہا ہے، وہ اپنے گناہ پر نادم ہے اور اس کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے تو دیوتا اسیرس نے کہا۔

''اُس نے جو گناہِ عظیم کیا ہے، اس کا نہ تو کوئی کفارہ ہے اور نہ اسے معاف ہی کیا جا سکتا ہے۔ اُسے اس گناہ کی سزا اپنے ضمیر کی ملامت کی شکل میں ساری عمر بھگتنی پڑے گی۔ تاہم اس کے نیک دل باپ کی بھٹکتی رُوح کو جنت میں ابدی زندگی کا سکون جو اُس کے نافرمان بیٹے نے اُس سے چھین لیا تھا، دوبارہ مل سکتا ہے۔''

شعبان کی آنکھوں میں اُمید کے بجھے ہوئے چراغ کی لو پھر سے روشن ہوگئی۔ اُس نے یہ سوچے بغیر کہ کاہن کی بات کو کاٹنا بے ادبی ہوتی ہے، بے اختیار پوچھ لیا۔

''کیا دیوتا اسیرس نے اس کی کوئی صورت بیان فرمائی؟''

کاہن کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات اُبھر آئے۔ اُسے شعبان کا بات کاٹنا بہت برا لگا تھا۔ لیکن وہ اس بے ادبی کو برداشت کر گیا۔ کیونکہ وہ سونے کے چھ سکے واپس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے کہا۔ ''میں جو کہوں اُسے خاموشی سے سنو، بیچ میں نہ ٹوکنا۔ دیوتا اسیرس کا کہنا ہے کہ اگر تم کتاب الموت کے سنہری غلاف کو فرعون کے شاہی محل سے لا کر اپنے باپ کے تابوت میں اس کی ممی کے سینے پر رکھ دو تو تمہاری باپ کی رُوح دوبارہ جنت کی ابدی زندگی حاصل کر لے گی ورنہ وہ ہمیشہ آسمانوں میں بھٹکتی رہے گی۔ کیا تم ایسا کر سکو گے؟''

شعبان ایک دم بولا۔ ''میں اپنی جان پر کھیل کر بھی یہ کام کر گزروں گا۔''

کاہن نے کہا۔ ''یہ مت بھولنا کہ یہ مقدس کتاب شاہی محل میں سخت حفاظتی پہرے میں رکھی ہوئی ہے اور سوائے ربّ فرعون کے دوسرا کوئی اس کے قریب نہیں جا سکتا۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو ربّ فرعون کے شاہی محافظوں کو اسی لمحے اس کا سر قلم کر دینے کا حکم ہے۔''

شعبان نے کہا۔ ''عظیم المرتبت کاہن! مجھے یقین ہے کہ میں کتاب الموت کے سنہری غلاف کو نکال لانے میں ضرور کامیاب ہوں گا۔ اس کا مجھے یقین ہے۔''

کاہن بولا۔ ''ایک اور بات دھیان سے سنو! اگر تم اپنی مہم میں کامیاب ہو گئے تو مقدس کتاب کا غلاف صرف سات دنوں تک تمہارے باپ کے تابوت میں رہے گا۔ آٹھویں دن تم اسے تابوت میں سے نکال کر تھیبز شہر کے سب سے بڑے چوراہے کے چبوترے پر لا کر رکھ دو تا کہ اس کی تلاش میں نکلے ہوئے ربّ فرعون کے سپاہی دوسرے دن اسے دیکھ کر خود بخود اٹھا کر لے جائیں اور غلاف واپس مقدس کتاب کے پاس پہنچ جائے۔''

شعبان بولا۔ ''عظیم کاہن! میں آپ کے اور دیوتا اسیرس کے ایک ایک حکم کی تعمیل کروں گا۔ آپ نے جو کچھ فرمایا میں اس پر پورا پورا عمل کروں گا۔''

''ایک اور بات۔'' کاہن تامل کے بعد بولا۔ ''یہ دیوتا اسیرس کا راز ہے، اس کو راز ہی رکھنا۔ کسی دوسرے سے اس کا ہرگز ذکر نہیں کرو گے۔''

شعبان بولا۔ ''میں اس راز کو اپنے سینے سے لگا کر رکھوں گا عظیم کاہن!''

کاہن نے کہا۔ ''اور یہ بھی یاد رکھو، اگر تم نے یہ راز کسی کو بتا دیا تو تمہارے باپ کی رُوح تو پہلے ہی سے بھٹک رہی ہے لیکن اس کے بعد تم پر بھی آسمان کے تمام دیوتاؤں کی بد دُعا نازل ہو گی اور تم مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو کر سسک سسک کر دم توڑ دو گے۔ دیوتا اسیرس نے صرف تم پر رحم کی خاطر ایسا کیا ہے۔ کیونکہ تم نیک نیت ہو اور نیک نیتی کے ساتھ اپنے گناہ پر شرمسار ہو اور اپنے باپ کی رُوح کو سکون پہنچانا چاہتے ہو۔''

شعبان نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

''عظیم کاہن! میں اس کے لئے آپ کا اور دیوتا اسیرس کا بے حد شکر گزار ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ راز کسی کو نہیں بتاؤں گا اور اگر میں مقدس کتاب الموت کا سنہری غلاف شاہی محل سے نکال کر اپنے باپ کے تابوت میں رکھنے میں کامیاب ہو گیا تو سات دن گزر جانے پر سنہری غلاف بڑے ادب اور احترام کے ساتھ شہر کے بڑے چوراہے کے چبوترے پر لے جا کر رکھ دوں گا تا کہ کتاب مقدس کی امانت اس کے پاس واپس چلی جائے۔''

کاہن بولا۔ ''تمہاری راہ نمائی کے لئے میں تمہیں اتنا بتا دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ یہ

مقدس کتاب فرعون کے قصرِ شاہی کے ایک نیلے کمرے میں رکھی ہوئی ہے۔ یہ نیلا کمرہ محل میں کہاں ہے، یہ تمہیں اپنے طور پر معلوم کرنا ہو گا۔ اب تم جا سکتے ہو۔''

شعبان اُٹھا تو کاہن بولا۔ ''اور ہاں، اگر تم شاہی محل میں پکڑے گئے تو تم پر لازم ہے کہ تم ربّ فرعون اور شاہی محافظوں کے آگے دیوتا اسیرس کا یا میرا نام نہیں لاؤ گے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا سر تو اسی وقت قلم کر دیا جائے گا لیکن مرنے کے بعد دیوتا اسیرس کی بد دُعا کے اثر سے تمہاری رُوح بھی جنت کی ابدی زندگی سے محروم رہ کر ہمیشہ کے لئے آسمانوں میں بھٹکتی رہے گی۔''

شعبان نے دل پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کرتے ہوئے کہا۔ ''عظیم کاہن! میں دل سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں پکڑا گیا تو میری زبان اپنے سر کے قلم ہو جانے تک بند رہے گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' کاہن نے کہا۔ ''اب تم جاؤ۔''

شعبان نے کاہن کی تعظیم میں تین بار سر جھکایا اور حجرے سے نکل کر اپنے مکان کی طرف پیدل ہی روانہ ہو گیا۔ رات کے پچھلے پہر کا وقت تھا۔ صحرائی رات کی فضا میں کافی خنکی تھی۔ وادیٔ نیل کا گہرا نیلا آسمان ستاروں کی جھلملاہٹ سے روشن نظر آ رہا تھا۔ اپنے مکان پر آ کر شعبان بستر پر لیٹ گیا اور اپنی اُس مہم کے بارے میں گہری سوچ میں ڈوب گیا جو اُسے درپیش تھی۔ فرعون کے قصرِ شاہی سے مقدس کتاب کے غلاف کو نکال کر لانا سانپ کے منہ سے مہرہ نکال کر لانے کے برابر تھا بلکہ کئی اعتبار سے اس سے بھی مشکل تھا۔ وہ کبھی فرعون کے محل میں نہیں گیا۔ اُسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ محل میں وہ نیلا کمرہ کہاں پر ہے جہاں خصوصی حفاظت کے ساتھ کتاب الموت یعنی مقدس کتاب کو رکھا گیا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ غلاف چوری کرتے وقت اگر وہ پکڑا گیا تو شاہی حفاظتی دستے کے سپاہی اُسی لمحے اُس کی گردن اُڑا دیں گے۔ لیکن اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے اور اپنے باپ کی رُوح کو ابد تک بھٹکنے سے نجات دلانے کی خاطر شعبان مقدس کتاب کا غلاف نکال کر لانے کا فیصلہ بھی کر چکا تھا۔

ساری رات اسی ادھیڑ بن میں گزر گئی۔

اگلے روز شاہی محل کی کنیز لائیکا نے پاؤں کے زخم کی پٹی بدلوانے آنا تھا۔ وہ بوڑھی خادمہ کے ساتھ دن چڑھے شعبان کے مکان پر آئی تو اُسے دیکھ کر اچانک شعبان کے دل

میں خیال آیا کہ شاہی محل کی یہ کنیز اس کو درپیش خطرناک مہم میں اس کی مدد کر سکتی ہے۔ لائیکا ویسے بھی اُسے بڑی پسند تھی اور اُس کا دل اُس کی طرف مائل ہو چکا تھا۔ اُس کے ساتھ آئی ہوئی بوڑھی خادمہ کمرے سے باہر تخت پر بیٹھی تھی۔ شعبان نے پہلے کبھی لائیکا سے زیادہ بات چیت نہیں کی تھی۔ ایک بار اُس نے اپنی محبت کا اظہار بھی کرنا چاہا لیکن پھر کچھ سوچ کر ایسا نہ کر سکا۔ اب اُسے لائیکا کو زیادہ سے زیادہ اپنے قریب لانے کی ضرورت تھی۔ اُس نے لائیکا کی پٹی بدلتے ہوئے اُس کی آنکھوں اور اُس کے گھنے سیاہ بالوں کی تعریف کر دی۔ لائیکا بھی شعبان کو پسند کرتی تھی۔ وہ شرما گئی شعبان کا حوصلہ بڑھا اور اُس نے لائیکا کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑے جذباتی لہجے میں بولا۔

''لائیکا! اگر میں تمہیں ایک بات کہوں تو تم ناراض تو نہیں ہو جاؤ گی؟''

لائیکا سمجھ گئی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے، اُس نے انجان بن کر پوچھا۔

''ایسی کون سی بات ہے؟ تم بے شک کہو۔ میں ناراض نہیں ہوں گی۔''

شعبان نے خرطوم کی نازک بدن گہری سانولی کنیز لائیکا کا ہاتھ بے اختیار چوم لیا۔ کنیز نے ہاتھ پیچھے کر لیا اور سمٹ سی گئی۔ شعبان نے کہا۔

''جو بات میں نے زبان سے کہنی تھی، اسے میں نے تمہارا ہاتھ چوم کر لفظوں کے بغیر ادا کر دیا ہے۔ اگر تم ناراض ہو گئیں تو میں ساری زندگی اپنے آپ کو معاف نہیں کروں گا۔''

اتنے میں بوڑھی خادمہ اندر آ کر بولی۔ ''بہت دیر ہو گئی ہے لائیکا۔ ہمیں محل میں واپس بھی جانا ہے۔''

''پٹی بدلوا لی ہے اماں...... چل رہی ہوں۔'' یہ کہہ کر لائیکا تخت پر سے نیچے اُترنے لگی۔ شعبان نے اُسے سہارا دے کر اتارا۔ بوڑھی خادمہ نے فوراً آگے بڑھ کر لائیکا کو تھام لیا۔ لائیکا نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور آہستہ آہستہ قدم قدم چل پڑی۔ شعبان اس کے عقب میں تھا۔ جب وہ کمرے سے باہر نکلنے لگی تو اُس نے لائیکا کو مخاطب کر کے کہا۔ ''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا لائیکا؟''

لائیکا نے پلٹ کر شعبان کی طرف دیکھا اور ایک شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی۔

شعبان کو اُس کے سوال کا جواب مل گیا تھا جو اُس کے حق میں تھا۔ شعبان نے لائیکا

سے اپنی محبت کے اظہار میں کسی قسم کی اداکاری نہیں کی تھی۔ اُس نے لائیکا سے جو کچھ کہا تھا، وہ اُس کے دل کی آواز تھی۔ فرق صرف اتنا پڑا تھا کہ جو اظہارِ محبت وہ کچھ وقت ڈال کر کرنا چاہتا تھا وہ اُس نے وقت سے پہلے کر دیا تھا۔ وہ لائیکا کے ساتھ مکان کے صحن والے بڑے دروازے تک آیا۔ دروازے کے باہر دو غلام پالکی لئے کھڑے تھے۔ شعبان نے لائیکا سے کہا۔ ''میں ایک نیا مرہم تیار کر رہا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ ایک دن کا وقفہ ڈال کر تمہارے زخم پر لگاؤں۔ اس سے تمہارے پاؤں کا زخم دو دن میں اچھا ہو جائے گا۔''

کنیز لائیکا، بوڑھی خادمہ کے ساتھ پالکی میں بیٹھ گئی تھی۔ کہنے لگی۔ ''اگر تم کہو تو میں کل اسی وقت پھر آ جاؤں گی۔ میں بھی چاہتی ہوں کہ پاؤں کا زخم جلدی اچھا ہو جائے۔''

شعبان بولا۔ ''اگر آ جاؤ تو یہ اچھی بات ہو گی۔ کل تک میں مرہم بھی تیار کر لوں گا۔''

لائیکا چلی گئی۔

دوسرے روز صبح وہ بوڑھی خادمہ کو لے کر پٹی بدلوانے آ گئی۔ شعبان نے ایک معمولی سی مرہم تیار کر رکھی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ لائیکا کنیز کے پاؤں پر لگانے لگا۔ زخم بھر چکا تھا۔ صرف زخم کا منہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ اُس پر مرہم لگا کر شعبان نے پٹی باندھی اور لائیکا سے باتیں شروع کر دیں۔ باتوں ہی باتوں میں شعبان نے اُس سے اپنے دلی جذبات کا اظہار کر ڈالا۔ یہ ایک طرح سے اظہارِ محبت تھا جو ضرورت کے تحت شعبان نے وقت سے ذرا پہلے کر دیا تھا۔ لائیکا کو وہ سچے دل سے پیار کرنے لگا تھا۔ لائیکا بھی اُسے پسند کرتی تھی۔ جب شعبان نے اُس پر اپنی محبت ظاہر کی تو لائیکا کا دل خوشی سے کنول پھول کی طرح کھل اُٹھا۔ اُس نے دبی زبان میں محبت کا جواب محبت سے دیا۔ شعبان کہنے لگا۔

''سوچتا ہوں جب تمہارا زخم ٹھیک ہو جائے گا تو پھر میں تمہیں کیسے ملوں گا؟ تم شاہی محل میں رہتی ہو۔ ہماری ملاقات کیسے ہو گی؟''

لائیکا نے کہا۔ ''میں تمہیں ملنے آ جایا کروں گی۔''

شعبان نے کہا۔

''مگر تمہارے ساتھ بوڑھی خادمہ بھی تو ہو گی۔ وہ ہمارا راز فاش کر سکتی ہے۔''

لائیکا کہنے لگی۔ ''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں تمہیں ملنے اکیلی آؤں گی اور رات کو آیا کروں گی۔'' پھر اُس نے پوچھا۔ ''تم نے محل کی پشت پر جو قدیم اہرام ہے وہ تو ضرور دیکھا ہوگا۔''

''کیوں نہیں۔'' شعبان نے جواب دیا۔''اس قدیم اہرام کے پاس ہی اناروں کا ایک باغ بھی ہے۔''

''ہاں۔'' شعبان نے کہا۔''میں کل آدھی رات کو اُسی اناروں کے باغ میں تم سے ملنے آؤں گی۔ میرا انتظار کرو گے نا؟''

شعبان نے لائیکا کا ہاتھ چوم کر کہا۔''مگر تم آنا ضرور۔ زیادہ انتظار مجھ سے برداشت نہیں ہو سکے گا۔''

دوسرے دن رات کو شعبان شاہی محل کی پشت پر جو قدیم اہرام تھا اور جسے قدیم مصر کے پہلے حکمران زوسر کے عہد میں تعمیر کیا گیا تھا، وہاں اناروں کے باغ میں پہنچ کر لائیکا کا انتظار کرنے لگا۔ اناروں کا وہ باغ ویران ویران تھا۔ یہ اناروں کا موسم نہیں تھا۔ رات خاموش اور اندھیری تھی۔

کچھ ہی دیر بعد لائیکا آ گئی۔ اُس نے اپنے جسم کو سیاہ لبادے میں لپیٹا ہوا تھا۔ شعبان نے اُسے اپنے ساتھ لگا لیا اور دونوں انار کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور پیار محبت کی باتیں کرنے لگے۔

یوں ان دونوں کی کبھی کبھار کی ملاقاتیں شروع ہو گئیں اور محبت کا رشتہ دونوں کے درمیان گہرا اور مضبوط ہوتا چلا گیا۔ شعبان اپنے مطلب کی طرف آنے سے پہلے لائیکا کو کچھ وقت دینا چاہتا تھا۔

ایک دن سائنا شعبان کے لئے ناشتہ لے کر آئی تو وہ ابھی تک سو رہا تھا۔ سائنا کو معلوم تھا کہ شعبان آدھی رات کو کہیں جاتا ہے اور پھر رات گئے واپس آتا ہے۔ سائنا ناشتے کی ٹوکری لے کر باہر سٹول پر بیٹھ گئی۔ شعبان سو کر اُٹھا، اُس نے منہ ہاتھ دھویا اور سائنا کے پاس آ گیا۔ سائنا نے پوچھا۔''تم رات کہاں گئے تھے؟''

''میں گھر پر ہی ہوتا ہوں۔ کہیں نہیں جاتا۔'' شعبان نے بے رُخی سے جواب دیا۔ اُس نے سائنا کو یہ بتانا مناسب خیال نہ کیا کہ وہ راتوں کو کنیز لائیکا سے ملنے جاتا ہے اور یہ ملاقاتیں اُس کی خطرناک مہم کا ہی ایک حصہ ہیں۔ سائنا کو یقین آ گیا۔ وہ شعبان کی محبت میں ایسی سرشار تھی کہ اُس کی ہر بات پر ایمان لے آتی تھی۔

✿......✿

اسی طرح ایک مہینہ گزر گیا۔ شعبان اور کنیز لائیکا ہر دوسرے دن رات کو ملتے۔ وہ اب ایک دوسرے کے بہت قریب آ چکے تھے۔ ایک رات شعبان نے لائیکا سے کہا۔

''اب تم مجھے ملنے نہیں آؤ گی، بلکہ میں تمہیں ملنے آیا کروں گا۔''

لائیکا نے مسکرا کر کہا۔''تم شاہی محل میں کیسے آؤ گے؟ وہاں تو رات کو چاروں طرف پہرہ لگا ہوتا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تم یہ خطرہ مول لو۔''

''تم بھی تو خطرہ مول لے کر مجھ سے ملنے آتی ہو۔ پھر میں کیوں نہیں آ سکتا؟'' شعبان نے لائیکا کا ہاتھ چوم کر کہا۔

لائیکا بولی۔''میں تو ایک خفیہ دروازے سے آتی ہوں۔''

''میں بھی اُسی خفیہ دروازے سے آ جاؤں گا۔ تم مجھے اس خفیہ راستے کی جگہ بتا دو۔''

شعبان کے جواب پر لائیکا نے کہا۔''تم جذباتی ہو رہے ہو۔ تمہارا شاہی محل میں آنا ٹھیک نہیں۔ تمہیں کچھ ہو گیا تو میں زندہ نہیں رہ سکوں گی۔''

شعبان نے لائیکا کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ کہنے لگا۔''لائیکا! میں جذباتی نہیں ہو رہا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب تم مجھ سے ملنے نہیں آؤ گی بلکہ میں تم سے ملنے شاہی محل آؤں گا۔ تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ وہ خفیہ راستہ کہاں پر ہے اور تمہارے کمرے تک پہنچنے کے واسطے مجھے محل کے اندر کہاں کہاں سے گزرنا ہوگا؟''

لائیکا نے ایک بار پھر شعبان کو روکنے کی کوشش کی لیکن شعبان نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔''اگر تم نہیں چاہتیں کہ میں تمہیں شاہی محل میں آ کر ملوں تو پھر میں محل کے باہر بھی تمہیں کبھی نہیں ملوں گا۔ میں تم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جاؤں گا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔''

تب لائیکا کو یقین ہو گیا کہ اس کا ضدی محبوب اپنی مرضی کر کے ہی رہے گا۔ اُس نے

سوچ لیا کہ جب وہ خفیہ راستے سے رات کو شاہی محل میں داخل ہوگا تو وہ وہیں سے اُس کے ساتھ ہو جائے گی اور اپنی راہ نمائی میں اُسے محفوظ راستوں سے گزارتی ہوئی اپنے کمرے میں لے آئے گی۔ اُس نے شعبان کے بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"میں تم سے جدا ہونا گوارا نہیں کر سکتی۔ اگر تمہاری یہی ضد ہے کہ تم مجھ سے محل میں آ کر ملو تو ٹھیک ہے، میں کل رات آؤں گی اور تمہیں محل کا خفیہ راستہ دکھا دوں گی۔"

اس کے بعد کنیز لائیکا چلی گئی۔ دوسری رات آئی تو شعبان کے پاس بیٹھ کر پیار محبت کی باتیں کرنے کی بجائے آتے ہی کہنے لگی۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

شعبان کو ساتھ لے کر وہ اناروں کے باغ سے باہر آ گئی۔ وہ فرعون زوسر کے بنوائے ہوئے قدیم اہرام کے عقب سے گزر کر قصرِ شاہی کی جنوبی دیوار کی طرف چلنے لگی۔ رات کی تاریکی میں شعبان اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ قصرِ شاہی کی فصیل کے اوپر پہرے کی چوکیوں کی بُرجیوں میں تیز روشنی والی مشعلیں روشن تھیں۔ لائیکا ان روشنیوں سے بچ کر چل رہی تھی۔ ایک جگہ محل کی فصیل کے قریب ہی ایک چھوٹا سنگلاخ ٹیلہ تھا۔ لائیکا رُک گئی۔ اندھیرے میں اُس نے ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شعبان سے مدھم آواز میں کہا۔

"محل کو جانے والا خفیہ راستہ اس ٹیلے میں ہے۔ میرے پیچھے پیچھے آنا اور بولنا بالکل نہیں۔ ٹیلے کی دوسری طرف پہرے دار موجود ہیں۔"

یہ کہہ کر لائیکا ٹیلے کی جانب چل پڑی۔ وہ بڑی احتیاط سے قدم اٹھا رہی تھی۔ شعبان اُس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ زمین ریتلی تھی۔ سنگلاخ ٹیلے کی ڈھال کے پاس آ کر لائیکا ایک دم بیٹھ گئی۔ اُس نے شعبان کو اشارہ کیا، وہ بھی وہیں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر سناٹا چھایا رہا۔ لائیکا نے شعبان کے کان میں سرگوشی کی۔

"مجھے پہرے دار کے قدموں کی آہٹ سنائی دی تھی۔ اب سب ٹھیک ہے۔ خاموشی سے میرے پیچھے آ جاؤ۔"

ٹیلے کی ڈھال میں ایک جگہ اُونچی اُونچی جھاڑیاں اور سرکنڈے اُگے ہوئے تھے۔ لائیکا شعبان کو لے کر ان جھاڑیوں میں داخل ہوگئی۔ یہی وہ خفیہ راستہ تھا جو شاہی محل کے وسیع

عریض پائیں باغ میں جا کر نکلتا تھا۔ یہ زمین دوز راستہ ایک دو ڈھائی فٹ لمبی ایک سرنگ کی شکل میں تھا۔ لائیکا تیز تیز چلتی سرنگ میں سے نکل گئی۔ شعبان اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔ سرنگ ایک کشادہ باغ کے کونے میں نکلتی تھی جہاں سرو اور صنوبر کے گھنے درخت سر اٹھائے خاموش کھڑے تھے۔ لائیکا ان کے درمیان سے گزر کر ایک غلام گردش میں آ گئی۔ غلام گردش میں کہیں کہیں محرابی ستونوں کے طاقوں میں سنگ مرمر اور سنگ سبز کے پیالوں میں زیتون کے چراغ جل رہے تھے۔ لائیکا، شعبان کو ان کی روشنیوں سے بچا کر لے جا رہی تھی۔ غلام گردش تھوڑا آگے جا کر بائیں طرف کو گھوم گئی۔ وہاں لائیکا کا کمرہ تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ دروازے کے پاس آ کر لائیکا نے اشارے سے شعبان کو دیوار کے ساتھ لگ جانے کو کہا۔ شعبان جلدی سے دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ لائیکا نے آہستہ سے دروازے کا ایک کواڑ کھول دیا اور شعبان کو اندر جانے کا مشورہ دیا۔ شعبان دبے پاؤں چلتا کمرے میں داخل ہوگیا۔

اُس کے ساتھ ہی لائیکا بھی کمرے میں داخل ہوگئی اور اُس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا اور بند دروازے سے پشت لگا کر سکون کا گہرا سانس لیا۔ کمرے کا فرش قالین سے ڈھکا ہوا تھا۔ دیوار میں ایک طاق تھا جس میں چراغ روشن تھا مگر اس کی لو بڑی دھیمی تھی۔ کمرے میں بڑی دھیمی دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ فضا میں بڑی خوشگوار اور خواب انگیز خوشبو رچی ہوئی تھی۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ تخت لگا تھا جس پر صاف ستھرا بچھونا بچھا تھا۔ قریب ہی دو آرام کرسیاں پڑی تھیں جن کے درمیان ایک گول تپائی پر گلدان رکھا تھا۔ گلدان میں کنول کے پھول سجے ہوئے تھے۔

وہ تخت پر بیٹھ گئے۔ لائیکا نے دھیمی آواز میں کہا۔ "تم آخر اپنی ضد پوری کر کے رہے۔ لیکن میرا سانس سوکھ گیا تھا۔"

شعبان دھیمی آواز میں بولا۔ "محبت کی دیوی اُشتر ہماری مدد کر رہی تھی۔"

لائیکا نے شعبان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور محبت بھری آواز میں کہنے لگی۔ "اب تو تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے نا؟"

شعبان نے اُس کا ہاتھ اپنے دل کے ساتھ لگا لیا اور بولا۔ "کبھی نہیں۔ ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے پاس رہیں گے۔"

دونوں دیر تک محبت کے راز و نیاز میں گم رہے۔ اچانک لائیکا نے چونک کر کہا۔ ''کچھ دیر بعد صبح ہونے والی ہے۔ اب تمہیں واپس جانا چاہئے۔''

شعبان بھی وہاں زیادہ دیر نہیں رُکنا چاہتا تھا، اُس نے شاہی محل کا خفیہ راستہ دیکھ لیا تھا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ ''ہاں، میرا خیال ہے اب مجھے جانا چاہئے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ تم بھی کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔''

کنیز لائیکا پھونک پھونک کر قدم اُٹھاتی شعبان کو انہی راستوں پر سے گزارتی سرنگ میں لے آئی۔ سرنگ سے باہر نکل کر اُس نے شعبان سے کہا۔

''مجھ سے وعدہ کرو کہ تم اکیلے اس خفیہ راستے سے مجھے ملنے کبھی نہیں آؤ گے۔''

شعبان نے کہا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری اجازت کے بغیر تم سے ملنے کبھی نہیں آؤں گا۔''

لائیکا نے کہا۔ ''اب تم جلدی سے یہاں سے نکل جاؤ۔''

شعبان نے لائیکا کا ہاتھ تھام لیا۔ ''کل رات مجھ سے ملنے آؤ گی نا؟''

''نہیں نہیں۔'' لائیکا نے کہا۔ ''میں کل رات نہیں آ سکتی۔ پرسوں رات کو آؤں گی۔''

اور وہ ہاتھ چھڑا کر خفیہ راستے کی سرنگ میں چلی گئی۔

اگلی بار لائیکا شعبان سے ملنے آئی تو شعبان نے پیار محبت کی چند ایک باتیں کرنے کے بعد فرعون کے شاہی محل کا ذکر چھیڑ دیا۔ کہنے لگا۔

''شاہی محل تو بہت بڑا ہے۔ تم نے تو سارا محل دیکھا ہو گا۔''

لائیکا نے کہا۔ ''محل اتنا بڑا ہے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ میں بھی صرف ایک بار ہی چکر لگا کر دیکھ سکی ہوں۔ اور پھر ہمیں شاہی محلات کے ان کمروں کی طرف جانے کی اجازت نہیں ہے جہاں ربِ فرعون اور اس کی ملکہ کی خوابگاہ ہے۔''

شعبان نے بڑے اشتیاق کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''میری بڑی خواہش ہے کہ فرعون کے سارے محلات دیکھوں۔''

''یہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔'' لائیکا بولی۔ ''تمہیں بتایا ہے نا کہ سارے محلات میں جانے کی تو کنیزوں کو بھی اجازت نہیں ہے، صرف خاص کنیزیں ہی اس طرف جا سکتی ہیں جہاں فرعون اور اُس کی ملکہ کی خواب گاہیں ہیں۔''

شعبان نے حرفِ مطلب زبان پر لاتے ہوئے کہا۔

''میں نے سنا ہے کہ محل میں کوئی نیلا کمرہ بھی ہے جہاں کتاب مقدس رکھی ہوئی ہے۔''

''ہاں۔'' لائیکا نے کہا۔ ''اُسے نیلا کمرہ ہی کہتے ہیں کیونکہ اس کی چھت نیلی ہے جس میں سونے کے پترے کے ستارے جڑے ہوئے ہیں۔''

''کیا تم نے وہ کمرہ دیکھا ہے لائیکا؟'' شعبان نے پھر پوچھا۔

''بالکل نہیں۔'' لائیکا بولی۔ ''اس کمرے میں سوائے فرعون اور اس کی ملکہ کے تیسرا کوئی شخص داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ وہاں ہر وقت حبشی غلام ننگی تلواریں لئے پہرے پر موجود ہوتے ہیں۔ انہیں رب فرعون کا حکم ہے کہ اگر کوئی تیسرا شخص نیلے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو فوراً اُس کا سر قلم کر دیا جائے۔ میں نے اس کمرے کی طرف جانے والی غلام گردش ضرور دیکھی ہے بلکہ کئی بار اس میں آتی جاتی رہتی ہوں۔''

شعبان نے اس احتیاط کے ساتھ کہ لائیکا کو کسی طرح کا شک نہ ہو، کرید کرید کر نیلے کمرے کے محل وقوع کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا۔ اُس نے یہ بھی پوچھا کہ نیلے کمرے کو جانے والا کوئی خفیہ دروازہ نہیں ہے؟ اس پر لائیکا نے تعجب کے ساتھ شعبان کی طرف دیکھا اور بولی۔

''تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟''

شعبان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''بس یونہی اپنے تجسس کی تسکین کے لئے پوچھ رہا ہوں۔ کیونکہ میں نے سن رکھا ہے کہ بادشاہوں اور خاص کر فرعونوں کے خاص کمروں کے خفیہ دروازے بھی ہوتے ہیں۔''

''نہیں۔'' لائیکا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''جہاں تک میرا خیال ہے نیلے کمرے کا ایسا کوئی خفیہ دروازہ نہیں ہے۔''

کچھ دیر بیٹھنے اور باتیں کرنے کے بعد لائیکا دو دن بعد آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔ شعبان کو شاہی محلات کے بارے میں کافی معلومات مل گئی تھیں لیکن نیلے کمرے کے بارے میں ابھی اس کی معلومات ادھوری تھیں۔

دو دن بعد لائیکا آدھی رات کو اناروں کے باغ میں اُس سے ملنے آئی تو پہلے تو وہ اُس کے ساتھ پیار محبت کی باتیں کرتا رہا، اس کے بعد اُس نے بڑے طریقے سے دوبارہ قصرِ

شاہی کے نیلے کمرے کا ذکر چھیڑ دیا۔ باتوں ہی باتوں میں اُس نے لائیکا سے معلوم ک
کہ نیلے کمرے کو محل کے اندر ہی اندر کون سا راستہ کس طرف سے ہو کر جاتا ہے اور ی
نیلے کمرے کے دروازے پر دو حبشی غلام ننگی تلواریں لئے ہر وقت پہرے پر موجود ر
ہیں۔ اُس نے یہ بھی پتہ کر لیا کہ نیلے کمرے کی عقبی دیوار قصرِ شاہی کے ایک باغ
طرف ہے۔ اس باغ میں رات کو کوئی پہرہ نہیں ہوتا۔ اس عقبی دیوار میں ایک تنگ سا
مرمر کا محرابی دروازہ ہے جس میں سے ایک زینہ اوپر نیلے کمرے سے ملحق غلام گردش
طرف جاتا ہے۔ شعبان نے باتوں ہی باتوں میں بڑی ہوشیاری کے ساتھ لائیکا سے یہ
معلوم کر لیا کہ نیلے کمرے کے عقبی دیوار والے سنگ مرمر کے تنگ محرابی دروازے تک
کے کمرے کے آگے کون سا راستہ کس طرف سے ہو کر جاتا ہے۔ شعبان کے لئے
معلومات ہی حاصل کرنا ممکن تھا۔ اس سے زیادہ کی معلومات اُسے کسی ذریعے سے
معلوم نہیں ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ اُس نے اپنی زندگی کی سب سے خطرناک اور سب
زیادہ اہم مہم پر نکلنے کے لئے ایک خاص رات کا انتخاب کر لیا۔

اپنے اس فیصلے کے بارے میں اُس نے سائنا کو بھی نہ بتایا۔ وہ خاموشی سے تیاری
میں لگ گیا۔ یہ شعبان کی زندگی کی خطرناک ترین مہم تھی جس میں اُس کی ہلاکت
امکانات ننانوے فیصد اور کامیابی کا امکان صرف ایک فیصد تھا۔ لیکن اس کے باوجود
نے ہر حال میں اس مہم کو سر کرنے اور اس میں کامیاب ہونے اور مقدس کتاب کا غلاف
اڑا کر لے آنے کا عزم کر رکھا تھا۔ فرعون کے قصرِ شاہی کے اندرونی نشیب و فراز، مقد
کتاب والے نیلے کمرے تک پہنچنے کی تمام ممکنہ غلام گردشوں اور شاہی محل کے جنوبی پا
باغ کے حدود اربعہ کی تفصیل اُس کے ذہن میں نقش ہو چکی تھی۔ یہ وہ تفصیل تھی جو اُس
خرطوم کی کنیز لائیکا کی معلومات سے مرتب کی تھی۔

شعبان کوئی ہتھیار از قسم تیر، تلوار یا نیزہ اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا البتہ ایک چ
خنجر اپنی حفاظت یا دشمن پر وار کرنے کے خیال سے اپنی کمر والی پیٹی کے ساتھ باندھ
تھا۔ مگر یہ معمولی سا خنجر فرعونِ مصر کے شاہی محلات کی نگہبانی کرنے والے خونخوار قسم
حبشی غلاموں اور نیزوں، تیر کمانوں اور تلواروں سے مسلح شاہی سپاہیوں کے مقابلے م
کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اس مسئلے کا حل شعبان نے نکال لیا تھا۔ اُس نے اپنا لڑکپن

جوانی اپنے مرنے والے باپ کے ساتھ صحراؤں، ویرانوں اور جنگلوں میں مختلف قسم کی
جڑی بوٹیوں کو تلاش کرنے اور ان سے کئی قسم کی دوائیں تیار کرنے میں صرف کی تھی۔ اُسے
سینکڑوں ایسی جڑی بوٹیوں کا علم ہو چکا تھا جن میں سے بعض میں انسانوں کے لئے شفا
تھی اور بعض انسانوں کی ہلاکت کا باعث بن سکتی تھیں۔ شعبان کے مکان کی الماری میں
دوسری جڑی بوٹیوں کی تھیلیوں کے ساتھ ایک ایسی جڑی بوٹی بھی تھی جو ہڈیوں کو جوڑتے
وقت مریض کو سونگھا کر اسے عارضی طور پر بے ہوش کرنے کے کام آتی تھی۔ یہ دانے دار
پتوں والی سیاہ رنگ کی ایک بوٹی تھی جس کو پیس لیا جاتا اور اس کا سفوف سلگا کر مریض کو
اس کی دھونی دی جاتی۔ دھواں جیسے ہی مریض کی ناک میں جاتا اس پر غشی طاری ہو جاتی
تھی۔ اس بوٹی کا سفوف شعبان کی اس مہم میں اس کے کام آ سکتا تھا چنانچہ اُس نے الماری
میں سے اس بوٹی کو نکال کر اسے کوٹ کر سفوف بنایا اور موٹے کپڑے کے ٹکڑے میں لپیٹ
کر آگ کی چنگاریاں پیدا کرنے والے چقماق کے دو پتھروں کے ساتھ سنبھال کر رکھ لیا۔

آخر وہ رات آ پہنچی جس رات شعبان کو اپنی مہم پر نکلنا تھا۔

وہ رات بھی وادیٔ مصر کی دوسری راتوں کی طرح خاموش اور تاریک تھی۔ دریائے نیل
کی جانب سے راتوں کو صحرا میں چلنے والی خنک ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے آ رہے تھے۔
جب رات کا پہلا پہر گزر گیا تو شعبان اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار ہو کر مکان سے نکلا اور
گھوڑے کو اس راستے پر ڈال دیا جو قصرِ شاہی کی جنوب مغربی فصیل والے سنگلاخ ٹیلے کی
طرف جا نکلتا تھا۔ اُسے سنگلاخ ٹیلے کی خفیہ سرنگ میں سے فرعون کے شاہی محلات میں
داخل ہونا تھا۔ بستی سے باہر آتے ہی اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑے نے مالک کا حکم
پاتے ہی اپنی رفتار تیز کر دی۔ وہ کھجوروں کے جھنڈوں والے نخلستانوں اور ریت کے ٹیلوں
کے درمیان سے گزرتا چلا گیا۔ آخر دُور سے شعبان کو مخروطی شکل کا ایک سیاہ ٹیلہ سا نظر آیا۔
یہ کوئی ٹیلہ نہیں تھا بلکہ مصر کے پہلے فرمانروا فرعون زوسر کا تعمیر کروایا ہوا فرعونوں کی سلطنت کا
پہلا اہرام تھا جو اس وقت خستہ حالت میں تھا اور جس کے چٹانوں جتنے بڑے پتھروں کی
اس طریقے سے جڑائی کی گئی تھی کہ اہرام پر نیچے سے لے کر اوپر تک بڑی بڑی سیڑھیاں
بن گئی تھیں۔

شعبان کا گھوڑا رات کے سناٹے اور اندھیرے میں اس قدیم اہرام کے عقب سے ہو

کر آگے نکل گیا۔ تھوڑی دُور تک چلنے کے بعد دُور سے فرعونِ مصر کے شاہی محلات کی فصیل کی مشعلوں کی جھلملاتی روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔ شعبان نے گھوڑے کا رُخ جنوب مغرب کی طرف کر لیا اور ریت کے دو تین ٹیلوں کا چکر کاٹ کر شاہی فصیل کے عقب میں اس سنگلاخ ٹیلے کے قریب آ گیا جس کی سرنگ میں سے قصرِ شاہی کو خفیہ راستہ جاتا تھا۔ ایک طرف کریر اور سرو کے کچھ درخت ساتھ ساتھ اُگے کھڑے تھے۔ شعبان گھوڑے سے اُتر گیا۔ اُس نے گھوڑے کی باگیں ایک درخت کے ساتھ باندھیں، ساکت کھڑے ہو کر ایک نظر فصیل کی جھلملاتی روشنیوں پر ڈالی اور سنگلاخ ٹیلے کی طرف چل پڑا۔ وہ اتنی احتیاط برت رہا تھا کہ ذرا سی آہٹ محسوس ہوتی تو فوراً سانس روک کر وہیں رُک جاتا اور چاروں طرف دیکھتا۔ کنیز لائیکا نے اُسے بتا دیا تھا کہ سنگلاخ ٹیلے کی دوسری طرف شاہی فوج کے حفاظتی دستے کے سپاہی رات کو موجود ہوتے ہیں۔ پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے وہ ٹیلے کی ڈھال کے نشیب میں اُس جگہ پر آ گیا جہاں اونچے اونچے سرکنڈوں اور جنگلی خشک جھاڑیوں کا ایک گھنا جھنڈ تھا۔ راستہ اُسے معلوم تھا۔

وہ جھنڈ کے دہانے پر بیٹھ گیا۔ پیچھے ایک نظر ڈالی۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ وہاں دوسرا کوئی نہیں ہے تو وہ جھاڑیوں میں داخل ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ خفیہ سرنگ میں سے گزرنے کے بعد سرنگ کے دوسرے دہانے پر تھا جہاں فرعون کے قصرِ شاہی کے جنوب مشرقی محلات کا ایک کشادہ باغ تھا۔ باغ میں سرو و شمشاد اور مرتل کے ایک ہی قسم کے ایک ہی سائز اور ساخت کے درخت سر اٹھائے بڑی شان سے کھڑے تھے۔ باغ کے وسط میں سنگِ مرمر کا فوارہ چل رہا تھا جس میں سے چاندی جیسا شفاف پانی اُچھل اُچھل کر سنگِ سبز اور سنگِ سرخ کے پیالہ نما پھولوں پر گر کر سفید موتیوں میں تقسیم ہو کر جیسے موتیوں کی پھوار برسا رہا تھا۔ باغ کے چاروں گوشوں میں بڑے بڑے گول مرمریں ستونوں کے اوپر زیتون کے تیل کے فانوس روشن تھے جن کی روشنی باغ کے سلیقے سے بنی ہوئی چوڑی اور لمبی کیاریوں میں کھلے ہوئے رنگ برنگ پھولوں کو منور کر رہی تھی۔ شاہی باغ پر ایک پُر ہیبت جلالی سکوت طاری تھا۔

شعبان کنیزوں کی اقامت گاہوں والی غلام گردش میں ایک ستون کے پیچھے ساکت کر کھڑا تھا۔ غلام گردش میں دُور تک نیلے رنگ کے قالین کا فرش بچھا ہوا تھا۔ غلام گردش

کی محرابوں میں کہیں کہیں زیتون کے چراغ لٹکے ہوئے تھے جن کی روشنی اتنی دھیمی تھی کہ غلام گردش میں سے گزرنے والے کو پوری طرح ظاہر نہیں کرتی تھی۔

اس اطمینان کے بعد کہ غلام گردش میں کوئی پہرے دار گشت پر نہیں ہے، شعبان دیوار کے ساتھ ہو گیا اور دبے دبے پاؤں اٹھاتا آگے کو چلا۔ وہ ٹھیک اُس راستے پر چل رہا تھا جس کا دُھندلا سا نقشہ کنیز لائیکا نے اُسے بتایا تھا۔ آگے جا کر جہاں غلام گردش موڑ مُڑنے کے بعد ختم ہوتی تھی وہاں ایک چھتا ہوا آنگن تھا جس میں سے گزر کر شعبان کے سامنے ایک اور باغیچہ آ گیا۔ باغیچے کے کنارے کنارے انار اور بادام کے پیڑ خاموش کھڑے تھے۔ کیاریوں میں سرخ اور سفید گلاب کے بڑی بڑی پیالیوں جیسے پھول کھل رہے تھے۔ جیسا کہ کنیز لائیکا نے کہا تھا یہاں سے ایک تنگ سا راستہ فرعون کے قصرِ شاہی کے عقبی باغ کی جانب جاتا تھا۔ اس راستے کی دونوں جانب صندل کی لکڑی سے تراشے ہوئے نازک ستون تھے جن کے ساتھ جنگلی گلاب کی بیلیں لپٹی ہوئی تھیں۔ اس تنگ راستے کے اوپر چھت پڑی تھی جو یاسمین اور چنبیلی کے سفید پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ سارے کا سارا راستہ خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔ وہاں سے گزر کر شعبان پھونک پھونک کر قدم رکھتا باہر آیا تو سامنے کچھ فاصلے پر جنوب مغربی شاہی محلات کی بارہ دریاں اور گیلریاں نظر آنے لگیں جن کی محرابوں میں سونے کے پیالوں میں فانوس روشن تھے۔ ان بارہ دریوں اور گیلریوں کے نیچے برآمدوں کی محرابوں میں بھی چاندی کے فانوس سونے کی زنجیروں کے ساتھ لٹک رہے تھے۔ برآمدے کے آگے پائیں باغ کے احاطے میں سبز قیمتی پتھر کے بڑے بڑے گملے دیواروں اور ستونوں کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ ان گلدانوں پر سونے کی تاروں سے پھول پتے بنائے گئے تھے جو فانوسوں کی روشنی میں چمکتے نظر آتے تھے۔ ان گملوں میں مختلف اقسام کے پھولدار پودے لگے تھے جن کی پھولوں بھری شاخیں گملوں سے اوپر کو اٹھ کر آدھی دیوار تک چلی گئی تھیں۔ شعبان کو کنیز کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق وہاں سے دائیں طرف باغ کے دوسرے تختے پر اتر کر سرو کے بڑے بڑے درختوں کے نیچے سے گزر کر دیوتا راع کے بت والے برآمدے میں داخل ہونا تھا۔ یہاں پہلی بار شعبان نے شاہی فوج کے سپاہیوں کو اوپر گیلریوں اور برآمدے کے ستونوں کے پیچھے گشت لگاتے دیکھا جو تیر کمان اور تلواروں سے لیس چاق و چوبند ہو کر قدم قدم چل رہے تھے اور چاروں

طرف دیکھتے جاتے تھے۔

شعبان جلدی سے باغ کے نچلے تختے پر اُتر گیا۔ اس باغ میں بھی شاہانہ آرائش و زیبائش کا وہی عالم تھا۔ جگہ جگہ کیاریوں میں پھول کھل رہے تھے۔ وسط میں گول مرمریں منڈیر والا فوارہ چل رہا تھا جس کا چاندی جیسا پانی چاروں طرف بنے ہوئے نیلے قیمتی پتھروں کو تراش کر بنائے گئے موروں پر گر رہا تھا۔ موروں نے اپنے جھاڑ پھیلا رکھے تھے، ان کے پروں پر نیلے اور سرخ موتی جڑے تھے جو اونچے ستونوں پر لٹکتے فانوسوں کی روشنی میں جھلملا رہے تھے۔ موروں کے پنکھوں پر پانی کی پھوار گرتی تو جل ترنگ جیسی دھیمی دھیمی آواز پیدا ہوتی۔ عجیب خواب جیسا سماں تھا اس باغ میں...... مگر شعبان کو اس ماحول سے لطف اندوز ہونے کی فرصت کہاں تھی۔ اس کے برعکس اُس کے دل پر ایک خوف طاری تھا کہ اگر کسی سپاہی یا تلوار بردار حبشی غلام کی اس پر نگاہ پڑ گئی تو دوسرے لمحے اس کا سرتن سے جدا ہوگا۔ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر وہ باغ کے کنارے والے سرو کے اونچے اونچے درختوں کے نیچے آگیا اور ایک پل کے لئے ماحول کا جائزہ لینے کی خاطر وہیں بیٹھ گیا اور چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ باغ میں اُسے کوئی سپاہی یا حبشی غلام دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ آہستہ سے اٹھا اور اس طرف چل پڑا جس طرف کنیز لائیکا کے بیان کے مطابق راع دیوتا کے بت والا برآمدہ تھا۔ جہاں جا کر سرو کے درختوں کی قطار ختم ہو جاتی تھی وہاں سے سفید پتھر کی دو تین سیڑھیاں نیچے اُترتی تھیں۔ شعبان جھک کر دبے پاؤں سیڑھیاں اُتر کر شاہی محلات کے باغات کے تیسرے تختے پر آ گیا۔ اُس نے نگاہ اٹھا کر سامنے کی جانب دیکھا۔

باغ کی دوسری جانب ایک برآمدہ تھا جس کے احاطے میں ایک اہرام نما چبوترے کے اوپر ایک ستون پر دیوتا راع کا بت نصب تھا۔ اس کی چاروں طرف سونے چاندی کے فانوس روشن تھے۔ اب شعبان کی منزل قریب تھی۔ اُسے باغ کے اس تختے میں سے گزر کر برآمدے کی دوسری جانب شاہی محل کی عقبی دیوار والے باغیچے میں پہنچنا تھا۔ یہاں بھی ایک لمحے کے لئے وہ بیٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ فانوسوں کی روشنی باغ میں دُور دُور تک پہنچ رہی تھی۔

اچانک اُسے اپنے عقب میں آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ وہ لپک کر سرو

کے درختوں کے پیچھے چھپ گیا۔ اُس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ آنکھیں کھولے اس طرف تک رہا تھا جس طرف سے آدمیوں کی آواز آئی تھی۔ اتنے میں دو حبشی غلام نمودار ہوئے۔ انہوں نے ننگی تلواریں اپنے کاندھوں سے لگا رکھی تھیں۔ ان کے سیاہ فام مضبوط جسم زیتون کے تیل کی مالش سے چمک رہے تھے۔ وہ اپنے ملک کی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ دونوں حبشی غلام باتیں کرتے شعبان کے قریب سے ہو کر آگے نکل گئے۔ اس لمحے شعبان نے اپنا سانس روک لیا تھا اور اُس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینہ چیر کر باہر نکل آئے گا۔ جب حبشی غلام دور نکل گئے تو شعبان کی جان میں جان آئی۔ پھر بھی وہ کچھ دیر دم سادھے وہیں دبک کر بیٹھا رہا۔

اُسے یہ بھی احساس تھا کہ رات گزرتی چلی جا رہی ہے اور اُسے ابھی مقدس کتاب والے نیلے کمرے تک پہنچنا ہے۔ وہ اُٹھ کر اپنی بائیں جانب باغیچے کے کنارے کنارے ناروں کے درختوں کی اوٹ میں ہوتا آگے چلا۔ کچھ دُور چلنے کے بعد ایک چھتا ہوا تنگ راستہ آ گیا جس کی دونوں جانب کے ستونوں پر پھول دار بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ چھت بھی پھولدار بیلوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ یہاں سے گزرنے کے بعد آخر وہ باغ آ گیا جو شاہی محل کا عقبی باغ تھا اور جس کی ایک جانب مقدس کتاب والے نیلے کمرے کی پچھواڑے کی دیوار لگتی تھی۔ اس باغیچے میں بھی ایک فوارہ چل رہا تھا مگر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ایک گوشے میں سرو کے درختوں میں دو چار فانوس ضرور روشن تھے مگر ان کی روشنی درختوں تک ہی محدود تھی۔ شعبان چاروں طرف پوری آنکھیں کھول کر دیکھ رہا تھا۔ شاہی محل کی عقبی دیوار پر ہلکا ہلکا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ یہ اندھیرا شعبان کے لئے ایک بہت بڑی رحمت تھا۔ وہ درختوں کے عقب میں کھسکتا ہوا محل کی عقبی دیوار کے پاس آ کر دیوار کے بالکل ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔

اب اُس کی نظریں ہلکے اندھیرے میں وہ چھوٹا محرابی دروازہ تلاش کر رہی تھیں جس کے بارے میں کنیز لائیکا نے بتایا تھا کہ اس کی سیڑھیاں اوپر نیلے کمرے کی غلام گردش کو جاتی ہیں۔ بہت جلد اندھیرے میں اُسے دروازے کی محراب نظر آ گئی۔ وہ چل کر اس کے پاس آ گیا۔ محرابی دروازے کے آبنوسی کواڑ بند تھے۔ کنیز لائیکا نے بتایا تھا کہ رات کو پہرہ دینے حبشی غلاموں کے آنے جانے کے لئے اس دروازے پر تالا نہیں لگایا جاتا۔ شعبان

نئے دروازے کو اندر کو دبایا تو وہ کھل گیا۔ اندر پتھر کا ایک زینہ اوپر کو جاتا تھا۔ شعبان جلد
سے اندر داخل ہوگیا اور دروازہ بند کر دیا۔ وہ ایک ایک زینہ کر کے دبے دبے پیر رکھتا ا
چڑھنے لگا۔ دس بارہ زینے چڑھنے کے بعد ایک دروازے کی محراب دکھائی دی جہاں
غلام گردش کے فانوسوں کی روشنی نیچے زینے تک آ رہی تھی۔ یہاں اُسے ایک آدمی کی آ
بھی سنائی دی۔ شعبان زینے کی دیوار سے لگ گیا۔ اُس کی نگاہیں اوپر لگی تھیں۔ ایک حب
غلام تلوار کندھے پر رکھے ہلکے ہلکے قدم اٹھاتا محرابی دروازے کے آگے سے گزر گیا
تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے بھی ایک تلوار بردار حبشی غلام قدم قدم چلتا آگے سے گ
گیا۔ شعبان زینے کی دیوار کے ساتھ اندھیرے میں کھڑا تھا۔ اوپر سے کوئی اُسے د
بھی تو وہ اُسے نظر نہ آتا۔

شعبان سمجھ گیا کہ یہ حبشی مقدس کتاب والے نیلے کمرے کے باہر پہرہ دے ر
ہیں۔ اب اُس کا اوپر جانا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ اُسے جو کچھ کرنا تھا، زینے میں ر
ہی کرنا تھا۔ اُس نے جیب میں سے گتھلی نکال کر کھولی اور اس کے اندر سے کپڑے
پوٹلی نکال لی۔ پوٹلی کھول کر اُس نے اپنے قریب ہی اوپر والے زینے پر رکھ دی۔ گتھلی م
سے چقماق کے پتھر بھی نکال کر ہاتھ میں پکڑ لئے۔ وہ اوپر دیکھنے لگا۔ اس نے اندازہ ل
کہ گشت کرتے حبشی غلاموں کے درمیان اتنا وقفہ پڑتا ہے کہ وہ اس دوران سفوف
سلگانے کے لئے چقماق کے پتھروں کو رگڑ سکے۔ کیونکہ پتھروں کے رگڑنے سے ہلکی
آواز پیدا ہوتی تھی جس کے سنے جانے کا اندیشہ تھا۔

ایک حبشی جب اوپر دروازے کے آگے سے گزر گیا تو شعبان نے جھک کر چقماق
پتھروں کو زور سے رگڑا۔ ان میں سے چنگاریاں ضرور پیدا ہوئیں مگر سفوف کو آگ نہ ل
اتنے میں دوسری طرف والا حبشی تلوار کاندھے پر رکھے آ گیا۔ شعبان رُک گیا اور سر کو
کر لیا۔ دوسری بار جب وہی حبشی آگے سے گزرا تو اس کے فوراً بعد شعبان نے جل
جلدی پوری قوت سے چقماق کے پتھروں کو رگڑا۔ پتھروں میں سے چنگاریاں پ
پھوٹ کر کپڑے کی دھجی پر رکھے سفوف میں گریں اور اس نے آگ پکڑ لی۔ سفوف
سے نظر نہ آنے والے بے ہوشی کے بخارات خارج ہونا شروع ہو گئے۔ شعبان
ہوئے سفوف کو زیادہ دیر تک اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تھا، خود اُس کے بے ہوش ہو

خطرہ تھا۔ جیسے ہی دوسرا حبشی گشت لگاتا دروازے کے قریب سے نکل گیا، شعبان نے دو
سیڑھیاں چڑھ کر سلگتے ہوئے بے ہوشی کے سفوف والی دھجی غلام گردش میں دروازے کے
قریب دیوار کے ساتھ کھسکا دی اور جلدی سے زینے سے تین چار سیڑھیاں اُتر کر بیٹھ گیا۔
کپڑے کا دھجی نما ٹکڑا غلام گردش کی دیوار کے ساتھ لگ کر غلام گردش کے فرشی قالین
پر پڑا تھا۔ اس کا سفوف سلگ رہا تھا اور سفوف کے بے ہوش کر دینے والے بخارات خارج
ہو کر غلام گردش میں پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔ غلام گردش میں چار ہٹے کٹے حبشی غلام تھے
جو تلواریں اٹھائے گشت لگا کر پہرہ دے رہے تھے۔ دو حبشی غلام نیچے اُترنے والے زینے
کے آگے چل پھر کر پہرہ دے رہے تھے اور دو پچاس فٹ آگے مقدس کتاب والے نیلے
کمرے کے آگے دائیں بائیں کھڑے رہ کر پہرہ دے رہے تھے۔ ان میں سے کسی کی نظر
کپڑے کی اُس دھجی پر نہ پڑی جس میں بے ہوشی کا سفوف برابر سلگ رہا تھا۔ اس کے نظر
نہ آنے والے بخارات غلام گردش میں پھیل رہے تھے۔ سب سے پہلے ان بخارات کا اثر
ان دو حبشی غلاموں پر ہوا جو زینے کے دروازے کے آگے قدم قدم چل کر گشت لگا رہے
تھے۔ ان میں سے ایک حبشی کو چکر سا آیا اور وہ چلتے چلتے رُک گیا اور آنکھیں بار بار جھپکا کر
اِدھر اُدھر دیکھنے لگا، پھر چل پڑا۔ ابھی وہ دو تین قدم ہی آگے گیا تھا کہ اُسے دوسرا چکر آیا
اور دھڑام سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ دوسرا حبشی غلام سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ وہ اپنے
ساتھی کو گرتے دیکھ کر دوڑ کر اُس کے پاس آ گیا۔ یہاں چونکہ سفوف قریب ہی سلگ رہا تھا
اس لئے اس کا اثر زیادہ ہو رہا تھا۔ دوسرا حبشی اپنے بے ہوش ساتھی کو اٹھا رہا تھا کہ خود بھی
بے ہوش ہو کر اس کے اوپر گر پڑا۔ پچاس فٹ کے فاصلے پر مقدس کتاب والے نیلے
کمرے کے باہر پہرہ دیتے غلام یہ ماجرا دیکھ کر ان کی طرف دوڑے۔ وہ اپنے بے ہوش
ساتھیوں کے قریب ہی پہنچے تھے کہ ایک ایک کر کے خود بھی بیہوش ہو کر وہیں ڈھیر ہو گئے۔
اوپر غلام گردش میں جب گہری خاموشی چھا گئی۔

شعبان نے اپنی ناک پر رومال دوہرا کر کے لپیٹ لیا تھا۔ جب کافی وقت گزرنے پر
بھی دروازے کے آگے سے کوئی حبشی غلام نہ گزرا تو شعبان سمجھ گیا کہ بے ہوشی کے سفوف
نے اپنا کام کر دیا ہے۔ وہ زینہ چڑھ کر اوپر آیا اور سر باہر نکال کر غلام گردش پر نگاہ ڈالی۔
اُسے چاروں کے چاروں حبشی غلام ایک جگہ بے ہوش پڑے دکھائی دیئے۔ شعبان نے پہلا

کام یہ کیا کہ سلگتے ہوئے سفوف والے کپڑے کی دھجی کو اٹھا کر پتھر کے زینے پر رکھا اور اس پر اپنا چپل والا پاؤں رکھ کر اُسے زور زور سے مسل کر سفوف کی آگ بجھا دی۔ وہ دروازے کی محراب میں ایک طرف ہو کر غلام گردش کا جائزہ لینے لگا۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ غلام گردش میں ان چاروں حبشی غلاموں کے سوا اور کوئی نہیں تھا تو وہ دروازے میں سے نکلا اور دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا مقدس کتاب والے کمرے کے دروازے پر آ کر رُک گیا۔ دروازے کے اوپر سونے کا پیالہ لٹک رہا تھا جس میں چھ رُخوں والا شیشے کا فانوس روشن تھا۔ دروازے پر سونے کے تاروں والا سنہری پردہ پڑا تھا جس کو دونوں جانب سے سمیٹ دیا گیا تھا۔ دروازہ صندل کی قیمتی لکڑی سے بنایا گیا تھا اور اس پر روپہلی تاروں سے مختلف دیوتاؤں کی جانوروں کے رُوپ والی شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ دروازے پر سونے کا کنڈا لگا تھا۔ شعبان نے ایک نگاہ دونوں جانب ڈالی اور پھر کمر بند میں سے اپنا خنجر نکال کر اسے کنڈے میں پھنسا کر زور لگایا تو کنڈا اپنی جگہ سے اُکھڑ گیا۔ شعبان نے دروازے کا ایک پٹ تھوڑا سا کھولا اور پلک جھپکتے میں اندر داخل ہو گیا اور دروازے کو بند کر دیا۔ کمرے میں نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ روشنی چھوٹے سے چوکور چبوترے کے اوپر لٹکتے نیلے فانوس میں سے نکل رہی تھی۔ یہی کتابِ مقدس والا نیلا کمرہ تھا۔ نیلی چھت میں ستارے جڑے ہوئے تھے جو ہیروں کو تراش کر بنائے گئے تھے۔

شعبان کی بے چین نگاہیں کتاب الموت یعنی مقدس کتاب کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ آخر وہ اُسے نظر آ گئی۔ چبوترے کے نیچے سونے کی ایک صندوقچی پڑی تھی۔ شعبان نے آگے بڑھ کر صندوقچی کو کھولا تو اس میں ایک کتاب سنہری غلاف میں لپٹی دکھائی دی۔ شعبان کو دیوتاؤں کی بد دُعا کا ضرور ڈر خوف تھا لیکن دیوتا اسیرس کے کاہن نے اُسے کہا تھا کہ خود دیوتا اسیرس نے اُسے اس کام کے لئے اجازت دی ہوئی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ سات دن کے بعد کتابِ مقدس کا سنہری غلاف واپس لوٹا دیا جائے گا۔ چنانچہ شعبان کا ضمیر مطمئن تھا کہ وہ غلاف چرا نہیں رہا بلکہ اپنے باپ کی بھٹکتی ہوئی رُوح کو جنت کا راستہ دکھانے کے لئے عارضی طور پر لے جا رہا ہے۔

اُس نے بے دھڑک ہو کر کتاب کو اٹھا لیا۔ اس کا غلاف اُتار کر کتاب کا ورق اُلٹ کر دیکھا۔ یہ واقعی مُردہ رُوحوں کو جنت کا راستہ دکھانے والی کتابِ مقدس یعنی کتاب الموت

ہی تھی۔ اُس نے کتاب تو صندوقچی میں ہی رہنے دی اور اس کا سنہری غلاف تہہ کر کے اپنی قمیض کے اندر چھپا لیا اور نیلے کمرے کا دروازہ ذرا سا کھول کر باہر دیکھا۔ غلام گردش سنسان تھی۔ چاروں حبشی غلام بے ہوش پڑے تھے۔ شعبان کو معلوم تھا کہ انہیں دو تین گھنٹوں سے پہلے ہوش نہیں آئے گا۔ وہ دوڑ کر محراب دار دروازے کے نیچے سے ہو کر جلدی جلدی سیڑھیاں اُتر کر شاہی محل کے عقبی باغ میں آ گیا۔

فرعون کے قصرِ شاہی میں داخل ہونے سے واپسی کا سفر زیادہ خطرناک تھا کیونکہ رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا اور اس وقت حفاظتی دستے تبدیل ہوتے تھے جس کی وجہ سے سپاہیوں کی نقل و حرکت تیز ہو جاتی تھی۔ لیکن ایک تو شعبان بے حد محتاط ہو کر چل رہا تھا، دوسرے وہ محل کے راستوں سے واقف ہو چکا تھا۔ وہ بچتا بچاتا آخر کار قصرِ شاہی کی خفیہ سرنگ تک پہنچ گیا۔ آگے سفر آسان تھا۔ سرنگ کے باہر درختوں کے سائے میں اُس کا سیاہ گھوڑا سر جھکائے کھڑا تھا۔ شعبان گھوڑے پر سوار ہوا اور شرفا کے قبرستان کی طرف گھوڑا دوڑانے لگا۔ قدیم مصر کے دارالحکومت تھیبز کے شرفا کا قبرستان بادشاہوں اور فرعون کے شاہی خاندان کے مقبروں کے پہلو میں واقع تھا۔ اسی قبرستان میں شعبان کے باپ کا تابوت بھی دفن تھا۔ شعبان گھوڑے کو تیز تیز بھگا رہا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ اگر محل میں مقدس کتاب کے غلاف کی چوری کا پتہ چل گیا تو شاہی سپاہ سارے شہر، سارے ملک کی ناکہ بندی کر دے گی اور وہ پکڑا جائے گا۔ مقدس کتاب کا غلاف اُس سے برآمد ہو جائے گا اور نہ صرف یہ کہ اُس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا بلکہ وہ اپنے مرے ہوئے باپ کو جنت کی ابدی زندگی سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم کر دے گا۔

اُس کے چاروں طرف ریت کے ٹیلے ڈھلتی رات کے سناٹے میں جیسے مراقبے میں محو تھے۔ وہ بار بار گھوڑے کو ایڑ لگاتا۔ گھوڑا طوفانی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ شعبان نے ایک نظر اپنے عقب میں ڈالی، اُسے خوف تھا کہ کہیں شاہی محل کے سپاہی اُس کا پیچھا نہ کر رہے ہوں۔ لیکن ایسی بات نہیں تھی۔ اُس کے پیچھے صحرا دُور تک خالی اور سنسان تھا۔ فرعون کے شاہی محلات کی روشنیاں دُور پیچھے رہ گئی تھیں۔ شرفا کے قبرستان کے سنگلاخ ٹیلوں کی سیاہ لکیر اُفق پر اُبھرنے لگی تھی۔ شعبان نے گھوڑے کی رفتار اور تیز کر دی۔ جب قبرستان کے ٹیلے ڈیڑھ ایک میل کے فاصلے پر رہ گئے تو شعبان نے گھوڑے کی باگ دائیں جانب موڑ

دی۔ وہ فرعونوں کے شاہی قبرستان کے ٹیلوں کے عقب سے ہو کر ایک چکر کاٹتا ہوا شرفا
کے قبرستان کے شکستہ دروازے پر آ کر رُک گیا۔ اُس نے گھوڑے کو وہیں چھوڑا اور ایک
پل کے لئے ماحول کا جائزہ لیا۔ قبرستان میں موت کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ تیز تیز
قدم اٹھاتا اپنے باپ کی قبر پر آ گیا۔ گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا چھوٹا بیلچہ اُس نے اتار
کر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

باپ کی قبر پر آتے ہی اُس نے قبر کی ریتلی مٹی ہٹانی شروع کر دی۔ انتہائی تیزی سے
اُس کے ہاتھ چل رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد اُس کے باپ کی ممی کا تابوت نظر آنے
لگا۔ شعبان نے بیلچہ ایک طرف رکھ دیا، اپنے لمبے کرتے کی جیب میں سے مقدس کتاب کا
سنہری غلاف نکالا اور تابوت کا ڈھکن اوپر اٹھایا۔ تابوت میں اُس کے باپ کی ممی سینے پر
ہاتھ باندھے بے حس و حرکت پڑی تھی۔ شعبان نے مقدس کتاب کا غلاف باپ کی ممی کے
سینے پر بندھے ہوئے ہاتھوں کے درمیان رکھا اور تابوت کو بند کر کے جلدی جلدی بیلچے
سے تابوت پر مٹی ڈالنی شروع کی۔ جب قبر بھر گئی اور اپنی پہلے والی حالت میں آ گئی تو
شعبان گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ اُس نے اپنا سیدھا ہاتھ باپ کی قبر پر رکھ دیا اور بولا۔

''بابا جان! میں اپنے گناہِ عظیم کا کفارہ ادا کر رہا ہوں۔ میں مقدس کتاب تو واپس نہیں
لا سکا لیکن دیوتا اسیرس کے حکم پر مقدس کتاب کا غلاف تمہارے تابوت میں رکھ دیا ہے۔
اب تمہاری رُوح آسمانوں میں نہیں بھٹکتی پھرے گی۔ دیوتا اسیرس کا مجھ سے وعدہ ہے کہ وہ
تمہاری بھٹکتی رُوح کو جنت کے راستوں میں سے گزار کر جنت میں پہنچا دے گا اور تمہیں
تمہاری ابدی زندگی واپس مل جائے گی۔ میں نے جو گناہ کیا تھا، اسے معاف کر دینا۔''

وہ اُٹھ کر واپس چل پڑا۔ قبرستان کے شکستہ دروازے سے باہر نکل رہا تھا کہ اچانک
کسی نے پیچھے سے اُس کی گردن پر تلوار رکھ دی اور گرج دار آواز میں بولا۔

''ممی کے تابوت میں سے تم نے جو کچھ نکالا ہے چپ چاپ میرے حوالے کر دو
ورنہ ایک ہی وار سے گردن اُڑا دوں گا۔''

شعبان نے کہا۔ ''میں تو اپنے باپ کا تابوت دفن کرنے آیا تھا۔ میں نے کسی دوسری
قبر کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ تم بے شک میری تلاشی لے لو۔''

ایک لمحے کے توقف کے بعد اجنبی نے تلوار شعبان کی گردن سے ہٹا لی اور کہا۔

''میری طرف منہ کرو۔''

شعبان نے اُس اجنبی کی طرف چہرہ کر لیا۔ اُس کے سامنے ایک اونچا لمبا بھوت نما
انسان کھڑا تھا جس کے بالوں کی لمبی لٹیں کندھوں پر پڑ رہی تھیں۔ ستاروں کی دھیمی روشنی
میں اُس کی اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں کسی بھوت کی آنکھیں لگ رہی تھیں۔ لباس پھٹا پرانا
تھا۔ اپنے حلیے سے وہ کوئی کفن چور لگ رہا تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' اُس آدمی نے پوچھا۔

شعبان نے اپنے اصلی نام کی بجائے اُسے فرضی نام بتا دیا۔

آدمی بولا۔ ''رات کے اندھیرے میں تمہیں اپنے باپ کی ممی کو دفن کرنے کی ضرورت
کیوں پیش آئی؟ ایسا تم دن کے وقت بھی کر سکتے تھے۔''

شعبان نے جواب دیا۔ ''میں غریب سنگ تراش ہوں۔ میرے مالی وسائل اتنے نہیں
تھے کہ میں اپنے باپ کی لاش کو مالدار لوگوں کی طرح حنوط کروا کر شرفا کے قبرستان میں
دفن کرتا تا کہ میرے باپ کی رُوح بھی امراء اور شرفاء کی روحوں کے ساتھ جنت میں ابدی
زندگی پا سکے۔ چنانچہ میں نے اپنے باپ کی لاش کو غریبانہ طریقے سے حنوط کروایا اور رات
کے اندھیرے میں اسے دفن کیا۔ دن کی روشنی میں مجھے کوئی اس قبرستان میں تابوت دفن نہ
کرنے دیتا کیونکہ یہاں غریبوں کے تابوت دفن کرنے کی اجازت نہیں ہے۔''

اجنبی نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔ ''تم کو کیا ضرورت پڑی تھی شرفاء کے قبرستان میں
باپ کو دفن کرنے کی؟''

شعبان بولا۔ ''مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ شاہی قبرستان اور شرفاء کے قبرستان میں
دفن ہونے والی ممیوں کی رُوحیں جنت میں ابدی زندگی پاتی ہیں۔''

اجنبی نے اس طرح گلا صاف کیا جیسے اُس کا حلق کڑوا ہو گیا ہو۔ قریب ہی پڑے
بڑے سے پتھر پر بیٹھ گیا اور طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''ہونہہ...... ابدی زندگی......'' پھر قبروں کی
طرف منہ کر کے کہنے لگا۔ ''ان سب کا سفر اپنی اپنی قبروں میں آ کر ختم ہو گیا ہے۔ کسے خبر
کہ جنت کی ابدی زندگی کیا ہوتی ہے؟''

اُس نے اپنا چہرہ شعبان کی طرف پھیر لیا۔ اُس کی اندر کو دھنسی ہوئی آنکھوں میں
چنگاریاں سی پھوٹ رہی تھیں۔ کہنے لگا۔ ''کیا کسی نے مرنے کے بعد واپس آ کر تمہیں بتایا

ہے کہ میں نے دیوتا اسیرس کی مدد سے جنت میں ابدی زندگی پالی ہے؟"

اس کے بعد اُٹھ کر شعبان کے قریب منہ لا کر بولا۔ "کیا تم واقعی غریب ہو؟"

شعبان نے کہا۔ "میں اتنا جانتا ہوں کہ اگر میں سارا دن کام نہ کروں تو رات کو مجھے روٹی نہیں ملے گی۔"

شعبان کو ایسا لگا جیسے اس بھوت نما آدمی نے اُسے آنکھ ماری ہے۔ کہنے لگا۔

"تم میرے ساتھ مل جاؤ۔ میں قبروں کے تابوت کھول کر ان میں رکھی قیمتی چیزیں چراتا ہوں۔ کبھی کبھار کوئی قیمتی موتی مل جائے تو مہینے بھر کی روٹیوں کا بندوبست ہو جاتا ہے۔ ہم دونوں مل کر یہ کام کریں گے۔ کیا خیال ہے؟"

شعبان نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔ "میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس سے ممیوں کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ دیوتا ناراض ہو جاتے ہیں۔"

بھوت نما آدمی ناک چڑھا کر بولا۔ "ہونہہ دیوتا! دیوتاؤں کو ہماری کیا فکر ہے؟ انہیں ہماری طرح صبح شام محنت مزدوری کرنی پڑے تو وہ بھی قبرستانوں سے ممیاں چرانے پر مجبور ہو جائیں۔"

پھر وہ اچانک غصے میں آ گیا اور پھنکارتے ہوئے چنگھاڑا۔ "دفع ہو جاؤ یہاں سے..... تم میرے کام کے آدمی نہیں ہو۔ جاؤ، دفع ہو جاؤ۔"

اس بھوت نما تابوت چور پر سچ مچ بھوت سوار ہو گیا تھا۔ شعبان نے موقع غنیمت جانا اور وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔

شعبان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ سب کام خیر و عافیت کے ساتھ ہو گیا ہے اور وہ ایک ہلاکت خیز مہم کو سر کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ وہ گھوڑے کو تیز دوڑاتا اپنے مکان کی طرف واپس جا رہا تھا۔ اس وقت آسمان پر سپیدۂ صبح نمودار ہو رہا تھا اور صحرا میں ریت کے ٹیلے اندھیرے میں سے اُبھر کر نظر آنے لگے تھے۔ مکان پر آنے کے بعد اُس نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا اور اپنے تخت پوش والے بستر پر بے دم سا ہو کر گر پڑا۔ اُس کی حالت ایک ایسے آدمی کی ہو رہی تھی جس نے بہت بڑا بوجھ سر پر اٹھایا ہوا ہو اور پہاڑ کی چڑھائی چڑھتے ہوئے بری طرح ہانپ رہا ہو اور پھر اچانک کسی نے اُس کے سر پر سے بوجھ اتار دیا ہو۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ ایک انتہائی خطرناک مرحلے کو طے کر کے زندہ

سلامت نکل آیا تھا۔ اُس نے ہاتھ سینے پر باندھ لئے، سر کو جھکایا اور دیوتا اسیرس کو مخاطب جان کر دل ہی دل میں کہا۔

"جنت کا راستہ دکھانے والے دیوتا اسیرس! میں تمہاری تعظیم بجا لاتا ہوں کہ تم نے مجھے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ میں نے تمہارے حکم کے مطابق مقدس کتاب کا غلاف اپنے باپ کے تابوت میں رکھ دیا ہے۔ اُس کی سات دن تک حفاظت کرنا اور اس کے بعد میرے باپ کی رُوح کو جنت میں ابدی زندگی عطا کرنا جس کا تم نے وعدہ کیا ہے۔"

اس کے بعد وہ سو گیا اور ایسا غافل ہو کر سویا کہ دوسرے روز دوپہر کو اُس کی آنکھ کھلی۔ اُس نے کھلی کھڑکی میں سے باہر دیکھا، دُھوپ آنگن میں پھیلی ہوئی تھی اور اُس کی بچپن کی ساتھی اور اُس پر جان فدا کرنے والی سائنا آنگن میں لگی ہوئی یاسمین کی بیل کو مٹی کے کوزے سے پانی دے رہی تھی۔

وہ باہر نکل آیا۔ سائنا نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا، مٹی کا کوزہ ایک طرف رکھ کر اُس کے پاس آئی۔ کہنے لگی۔

"تم نے ناشتہ بھی نہیں کیا۔ میں نے تمہیں جگانے کی کوشش کی مگر تم بڑی گہری نیند سو رہے تھے۔ چلو منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھا لو۔ آج میں تمہارے لئے مچھلی بھون کر لائی ہوں۔"

معلوم نہیں کیوں شعبان کو سائنا کی یہ ناز برداریاں اچھی بھی لگتی تھیں اور بری بھی لگتی تھیں۔ جب وہ دیکھتا کہ سائنا اس کی خدمت کر رہی ہے، ناشتہ لا رہی ہے، اس کے لئے مچھلی بھون رہی ہے، تنور میں روٹیاں لگا رہی ہے اور مشکل کے وقت اس کی مالی مدد بھی کر رہی ہے تو وہ اپنے آپ کو سائنا کے احسانوں کے بوجھ تلے دبا ہوا محسوس کرتا۔ جبکہ وہ اس حیثیت میں بھی نہیں تھا کہ سائنا کے کسی ایک بھی احسان کا بدلہ اتار سکتا۔ سائنا کی خدمت گزاری، اس کا خاموش اظہارِ محبت اور اس کا بے غرض ایثار دیکھ کر شعبان کا ضمیر اندر اندر اُسے ملامت کرتا محسوس ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے سائنا کی محبت کا جواب کبھی محبت میں نہیں دیا تھا۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر صحن میں بچھے ہوئے تخت پر بیٹھ گیا۔ سائنا جلدی سے اپنے دامن سے ہاتھ پونچھتی کونے والے تنور کے اوپر رکھی ٹوکری اٹھا کر لے آئی اور روٹیاں اور بھنی ہوئی مچھلی شعبان کے آگے رکھ دی۔ پھر کوزے میں پانی بھر کر لے آئی۔

شعبان کو بھوک لگ رہی تھی، وہ خاموشی سے روٹی کھانے لگا۔

سائنا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ”رات تم دیر سے آئے تھے کیا؟“

شعبان نے کوئی جواب نہ دیا۔ سائنا خاموش بیٹھی شعبان کو روٹی کھاتے دیکھتی رہی۔ شعبان نے پانی کے کوزے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو سائنا نے جلدی سے کوزہ اٹھا کر اس کو پکڑا دیا تھا۔ شعبان کو اس کی یہ حرکت بھی ناگوار گزری۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اس پر احسان پر احسان کرتا چلا جائے۔ اُس نے سائنا کو اس قسم کی ناز برداریوں سے منع کرنے کا سوچا مگر خاموش رہا۔ اُس کا خیال مقدس کتاب کے غلاف کی طرف چلا گیا۔ اُس نے سوچا کہ اب تک مقدس کتاب کے غلاف کی چوری کا راز فاش ہو گیا ہوگا اور فرعون کے قصر شاہی میں کھلبلی مچی ہوئی ہوگی۔ یہ کوئی معمولی چوری نہیں تھی۔ جن شاہی محلات میں کوئی پرندہ بھی فرعون کی اجازت کے بغیر پر نہیں مار سکتا تھا، جن محلات کے در و بام اور شاہی ایوان جابر فرعون کی ہیبت اور دبدبے سے ہر لحظہ دم بخود رہتے تھے وہاں کسی چور کا داخل ہو کر مقدس کتاب کے غلاف کو چرا کر لے جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ خدا جانے اب تک فرعون کے حکم سے کتنے محافظوں اور پہرہ داروں کے سر قلم ہو چکے ہوں گے اور شاہی فوج کے دستے چور کی تلاش میں کہاں کہاں نہیں پہنچ گئے ہوں گے۔ دارالحکومت تھیبز کی چاروں طرف سے ناکہ بندی کر دی گئی ہوگی۔ گھروں کی تلاشیاں لی جا رہی ہوں گی۔ نہ جانے کتنے لوگوں کو شبے میں گرفتار کر کے قلعے کے زمین دوز قید خانوں میں بند کر دیا گیا ہوگا۔

اگرچہ شعبان کا مکان فصیل شہر سے باہر دریائے نیل کے دوسرے کنارے پر تھا لیکن اُسے سخت دھڑکا لگا تھا کہ شاہی سپاہ کے گھوڑ سوار اُس کے مکان پر بھی آ سکتے ہیں۔ اُسے خیال آیا کہ وہ کم از کم سات دنوں کے لئے گھر سے غائب ہو جائے۔ پھر سوچا کہ اس کے اچانک غائب ہو جانے سے لوگوں کے دل میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ انہی خیالوں میں الجھا شعبان آہستہ آہستہ کھانا کھا رہا تھا۔ سائنا اُس کے پاس چپ چاپ بیٹھی تھی۔ شعبان کے ذہن میں پریشان خیالات کا جو ہیجان مچا تھا وہ اس سے بے خبر تھی۔ لیکن شعبان کے چہرے سے اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ پریشان ہے۔ اس کو خیال آیا کہ شعبان اپنے باپ کی بھٹکتی رُوح کے احساس سے پریشان ہے اور دیوتا اسیرس کے کاہن نے سونے کے

سکوں کا نذرانہ لے کر بھی اُسے باپ کی بھٹکتی رُوح کی نجات کا کوئی حل نہیں بتایا ہوگا۔ اُس نے دبی زبان سے پوچھا۔

”کیا دیوتا اسیرس کے کاہن نے تمہیں کوئی طریقہ نہیں بتایا جس سے تمہارے باپ کی رُوح کو جنت کی ابدی زندگی کا سکون میسر آ جائے؟“

کاہن نے شعبان کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ مقدس غلاف کو شاہی محل سے لا کر اپنے باپ کے تابوت میں رکھنے کا راز کسی کو نہ بتائے۔ چنانچہ شعبان نے یہ راز سائنا سے بھی پوشیدہ رکھا۔ صرف اتنا کہا۔

”اسیرس دیوتا کے معبد کے کاہن نے سونے کے چھ سکوں کا نذرانہ قبول کر لیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ میں تمہارے باپ کی رُوح کی نجات کے لئے دیوتا اسیرس کے حضور تمہاری خصوصی سفارش کروں گا اور تمہارے باپ کی رُوح کو ابدی سکون مل جائے گا۔“

سائنا نے سادگی سے کہا۔ ”اگر کاہن اعظم نے یہ بات کہی ہے تو تمہارے باپ کی رُوح کو ضرور سکون مل جائے گا۔ دیوتا اسیرس اپنے خاص کاہن کی بات کبھی نہیں ٹالے گا۔“

سائنا کھانے کے برتن وغیرہ ٹوکری میں رکھ کر چلی گئی۔

شعبان کو یہ خوف لگ گیا کہ مقدس غلاف کے چور کی تلاش میں شاہی سپاہ کے گھوڑ سوار پتہ نہیں کب اس کے مکان پر پہنچ جائیں۔ چونکہ مقدس غلاف شعبان ہی نے چرایا تھا اور زندگی میں یہ اُس کی پہلی اور شاید آخری چوری تھی اس لئے اُس کا پریشان ہونا بے جا نہیں تھا۔ لیکن اس کی گھبراہٹ اُس کا پول کھول سکتی تھی۔ یہ سوچ کر شعبان نے اپنے حواس کو درست کیا اور چہل قدمی اور ہوا بدلی کی خاطر دریائے نیل کی طرف آ گیا۔ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ دن خوب روشن تھا۔ دریائے نیل کی سطح پر چند ایک ماہی گیروں کی کشتیاں رواں دواں تھیں۔ دریا کنارے کے درختوں کی شاخیں صحرا کی طرف سے آنے والی ہوا کے جھونکوں میں لہرا رہی تھیں۔ شعبان پُل پر سے گزر کر دریا کی دوسری طرف آ گیا۔ وہاں سے کچھ فاصلے پر فرعون کے قصرِ شاہی کے محلات کے بُرج اور فصیل شہر کی بارہ دریاں نظر آ رہی تھیں۔ شعبان یہ سن گن لینے کی فکر میں تھا کہ مقدس غلاف کی چوری کے بعد حالات نے کس نوعیت کی شکل اختیار کی ہے۔ وہ ہلکے ہلکے قدم اٹھاتا تھیبز شہر کی فصیل کی طرف چلا جا رہا تھا۔

اچانک اپنے پیچھے اُسے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا، تیز چار رتھ جن کے آگے گھوڑے جتے ہوئے تھے تیز رفتاری سے دوڑے چلے آرہے تھے۔ وہ جلدی سے ایک طرف ہوگیا۔ چاروں رتھوں کو شاہی فوج کے سپاہی چلا رہے تھے۔ ہر رتھ کے آگے دو دو گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ رتھ طوفانی رفتار کے ساتھ گزر گئے۔ ان کے گزر جانے کے چند لمحوں بعد شاہی فوج کے گھوڑ سواروں کا دستہ برق رفتاری سے گھوڑے دوڑاتا شعبان کے سامنے سے گزر گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ مقدس غلاف کے چرائے جانے کا راز فاش ہو چکا ہے اور شاہی سپاہ چور کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اب شہر کی فصیل کی جانب قدم اٹھاتے ہوئے اُسے خوف محسوس ہونے لگا۔ وہ وہیں سے پلٹ کر واپس اپنے مکان پر آ گیا۔

شاہی محل کی سوڈانی کنیز لائیکا نے اسی رات ملنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ یہ ملاقات معمول کے مطابق قدیم اہرام کے عقبی اناروں کے ویران باغ میں ہونی تھی۔ اگرچہ صرف لائیکا ہی ایک ایسی عورت تھی جو اُسے قصرِ شاہی کے محلات کے اندر کی صحیح صورت حال بتا سکتی تھی، اس کے باوجود شعبان آدھی رات کے اندھیرے میں اناروں والے باغ کی طرف جانے سے گھبرا رہا تھا۔ اس کو ڈر لگا تھا کہ شاہی سپاہ کے گھوڑ سوار رات کو ضرور چھپ کر گشت لگا رہے ہوں گے۔ کسی نے اسے دیکھ لیا تو وہ پکڑ لیا جائے گا۔ سورج غروب ہوگیا۔ پھر آہستہ آہستہ شام کے سائے پھیلنے لگے۔ شعبان اپنے کمرے میں ہی رہا۔ رات ہوئی تو سائنا اُس کے لئے کھانا لے کر آ گئی۔ حسب عادت شعبان نے اس سے زیادہ بات نہ کی۔ صرف اتنا کہا کہ کھانا رکھ کر چلی جاؤ۔ میں خود ہی کھالوں گا۔ سائنا نے اُس کے حکم کی تعمیل کی اور کھانا رکھ کر خاموشی سے چلی گئی۔ شعبان کا جی نہیں چاہ رہا تھا لیکن اُس نے تھوڑا بہت زہر مار کر لیا۔ اب اُس کا ذہن سوچ کے دوراہے پر کھڑا تھا۔ وہ کنیز لائیکا سے شاہی محل میں جو طوفان برپا تھا اس کی صحیح صورت حال معلوم کرنے کو بے تاب بھی تھا۔ لیکن رات کے اندھیرے میں پکڑے جانے کے خوف سے اناروں والے باغ کا رُخ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس کے دل میں یہ خوف بیٹھ گیا تھا کہ اگر وہ گھر سے نکل کر آدھی رات کے وقت لائیکا سے ملاقات کرنے اناروں والے باغ میں گیا تو چور کی تلاش میں سرگرداں شاہی فوج کے سپاہی اسے ضرور پکڑ لیں گے۔

شعبان نے عافیت اسی میں سمجھی کہ خاموشی سے اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور اس رات

لائیکا سے ملنے کا خیال دل سے نکال دے۔ اُس نے چراغ کی لو دھیمی کر دی اور اپنے تخت پوش والے بستر پر لیٹ گیا۔ سامنے دیوار کی کھڑکی کھلی تھی جس میں سے دریائے نیل کی طرف سے چلنے والی ہوا کے نرم اور خنک جھونکے اندر آ رہے تھے۔ ستاروں کی دھیمی دھیمی روشنی بھی اندر آرہی تھی۔ پریشان خیالات کی وجہ سے نیند کوسوں دُور چلی گئی تھی۔ وہ بستر پر لیٹا کھلی کھڑکی کے باہر تک رہا تھا۔ رات آدھی گزر چکی تھی۔ یہ سوچ کر اُسے دُکھ سا محسوس ہوا کہ اس سے محبت کرنے والی کنیز لائیکا وعدے کے مطابق اناروں والے باغ میں پہنچ گئی ہوگی اور بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی ہوگی۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ بھی لائیکا سے محبت کرنے لگا تھا۔ ایک بار تو اُس کے دل نے جوش مارا اور اُس نے اناروں والے باغ میں جانے کا ارادہ بھی کر لیا لیکن فوراً اُسے خیال آیا کہ اگر بدقسمتی سے شک شبے میں سپاہی اُسے پکڑ کر لے گئے تو اس سے ضرور پوچھ گچھ کی جائے گی کہ وہ آدھی رات کے وقت اکیلا ویران صحرا میں کیا کر رہا تھا۔ اور جب وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکا تو اس پر تشدد کیا جائے گا اور فرعون کے عقوبت خانوں میں جس قسم کا تشدد کیا جاتا تھا اور مجرموں اور قیدیوں کو جس وحشیانہ طریقے سے اذیتیں دی جاتی تھیں اس سے شعبان ناواقف نہیں تھا۔ اگر وہ یہ اذیتیں اور تشدد برداشت نہ کر سکا اور اُس نے بتا دیا کہ مقدس غلاف میں نے ہی چوری کیا ہے اور اسے اپنے باپ کے تابوت میں چھپایا ہوا ہے تو اس کے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ شاہی فوج کے دستے اس وقت قبرستان میں جا کر اس کے باپ کے تابوت کو کھول کر مقدس غلاف لے آئیں گے اور اس کے باپ کی رُوح جنت کی ابدی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے گی اور خود اس کا سر قلم کر کے اس کی لاش کو فصیل شہر کے صدر دروازے پر عبرت کے لئے لٹکا دیا جائے گا۔ اس تصور ہی سے شعبان کی رُوح لرز اُٹھی اور اُس نے گھر سے باہر قدم رکھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

کئی بار اُس نے آنکھیں بند کیں مگر آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ بار بار آنکھوں کے سامنے لائیکا کی شکل آ جاتی۔ وہ دیکھتا کہ لائیکا بہت بڑا خطرہ مول لے کر آئی ہے اور اناروں کے باغ میں بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی ہے۔ کبھی اُٹھ کر باغ کے کنارے تک آتی ہے کبھی رات کے اندھیرے میں صحرائی ٹیلوں کی طرف نظریں اُٹھا کر دیکھتی ہے

اور جب شعبان اُسے آتا دکھائی نہیں دیتا تو مایوس ہو کر واپس چلی جاتی ہے۔

ایسی حالت میں شعبان کو نیند کیسے آ سکتی تھی۔ وہ بستر پر پہلو بدل رہا تھا کہ اُسے صحن میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ گھبرا کر اُٹھا۔ کھڑکی کے پاس گیا۔ ستاروں کی مدھم روشنی میں ایک انسانی سایہ اُس کے کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ یہ فرعون کے شاہی دستے کا کوئی سپاہی ہے جو سراغ لگنے پر اس کو پکڑنے آیا ہے۔ لیکن جب ذرا قریب ہوا تو اُس نے اُسے پہچان لیا، یہ سوڈانی کنیز لائیکا تھی۔ شعبان کا دل فرطِ محبت سے دھڑک اٹھا۔ وہ تیزی سے کمرے کے دروازے سے نکل کر صحن میں آ گیا۔ لائیکا اُسے دیکھ کر رُک گئی۔ شعبان نے بے اختیار ہو کر اُسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اُسے اپنے دل کی دھڑکن کے ساتھ لائیکا کے دل کی دھڑکن بھی محسوس ہو رہی تھی۔

"اب میں تمہیں کبھی ملنے نہیں آؤں گی۔" لائیکا نے شکایت کے لہجے میں کہا۔ "تمہیں پتہ نہیں تھا کہ میں اناروں کے باغ میں تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں گی؟"

شعبان نے لائیکا کی پیشانی پر بوسہ دے کر کہا۔ "اندر آؤ.... تمہیں اپنی مجبوری بتاتا ہوں۔"

کمرے میں آ کر دونوں تخت پوش کے بستر پر بیٹھ گئے۔ شعبان نے چراغ کی لو دھیمی ہی رہنے دی۔ لائیکا نے ناراضگی سے منہ دوسری طرف کر لیا۔ "میں تم سے کوئی بات نہیں سنوں گی۔ ثابت ہو گیا ہے کہ تمہیں مجھ سے کوئی محبت نہیں ہے۔"

تب شعبان نے معذرت کے ساتھ کہا۔

"سنا ہے فرعون کے قصرِ شاہی سے مقدس کتاب الموت کا غلاف چوری ہو گیا ہے اور شاہی فوج کے سپاہی گھر گھر تلاشیاں لے رہے ہیں اور جس پر شک پڑتا ہے اسے پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ میں تو تمہیں ملنے کے لئے شام ہی کو تیاری کر رہا تھا کہ سپاہیوں کا ایک دستہ ہماری بستی میں بھی گھس آیا اور گھروں کی تلاشیاں لینے لگا۔ وہ ہماری بستی کے کئی نوجوانوں کو شک شبے میں پکڑ کر لے گئے ہیں۔ یہ سپاہی میرے مکان پر بھی آئے تھے مگر دیوتا اسیرس اور رب آمون نے مجھ پر بڑا رحم کیا۔ سپاہیوں نے میرے مکان کا کونہ کونہ چھان مارا کہ شاید کہیں مقدس کتاب کا غلاف چھپا کر رکھا ہوا ہو مگر انہیں کچھ نہ ملا۔ وہ مجھے بھی پکڑ کر لے جا رہے تھے کہ ان میں سے ایک سپاہی نے مجھے پہچان لیا اور ساتھیوں

سے کہا کہ یہ تو وہ طبیب ہے جس نے شاہی محل کی کنیز کو اہرام کے پتھر کے نیچے دبنے سے بچایا تھا اور اس کے پاؤں کے زخم کا علاج کیا تھا۔ اس وجہ سے انہوں نے مجھے کچھ نہ کہا اور چلے گئے۔ لیکن جاتے ہوئے کہہ گئے کہ گھر سے باہر نہ نکلنا ورنہ دوسرے سپاہی تمہیں پکڑ کر لے جائیں گے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کرتا۔"

کنیز لائیکا کا غصہ دور ہو چکا تھا۔ کہنے لگی۔

"تم نے بڑی عقلمندی کی کہ اناروں کے باغ کی طرف نہ آئے۔ میں بے تابی سے تمہارا انتظار بھی کر رہی تھی اور دیوتاؤں کے آگے یہ دُعا بھی مانگ رہی تھی کہ تم اپنے مکان پر ہی رہو۔"

"لیکن لائیکا!" شعبان نے مصنوعی تجسس کے ساتھ پوچھا۔ "یہ مقدس غلاف کی چوری کیسے ہو گئی؟ پرسوں رات کو ہی تم مجھے بتا رہی تھیں کہ شاہی محل کے جس نیلے کمرے میں مقدس کتاب رکھی ہوئی ہے وہاں دن اور رات میں کس قدر کڑا پہرہ لگا رہتا ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کمرے کے نزدیک بھی پھٹک سکے۔ پھر یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟"

لائیکا نے کہا۔ "کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ شاہی محل میں تو مقدس غلاف کی چوری سے موت کا سناٹا چھا گیا ہے۔ یہ فرعون اور شاہی خاندان کی سلامتی کے حق میں بڑی بدشگونی کی بات ہوئی ہے کہ محل کی خاص عبادت گاہ میں سے مقدس کتاب یا اس کا غلاف چوری ہو جائے۔ رب فرعون ہوتپ تو پہلے ہی بیمار پڑا تھا، سنا ہے مقدس غلاف کے چوری ہو جانے کے بعد اس پر غشی کے دورے پڑ رہے ہیں۔ اسے دیوتاؤں کی بد دُعا لگنے سے اپنی موت کا اور اپنے شاہی خاندان والوں کی موت کا یقین ہو گیا ہے۔"

شعبان کو فرعون ہوتپ کی پریشانیوں یا اس کی موت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ یہ معلوم کرنے کی جستجو میں تھا کہ مقدس غلاف کی بازیابی کے واسطے فرعون کی شاہی سپاہ کے فوجی کس تگ و دو میں ہیں اور کہیں ان کا ارادہ غریبوں یا شرفاء کی قبروں کو کھودنے کا تو نہیں ہے؟ کیونکہ مقدس کتاب وہی کتاب الموت تھی جس کی نقل کاہنوں کے زمانے میں امراء اور رؤسا کے تابوتوں میں رکھ دی جاتی تھی اور اسے بابرکت سمجھا جاتا تھا۔ اُس نے لائیکا سے پوچھا۔

"ہر جگہ لوگوں کی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا ہوا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ سپاہی

شاہی قبرستان کو چھوڑ کر باقی تمام قبروں کے تابوت کھول کر دیکھیں گے کہ کہیں چور نے مقدس غلاف کو اپنے ماں باپ یا بہن بھائی یا بیٹے کے تابوت میں برکت کے لئے تو نہیں رکھ دیا۔"

لائیکا بولی۔"نہیں، اس کا امکان نہیں ہے۔ کیونکہ خالی مقدس کتاب کا غلاف رکھ دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ مرنے والی کی رُوح صرف اس صورت میں جنت میں ابدی زندگی پاتی ہے جب اس کے تابوت میں کتاب الموت کی نقل رکھی گئی ہو اور جس پر بنے ہوئے نقشے کی مدد سے دیوتا اسیرس اسے جنت تک چھوڑ آئیں۔"

شعبان کے دل میں اچانک شک سا اُبھر آیا کہ کہیں اسیرس دیوتا کے معبد کے کاہن نے اس سے سونے کے سکے بٹورنے کی خاطر اس کے آگے جھوٹ تو نہیں بولا؟ وہ کہنے لگا۔

"لیکن میں نے بزرگوں کی زبانی سنا ہے کہ اگر دیوتا اسیرس کی اجازت سے مقدس کتاب کی جگہ اس کا غلاف بھی کچھ دنوں کے لئے مرنے والے کے تابوت میں رکھ دیا جائے تو اس کی روح کو جنت کا راستہ مل جاتا ہے۔"

"ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔" لائیکا بولی۔"اگر دیوتا اسیرس چاہیں تو ایسا ہو سکتا ہے۔ پھر مرنے والے کی رُوح کی نجات کے لئے مقدس کتاب کا غلاف ہی کافی ہوتا ہے۔ مگر قبروں کو کھودنے سے دیوتاؤں کی بے حرمتی ہوتی ہے اور اس سے تابوت میں آرام کر رہی ممی کی بد دُعا لگ جاتی ہے۔ ایسی جرأت نہ تو کوئی سپاہی کرے گا اور نہ رب فرعون ہی اس کی اجازت دے گا۔ رب فرعون اور اس کا شاہی خاندان پہلے ہی دیوتاؤں کے عتاب کی زد میں ہے۔"

یہ سن کر شعبان کی تسلی ہو گئی کہ کم از کم اس قبرستان کی جانب کوئی سپاہی رُخ نہیں کرے گا جس کی ایک قبر میں اس کے باپ کا تابوت دفن ہے اور تابوت کے اندر مقدس کتاب کا غلاف ممی کے سینے پر رکھا ہوا ہے۔ پھر بھی اُس نے دل میں سوچ لیا کہ کل وہ اسیرس کے معبد کے کاہن کے پاس ضرور جا کر مزید تسلی کرے گا۔ اُس نے لائیکا سے پوچھا۔

"تم رات کے وقت محل سے نکل کر آئی ہو۔ کیا تمہیں راستے میں کوئی شاہی فوج کا سپاہی نہیں ملا؟"

لائیکا نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"شاہی سپاہ کے گھوڑ سوار تو جگہ جگہ پھر رہے ہیں۔ مجھے بھی دو تین جگہوں پر روکا گیا تھا مگر میرے پاس ملکہ عالیہ کی طرف سے دیا ہوا خاص لاکٹ ہے جس کو دیکھ کر کسی سپاہی نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ یہ دیکھو۔"

اور کنیز نے اپنی سیاہ چادر ہٹا کر شعبان کو اپنے گلے میں پڑا ہوا زمرد کا ایک لاکٹ دکھایا جس کو تراش کر چھ کونے نکالے گئے تھے۔

"یہ چھ کونوں والا لاکٹ ملکہ عالیہ کی جانب سے خاص خاص کنیزوں کو دیا جاتا ہے۔"

شعبان کہنے لگا۔"اس کا مطلب ہے کہ تم ملکہ عالیہ کی خاص کنیزوں میں سے ہو۔"

"کیوں نہیں۔" لائیکا نے ہنس کر کہا۔"بلکہ میں تو سب سے بڑھ کر ہوں۔ کیونکہ مجھے رب فرعون ہوتپ کی تیمارداری کا بھی شرف حاصل ہے۔ رب فرعون ہوتپ مجھے اپنی پسندیدہ کنیزوں میں شمار کرتا ہے۔"

باتوں ہی باتوں میں رات کا پچھلا پہر بھی گزر گیا۔ کھڑکی کے باہر صحن میں صبح کے اولین نور کا غبار سا پھیلنے لگا۔ لائیکا بولی۔

"اب میں جاتی ہوں...... صبح ہو رہی ہے۔"

"پھر کب آؤ گی؟" شعبان نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

وہ بولی۔"اب میں دن کے وقت کوئی بہانہ بنا کر تم سے ملنے آؤں گی۔ تم گھر پر ہی رہنا۔ ویسے بھی ابھی کچھ دنوں تک تمہیں گھر پر ہی رہنا چاہئے۔ باہر کے حالات بڑے خراب ہیں۔"

شعبان نے اُسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔"میں گھر پر ہی رہوں گا۔ لیکن مجھ سے تمہاری زیادہ دنوں کی جدائی برداشت نہیں ہو گی۔"

لائیکا کے سانولے دلکش چہرے پر غرورِ حسن کی ہلکی سی مسکراہٹ خود بخود نمودار ہوئی۔ کہنے لگی۔"کل نہیں، پرسوں آؤں گی۔"

جب وہ جانے لگی تو شعبان نے کہا۔"کیا تم دن کے وقت بھی خفیہ دروازے سے محل میں داخل ہو گی؟"

"نہیں۔" لائیکا نے جواب دیا۔"میرے پاس ملکہ عالیہ کا لاکٹ ہے۔ میں شہر کے صدر

دروازے سے داخل ہوں گی۔ دربان اور سپاہی مجھ سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کریں گے۔"
کنیز لائیکا ایک دن بعد آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد چونکہ شعبان کا ذہنی بوجھ کافی ہلکا ہو گیا تھا اس وجہ سے اس کو بستر پر لیٹتے ہی نیند آ گئی۔

دوسرے دن سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے اُس نے نہا دھو کر صاف ستھرا لباس پہنا اور گھوڑے پر سوار ہو کر دیوتا اسیرس کے معبد کی طرف چل پڑا۔ وہ معبد کے کاہن کو اپنے کارنامے سے آگاہ کرنا چاہتا تھا اور اُس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اگر کتاب الموت کی جگہ محض مقدس کتاب کا غلاف تابوت میں رکھ دیا جائے تو کیا پھر بھی مرنے والے کی رُوح جنت میں ابدی زندگی حاصل کر لیتی ہے؟ کیونکہ لائیکا نے اُس کے دل میں یہ کہہ کر شک ڈال دیا تھا کہ محض مقدس کتاب کے غلاف سے رُوح صرف اسی صورت میں جنت میں داخل ہو سکتی ہے کہ اگر اُسے دیوتا اسیرس کی خوشنودی حاصل ہو۔

معبد تک آتے آتے سورج غروب ہو گیا اور مصر کے دارالحکومت تھیبز کے شاہی محلات کی بُرجیوں کے سنہری کلس ڈوبتے سورج کی سرخ روشنی میں چمکنے لگے۔ معبد کے اہرام کی وضع کے تکونے میناروں کے کلس بھی سنہری ہو رہے تھے۔ اس کے اونچے محراب دار دروازے کی دونوں جانب پھل اور پھول بیچنے والے بیٹھے تھے۔ پھلوں اور کنول، گیندے اور گلاب کے پھولوں سے بھرے ہوئے ٹوکرے ان کے سامنے پڑے تھے اور لوگ دیوتاؤں پر چڑھانے کے لئے ان سے پھول اور پھل خرید رہے تھے۔ ایک طرف چراغ بیچنے والے نیلی مٹی کی رکابیوں میں سات سات چراغ روشن کئے بیٹھے تھے۔ عورتیں اور مرد تانبے کے سکے دے کر ان سے چراغوں سے روشن رکابیاں خریدتے اور انہیں اپنے ہاتھوں میں تھام کر زیر لب دیوتا اسیرس کے گیت پڑھتے مندر میں داخل ہو رہے تھے۔ دوسری طرف کونے میں قربانی کے لئے کالے بکروں کا ریوڑ موجود تھا۔ دیوتاؤں کی قربانی کی خاطر لوگ بکروں کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھتے، پھر اپنی پسند کا بکرا خرید کر اُسے رسّی کی مدد سے گھسیٹتے ہوئے مندر کے دروازے کی طرف بڑھتے۔

شعبان نے بھی پھول بیچنے والوں سے کنول اور گیندے کے پھولوں کا بڑا گلدستہ خرید لیا اور دوسرے عقیدت مندوں کے ساتھ وہ بھی مندر میں داخل ہو گیا۔ سب سے پہلے دیوتا اسیرس کے ایوان میں گیا جہاں دیوتا اسیرس کے بڑے بت کے آگے معبد کی سیاہ فام

اور سانولی دیوداسیاں رقص کرتی ہوئی دیوتا کی تعریف کے گیت گا رہی تھیں۔ ہٹا کٹا کاہن بت کے قدموں میں بیٹھا عقیدت مندوں سے نذرانے وصول کرنے میں مصروف تھا اور ہر عقیدت مند سے چاندی کے سکے لے کر سنگ مرمر کی ایک صندوقچی میں ڈالتا جاتا تھا اور عقیدت مند کو کنول کا ایک پھول تبرک کے طور پر دے دیتا تھا۔ شعبان نے بھی اپنی باری آنے پر کاہن کی خدمت میں چاندی کے تین سکے اور پھولوں کا گلدستہ پیش کیا۔ کاہن نے گوشہ چشم سے شعبان پر ایک معنی خیز نگاہ ڈالی اور سکے صندوقچی میں ڈال کر جب اُسے تبرک کا کنول پھول دیا تو شعبان نے دبی زبان میں کہا۔

"عظیم کاہن! میں آپ سے ایک بات پوچھنے آیا ہوں۔"

کاہن نے بھی دبی زبان میں جواب دیا۔ "پوجا کے بعد میرے کمرے میں آ جانا۔"

دیوتا اسیرس کی پوجا رات کا پہلا پہر گزرنے تک جاری رہی۔ شعبان وہیں معبد کے ایوان میں بیٹھا رہا۔ پوجا کا پہلا دور ختم ہوا تو کاہن اُٹھ کر چلا گیا۔ شعبان بھی ایوان سے نکل آیا۔ جس وقت وہ کاہن کے کمرے کے قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ حجرے کی کھڑکی میں سے زیتون کے چراغ کی روشنی باہر نکل رہی تھی۔ اُس نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کاہن کی بھاری بھرکم آواز آئی۔

"اندر آ جاؤ!"

شعبان اندر آ گیا۔ کاہن بڑی تمکنت اور وقار کے ساتھ اپنے تخت پر بچھے ہوئے نیلے قالین پر براجمان تھا۔ شعبان نے جھک کر تعظیم کی اور کاہن کی خدمت میں چاندی کے تین سکے پیش کئے۔ کاہن نے بے نیازی سے ان سکوں پر نگاہ ڈالی اور اٹھا کر تکیے کے نیچے رکھ دیئے۔ پھر کہا۔

"کیا بات ہے...... آج کل تمہارا کاروبار نرم پڑ گیا ہے کیا؟"

شعبان نے بڑے ادب سے عرض کی۔

"کچھ ایسی ہی بات ہے عظیم کاہن! دیوتاؤں کے آگے میری سفارش کر دیں۔ میرا کاروبار کھل جائے گا۔"

کاہن نے گھور کر شعبان کو دیکھا اور کہا۔

"تم نے تو بڑا کمال کر دکھایا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ مقدس کتاب کے غلاف کو نکالنے

کے بعد زندہ قصرِ شاہی سے واپس آسکو گے۔"

شعبان نے جواب دیا۔"عظیم کاہن! آپ کی خاص توجہ اور دیوتا اسیرس کی مہربانی سے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ورنہ قدم قدم پر میری جان کو خطرہ تھا۔"

کاہن نے پوچھا۔"تم نے غلاف اپنے باپ کے تابوت میں رکھ دیا تھا؟"

"ہاں عظیم کاہن! میں اس مقصد میں بھی کامیاب ہو گیا ہوں۔ لیکن اب اس خیال سے ڈر لگ رہا ہے کہ اگر رب فرعون کے سپاہیوں نے مقدس غلاف کی تلاش میں قبروں کو بھی کھودنا شروع کر دیا تو میری چوری پکڑی جائے گی اور نہ صرف مجھے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا بلکہ میرے باپ کی روح بھی ابدی زندگی سے محروم ہو جائے گی۔"

کاہن نے سنگ مرمر کی طشتری میں سے کالے سیاہ انگوروں کے گچھے میں سے چھ سات انگور توڑ کر منہ میں ڈالے اور انہیں چباتے ہوئے بولا۔

"بے فکر رہو...... دیوتا اسیرس نے تمہارے باپ کی رُوح کی نجات کا مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے اور دیوتا کبھی جھوٹا وعدہ نہیں کرتے۔ ٹھیک ساتویں دن تمہارے باپ کی رُوح جنت میں ابدی زندگی حاصل کر لے گی۔ مگر تمہیں اپنی زبان بند رکھنی ہوگی۔ بہتر ہے کہ تم سات روز تک گھر سے باہر نہ نکلو۔"

شعبان نے کہا۔"عظیم کاہن! میں ایسا ہی کروں گا۔ میری طرف سے اطمینان رکھیں۔ یہ راز نہ میں نے کسی کو بتایا ہے نہ بتاؤں گا۔"

موٹے کاہن کے چہرے پر فکرمندی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ اُس نے شعبان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آٹھویں روز تمہیں مقدس کتاب کا غلاف تابوت میں سے نکال کر شہر کے بڑے چوک کے چبوترے پر رکھنا ہوگا۔"

"مجھے یاد ہے عظیم کاہن!" شعبان نے جواب دیا۔

مگر کاہن کے چہرے سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔ اُس نے پوچھا۔

"اگر تم پکڑے گئے تو......؟"

شعبان بولا۔"میں بھیس بدل کر رات کے وقت جاؤں گا اور چاروں طرف سے چوکس رہوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ جس طرح میں مقدس غلاف کو محل سے اُڑا لانے میں

کامیاب ہوا ہوں اسی طرح میں اسے واپس رکھنے میں بھی کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے...... اب تم جا سکتے ہو۔"

شعبان نے جھک کر تعظیم کی اور حجرے سے چلا گیا۔ شعبان پر کاہن کا بھروسہ اور یقین یکلخت متزلزل ہو گیا تھا۔ اُسے ایسے لگ رہا تھا کہ شعبان مقدس غلاف رکھتے وقت ضرور پکڑا جائے گا اور عقوبت خانے میں بھیانک تشدد سے گھبرا کر بتا دے گا کہ اسے اسیرس کے معبد کے کاہن نے یہ سب کچھ کرنے کو کہا تھا۔ پھر کاہن کا جو انجام ہوگا اس کا تصور کر کے کاہن کو پسینہ آ گیا۔ وہ تخت پر سے گھبرا کر اٹھا اور باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اُس کے پیچھے پیچھے ایک خوفناک چہرے والا سیاہ فام حبشی غلام بھی چلا آ رہا تھا۔ کاہن تخت پر بیٹھ گیا۔ اُس نے حبشی غلام سے کہا۔

"ابھی ابھی جو آدمی مجھ سے مل کر گیا ہے تم اس کی شکل پہچان لو گے؟"

حبشی غلام جو رات کے وقت کاہن کے حجرے کے باہر پہرہ دیا کرتا تھا، بولا۔

"ہاں مالک، میں اس کی شکل پہچانتا ہوں۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ فصیل شہر سے باہر بستی کے کون سے مکان میں رہتا ہے۔"

"شاباش۔" کاہن بولا۔"میں یہی چاہتا تھا۔"

حبشی غلام بولا۔"مالک! رات کے وقت آپ سے ملنے جو کوئی بھی آتا ہے میں صرف اس کی شکل صورت ہی ذہن میں نہیں بٹھاتا بلکہ اس کے گھر کا بھی سراغ لگا لیا کرتا ہوں۔"

"مجھے تم سے یہی توقع ہے۔" کاہن خوش ہو کر بولا۔

"مالک حکم دیں، مجھے کیا خدمت بجا لانی ہوگی؟" حبشی غلام نے دست بستہ عرض کی۔

کاہن نے کہا۔"میرے قریب آؤ۔"

حبشی غلام کاہن کے قریب ہو گیا۔ کاہن نے رازداری سے کہا۔

"ابھی ابھی جو آدمی مجھ سے مل کر گیا ہے مجھے اس کا سر کاٹ کر لا دو۔ اور یہ کام تمہیں آج ہی آدھی رات کے بعد کرنا ہوگا۔ اس وقت یہ آدمی اپنے مکان میں گہری نیند سو رہا ہوگا۔ سوتے میں تلوار کے وار سے اس کا سر تن سے جدا کر کے میرے پاس لے آنا۔ سوتے میں وہ شور نہیں مچا سکے گا۔"

"جو حکم میرے مالک! آج آدھی رات کے بعد اس آدمی کا سر آپ کے قدموں میں

ہو گا۔'' حبشی نے پورے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔

کاہن اُنگلی کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے...... اب تم جا سکتے ہو۔''

حبشی غلام جھک کر کورنش بجالانے کے بعد باہر نکل گیا۔ کاہن کو اب اطمینان ہو گیا کہ شعبان کے قتل ہو جانے سے اُس کی اپنی جان کو جو خطرہ تھا وہ ٹل جائے گا۔ لیکن دیوتا اسیرس کی ہدایت کے مطابق مقدس غلاف کو واپس محل کی عبادت گاہ والے نیلے کمرے میں پہنچانا بھی ضروری تھا۔ اس مسئلے کا حل بھی کاہن نے سوچ لیا۔ وہ فرعون کے دربار میں پیش ہو کر دعویٰ کرے گا کہ وہ دیوتا اسیرس کی مدد سے اس کے خاص منتروں کا جاپ کر کے اس جگہ کا سراغ لگا سکتا ہے جہاں چور نے مقدس کتاب کا غلاف چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ یوں وہ دکھاوے کے منتروں کا مظاہرہ کرنے کے بعد فرعون کو شعبان کے باپ کی قبر پر لے جائے گا اور اس کے تابوت کو کھلوا کر مقدس غلاف کو برآمد کرا دے گا۔ اس طرح فرعون کی نظروں میں اس کی وقعت بڑھ جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ وہ اُسے ہیکل اعظم کے کاہن اعظم کا اعلیٰ ترین شاہی عہدہ عطا کر دے۔ اس طرح وہ ایک تیر سے دو نشانے مارے گا۔ شعبان کے باپ کی قبر کے بارے میں اتفاق سے شروع میں پوچھ لیا تھا کہ وہ شرفا کے قبرستان میں کس مقام پر ہے۔ اپنی کامیاب منصوبہ بندی اور اپنے ذہن کی عیاری پر کاہن خود ہی عش عش کر اٹھا۔ اُس نے دیوتاؤں کے نشہ آور مشروب کا پورا پیالہ اسی خوشی میں بھر کر پیا اور پوجا کے دوسرے دور میں شریک ہونے کے لئے معبد کے ایوانِ عبادت کی جانب چل دیا۔

شعبان اپنے مکان پر آ کر بستر پر لیٹ گیا۔

اُسے ذہنی طور پر پوری تسلی ہو گئی تھی کہ اس نے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا ہے اور اب اُس کے باپ کی رُوح جنت کی ابدی زندگی سے محروم نہیں رہے گی۔ اس بات کی اُسے خبر نہیں تھی کہ ایک قاتل اُس کے پیچھے لگ گیا ہے جو اُسے قتل کرنے کا ارادہ کر کے چلا ہے۔ شعبان کو معبد میں ہی آدھی رات ہو گئی تھی۔ کاہن کا حبشی غلام تلوار ہاتھ میں لئے رات کے اندھیرے میں شعبان کے مکان کے قریب پہنچ چکا تھا۔ مکان کے صحن کا دروازہ بند تھا اور اندر سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔ حبشی غلام دیوار پھاند کر صحن میں آ گیا۔ صحن رات کے اندھیرے میں خالی پڑا تھا۔ شعبان کے کمرے کی کھڑکی کھلی تھی۔ اندر دھیمی لو والا چراغ جل رہا تھا۔ شعبان سو رہا تھا۔ حبشی غلام نے کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر ایک نظر شعبان پر ڈالی۔ اسی لمحے ایک انسانی سایہ حبشی غلام کے عقب میں تیزی سے آگے نکل گیا۔ حبشی غلام کو اس کا بالکل علم نہ ہوا۔ حبشی غلام کاہن کے حکم سے نہ جانے اس کے کتنے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ گہری نیند سوئے ہوئے شعبان کو ہلاک کرنا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ کھڑکی میں سے کمرے میں اُتر گیا اور دبے پاؤں شعبان کے بستر کی طرف بڑھا۔ شعبان ابھی کچی نیند میں تھا۔ حبشی غلام کے پاؤں کی آہٹ سے شعبان کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے اپنے سامنے ایک حبشی کو تلوار لئے دیکھا تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ حبشی غلام نے ایک دم تلوار والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور شعبان کے سر پر بھرپور وار کرنے والا تھا کہ ایک جانب سے سنسناتا ہوا ایک تیر آیا اور حبشی کے سینے میں لگ کر آر پار ہو گیا۔ حبشی غلام کا تلوار والا ہاتھ اُٹھے کا اُٹھا رہ گیا اور وہ بے جان سا ہو کر پیچھے کو گر پڑا۔

شعبان نے چونک کر کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ کیونکہ تیر دروازے کی طرف سے آیا تھا۔ چراغ کی دھیمی روشنی میں اُس نے دروازے میں ایک کڑیل جوان کو

دیکھا جو ایک ہاتھ میں کمان لئے کھڑا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"طاغوت تم......؟" شعبان کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔

طاغوت نے آگے بڑھ کر شعبان کو سینے سے لگا لیا اور بولا۔

"دیوتا تم پر مہربان ہیں۔ انہوں نے عین وقت پر مجھے بھیج دیا۔ ورنہ اس وقت اس حبشی کی جگہ تمہاری لاش پڑی ہوتی۔"

شعبان اشتیاق بھری نظروں سے طاغوت کو تک رہا تھا۔ "میں تمہارا شکر گزار ہوں طاغوت۔ یہ بتاؤ تم اتنی دیر کہاں رہے؟"

طاغوت تخت پوش پر شعبان کے پاس بیٹھ گیا۔ اُس نے حبشی غلام کی لاش پر پاؤں رکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ تمہیں کیوں قتل کرنا چاہتا تھا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے بستی میں تمہاری کسی سے دشمنی نہیں ہے۔"

شعبان نے حبشی غلام کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اُس نے اُسے پہچان لیا کہ وہ دیوتا اسیرس کے معبد کے کاہن کا خاص غلام ہے جو اُس کے حجرے کے باہر رات کو پہرہ دیتا تھا۔ ایک لمحے کے اندر اندر شعبان معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا کہ اُسے کاہن نے بھیجا ہے کہ وہ شعبان کو جا کر قتل کر ڈالے۔ اُسے خوف ہوگا کہ شعبان اگر پکڑا گیا تو فرعون کے آگے اس کا نام لے کر اعتراف کر لے گا کہ غلاف کو اُس نے کاہن کی ہدایت پر چرایا تھا۔

"تم اسے پہچانتے ہو؟" طاغوت نے بھی حبشی غلام کی لاش کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

شعبان بولا۔ "میں نے اسے پہچان لیا ہے۔"

"کون ہے یہ؟ تمہارے ساتھ کیا دشمنی تھی اس کی؟"

شعبان گہرا سانس لے کر بولا۔ "یہ بڑی لمبی کہانی ہے۔"

پھر شعبان نے طاغوت کو پوری تفصیل کے ساتھ مقدس کتاب کے غلاف کو چرانے کی پوری روئیداد بیان کر دی۔ طاغوت بڑی حیرت اور دلچسپی سے سنتا رہا۔ جب شعبان ساری کہانی بیان کر چکا تو طاغوت نے شعبان کے کاندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "تم تو بڑے دلیر نکلے شعبان! یہ دلیری تم میں کیسے آ گئی؟ تم تو بزدلی کی حد تک نرم دل تھے۔"

شعبان بولا۔ "جس رات میں نے خواب میں اپنے باپ کی رُوح کو آسمانوں میں بھٹکتے دیکھا میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ چاہے مجھے اپنی جان دینی پڑے میں اپنے گناہ کا کفارہ ادا

کرتے ہوئے اپنے باپ کی رُوح کو بھٹکنے نہیں دوں گا۔"

طاغوت نے کہا۔ "میں حیران ہوں تم اتنے سمجھدار ہو کر بھی پیشہ ور طوائف برقہ کے فریب میں آ گئے اور اس کو خوش کرنے کے لئے اپنے باپ کے تابوت میں سے مقدس کتاب الموت کی نقل نکال کر دے آئے؟"

شعبان نے شرمساری سے سر نیچے کر لیا اور بولا۔ "اُس عورت نے مجھ پر جیسے جادو کر دیا تھا۔ میں خود حیران ہوں کہ یہ گناہ مجھ سے کیسے ہو گیا۔"

طاغوت بولا۔ "چلو اچھا ہوا تم نے گناہ کا پورا پورا کفارہ ادا کر دیا۔" پھر وہ حبشی کی لاش کو تکنے لگا۔

شعبان نے کہا۔ "میں نے یہ سب کچھ معبد کے کاہن کی ہدایت پر کیا۔ اس نے میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی، بھلائی ہی کی ہے۔ مگر اب اسے خوف تھا کہ اگر میں مقدس کتاب کے غلاف کو شہر کے چوک میں رکھتے ہوئے پکڑا گیا تو فرعون کے جلادوں کا تشدد مجھ سے برداشت نہیں ہو سکے گا اور میں انہیں بتا دوں گا کہ میں نے جو کچھ کیا، دیوتا اسیرس کے معبد کے کاہن کے کہنے پر کیا تھا۔ چنانچہ اس نے مجھے قتل کروانے کے لئے میرے پیچھے اپنا حبشی غلام بھیج دیا۔ میں بڑا خوش نصیب ہوں کہ عین وقت پر دیوتاؤں نے تمہیں بھیج دیا اور تم نے میری جان بچا لی۔"

طاغوت بولا۔ "میں کئی دنوں سے تمہارے پاس آنے کا سوچ رہا تھا۔ بس موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ مقدس غلاف کی چوری سے شہر کے اندر اور فصیل شہر کے باہر شاہی سپاہ کی نقل و حرکت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ رات کو بھی گھوڑ سوار گشت لگانے لگے تھے۔ آج مجھے موقع مل گیا اور تم سے ملنے آ گیا۔"

طاغوت نے ہنس کر پوچھا۔ "یہ بتاؤ تمہاری محبوبہ دل نواز برقہ آج کل کہاں ہے؟ کیا پھر بھی اس کے ہاں تمہارا جانا ہوا؟"

شعبان نے سخت لہجے میں کہا۔ "اس عیار عورت کا نام نہ لو۔ اب وہ اس شہر میں نہیں ہے۔"

"چلو یہ بھی اچھا ہوا۔" طاغوت نے شعبان کا بازو دبا کر کہا۔ "یار تم نے بھی تو بڑی حماقت کی اور اُس عورت کو دل دے بیٹھے جس کو دل نہیں دیا کرتے۔ بس تحفے تحائف دے

کر اپنا کام نکالا کرتے ہیں۔"

"بس یہی مجھ سے حماقت ہوئی۔" شعبان نے ندامت کے احساس سے کہا۔ پھ
طاغوت سے پوچھا۔ "تم نے اپنے بارے میں نہیں بتایا۔ وہی تجارت کے مال کی سوداگر
کرتے ہو کیا؟"

طاغوت نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔ "میں خود تجارت کا مال لے کر کہیں نہیں جا
بلکہ جو قافلے تجارتی مال لے کر ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے ہیں انہیں لوٹتا ہوں اور عی
کرتا ہوں۔ میں تو کہتا ہوں تم بھی میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ عیش کرو گے عیش۔"

طاغوت قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ شعبان کو زیادہ حیرت نہ ہوئی۔ وہ طاغوت کا بچپن
دوست تھا اور اس کے مزاج کو اچھی طرح سے سمجھتا تھا، کہنے لگا۔ "نہیں دوست! میر
اندر تمہاری طرح کی دلیری نہیں ہے۔ میں جیسے ہوں ٹھیک ہوں۔"

شعبان کے چہرے پر فکرمندی کے تاثرات اُبھر آئے۔ طاغوت کی طرف نگاہیں اٹھا
بولا۔ "اب مجھے ایک اور جان لیوا مرحلہ درپیش ہے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہوگی۔"

طاغوت نے شعبان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور اسے دباتے ہوئے بولا۔ "مدد!
تمہارے لئے میری جان بھی حاضر ہے۔ بتاؤ کیا چاہتے ہو؟"

شعبان نے کہا۔ "مقدس کتاب کے غلاف کو سات دنوں کے بعد میرے باپ
تابوت میں سے نکال کر آدھی رات کو دارالحکومت کے چوک میں رکھنا بہت ضروری ہ
دیوتا اسیرس کا حکم ہے۔ تا کہ غلاف مقدس کتاب الموت تک واپس پہنچ جائے۔ شہ
غلاف کے چوری ہو جانے کے بعد دن رات شاہی سپاہ کے گھوڑ سوار گشت لگاتے پھ
ہیں۔ ڈرتا ہوں کسی نے مجھے دیکھ لیا تو زندہ نہ بچوں گا۔"

طاغوت نے شعبان کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔ "تم اس کی کیوں فکر کرتے ہو؟ میں
ہوں۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ میرے آدمی بھی ہمارے ساتھ ہوں گے۔ ہم تمہ
حفاظت کریں گے۔ تمہارا کوئی بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔ بتاؤ کس رات کو چلنا ہوگا؟"

شعبان حساب لگا کر بولا۔ "آج سے ٹھیک تیسرے دن کی رات کو یہ فرض ادا کر
گا۔ پہلے میں شرفا کے قبرستان میں جا کر اپنے باپ کے تابوت میں رکھا ہوا مقدس
نکالوں گا، پھر اُسے رات کی تاریکی میں شہر کے چوک میں لا کر رکھ دینا ہوگا۔"

طاغوت نے کہا۔ "بے فکر رہو۔ میں آج سے ٹھیک تیسرے دن کی شام کو تمہارے پاس
موجود ہوں گا۔ میرے گروہ کے چار آدمی بھی میرے ساتھ ہوں گے۔ اب میں چلتا ہوں۔"

طاغوت اُٹھتے اُٹھتے رُک گیا۔ حبشی غلام کی لاش کی طرف دیکھ کر بولا۔

"یہ لاش تو میں صحرا کے کسی گڑھے میں پھینک کر غائب کر دوں گا۔ لیکن کاہن کو پتہ
چل جائے گا کہ تم ابھی زندہ ہو۔ ہوسکتا ہے وہ دوبارہ تمہیں قتل کرنے کی کوشش کرے۔
میں تمہاری حفاظت کے لئے اپنا ایک آدمی چھوڑے جاتا ہوں۔ وہ تمہارے مکان کے
اردگرد دن رات پہرہ دے گا۔ میرا یہ آدمی بھی میرے گروہ کے دوسرے ساتھیوں کی طرح
بڑا تجربہ کار قاتل ہے۔ تمہیں نقصان پہنچانے اگر دس آدمی بھی آ جائیں گے تو یہ اکیلا ان
کے لئے کافی ہے۔ ایک ایک کو گاجر مولی کی طرح تہ تیغ کر دے گا۔ تم اتنی احتیاط کرنا کہ
ان تین دنوں میں گھر سے باہر قدم مت رکھنا۔"

طاغوت اُٹھ کر کھڑکی کے پاس گیا، باہر منہ نکال کر اُس نے ہلکی سی سیٹی کی آواز نکالی۔
اس آواز کو سنتے ہی دو خوفناک شکلوں والے قاتل نما آدمی دوڑ کر کھڑکی کے پاس آ گئے۔

طاغوت نے انہیں کہا۔ "یہ لاش اٹھا کر لے چلو۔"

دونوں ڈاکو کھڑکی میں سے کود کر اندر آ گئے۔ انہوں نے حبشی غلام کی لاش اٹھائی اور
اسے کھڑکی میں سے ہی باہر لے گئے۔ طاغوت نے شعبان کو گلے سے لگا کر ہلکی سی تھپکی
دی اور کہا۔ "جب تک تمہارا دوست طاغوت زندہ ہے تمہاری طرف کوئی میلی آنکھ سے
دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ دیوتا تمہارے نگہبان ہوں۔ اور ہاں، اس دوران اگر تمہیں
میری ضرورت محسوس ہوئی تو جس آدمی کو میں تمہاری حفاظت کے واسطے چھوڑے جا رہا
ہوں اس کو بتا دینا۔ وہ تمہیں میری خفیہ کمین گاہ میں پہنچا دے گا۔"

یہ کہہ کر طاغوت کھڑکی کے باہر کود گیا۔ شعبان اُٹھ کر کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ صحن
میں پھیلی ہوئی ستاروں کی مدھم روشنی میں اُس نے دو آدمیوں کو حبشی غلام کی لاش گھسیٹ کر
لے جاتے دیکھا۔ طاغوت ان کے آگے آگے تھا۔ پھر وہ صحن کے دروازے میں سے نکل
گئے۔ باہر اُن کے گھوڑے کھڑے تھے۔ شعبان کو گھوڑوں کے ہنہنانے اور پھر ان کے
دوڑتے قدموں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور آہستہ آہستہ یہ آواز رات کے سناٹے میں گم
ہوگئی۔

شعبان صحن کا دروازہ بند کر کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ دروازہ بند کرنے لگا
دروازے کے باہر ایک اُونچا لمبا آدمی لپک کر اُس کے سامنے آ گیا۔ اُس آدمی کا آدھا
چہرہ نیلے صافے میں چھپا ہوا تھا اور لال لال خونی آنکھیں اندھیرے میں شنگرف کی طرح
چمک رہی تھیں۔ شعبان سمجھ گیا کہ یہ اس کا محافظ ہے جسے طاغوت وہاں چھوڑے جا رہا
ہے۔ شعبان نے مسکرا کر پوچھا۔

"تم طاغوت کے آدمی ہو ناں؟"

وہ ڈاکو خونی آنکھوں سے شعبان کو گھور کر تکتا رہا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں ننگی تلوار تھی
اور پیٹھ پر ترکش اور تیر کمان تھے۔ شعبان نے جب اپنے سوال کو دوسری بار دہرایا تو محافظ
ڈاکو ترش اور قدرے سخت لہجے میں بولا۔

"ہاں...... تم یہ دروازہ اندر سے بند نہ کرو۔ جاؤ جا کر سو جاؤ۔"

شعبان خوش ہوا کہ ایک قابلِ اعتبار اور بہادر ڈاکو اُس کی حفاظت کر رہا ہے۔ وہ
اطمینان کے ساتھ کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ معبد کے کاہن کی جانب سے دوسرے
قاتلانہ حملے کے ڈر خوف سے تو شعبان کو نجات مل گئی تھی۔ وہ کنیز لائیکا کے بارے میں
سوچنے لگا۔ اگلا دن اُس کی ملاقات کا دن تھا۔ اُس روز لائیکا نے دن کے وقت کسی بہانے
اُس کے مکان پر آنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ شعبان کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ اُس
نے آنکھیں بند کر لیں اور جلد ہی اُسے نیند آ گئی۔

شعبان سے خاموش اور بے زبان محبت کرنے والی اُس کی بچپن کی سہیلی سائنا دن کے
وقت شعبان کا ناشتہ لے کر روزانہ آتی تھی۔ اگلے روز وہ ناشتہ لے کر آئی تو شعبان حسب
معمول سو رہا تھا۔ وہ صحن میں بچھے ہوئے تخت پر بیٹھ گئی۔ اس کو صحن کی دیوار کے باہر ایک
لمبا تڑنگا آدمی نظر آیا جو مکان کی دیوار کے باہر گشت لگا رہا تھا۔ صحن کا دروازہ بند تھا۔ سائنا
کو تعجب ہوا کہ یہ کون آدمی ہے جو مکان کے آگے چکر کاٹ رہا ہے۔ اُس نے اُٹھ کر صحن کا
دروازہ کھولا تو لمبا تڑنگا آدمی لپک کر اُس کے سامنے آ گیا۔ وہ طاغوت کا چھوڑا ہوا شعبان
کا محافظ ڈاکو تھا۔ اُس کا خوفناک چہرہ اور لال لال شنگرفی آنکھیں دیکھ کر سائنا ڈر کر پیچھے
ہٹ گئی۔ اُس نے پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

محافظ ڈاکو نے کمر کے ساتھ بندھی پیٹی میں سے پلک جھپکتے میں خنجر نکال کر سائنا کی

گردن کے ساتھ لگا دیا اور خرخراتی آواز میں پوچھا۔

"تم کون ہو؟ کیا کر رہی ہو یہاں؟"

سائنا کی تو جان ہی نکل گئی۔ سانس سوکھ گیا۔ بڑی مشکل سے بولی۔ "میں...... میں
شعبان کی منگیتر ہوں، اس کے لئے روز ناشتہ لے کر آتی ہوں۔"

محافظ ڈاکو نے خنجر والا ہاتھ ایک دم پیچھے کھینچ لیا اور بولا۔ "دروازہ بند کر کے جہاں بیٹھی
تھیں، وہیں بیٹھی رہو۔ جاؤ۔"

سائنا نے کپکپاتے ہاتھوں سے دروازہ بند کیا اور تخت پوش پر آ کر بیٹھ گئی۔ اتنے میں
شعبان بیدار ہو گیا۔ اُس نے کھڑکی میں سے سائنا کو دیکھا تو خلافِ معمول بڑی خندہ
پیشانی سے بولا۔ "آ رہا ہوں سائنا۔"

سائنا کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ ایک مدت کے بعد شعبان نے اُسے اُس کا نام لے کر
مخاطب کیا تھا اور وہ بھی مسکراتے ہوئے خندہ پیشانی کے ساتھ۔ سائنا کے لئے اس سے
بڑی خوشی اور کیا ہو سکتی تھی؟ اُس نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"کوئی بات نہیں شعبان! آرام سے منہ ہاتھ دھو کر آؤ۔"

شعبان ناشتہ کرنے بیٹھا تو سائنا نے خوشی خوشی خمیری روٹیاں، بھنا ہوا گوشت اور شہد کا
پیالہ ٹوکری میں سے نکال کر شعبان کے آگے رکھا اور بولی۔ "آج میں تمہارے لئے بطخ کا
گوشت بھون کر لائی ہوں۔ تم یہ شوق سے کھاتے ہو نا؟"

"ہاں......" شعبان نے خوش دلی سے کہا۔

"تم ناشتہ کرو۔ میں تمہارے لئے پانی لاتی ہوں۔"

سائنا اُٹھ کر کونے میں رکھے مٹکے کی طرف چلی گئی۔ شعبان ناشتہ کرتے ہوئے اپنی
محبوبہ کنیز لائیکا کے بارے میں سوچنے لگا کہ آج اُسے آنا ہے۔ وہ یا تو دن کے دوسرے
پہر آئے گی یا دن ڈھلے آئے گی۔ سائنا پانی کا کوزہ لے کر آ گئی اور شعبان کے حسن سلوک
سے حوصلہ پا کر اُس سے ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگی۔ شعبان کنیز لائیکا کے تصور میں گم
تھا۔ کبھی کبھی چونک کر ہوں یا ہاں میں جواب دے دیتا۔ سائنا نے پوچھا۔

"یہ مکان کے باہر آدمی کون ہے؟ میں نے اُس سے پوچھا تو اُس نے خنجر نکال لیا تھا۔
مجھے تو بڑا ڈر لگ رہا ہے۔ دیوتا تمہاری حفاظت کریں۔ تم ہوشیار رہنا۔"

شعبان نے مسکراتے ہوئے کہا۔"وہ آدمی؟ وہ تو مکان کے باہر پہرہ دے رہا ہے۔ میں نے ہی اُسے رکھا ہے۔تم تو جانتی ہو آج کل کے حالات کتنے مخدوش ہیں۔"

"یہ تو تم نے بڑا اچھا کیا۔" سائنا شہد کی پیالی شعبان کے قریب کرتے ہوئے بولی۔

شعبان ناشتہ کر چکا تو سائنا نے کہا۔"میں دوپہر کو آؤں گی کھانا لے کر۔"

شعبان نے مسکرا کر سائنا کا شکریہ ادا کیا۔محبت کی ماری سادہ دل عورت اتنے میں ہی خوشی سے نہال ہوگئی۔سچا پیار کرنے والوں کو محبت کا جواب محبت میں مل جائے تو یہی ان کی سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔سائنا ٹوکری اٹھا کر چل دی۔اچانک شعبان کو خیال آیا کہ اُس کے محافظ نے پتہ نہیں کچھ کھایا پیا ہوگا یا نہیں۔وہ اُٹھ کر مکان سے باہر آ گیا۔ محافظ ڈاکو ایک طرف کھجور کے درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔شعبان نے قریب جا کر کہا۔"اندر آ جاؤ۔میں تمہارے لئے ناشتہ لاتا ہوں۔"

محافظ ڈاکو ایک لمحے کے لئے شعبان کو گھور کر تکتا رہا، پھر بولا۔

"مجھے تمہارے کھانے پلانے کی ضرورت نہیں ہے۔میں نے جو کھانا تھا کھا لیا ہے۔تم واپس مکان کے اندر جاؤ۔"

شعبان نے مزید اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے کمرے میں چلا آیا۔

تیسرے پہر کنیز لائیکا اپنی بوڑھی خادمہ کے ساتھ آ گئی۔وہ پاؤں کے زخم کی پٹی بدلوانے کا بہانہ بنا کر آئی تھی۔کہنے لگی۔

"شعبان!اب میرا شاہی محل سے نکلنا آسان نہیں رہا۔رب فرعون کی حالت روز بروز بگڑتی جا رہی ہے۔سب یہی کہتے ہیں اور رب فرعون کو بھی یقین ہو گیا ہے کہ مقدس غلاف کی چوری سے اُسے دیوتاؤں کی بددُعا لگ گئی ہے۔لگتا ہے وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہے گا۔شاہی محل میں ماتم خانے کی سی فضا چھائی ہوئی ہے۔"

شعبان نے بے دھڑک ہو کر کہہ دیا۔"تم نہیں آ سکو گی تو میں تمہیں ملنے شاہی محل میں آ جاؤں گا۔"

لائیکا نے جلدی سے اپنا نازک سانولی اُنگلیوں والا ہاتھ شعبان کے ہونٹوں پر رکھ دیا اور بولی۔"تمہیں دیوتا آمون کی قسم ہے،تم شاہی محل کا رُخ نہ کرنا۔وہاں تو محل کے غلاموں اور کنیزوں کو شک کی نظروں سے دیکھا جا رہا ہے۔تم تو وہاں بالکل اجنبی ہو گے

کسی نے دیکھ لیا تو فرعون کے جلاد تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

شعبان نے لائیکا کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔کہنے لگا۔"تو پھر مجھے بتاؤ۔ اگر تم مجھے ملنے نہ آئیں تو تمہارے بغیر میں کیسے جی سکوں گا؟"

لائیکا کی آنکھیں بھیگ گئیں۔کہنے لگی۔

"اچھا،میں وعدہ کرتی ہوں تم سے ملنے آتی رہوں گی۔"

اُس روز لائیکا زیادہ دیر نہ ٹھہری اور نئی پٹی پاؤں پر بندھوا کر خادمہ کے ساتھ چلی گئی۔

مزید دو دن گزر گئے۔اس دوران دیوتا اسیرس کے کاہن کو پتہ چل گیا کہ شعبان ابھی زندہ ہے۔جس حبشی غلام کو اُس نے شعبان کو قتل کرنے کے لئے بھیجا تھا وہ بھی ایسے غائب ہو گیا تھا جیسے اُسے زمین کھا گئی ہو۔وہ خوف زدہ ہو گیا اور اس کے بعد کاہن نے شعبان کو قتل کرنے کا خیال ترک کر دیا۔

تیسرا دن بھی گزر گیا۔شعبان کے حساب سے مقدس غلاف کی چوری کے بعد یہ آٹھواں دن تھا اور اسی رات کو دیوتا کی ہدایت کے مطابق اُسے مقدس کتاب کا غلاف باپ کے تابوت میں سے نکال کر تھیبز شہر کے چوراہے والے چبوترے پر رکھنا تھا۔شعبان کو ایک بے چینی سی لگ رہی تھی۔یہ ایک دوسرا خطرناک مرحلہ تھا جو اُسے درپیش تھا۔یہ دوسرا مرحلہ پہلے مرحلے سے زیادہ ہمت طلب اور ہلاکت خیز تھا۔اس خیال سے اُس کی ہمت بندھ رہی تھی کہ اُس کا دوست طاغوت اپنے آدمیوں کے ساتھ اُس کے ہمراہ ہوگا۔

وعدے کے مطابق شام ہوتے ہی طاغوت شعبان کے مکان پر پہنچ گیا۔اُس کے ہمراہ چار دوسرے گھوڑ سوار بھی تھے جو اپنے خوفناک حلیوں ہی سے خونخوار قسم کے قاتل اور ڈاکو لگتے تھے۔ان سبھی کی پشت پر تیر کمان لگے تھے اور پیش بند کے ساتھ نیاموں میں پڑی ہوئی تلواریں لٹکی ہوئی تھیں۔چاروں گھوڑ سوار صحن میں ہی بیٹھ گئے۔طاغوت شعبان کے ساتھ کمرے میں آ گیا۔کہنے لگا۔

"میں اپنے ساتھ ایسے بہادر ساتھی لایا ہوں جو کرائے کے سپاہیوں کی حیثیت سے بابل کی فوج میں رہ کر اشوریوں کے خلاف جنگ میں بہادری کے جوہر دکھا چکے ہیں۔ فرعون کے محل کے سپاہی ان کے آگے ایک پل بھی نہیں ٹھہر سکیں گے۔"

شعبان کہنے لگا۔"پہلے ہمیں شرفا کے قبرستان میں جا کر بابا جان کے تابوت میں سے

مقدس غلاف کو نکالنا ہوگا۔ یہ کام آدھی رات ہونے سے ایک ساعت پہلے کیا جائے گا
تا کہ جب ہم شہر کے چوراہے میں پہنچیں تو آدھی رات کا وقت گزر چکا ہو۔ مگر طاغوت!
رات کو تو شہر کے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور آج کل تو حفاظتی انتظامات
بڑے سخت کر دیئے گئے ہیں۔ ہم مقدس غلاف لے کر شہر میں داخل کیسے ہوں گے؟''

طاغوت نے بے نیازی سے کہا۔ ''اس کا بندوبست میں نے کر لیا ہے۔ شہر کی جنوبی
فصیل پر ایک جگہ کمندوں کے ذریعے چڑھ جائیں گے۔ ہم نے تسلی کر لی ہے، رات کو اس
طرف کوئی پہرے دار نہیں ہوتا۔''

جب رات کا پہلا پہر گزر گیا اور دوسرا پہر شروع ہو گیا تو شعبان اور طاغوت اپنے چار
جانثاروں کے ہمراہ فراعنہ مصر کے شاہی مقبروں کے نواح میں واقع شرفا کے قبرستان کی
طرف چل پڑے۔ صحرائی رات کا سناٹا چاروں طرف چھایا ہوا تھا۔ ان لوگوں کے گھوڑے
شرفا کے قبرستان کی سمت بڑی تیز رفتاری سے دوڑتے چلے جا رہے تھے۔ شعبان اور
طاغوت کے گھوڑے آگے آگے تھے۔ جب فصیل شہر کی روشنیاں دُور پیچھے رہ گئیں تو مغربی
اُفق پر قدیم فراعنہ کی تیسری سلطنت کے ساتھ ساتھ تعمیر کئے ہوئے دو اہراموں کے سیاہ
خاکے اُبھرنے لگے۔ ان اہراموں کے دامن میں شاہی خاندان کے مقابر تھے اور اس کے
پہلو میں وہ قبرستان تھا جس کے کنارے پر شعبان کے باپ کی قبر تھی۔

قبرستان میں ایسا ہولناک سکوت چھا رہا تھا کہ جس سے انسان کا دل کانپ اٹھتا تھا۔
شعبان اپنے باپ کی قبر پر آ گیا۔ طاغوت اُس کے ساتھ تھا۔ چاروں ڈاکو پیچھے کھڑے
تھے۔ انہوں نے جلدی جلدی بیلچے چلاتے ہوئے قبر کی مٹی ہٹائی اور جب تابوت نظر آنے
لگا تو طاغوت ایک دم پیچھے ہٹ گیا کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق ایسے موقعوں پر
صرف بیٹا ہی باپ کا تابوت کھول سکتا تھا۔ شعبان نے جھک کر تابوت کا ڈھکن اٹھایا۔
باپ کی ممی کے سینے پر مقدس کتاب کا غلاف اسی طرح پڑا تھا جس طرح شعبان اُسے ڈال
گیا تھا۔ اُس نے سینے پر ایک ہاتھ رکھا اور مدھم آواز میں کہا۔

''بابا جان! دیوتا اسیرس نے اپنے وعدے کے مطابق آپ کو جنت میں ابدی زندگی
عطا کر دی ہو گی۔ میں خوش ہوں کہ میرے گناہ کا کفارہ دیوتاؤں نے قبول کیا۔ مجھے
اجازت دیں کہ میں یہ غلاف لے جا کر واپس مقدس کتاب الموت کے حوالے کر دوں۔''

اتنا کہہ کر شعبان نے باپ کی ممی کے سینے پر سے مقدس غلاف اٹھا لیا۔ اُسے آنکھوں
سے لگایا اور تہہ کر کے اپنے لبادے کی جیب میں ڈال لیا۔ پھر طاغوت کی طرف متوجہ ہو کر
کہا۔ ''میرے دوست! میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔''

طاغوت آگے آ گیا۔ شعبان نے تابوت کا ڈھکنا بند کر دیا اور دونوں دوستوں نے
بیلچوں کی مدد سے قبر کو مٹی سے بھر کر اسے پہلے کی طرح بنا دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور دارالحکومت تھیبز کی فصیل شہر کی
طرف چل پڑے۔ گھوڑوں نے اتنی تیز رفتاری کے ساتھ راستہ طے کیا کہ کچھ ہی دیر بعد
دُور سے فصیل شہر کی جھلملاتی روشنیاں نظر آنا شروع ہو گئیں۔ اب طاغوت راہ نمائی کر رہا
تھا اور اس کا گھوڑا سب سے آگے تھا۔ کیونکہ اُسے علم تھا کہ فصیل شہر کے جنوب میں وہ جگہ
کہاں ہے جہاں سے انہیں دیوار پھاند کر شہر کے اندر جانا ہے۔

آخر وہ اس جگہ پہنچ کر رُک گئے۔ شعبان نے دیکھا کہ دُور دُور تک کوئی گشت کرتا گھوڑ
سوار نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس مقام پر ایک پتھریلا ٹیلہ تھا۔ اس کے اوپر چڑھ کر طاغوت کے
ایک ساتھی نے شہر کی دیوار پر کمند ڈالنے کی کوشش شروع کر دی۔

تیسری چوتھی کوشش میں وہ دیوار پر کمند ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔

انہوں نے اپنے گھوڑے ایک طرف باندھ دیئے تھے۔ پہلے ایک ایک کر کے طاغوت
کے چاروں جانثار ساتھی دیوار پر چڑھ گئے۔ اس کے بعد شعبان اور آخر میں طاغوت بھی
کمند کے ذریعے فصیل شہر پر چڑھ گیا۔ فصیل شہر اتنی کشادہ تھی کہ اس پر سات آٹھ گھوڑے
کاندھے سے کاندھا ملا کر دوڑ سکتے تھے۔ یہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دشمن پر تیر
برسانے کے لئے مورچے ضرور بنے ہوئے تھے لیکن چونکہ ملک جنگی حالت میں نہیں تھا
اس لئے مورچوں کے بُرج خالی پڑے تھے۔

وہ ایک دوسرے کے پیچھے جھکے جھکے دوڑتے ہوئے فصیل کی دوسری طرف آ گئے۔
یہاں سے تھیبز شہر کی فانوسوں اور مشعلوں کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ سارا شہر سو رہا
تھا۔ باغوں، گلی محلوں، بازاروں اور شاہی محلات پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ طاغوت نے
دیوار کی دوسری طرف رسّی لٹکا دی۔ وہ سب ایک دوسرے کے پیچھے نیچے اُتر گئے۔ اب وہ
دارالحکومت تھیبز کے اندر تھے۔ طاغوت نے شعبان اور اپنے ساتھیوں کو خبردار کرتے

ہوئے کہا۔

''ہمیں چوکس رہنا ہوگا۔شہر کے چوراہوں پر سپاہی ضرور رات کی گشت پر ہوں گے۔''

طاغوت تھیبز شہر کے گلی کوچوں اور بازاروں سے واقف تھا۔شعبان نے اُسے بتا دیا کہ مقدس غلاف کو شہر کے کس چوراہے پر رکھنا ہے۔طاغوت سب کو لے کر اُسی چوراہے کی جانب بڑھا۔تھیبز شہر بڑے وسیع رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ستاروں اور جلتی مشعلوں کی روشنی میں دو منزلہ اور سہ منزلہ مکانوں کی سفید دیواریں اور ہیکلوں کے مخروطی بُرج دھندلے دھندلے دکھائی دے رہے تھے۔جا بجا کھجوروں، سرو اور شمشاد کے درختوں کے جھنڈ سر اٹھائے ساکت کھڑے تھے۔یہ لوگ چاروں طرف دیکھتے ہوئے پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ان سبھی کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔وہ ایک باغ کے سرسبز قطعے میں سے گزرے۔آگے پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی پختہ سڑک تھی۔وہ رُک کر درختوں کی اوٹ میں ہو گئے۔ایک جانب سے سڑک کے پتھریلے فرش پر رتھ کے پہیوں کے چلنے کی آواز آئی تھی۔ایک رتھ جسے ایک سپاہی چلا رہا تھا، تیزی سے سڑک پر سے گزر گیا۔

انہوں نے دوڑ کر سڑک پار کی اور مکانوں کے درمیان کی گلیوں میں سے گزرنے لگے۔مکانوں میں ان کے مکین گہری نیند سو رہے تھے۔ان لوگوں کی بو پا کر دوسری گلی میں کوئی کتا تھوڑی دیر بھونک کر چپ ہو گیا۔گلیوں میں سے نکلتے ہی سامنے ایک کشادہ چوک آ گیا جس کو چاروں طرف سے سڑکیں کاٹتی تھیں۔چوک کے وسط میں سنگ سبز کا ایک گول تھڑا تھا جس کے اوپر چھوٹی سی بارہ دری کے اندر شہر کے سینکڑوں دیوتاؤں میں سے ایک دیوتا کا بت رکھا تھا۔بت کا سر بھیڑیئے کا تھا اور باقی جسم انسان کا تھا۔شعبان نے سرگوشی میں طاغوت سے کہا۔

''اس بارہ دری میں مقدس غلاف کو رکھنا ہے۔''

طاغوت نے جواب میں کہا۔''غلاف نکال کر اپنے ہاتھ میں رکھ لو۔''

پھر اُس نے اپنے چاروں آدمیوں کو چاروں کونوں میں گھات لگا کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔طاغوت اور شعبان ایک جگہ بیٹھ کر اِردگرد کی فضا کا جائزہ لینے لگے۔اندھیرے میں اتنا زیادہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔طاغوت نے شعبان کے کان میں کہا۔

''میں یہاں بیٹھ کر تمہاری حفاظت کروں گا۔تم جلدی سے جا کر مقدس غلاف

چبوترے پر رکھ آؤ۔''

شعبان اسی لمحے دیوتا کے چبوترے کی طرف چلا۔وہ جھک کر چل رہا تھا۔چبوترے پر پہنچتے ہی اُس نے مقدس غلاف بارہ دری کے اندر دیوتا کے بت کے قدموں میں رکھا اور دوڑ کر واپس آ گیا۔طاغوت نے دھیمی آواز میں کہا۔

''اب یہاں ہمارا کوئی کام نہیں۔واپس چلو۔''

انہیں فصیل کی دیوار کی جانب واپس جاتے دیکھ کر طاغوت کے آدمی بھی اپنے اپنے ٹھکانوں سے نکل کر ان دونوں کے پیچھے ہو گئے۔جن راستوں سے وہ چوک میں آئے تھے، انہی راستوں پر سے گزر کر جب وہ فصیل کی دیوار کے پاس آئے تو اچانک درختوں کے عقب سے شاہی فوج کے چار سپاہی تلواریں لہراتے نکل کر اُن پر ٹوٹ پڑے۔طاغوت، شعبان اور ان کے چاروں ساتھی بھی مقابلے میں ڈٹ گئے۔تلوار سے تلوار ٹکرانے لگی۔شاہی فوج کے سپاہی ایک مدت سے کسی جنگ میں نہیں لڑے تھے اور آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے۔وہ جنگجو وحشی ڈاکوؤں کا کیسے مقابلہ کر سکتے تھے؟ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ایک کر کے چاروں قتل ہو گئے۔

طاغوت نے کہا۔

''یہاں سپاہیوں کا کوئی اور دستہ بھی پہرے پر ضرور موجود ہوگا۔ہو سکتا ہے وہ گشت لگاتا اِدھر آ نکلے۔اس لئے جتنی جلدی ہو سکے فصیل کی دوسری طرف کود جاؤ۔''

کمند کے رسے کی مدد سے جس میں پاؤں کا انگوٹھا اڑانے کے لئے جگہ جگہ گرہیں ڈالی گئی تھیں سب لوگ جلدی جلدی فصیل کے اوپر آ گئے۔فصیل کی دونوں دیواروں کے درمیان بنی ہوئی کشادہ سڑک سنسان پڑی تھی۔دیوار کی دوسری جانب والی کمند انہوں نے چڑھنے کے بعد اوپر کھینچ لی تھی۔اب وہ کمند نیچے لٹکا دی گئی اور پہلے طاغوت پھر شعبان اور اُن کے چاروں ساتھی بھی برق رفتاری سے کھسکتے ہوئے نیچے اُتر گئے۔ان کے گھوڑے ایک طرف درختوں کے نیچے بندھے کھڑے تھے۔گھوڑے کھول کر وہ ان پر سوار ہوئے، ایڑیں لگائیں اور گھوڑوں کو بگٹٹ دوڑاتے صحرا کی تاریک وسعتوں کی طرف نکل گئے۔

شعبان سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ خطرناک مرحلہ اتنی جلدی کامیابی سے طے ہو جائے گا۔طاغوت اپنے آدمیوں کے ساتھ شعبان کو چھوڑنے اُس کے مکان تک آیا۔شعبان

سے کہنے لگا۔ ''میرا آدمی جس کو میں نے تمہاری حفاظت پر لگایا ہے، تمہارے مکان پر موجود رہے گا۔ میں واپس جاتا ہوں۔ اگر کسی وقت میری ضرورت پڑے تو میرے آدمی کو بتا دینا، وہ تمہارا پیغام مجھ تک پہنچا دے گا۔''

اس کے بعد طاغوت اپنے چاروں ڈاکوؤں کے ہمراہ واپس چلا گیا۔

شعبان کمرے کی کنڈی لگا کر تخت پوش پر لیٹ گیا۔ اب اُس کا ذہن ہر قسم کے فکر، پریشانی سے آزاد ہو چکا تھا۔

دوسرے دن مقدس غلاف کے مل جانے کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ دیوتا اسیرس کے کاہن کی طرف سے قاتلانہ حملے کی جو پریشانی شعبان کو لگ رہی تھی مقدس غلاف کے مل جانے سے وہ بھی دُور ہو گئی۔ اب کاہن کو بھی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ وہ شعبان کو ختم کرانے کی کوشش کرتا۔

مقدس غلاف کے مل جانے کی خبر سائنا نے آکر شعبان کو سنائی۔ وہ حسب معمول اس کے لئے ناشتہ لے کر آئی تھی۔ کہنے لگی۔

''مقدس غلاف مل گیا ہے۔ کہتے ہیں جس نے چرایا تھا وہ اُسے رات کے وقت شہر کے چوراہے میں رکھ گیا تھا۔''

''یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔'' شعبان نے ناشتہ کرتے ہوئے کہا۔

سائنا کہنے لگی۔ ''اب رب فرعون کو اور شہر کو دیوتاؤں کی بد دُعا نہیں لگے گی۔ کل میری دادی ہم سے ملنے ہمارے ہاں آئی تھی۔ بڑی پریشان تھی۔ کہہ رہی تھی اگر مقدس غلاف نہ ملا تو دیوتاؤں کی بد دُعا سے شہر میں قحط پڑ جائے گا۔ دریا سوکھ جائے گا۔ لوگ بھوکوں مرنے لگیں گے۔ دیوتاؤں نے بڑا رحم کیا ہے ہم پر......''

شعبان ہوں ہاں میں جواب دیتا رہا۔ سائنا بولی۔

''سنا ہے رب فرعون ہوتپ کی بیماری دور نہیں ہوئی۔ وہ اسی طرح بستر پر پڑا ہے اور شاہی طبیب اُس کے علاج میں لگے ہوئے ہیں۔''

کچھ دیر ٹھہر کر سائنا چلی گئی۔

شعبان ہر فکر سے آزاد ہو گیا تھا۔ اُس کے باپ کی بھٹکتی ہوئی رُوح کو بھی ابدی سکون مل گیا تھا۔ شعبان کو لائیکا کی یاد ستانے لگی۔ وہ اُس سے ملنے کو بے تاب تھا مگر اس نے

تھا کہ اب اس کا محل سے نکلنا آسان نہیں ہے۔ شعبان نے سوچا کہ مقدس غلاف کے واپس مل جانے سے شاہی محل میں اب جگہ جگہ کڑا پہرہ نہیں رہا ہو گا اور حفاظتی انتظامات کی سختی بھی کم ہو گئی ہو گی۔ پھر لائیکا کو محل سے نکلنے میں کیا رُکاوٹ ہو سکتی ہے؟ وہ خود اُس سے ملنے شاہی محل میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ یہ انتظار کرنے لگا کہ شاید لائیکا بوڑھی خادمہ کو اپنے آنے نہ آنے کوئی کوئی پیغام دے کر بھیجے۔ دن کے وقت ہی خادمہ کے آنے کا امکان تھا۔ چنانچہ شعبان دن کے وقت گھر پر ہی رہتا۔ صرف شام کے وقت چہل قدمی کیواسطے دریا کی طرف نکل جاتا۔

اب ایسا ہوا کہ فرعون ہوتپ کی بیماری طول پکڑ گئی۔ شاہی طبیب دن رات اُس کے علاج میں لگے تھے۔ ہر قسم کی قیمتی سے قیمتی دوائیاں آزما رہے تھے مگر فرعون ہوتپ کا مرض بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ فرعون کی دو ہی اولادیں تھیں۔ ایک شہزادی ساہتی تھی جو حقیقت میں شعبان کی اصلی ماں تھی لیکن اپنے بیٹے سے بے خبر تھی اور دوسری اولاد فرعون کا بیٹا ہوتپ آتون تھا جو شہزادی ساہتی سے دس برس چھوٹا تھا۔ دونوں اپنے باپ کی طول پکڑتی بیماری سے پریشان تھے۔ ملک شام اور بابل سے بھی بڑے بڑے لائق ترین طبیب اور حکیم فرعون کے علاج کے لئے بلوائے گئے مگر کسی کی دوا سے فرعون کو افاقہ نہ ہوا۔ اس وقت شہزادی ساہتی کو اچانک اس نوجوان طبیب کا خیال آ گیا یعنی شعبان کا جس نے شاہی کنیز لائیکا کا علاج کیا تھا اور اُس کے علاج سے نہ صرف یہ کہ لائیکا کے پاؤں کا زخم اچھا ہو گیا تھا بلکہ زیادہ خون بہہ جانے سے اُس کی کمزوری بھی دُور ہو گئی تھی۔

شہزادی ساہتی نے اسی وقت کنیز لائیکا کو طلب کیا اور اُس سے پوچھا۔

''جس نوجوان طبیب نے تمہارا علاج کیا تھا اُس کا نام کیا ہے؟ اور اُس کا مکان کہاں پر ہے؟ تم تو علاج کی غرض سے اُس کے ہاں جاتی رہی ہو۔''

کنیز لائیکا کا رنگ زرد پڑ گیا۔ وہ سمجھی کہ شعبان پر ضرور کوئی آفت نازل ہونے والی ہے ورنہ شہزادی کو اُس کا نام اور اُس کے مکان کا پتہ معلوم کرنے کی کیا ضرورت پڑ سکتی ہے۔ لائیکا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''شہزادی صاحبہ! اس نوجوان طبیب کا نام شعبان ہے اور اس کا مکان دریا پار سنگ تراشوں اور کوزہ گروں کی بستی میں ہے۔''

شہزادی ساہتی اپنے عالیشان کمرے میں زرنگار کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں زمرد کا پیالہ تھا۔ پیچھے کنیز خاص ہاتھوں میں اعلیٰ ترین شراب سے بھری ہوئی صراحی لئے کھڑی تھی جس پر موتی ہیرے اور مرجان جڑے ہوئے تھے۔ شہزادی ساہتی نے شادی نہیں کی تھی جس کے باعث وہ اپنے جیون ساتھی سے محروم تھی۔ دوسرے اُسے اندر ہی اندر یہ غم کھائے جاتا تھا کہ اُس نے اپنے بیٹے کو پیدا ہوتے ہی دریا کی لہروں کے سپرد کر دیا تھا جس کا آج تک اُسے کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کہاں ہے؟ کس کے پاس ہے؟ کس ملک میں ہے؟ زندہ بھی ہے یا نہیں۔ اُس کی زندگی کا یہی ایک غم تھا جس کو دُور کرنے کی ناکام کوشش میں اُسے شراب نوشی کی لت پڑ گئی تھی۔ شراب نوشی نے اُس کی صحت پر برا اثر ڈالا تھا۔ اُس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ کنیز خاص نے شہزادی ساہتی کے پیالے میں طلائی صراحی میں سے تھوڑی سی شراب انڈیلی۔ شہزادی نے اس کا ایک گھونٹ پیا اور کنیز لائیکا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تم ابھی اسی وقت محل کی محافظ فوج کے سپاہیوں کو لے کر اس طبیب کے مکان پر جاؤ اور اُسے کہو کہ تمہیں شہزادی صاحبہ نے طلب کیا ہے۔"

"جو حکم شہزادی صاحبہ!"

"محل کے دروازے پر میرے اگلے حکم کا انتظار کرو۔"

شہزادی نے کنیز لائیکا کو رخصت کر دیا۔ لائیکا انتہائی پریشانی کی حالت میں شہزادی کے محل کے دروازے پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ دل میں ہر طرح کے خیال آ رہے تھے۔ کہیں شعبان سے کوئی جرم تو سرزد نہیں ہو گیا؟ وہ دل ہی دل میں دیوتاؤں سے شعبان کی زندگی کی دُعائیں مانگنے لگی۔ اتنے میں شاہی محل کے حفاظتی دستے کے تین چاق و چوبند سپاہی آ گئے۔ ان میں سے ایک سپاہی نے لائیکا سے کہا۔

"جس طبیب نے تمہارا علاج کیا تھا، ہمیں اُس کے گھر لے چلو۔"

اب تو لائیکا کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ سمجھ گئی کہ شعبان پر کوئی ناگہانی بلا نازل ہوا چاہتی ہے۔ مگر حکم کی تعمیل پر مجبور تھی۔ اسی لمحے محافظ سپاہیوں کو لے کر شعبان کے مکان کی طرف روانہ ہو گئی۔

دن کا وقت تھا، شعبان اپنے مکان پر ہی تھا اور اس انتظار میں تھا کہ شاید لائیکا کسی

بہانہ بنا کر اُس سے ملنے کے لئے آ جائے۔ اُس نے صحن کی دیوار کی طرف چار گھوڑ سواروں کو آتے دیکھا تو سوچنے لگا شاید طاغوت نے اپنے آدمی بھیجے ہیں۔ گھوڑ سوار ابھی دُور تھے۔ جب ذرا قریب آئے تو معلوم ہوا کہ ان میں سے تین تو فرعون کے شاہی محلات کے محافظ سپاہی ہیں اور آگے آگے جو گھوڑا ہے اس پر ایک عورت سوار ہے۔ یہ کنیز لائیکا تھی۔ لائیکا کو سپاہیوں کے ساتھ آتے دیکھ کر شعبان کو بھی پریشانی لاحق ہوئی کہ یہ کیا قصہ ہے کہ جس لائیکا کو چھپ چھپا کر اکیلی اس سے ملنے آنا تھا، وہ شاہی محل کے سپاہیوں کو ساتھ لے کر آ رہی ہے۔ یہ لوگ شعبان کے مکان کے دروازے پر آ کر گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ شعبان نے آگے بڑھ کر صحن کا دروازہ کھول دیا۔ طاغوت نے شعبان کی حفاظت کے لئے جس ڈاکو کو وہاں مقرر کیا ہوا تھا اُس نے شاہی فوج کے سپاہیوں کو دیکھا تو جلدی سے درخت کی اوٹ میں ہو گیا لیکن کمال پر چلہ چڑھا لیا کہ اگر شعبان پر کوئی سپاہی حملہ آور ہو تو وہ تیر چلا کر اس کا سینہ چھلنی کر سکے۔

تینوں سپاہی لائیکا کے ساتھ صحن میں داخل ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ شعبان ان سے کوئی سوال کرتا، ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

سپاہیوں کو شعبان کا نام پہلے سے بتا دیا گیا تھا۔ شعبان نے ایک نگاہ لائیکا پر ڈالی جس کا چہرہ سہما ہوا تھا۔ پھر سوال پوچھنے والے سپاہی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میرا نام شعبان ہے۔"

"تم کیا کرتے ہو؟" سپاہی نے دوسرا سوال کیا۔

"میں سنگ تراش ہوں اور بیماروں کا علاج بھی کرتا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے تم طبیب بھی ہو۔" دوسرے سپاہی نے کہا۔

"ہاں......" شعبان بولا۔ "بات کیا ہے؟"

پہلے والے سپاہی نے کہا۔ "اس کا جواب تمہیں محل میں جا کر ملے گا۔ تمہیں ہمارے ساتھ اسی وقت شاہی محل میں چلنا ہو گا۔ یہ شہزادی ساہتی کا حکم ہے۔ اپنا گھوڑا نکالو۔"

شہزادی ساہتی کا سن کر شعبان کا ذرا اطمینان ضرور ہوا کہ کوئی اتنا سنگین معاملہ نہیں ہے۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا تھا کہ شاید اُس کی چوری کا فرعون کو معلوم ہو گیا ہے اور اُس نے

اُسے محل میں طلب کیا ہے۔ یہ دیکھ کر کہ اُسے فرعون نے نہیں بلکہ شہزادی ساہتی نے بلایا ہے اور اسے گرفتار کر کے بھی نہیں لے جایا جا رہا تو اُسے کافی حوصلہ ہوا۔ وہ اسی وقت گھوڑے پر بیٹھا اور شاہی محافظوں کے دستے کے ساتھ فرعون کے شاہی محلات کی طرف چل پڑا۔ سپاہی شہزادی ساہتی کے محل کے دروازے تک شعبان اور لائیکا کو پہنچا کر واپس چلے گئے۔ لائیکا شعبان کو لے کر شہزادی کے کمرہ خاص کی طرف چلی تو شعبان نے دبی زبان میں پوچھا۔

"یہ قصہ کیا ہے لائیکا؟"

لائیکا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "دیوتا رحم کریں۔ مجھے خود نہیں معلوم۔ شہزادی صاحبہ نے مجھے طلب کیا، کہا کہ شعبان کو جا کر لے آؤ اور سپاہی میرے ساتھ کر دیئے۔ میں تمہیں لے کر آ گئی ہوں۔"

وہ شاہی محل کی اُونچی چھت والے ایوان میں سے گزر رہے تھے۔ چھت پر ہیرے جواہرات اور سونے کے پتروں کو کاٹ کر اس طرح جڑا گیا تھا کہ وہ ستاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ سنگ مرمر کے فرش پر انتہائی قیمتی قالین بچھے تھے۔ نیچے سے گول اور اوپر جا کر مخروطی شکل اختیار کرتے سنگ سبز اور سنگ مرمر کے ستونوں کے ساتھ سونے چاندی کے فانوس لٹک رہے تھے۔ فرش کے وسط میں ایک ستون کے اوپر دیوتا راع کا بت نصب تھا۔ دیوار کے ساتھ آبنوس اور صندل کی لکڑی کا کشادہ زینہ اوپر جاتا تھا۔ زینے کے ہتھوں پر سونے چاندی کے تاروں سے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ سارے کے سارے زینے سرخ اور نیلے قالینوں کے ٹکڑوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ شعبان لائیکا کے ساتھ زینہ چڑھ کر اوپر والے ایوان کی غلام گردش میں آ گیا۔ سامنے شہزادی ساہتی کا کمرۂ خاص تھا۔ کے دروازے پر دو موٹی تازی حبشی عورتیں ننگی تلواریں لئے پہرہ دے رہی تھیں۔ شعبان کنیز لائیکا کے ساتھ آتے دیکھ کر انہوں نے آہستہ سے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھول دیا۔ لائیکا آگے اور شعبان اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گیا۔ شہزادی ساہتی اپنی آرام زرنگار کرسی پر براجمان تھی۔ اُس کا زرق برق لباس اور گلے میں پہنا ہوا ہیروں کا فانوس کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ شعبان نے شہزادی کی خدمت میں حاضر ہو کر جھک تعظیم کی اور ہاتھ باندھے کھڑا رہا۔ شہزادی ساہتی نے اُسے پہچان لیا کہ یہ وہی نوجوان

طبیب ہے جس نے کنیز لائیکا کا علاج کیا تھا۔ کنیز لائیکا بھی ایک جانب ادب سے کھڑی تھی۔ شہزادی ایک پل کے لئے شعبان کو غور سے تکتی رہی۔ اُس نے اپنے دل میں ایک ہلکی سی لرزش محسوس کی جس کو کثرت شراب نوشی کا نتیجہ سمجھ کر اُس نے کوئی خیال نہ کیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اُس کے سامنے جو باوقار چہرے والا نوجوان کھڑا ہے وہ اُس کا اپنا لخت جگر ہے جسے اُس نے پیدا ہوتے ہی دریا میں بہا دیا تھا۔

شہزادی ساہتی نے پوچھا۔ "تم وہی نوجوان طبیب ہو جس نے میری کنیز لائیکا کا علاج کیا تھا؟"

"بجا فرمایا آپ نے شہزادی صاحبہ۔" شعبان نے ادب سے جواب دیا۔

شہزادی ساہتی نے کہا۔ "تم نے کہا تھا کہ تمہارا اصل پیشہ سنگ تراشی ہے۔"

شعبان نے جواب دیا۔ "آپ نے درست فرمایا شہزادی صاحبہ! سنگ تراشی ہی میرا اصل پیشہ ہے۔ مگر میرا باپ بہت بڑا طبیب تھا اور میں نے طبابت کا کام اپنے والد سے سیکھا ہے۔"

"کون کون سے امراض کا تم علاج کر لیتے ہو؟"

اس کے جواب میں شعبان بولا۔ "شہزادی صاحبہ! میں جسم کے اندر کے ہر مرض کا علاج کر لیتا ہوں۔"

"کیا تم اُس مرض کا بھی علاج کر لیتے ہو جس مرض کا کسی طبیب کو پتہ نہ چل سکے اور کسی طبیب کے پاس اس کا علاج نہ ہو؟"

شعبان کو یہ سوال بڑا ٹیڑھا لگا۔ پھر بھی اُس نے جواب دیا۔

"شہزادی صاحبہ! دنیا میں ایسا کوئی مرض نہیں ہے جس کا پتہ نہ چل سکے، جس کی تشخیص نہ ہو سکے اور جس کا علاج نہ ہو سکے۔"

شہزادی ساہتی شعبان کے اس جواب سے کافی مطمئن نظر آنے لگی۔ اسی لمحے کنیز لائیکا کے پریشان چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اس سے پہلے وہ سخت خوف و ہراس کے عالم میں تھی کہ خدا جانے شعبان سے کون سا ایسا جرم سرزد ہو گیا ہے جس کی سزا سنانے کے لئے اُسے شاہی محل میں بلایا گیا ہے۔ اب وہ کسی حد تک معاملے کی تہہ تک پہنچ چکی تھی اور سمجھ گئی تھی کہ شہزادی ساہتی کو شراب نوشی کی وجہ سے جو مرض اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے

جارہا ہے وہ خفیہ طریقے سے محل کے شاہی طبیبوں کو خبر کئے بغیر شعبان سے اپنا علاج کر
چاہتی ہے۔

تب شہزادی ساہتی نے اصل بات بیان کرتے ہوئے کہا۔

''کیا تم پر کرۂ ارض کے سب سے بڑے حکمران اور میرے باپ ربّ فرعون کے مر
کی تشخیص اور اس کے علاج کے سلسلے میں بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟ میرے باپ ربّ فرع
ہوتپ چہارم کو کوئی ایسا مرض ہو گیا ہے جس کی تشخیص شاہی طبیب بھی نہیں کر سکے۔ ملک
ملک کے طبیب بلوائے گئے مگر کسی کا علاج کارگر نہ ہوا۔ ربّ فرعون کی حالت روز بر
بگڑتی جا رہی ہے۔ ابھی کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ربّ فرعون کا مرض کس نوعیت
ہے۔ کیا تم میرے باپ کا علاج کر سکو گے؟ اگر تم نے میرے باپ کی بیماری دُور کر د
تمہیں انعام و اکرام بھی ملے گا اور میں تمہیں اپنا طبیب خاص بھی رکھ لوں گی۔''

شعبان بولا۔ ''شہزادی صاحبہ! یہ تو شہنشاہ عالی مقام ربّ فرعون کو دیکھ کر ہی کچھ کہ
سکتا ہے۔''

شہزادی ساہتی نے ایک لمحے کا توقف کیا، پھر کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

شہزادی اپنی زرنگار کرسی سے اُٹھی، ہاتھ میں زمرد کا خالی پیالہ کنیز خاص کے حوالے
اور قریب کھڑی کنیز لائیکا سے کہا۔ ''شاہی خواب گاہ میں جا کر خبر کرو کہ شہزادی ساہتی اپ
باپ کی عیادت کو آ رہی ہے۔''

لائیکا نے سر جھکا کر کہا۔ ''جو حکم شہزادی صاحبہ!'' اور تیز تیز قدم اٹھاتی کمرے
نکل گئی۔

شہزادی ساہتی بڑے وقار اور بڑے شان کے ساتھ ہیرے موتیوں کے چھوٹے
سے سجا ہوا سر اُٹھائے دروازے کی طرف بڑھی۔ شعبان ادب کے ساتھ اُس کے پیچھے
پڑا۔ دروازے کے اندر کی جانب کھڑی حبشی کنیز نے آگے بڑھ کر دروازے پر گرا ہوا
زربفت کا پردہ ہٹا دیا۔ شہزادی کمرے سے باہر آ کر اُونچے منقش ستونوں اور سونے
کے پھولوں سے منڈھی ہوئی چھت کے نیچے ریشمی قالینوں پر بڑے سبک قدم
فرعون کی خواب گاہ کی طرف چلنے لگی شعبان اُس کے عقب میں چل رہا تھا۔ جگہ
پہریدار حبشی کنیزیں نیزے تھامے کھڑی تھیں۔ شہزادی ساہتی کو دیکھ کر وہ ایک ہاتھ

سینوں پر رکھتیں اور گردن نیچی کر لیتیں۔ یہ جنوب کی جانب شاہی محلات کی دوسری منزل
کی غلام گردشیں اور ایوان تھے۔ دو تین غلام گردشوں میں سے گزرنے کے بعد وہ ایک
ایوان میں آ گئے۔ یہ ایوان اس قدر سجا ہوا تھا کہ لگتا تھا دنیا کے ہر ملک کا بیش قیمت آرائشی
ساز و سامان وہاں لا کر سجا دیا گیا ہے۔ اس کے تین گوشوں میں کنول پھول جیسے سنگ سبز
کے پیالوں میں عود و عنبر سلگ رہا تھا جس کی خواب جیسی ہلکی ہلکی مہک فضا میں پھیلی ہوئی
تھی۔ یہاں سے آگے ایک اور ریشمی قالینوں سے ڈھکے ہوئے فرش اور دیواروں پر بنی
ہوئی دیوی دیوتاؤں اور فرعون اور اس کی ملکہ کے شکار کی رنگین تصویروں کے قریب سے
گزرتے ہوئے شہزادی ساہتی فرعون کی شاہی خواب گاہ کے دروازے پر آ گئی۔

شاہی خواب گاہ کے دروازے کے باہر حبشی غلام سرو قد کھڑے تھے۔ شہزادی ساہتی کو
آتے دیکھ کر انہوں نے آگے بڑھ کر خواب گاہ کا دروازہ کھول دیا۔ شہزادی ساہتی شعبان کو
لے کر شاہی خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔ غلاموں نے دروازہ بند کر دیا۔

فرعون کی شاہی خواب گاہ پر کسی باجبروت شہنشاہ کا جاہ و جلال طاری تھا۔ ایسی خاموشی
تھی کہ جس سے بدن پر ہیبت طاری ہوتی تھی۔ دیواریں اطلس و کمخواب کے پردوں سے
ڈھکی ہوئی تھیں۔ چاروں گوشوں میں ستونوں کے درمیان سونے چاندی کے فانوس لٹکے
تھے جن کے اندر جلنے والے روغن بادام کے چراغ دھیمی دھیمی روشنی دے رہے تھے۔ نیلی
چھت پر دیوتا راع اور دیوی اُشتر اور دوسرے دیوتاؤں کو ایک باغ میں زرنگار تختوں پر
بیٹھے دکھایا گیا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں زمرد کے جام تھے اور سامنے نیم عریاں رقاص
کنیزیں ہاتھوں میں ڈنٹھلوں والے کنول کے پھول تھامے رقص کر رہی تھیں۔ باغ میں
سرو کے درختوں پر ہیرے جواہرات جڑے گئے تھے جن پر فانوسوں کی روشنی پڑتی تو ان
میں سے روشنی کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔ وسط میں سونے چاندی کے بھاری پایوں والا ایک
بہت بڑا پلنگ بچھا تھا جس کے اوپر سونے کی جھالروں والی مسہری لگی تھی۔ اس پلنگ پر زرد
چہرے اور اندر کو دھنسی ہوئی آنکھوں والا لاغر اور بیمار فرعون بالکل سیدھا آنکھیں بند کئے
پڑا تھا۔ اس کا جسم سینے تک جس ریشمی چادر سے ڈھکا ہوا تھا اس پر دیوی دیوتاؤں کی شکلیں
سنہری تاروں سے کڑھی گئی تھیں۔ فرعون کے سرہانے کی طرف بڑی کرسی پر فرعون کی
بوڑھی ملکہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ اُس کے سر کے سفید بال رنگے ہوئے تھے۔ بالوں

میں پروئی ہوئی سفید اور نیلے موتیوں کی لڑیاں اُس کے شانوں پر لٹک رہی تھیں۔ اُس نے
اپنا سر اُٹھا کر پلنگ کے قریب آتی اپنی بیٹی شہزادی ساہتی کی طرف دیکھا۔ شہزادی نے
آگے بڑھ کر فرعون کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اپنی ماں کے پہلو میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی اور
دھیمی آواز میں پوچھا۔

"کیسی طبیعت ہے اب بابا جان کی؟"

ملکہ نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔ "کوئی فرق نہیں پڑا۔"

شعبان چند قدم پیچھے پلنگ کی پائنتی کی جانب ادب سے سر جھکائے ہاتھ باندھے کھڑا
تھا۔ ملکہ نے نگاہیں اُٹھا کر شعبان کو دیکھا پھر اپنی بیٹی سے پوچھا۔

"کیا یہی وہ طبیب ہے جس کا تم ذکر کر رہی تھیں؟"

"ہاں امی جان۔" شہزادی ساہتی نے جواب دیا اور ہاتھ کے ہلکے سے اشارے سے
شعبان کو قریب بلا لیا۔ شعبان قریب آ کر سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ شہزادی ساہتی نے ملکہ
سے کہا۔ "امی جان! میرا دل کہہ رہا ہے کہ اس طبیب کے علاج سے بابا جان ضرور اچھے ہو
جائیں گے۔"

فرعون کی ملکہ نے کوئی جواب نہ دیا، وہ شعبان کو خاموش اور اُداس نگاہوں سے دیکھتی
رہی۔ شہزادی ساہتی نے شعبان سے کہا۔

"تم نے کہا تھا کہ میں ربّ فرعون کی حالت دیکھ کر ہی کچھ کہہ سکتا ہوں۔ تم اب ربّ
فرعون کو دیکھ رہے ہو۔"

شعبان نے کہا۔ "شہزادی صاحبہ! میں ربّ فرعون کے ہاتھ کی نبض دیکھنا چاہتا ہوں۔"

شہزادی ساہتی نے نیم بے ہوش فرعون کے جسم پر پڑی سنہری چادر ایک طرف سے ہٹا
دی۔ شعبان جھک کر فرعون کی زرد لاغر کلائی اپنے ہاتھ میں لے کر اُس کی نبض دیکھنے لگا۔
چند لمحے وہ نبض دیکھتا رہا، پھر بڑے ادب سے فرعون کی کلائی نیچے کر دی اور آگے بڑھ کر
اُس کی اندر کو دھنسی ہوئی آنکھوں کے پپوٹے باری باری اٹھا کر اُس کی آنکھوں کا مشاہدہ
کیا۔ اس کے بعد وہ سروقد ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

شہزادی ساہتی نے پوچھا۔ "تم نے کیا اندازہ لگایا ہے؟"

شعبان نے بڑے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "شہزادی صاحبہ! میں ربّ فرعون کے سرسری

معائنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان کا مرض لاعلاج نہیں ہے۔"

یہ سن کر شہزادی ساہتی اور ملکہ فرعون نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان کے
چہروں پر امید کی کرن سی روشن ہو گئی تھی۔ شہزادی ساہتی نے شعبان سے پوچھا۔

"کیا تم میرے بابا جان کا علاج کر سکو گے؟"

"میں کوشش کروں گا شہزادی صاحبہ! مجھے اُمید ہے کہ میرے علاج سے ربّ فرعون
صحت مند ہو جائیں گے۔"

اس پر ملکہ فرعون نے شعبان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میری طرف سے تمہیں اجازت
ہے۔ تم آج ہی سے میرے عظیم شوہر کا علاج شروع کر دو۔ تم شاہی محلات میں دن اور
رات میں جس وقت آنا چاہو بلا روک ٹوک آ سکو گے۔"

شعبان نے سر جھکا کر تعظیم بجا لاتے ہوئے کہا۔ "ملکہ عالیہ! میری ایک شرط ہے۔"

"وہ کیا ہے؟" ملکہ فرعون نے چہرہ اُٹھا کر پوچھا۔

شعبان بولا۔ "ملکہ عالیہ! میری شرط یہ ہے کہ جتنی دیر تک میں ربّ فرعون کا علاج کرتا
رہوں، شاہی محل کا کوئی دوسرا طبیب ربّ فرعون کا علاج نہیں کرے گا۔"

ملکہ فرعون نے کہا۔ "ہمیں تمہاری شرط منظور ہے۔ تم ابھی سے علاج شروع کر سکتے
ہو۔"

شعبان نے عرض کی۔ "ملکہ عالیہ! میں نے ربّ فرعون کے مرض کی جو تشخیص کی ہے
اس کے مطابق مجھے جنگل سے بعض جڑی بوٹیاں لا کر ان کی مختلف دوائیں تیار کرنی پڑیں
گی۔ مجھے پرسوں تک کی مہلت دی جائے۔"

ملکہ عالیہ نے بڑی خوشی سے اُس کی مہلت کو تسلیم کیا۔ شہزادی ساہتی نے شعبان کو
اپنے ساتھ لیا اور واپس اپنے کمرۂ خاص میں آ گئی۔ اپنی زرنگار کرسی پر بیٹھنے کے بعد جام
مے سے شراب کے دو گھونٹ پیے اور شعبان سے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں میرے بابا جان کے مرض کی نوعیت کیا ہے؟"

شعبان نے کہا۔ "شہزادی صاحبہ! میری سمجھ کے مطابق ربّ فرعون قلتِ خون میں مبتلا
ہیں۔ میرے علاج کرنے سے ان کا یہ مرض جاتا رہے گا۔"

شعبان شہزادی ساہتی کی تعظیم بجا لانے کے بعد رخصت ہونے لگا تو شہزادی نے لایکا

سے کہا۔ ''لائیکا! مہمان کو شاہی سواری میں گھر تک چھوڑ آؤ۔''
لائیکا شعبان کے ساتھ ہو لی۔ شہزادی کے کمرۂ خاص سے نکلنے کے بعد کہنے لگی۔
''شعبان! تمہارے علاج سے ربّ فرعون کی طبیعت سنبھل جائے گی نا؟''
''میں تو یہی کوشش کروں گا۔ آگے دیوتاؤں کی مرضی ہے۔'' شعبان نے جواب دیا۔
محل کے دروازے پر دو شاہی محافظ گھوڑے پر سوار موجود تھے۔ اسی وقت ایک پالکی لائی گئی، اس میں شعبان اور لائیکا دونوں بیٹھ گئے۔ پالکی غلاموں نے اٹھائی اور گھوڑ سوار محافظوں کی معیت میں یہ لوگ شعبان کے گھر کی طرف چل دیئے۔
شعبان کے علم میں تھا کہ فرعون کی بیماری کو کون کون سی جڑی بوٹیاں دُور کر سکتی ہیں۔ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ مگر جنگل میں جا کر خاص جڑی بوٹیوں کی تلاش کا کام اُس نے دوسرے روز منہ اندھیرے پر چھوڑ دیا۔ کیونکہ بعض بوٹیاں صرف سورج نکلنے سے پہلے اپنے پتوں کی خاص مہک خارج کرتی ہیں جن سے ان کا سراغ مل جاتا ہے۔
دوسرے دن شعبان منہ اندھیرے گھوڑے پر بیٹھ کر قرب و جوار کے جنگل میں آ گیا۔ یہ جنگل افریقہ کے جنگلوں کی طرح کوئی گھنا جنگل نہیں تھا، ریتلا ویران علاقہ تھا جہاں جگہ جگہ ہر قسم کے چھوٹے قد کے کانٹے دار شاخوں والے درخت کھڑے تھے۔ جنگلی پودوں اور جھاڑ جھنکاڑ کی بھرمار تھی۔ ان میں کہیں کہیں ایسی جڑی بوٹیاں بھی پائی جاتی تھیں جن کی شعبان کو تلاش تھی۔ گھوڑے سے اُتر کر وہ ان پودوں اور قد آدم سرکنڈوں اور جھاڑیوں میں گھس گیا۔ صحرا کے آسمان پر ہلکا ہلکا صبح کا نور پھیلنے لگا تھا۔ ابھی رات کا اندھیرا باقی تھا۔ جھاڑیوں کے ایک جھنڈ کے قریب سے گزرتے ہوئے شعبان نے خاص جڑی بوٹیوں کی ملی جلی خوشبو محسوس کی۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد وہ ان تک پہنچ گیا۔ انہیں بڑی احتیاط کے ساتھ جڑوں سمیت زمین میں سے نکال کر تھیلے میں رکھا اور اپنے مکان پر آ گیا۔
وہ دن اور اس سے اگلے دن کی شام تک وہ ان جڑی بوٹیوں کی دوائی تیار کرنے میں لگا رہا۔ اس کام میں سائنا باقاعدہ اس کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ شعبان فرعون کے علاج کے واسطے کوئی خاص دوائی تیار کر رہا ہے۔ شام کو جب دوائی تیار ہو گئی شعبان نے بڑی احتیاط کے ساتھ اُسے سبز پتھر کی ایک بوتل میں ڈالا اور بوتل کو ایک چھوٹے تھیلے میں دوسری دوائیوں کے ساتھ رکھ دیا۔ اس تھیلے میں فوری طبی امداد کی دوسری

دوائیاں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔
سائنا شعبان کی طرف بڑے فخریہ انداز سے دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی۔ ''اگر تمہاری دوائی سے ربّ فرعون کو صحت مل گئی تو تمہیں بہت انعام و اکرام ملے گا۔''
شعبان نے کہا۔ ''میں کسی انعام کے لالچ میں فرعون کا علاج نہیں کر رہا۔ یہ میرا پیشہ بھی ہے اور ہر طبیب کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی دوا سے مریض اچھا ہو جائے۔''
سائنا نے کوئی جواب نہ دیا اور اُس کے واسطے کھانا لانے کے لئے چل دی۔
دوسرے دن سورج نکلنے کے کچھ دیر بعد دوائیوں کا تھیلا کندھے پر لٹکا کر شعبان اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور شاہی محل کے دروازے پر پہنچ گیا۔ فرعون کے شاہی قصرات کا کوئی ایک محل نہیں تھا، یہ کئی محل تھے جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ ان میں فرعون ہوتپ کا محل بھی تھا۔ اس کی ملکہ عالیہ کا محل بھی تھا، فرعون کی بیٹی شہزادی ساہتی کا محل بھی تھا اور فرعون کے چھوٹے بیٹے اور شہزادی کے چھوٹے بھائی آتون کا محل بھی تھا۔ ان کے علاوہ شاہی مہمان خانوں کی عالیشان عمارتیں تھیں اور دربار کے امراء اور رؤساء کی شاہی اقامت گاہیں بھی تھیں۔ یہ تمام محلات ایک پختہ اور بلند و بالا چار دیواری کے حصار میں تھے۔ ان کا ایک صدر دروازہ تھا جسے محل کا صدر دروازہ کہا جاتا تھا۔ وہاں دن رات شاہی محافظوں کا پہرہ لگا ہوتا تھا۔ صدر دروازے کی ڈیوڑھی میں شاہی فوج کا ایک دستہ ہر وقت موجود رہتا تھا۔ شعبان محلات کے صدر دروازے پر پہنچ کر گھوڑے سے اُتر پڑا۔ پہرے داروں اور محافظوں نے اگرچہ شعبان کو محل کے اندر رہنے والے محافظوں کے ساتھ پالکی پر سوار ہو کر آتے جاتے دیکھ رکھا تھا پھر بھی انہوں نے شعبان سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کس لئے آیا ہے؟ شعبان نے کہا۔
''میرا نام شعبان ہے۔ میں طبیب ہوں اور ملکہ عالیہ اور شہزادی ساہتی کے حکم سے ربّ فرعون کے علاج کے واسطے آیا ہوں۔''
محافظ خاص نے کہا۔ ''تم یہیں ٹھہرو۔''
محافظ خاص نے اسی لمحے ایک شاہی ہرکارے کو محل کی طرف دوڑا دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہرکارے نے آ کر اطلاع دی کہ شعبان نامی طبیب کو محل میں آنے کی اجازت دی جائے اور دو محافظ سپاہی اُسے اپنے ساتھ لے کر شہزادی صاحبہ کے محل میں پہنچا دیں۔ اسی وقت

دو محافظ سپاہی شعبان کے ساتھ ہو گئے اور اُسے اپنی معیت میں شہزادی ساہتی کے محل کے
دروازے پر پہنچا کر واپس چلے گئے۔
شہزادی ساہتی کے محل کے دروازے پر کنیز لائیکا شعبان کے خیر مقدم کے لئے کھڑی
تھی۔ کہنے لگی۔
"میرے ساتھ آجاؤ!"
شہزادی ساہتی کے محل کے دربان نے شعبان کو اندر جانے کی اجازت دے دی۔ ا
تمام ضروری تکلفات سے فارغ ہونے کے بعد شعبان آخر شہزادی ساہتی کے کمرۂ خاص
میں آگیا جہاں شہزادی ایک دیوان پر نیم دراز تھی۔ لائیکا ایک طرف ہو کر ادب سے کھڑی
ہو گئی۔ شعبان نے جھک کر شہزادی ساہتی کی تعظیم کی اور کہا۔
"شہزادی صاحبہ! میں دوائی تیار کر کے لے آیا ہوں۔"
شہزادی ساہتی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔ "تم اپنی دوائی سے مطمئن ہو؟"
شعبان بولا۔ "شہزادی صاحبہ! میں اگر مطمئن نہ ہوتا تو دوائی لے کر آپ کی خدمت
میں حاضر نہ ہوتا۔"
شہزادی نے کنیز لائیکا سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ملکہ عالیہ کو جا کر خبر کرو کہ شہزادی صاحبہ
طبیب شعبان کے ساتھ بابا جان کی دوا لے کر آنے کی اجازت چاہتی ہے۔"
لائیکا اسی وقت آداب بجا لا کر کمرے سے نکل گئی۔ شہزادی نے شعبان سے کہا۔ "تم
کھڑے کیوں ہو؟ صوفے پر بیٹھ جاؤ۔"
قریب ہی کرسی نما دو مخملیں صوفے پڑے تھے۔ شعبان ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ شہزادی
ساہتی نے اُس سے کہا۔
"میں وہ دوائی دیکھنا چاہتی ہوں جو تم میرے بابا جان کے لئے لائے ہو۔"
شعبان نے اسی وقت اپنے تھیلے میں سے سبز پتھر کی چھوٹی بوتل نکال کر شہزادی کی
خدمت میں پیش کر دی۔ شہزادی نے بوتل کا ڈاٹ کھول کر اُسے سونگھا اور ناک سکیڑ کر
جلدی سے منہ پیچھے کر لیا۔
"اس کی بو تو بڑی تیز ہے۔ یہ بابا جان کو نقصان نہیں پہنچائے گی؟"
شعبان نے کہا۔ "شہزادی صاحبہ! یہ نقصان پہنچانے والی دوا نہیں ہے۔ اس کے

سے رب فرعون کا مرض دُور ہو جائے گا۔"
شہزادی ساہتی نے بوتل ڈاٹ لگانے کے بعد شعبان کو دی اور کہا۔ "کیا تم اس کو پی
سکتے ہو؟"
اس جملے کے پیچھے شہزادی کا یہ عندیہ چھپا ہوا تھا کہ کہیں دوائی میں زہر نہ ملا ہوا ہو۔
فرعون کے شاہی محلات کی فضا میں درباری سازشوں کا جال بچھا رہتا تھا۔ طاقت اور اقتدار
حاصل کرنے کے لئے کوئی درباری کسی دوسرے درباری کو اور کوئی وزیر کسی فرعون کو زہر
دے سکتا تھا۔ فراعنہ مصر کی تاریخ میں پہلے سے ایسی کئی مثالیں موجود تھیں۔ چنانچہ اس
شک کو دُور کرنے کے لئے شہزادی نے شعبان سے یہ سوال پوچھا تھا۔ اس خیال سے کہ
طبیب شعبان کو ناگوار نہ گزرے شہزادی نے اُس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ دوائی میں زہر تو
نہیں ملا ہوا؟ اس کے برعکس یہ پوچھ لیا تھا کہ کیا تم دوائی خود پی سکتے ہو۔ تاکہ اگر دوائی
میں زہر ملا ہوا ہو تو شعبان پر اس کا اثر ضرور ہو جائے گا۔ شعبان بھی شہزادی ساہتی کا
مطلب سمجھ گیا تھا۔ اُس نے کہا۔
"کیوں نہیں شہزادی صاحبہ! یہ بے ضرر دوا ہے۔ اسے کوئی بھی پی سکتا ہے۔ لیکن ایک
صحت مند آدمی کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ فائدہ صرف مریض کو پہنچے گا۔"
یہ کہہ کر شعبان نے بوتل کا ڈاٹ کھول کر بوتل منہ سے لگائی اور اس کے دو گھونٹ پی
لئے۔ شہزادی اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ شعبان بڑے سکون کے ساتھ صوفے پر
بیٹھا رہا۔ اتنے میں کنیز لائیکا نے آ کر کہا۔
"ملکہ عالیہ نے طبیب شعبان کو طلب فرمایا ہے۔"
شہزادی ساہتی نے قدرے توقف کیا۔ وہ دیوان پر بیٹھی رہی۔ وہ شعبان سے مختلف
امراض کے بارے میں باتیں کرنے لگی۔ وہ اُسے کچھ وقت دینا چاہتی تھی یہ دیکھنے کے
لئے کہ اگر دوائی میں کوئی زہر ملا ہوا ہو تو اس کا شعبان پر اثر ہوتا ہے یا نہیں؟ اور جب کافی
وقت گزر گیا اور شعبان پر کسی قسم کے زہر کے اثرات ظاہر نہ ہوئے تو شہزادی دیوان سے
اُٹھ کھڑی ہوئی۔ شعبان بھی اُٹھ گیا۔ شہزادی نے شعبان کو ساتھ لیا اور اپنے محل اور پھر ملکہ
عالیہ کے محل کی مختلف غلام گردشوں اور ایوانوں میں سے گزرنے کے بعد فرعون کے محل کی
خواب گاہ کے دروازے پر آ گئی۔ غلاموں نے شہزادی کو آتے دیکھ کر اسی وقت خواب گاہ

کا دروازہ کھول دیا اور شعبان، شہزادی اور کنیز لائیکا کے ہمراہ فرعون کی خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔

خواب گاہ میں وہی سکوتِ مرگ طاری تھا۔ فرعون عالی شان پلنگ پر اسی طرح بے حس وحرکت پڑا تھا۔ ملکہ عالیہ اُس کے سرہانے کی جانب بڑی کرسی پر خاموش سر جھکائے بیٹھی تھی۔ شاہی طبیب پلنگ پر جھکا نیم بے ہوش فرعون کی نبض دیکھ رہا تھا۔ شہزادی ساہتی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اُس نے شعبان کو اپنے پہلو میں پڑی خالی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ شعبان خاموشی اور ادب سے بیٹھ گیا۔ کنیز لائیکا ایک طرف مؤدب ہو کر کھڑی رہی۔ شاہی طبیب کچھ دیر تک فرعون کی نبض دیکھتا رہا، پھر اُس نے زرتار چادر سے فرعون کی کلائی ڈھک دی اور ملکہ عالیہ سے مخاطب ہو کر بولا۔

"ربِّ فرعون کی نبض سے مجھے اندازہ ہوا ہے کہ ہماری دوا اپنا اثر دکھا رہی ہے۔ میں شام کو ایک اور دوا تیار کر کے لاؤں گا۔ آمون دیوتا رحم کرے گا اور میری دوسری دوا سے ربِّ فرعون کو ضرور ہوش آ جائے گا۔"

ملکہ فرعون کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ اُس نے شاہی طبیب سے کہا۔

"پچھلے پندرہ ایام سے آپ مختلف دوائیں آزما رہے ہیں مگر ربِّ فرعون اسی طرح بے ہوش ہے۔ مجھے آپ لوگوں کی دواؤں پر کوئی بھروسہ نہیں رہا۔ آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

شاہی طبیب نے سر جھکا کر ملکہ عالیہ کی تعظیم کی اور واپس جانے کے لئے مُڑا تو اُس کی نگاہ شعبان پر پڑی۔ اُس نے شعبان کے کندھے پر وہ مخصوص تھیلا بھی دیکھا جو طبیب لوگ کسی مریض کو دیکھنے جاتے وقت اپنے ساتھ رکھ لیتے تھے۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ ملکہ فرعون نے کسی دوسرے طبیب کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ شاہی طبیب کا نام زوناش تھا۔ اُس نے شعبان کو گھور کر دیکھا اور خاموشی کے ساتھ خواب گاہ سے نکل گیا۔

اُس کے جانے کے بعد ملکہ عالیہ شعبان کی طرف متوجہ ہوئی۔ اُس نے پوچھا۔ "کیا وہ دوائی تیار کر کے لے آئے ہو جس کے بارے میں تم نے دعویٰ کیا تھا کہ اس سے ربِّ فرعون کو افاقہ ہو گا؟"

شعبان نے ادب سے عرض کی۔ "جی ہاں ملکہ عالیہ! میں وہ خاص دوا تیار کر کے

آیا ہوں۔"

جب ملکہ عالیہ نے استفسار طلب نظروں سے اپنی بیٹی شہزادی ساہتی کی جانب دیکھا اور پوچھا۔ "کیا تم نے اطمینان کر لیا ہے؟"

شہزادی ساہتی نے کہا۔ "ہاں امی جان! میں نے پورا اطمینان کر لیا ہے۔"

ملکہ عالیہ نے شعبان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "طبیب! تم اپنا علاج شروع کرو۔"

شعبان نے عرض کی۔ "میری گستاخی کو معاف کر دیجئے ملکہ عالیہ! مگر میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ میرے علاج شروع کرنے کے بعد ربِّ فرعون کو کسی دوسرے طبیب کی دوا نہ دی جائے۔"

ملکہ فرعون نے بڑے غور سے شعبان کی عرضداشت کو سنا، پھر پُرسکون آواز میں کہا۔

"ہم پہلے ہی تم سے اس کا وعدہ کر چکے ہیں۔ تمہیں دوبارہ یہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک تمہارا علاج جاری رہے گا، کسی شاہی طبیب کی دوا ربِّ فرعون کو نہیں دی جائے گی۔"

شعبان نے کندھے پر سے تھیلا اتارا، اس میں سے سبز پتھر کی بوتل نکالی اور کنیز لائیکا سے کہا۔ "مجھے پانی، ایک پیالی اور چمچ کی ضرورت ہے۔"

لائیکا اسی وقت خواب گاہ سے نکل گئی۔ ملکہ فرعون نے شعبان سے پوچھا۔ "یہ دوا بے ضرر ہے نا؟"

"بالکل بے ضرر ہے ملکہ عالیہ! میں نے شہزادی صاحبہ کے سامنے اس کے دو گھونٹ پیے ہیں۔"

"مجھے دکھاؤ۔" ملکہ فرعون نے کہا۔

شعبان نے بوتل کا ڈاٹ کھول کر بوتل بڑے ادب سے ملکہ فرعون کو پیش کی۔ ملکہ نے اُس کو ناک کے قریب لا کر ذرا سونگھا اور جلدی سے بوتل کو پیچھے ہٹا کر بولی۔

"بڑی تیز دوا ہے یہ۔"

شعبان نے عرض کی۔ "ملکہ عالیہ! دوائیاں سبھی ایسی ہی ہوتی ہیں۔ میٹھی دوائیں صرف بیمار بچوں کے لئے تیار کی جاتی ہیں۔"

لائیکا چاندی کے طشت میں زرد مونگے کو تراش کر بنایا گیا بے داغ پیالہ، سونے کا چمچ

اور پانی کی چھوٹی صراحی رکھ کر لے آئی۔ شعبان نے سبز پتھر کی بوتل میں سے گہرے
رنگ کی تھوڑی سی سیال دوائی نکال کر پیالی میں ڈالی۔ صراحی میں سے تھوڑی مقدار
پانی ڈال کر اسے اچھی طرح ہلایا۔ پیالی لائیکا کے ہاتھ میں دی اور کہا۔

"تم میرے بائیں جانب آ جاؤ۔"

لائیکا فرعون کے سرہانے کی جانب شعبان کے پہلو میں آ گئی۔ شعبان نے سونے
چمچ کو دوائی سے بھرا، دوسرے ہاتھ سے جھک کر فرعون کے جڑے ہوئے سرد ہونٹوں
الگ کر کے اُس کے منہ کو ذرا سا کھولا اور دوائی اُس کے حلق میں اُنڈیل دی۔ اسی طرح
شعبان نے دوائی کے چار چمچ فرعون کو پلا دیئے۔ اس کے بعد دوائی کی بوتل کو ڈاٹ لگا
اپنے تھیلے میں رکھا اور ملکہ عالیہ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔

"میں نے دوا کی پہلی خوراک فرعون معظم کو پلا دی ہے۔ دوسری خوراک پلانے
شام کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

ملکہ مصر کرسی پر باوقار مگر اُداس چہرہ لئے بیٹھی شعبان کو دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے آہ
سے سر ہلا کر شعبان کو جانے کی اجازت دے دی۔ شہزادی ساہتی نے لائیکا سے کہا۔

"لائیکا! تم طبیب شعبان کے ساتھ جاؤ گی۔"

لائیکا شہزادی کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے شعبان کے ساتھ ہو گئی۔ محل کے درواز
شعبان کا گھوڑا محافظوں نے ایک طرف باندھ رکھا تھا مگر وہاں شاہی پالکی بھی اُسے
جانے کے لئے موجود تھی۔ لائیکا، شعبان کے ساتھ پالکی میں بیٹھ گئی۔ شعبان کے گھوڑ
کی باگ تھام کر ساتھ جانے والے محافظ سپاہیوں نے اُسے اپنے ساتھ لے لیا اور یہ
شعبان کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں لائیکا شعبان سے باتیں کرتی رہی
کہنے لگی۔

"میں دیوتاؤں پر کالے بکرے کا نذرانہ چڑھاؤں گی تاکہ وہ تمہاری دوا سے فرعون
اچھا کر دیں۔" پھر پلٹ کر شعبان سے پوچھا۔ "تمہیں یقین ہے نا کہ تمہاری دوائی
ربّ فرعون کو صحت ہو جائے گی؟"

شعبان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا مگر
اُمید ضرور ہے کہ میری دوا رائیگاں نہیں جائے گی۔"

لائیکا شعبان کو گھر پر چھوڑ کر اسی پالکی میں واپس محل پہنچ گئی۔

ملکہ عالیہ اور شہزادی ساہتی ابھی تک فرعون کے پلنگ کے سرہانے بیٹھی باتیں کر رہی
تھیں۔ شہزادی ساہتی اپنی مادر ملکہ سے کہنے لگی۔

"امی جان! آپ فکرمند نہ ہوں۔ مجھے اس طبیب شعبان کے علاج پر بھروسہ ہے۔
کنیز لائیکا اہرام کے حادثے میں زخمی ہو گئی تھی۔ اس کا خون بہت زیادہ بہہ گیا تھا۔ وہ
شعبان کے علاج سے دو دن میں صحت مند ہو گئی تھی۔

ملکہ عالیہ نے ایک اُداس نگاہ اپنے شوہر فرعون پر ڈالی جو ابھی تک بے ہوش پڑا تھا اور
سر جھکا لیا۔ شہزادی ساہتی اپنی غم زدہ ماں کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اُس کے پاس
بیٹھی اِدھر اُدھر کی باتوں سے اُس کا جی بہلانے کی کوشش کرتی رہی۔

کچھ وقت گزر جانے کے بعد اچانک فرعون کے جسم نے تھوڑی سی حرکت کی۔ ملکہ اور
شہزادی نے دیکھا کہ کئی روز سے بے حس و حرکت پڑے فرعون کا جسم ذرا سا ہلا تھا۔ ابھی
وہ اسی اُمید و بیم کے عالم میں تھیں کہ فرعون نے آہستہ سے اپنی بند آنکھیں تھوڑی کھول کر
ملکہ کی جانب دیکھا۔ ملکہ مصر اور شہزادی ساہتی کے اُداس چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ ملکہ
مصر اپنے شوہر کے چہرے پر جھک گئی۔ اُس نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"ربّ فرعون! دیوتاؤں اور ربّ آمون نے ہماری دُعا سن لی۔ آپ کو ہوش آ گیا۔"

اتنے دنوں سے بے ہوشی کی حالت میں بستر مرگ پر پڑے ہوئے ناتواں اور نحیف و
نزار فرعون کا ہوش میں آ جانا کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ فرعون کے ہونٹ کھلے اور اُس
نے کمزور آواز میں ملکہ مصر کا نام لیا۔

ملکہ عالیہ نے اپنا سر فرعون مصر کے سینے کے ساتھ لگا دیا اور اُس کی آنکھوں میں خوشی
کے آنسو آ گئے۔ شعبان کی دوائی نے اپنا کارگر اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ فرعونِ مصر کو نہ
صرف ہوش آ گیا تھا بلکہ وہ کمزور آواز میں رُک رُک کر ملکہ عالیہ اور شہزادی ساہتی سے
باتیں بھی کرنے لگا تھا۔

شہزادی ساہتی نے فرعونِ مصر کا ماتھا چوم کر کہا۔ "بابا جان! آپ زیادہ نہ بولیں۔ آپ
کو آرام کی ضرورت ہے۔"

شام کے وقت شعبان فرعون مصر کو دوا کی دوسری خوراک پلانے آیا تو محل میں ایک

ایک کی زبان پر تھا کہ نئے طبیب کی دوائی سے ربّ فرعون کو ہوش آ گیا ہے۔ وہ فرعونِ
شاہی خواب گاہ میں آیا تو شہزادی ساہتی اور ملکہ عالیہ کے اُداس چہروں پر خوشی کی چمک
صاف نظر آ رہی تھی۔ شہزادی ساہتی نے اُٹھ کر شعبان کا خیر مقدم کیا اور کہا۔

''شعبان! تمہاری دوا نے میرے بابا جان کو اچھا کر دیا ہے۔ دیکھو انہیں ہوش آ
ہے۔ ابھی ابھی وہ ہمارے ساتھ باتیں بھی کر رہے تھے۔''

شعبان نے آگے بڑھ کر فرعون کی نبض دیکھی، پھر پپوٹے ہٹا کر آنکھوں کا معائنہ کیا
ملکہ عالیہ سے کہا۔ ''ملکہ عالیہ! میری دوا نے کارگر اثر کیا ہے۔ ربّ آمون کے حکم سے ر
فرعون بہت جلد اچھے ہو جائیں گے۔''

اُس نے اپنے ہاتھوں سے فرعونِ مصر کو دوا کی ایک اور پوری خوراک پلا دی۔ فرعون
آنکھیں بند تھیں۔ شعبان نے اس کی کلائی ہاتھ میں لے کر نبض دیکھی، نبض درست ہو
تھی۔ اُس نے ملکہ عالیہ سے کہا۔

''ملکہ عالیہ! اب میں کل دوپہر کو دوائی کی تیسری خوراک پلانے آؤں گا۔ مجھے اجازت
دیجئے۔ لیکن میری شرط کو ضرور یاد رکھئے گا۔ اس دوران ربّ فرعون کو کسی دوسرے طبیب
دوا نہیں دینی۔''

ملکہ عالیہ نے کہا۔ ''تم جیسے کہو گے ویسے ہی ہو گا...... بے فکر ہو کر جاؤ۔''

شعبان کے تین دن کے علاج سے فرعونِ مصر کی طبیعت کافی سنبھل گئی۔ شعبان
علاج جاری رکھا۔ ایک ہفتے کے بعد فرعون مصر کے چہرے پر تازہ خون کی رونق آ گئی
اُس نے ملکہ عالیہ اور اپنی بیٹی سے باتیں کرنی شروع کر دیں۔ شاہی محل میں خوشی کی لہر
گئی۔ شہزادی ساہتی کا چھوٹا بھائی شہزادہ توت آمون مصر کے مقبوضہ صوبوں کے دورے
گیا ہوا تھا۔ اُس نے باپ کی صحت یابی کی خبر سنی تو تھبیز میں واپس آ گیا۔ اپنے باپ
صحت مند اور باتیں کرتا دیکھ کر اُس نے باپ کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا اور ا
مبارکباد دی۔

شہر میں فرعونِ مصر کی صحت یابی کی خوشی میں چراغاں کیا گیا۔ غریبوں، محتاجوں
خیرات تقسیم کرنے کے لئے شاہی خزانے کا منہ کھول دیا گیا۔ ملک کے تمام دیوتاؤں
معبدوں میں جانوروں کی قربانیاں دی گئیں۔ ہیکل اعظم کا کاہن اعظم حامون بھی

یابی کی مبارکباد دینے فرعونِ مصر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شہزادی ساہتی اور ملکہ فرعون کی
خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ شہزادی ساہتی نے شعبان کو بیش قیمت انعام و اکرام سے
نوازا اور اُسے اپنا طبیب خاص مقرر کر دیا۔ فرعونِ مصر نے خاص طور پر شعبان کو اپنی خواب
گاہ میں طلب کیا اور اُسے انعام و اکرام دینے کے علاوہ شاہی خلعت بھی عطا کی اور اعلان
کیا کہ طبیب شعبان آج سے فرعونِ مصر کا خصوصی طبیب مقرر کیا جاتا ہے۔ کنیز لائیکا بھی
بہت خوش تھی۔ فرعونِ مصر کا شاہی طبیب مقرر کئے جانے کے بعد شعبان شاہی محلات کی
ایک عالی شان حویلی میں منتقل ہو گیا۔ وہ اپنے پرانے مکان میں ہی رہنا چاہتا تھا مگر
شہزادی ساہتی نے اُسے بتایا کہ یہ فرعونِ مصر کے شاہانہ مقام کی بے ادبی ہے کہ اس کا
خصوصی شاہی طبیب ایک معمولی بستی میں رہے۔ شعبان کو مجبوراً شاہی محل کی ایک حویلی
میں منتقل ہونا پڑا۔ جب وہ اپنا جدی پشتی مکان چھوڑ کر شاہی محل کی طرف جا رہا تھا تو شاہی
فوج کا حفاظتی دستہ پالکی کے ساتھ مکان کے باہر موجود تھا۔ سائنا شعبان کو چھوڑنے صحن
کے دروازے تک آئی۔ شعبان نے پہلی بار سائنا کی جانب محبت آمیز نظروں سے دیکھا،
اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا۔

''میں یہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر ربّ فرعون کے حکم کے آگے مجبور ہوں۔ تم
اُداس نہ ہونا۔''

سائنا نے کہا۔ ''میں کیوں اُداس ہوں گی۔ مجھے تو خوشی ہے کہ دیوتاؤں نے تمہیں
اتنے اونچے مقام پر پہنچایا ہے۔ تم مجھے ملو چاہے نہ ملو، تم جہاں بھی ہو گے میری دُعائیں
تمہارے ساتھ ہوں گی۔''

شعبان نے آگے بڑھ کر سائنا کی پیشانی چوم لی اور پالکی میں سوار ہو کر شاہی محل کی
جانب روانہ ہو گیا۔ سائنا خالی مکان کے دروازے سے لگی شعبان کی سواری کو جاتے دیکھتی
رہی۔ جب اُس کی پالکی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس
نے اپنے میلے دامن سے آنسو پونچھے اور شعبان کے کھانے کے خالی برتن ٹوکری میں رکھ کر
اپنے مکان کی طرف چلی گئی......!

شعبان کے مزید ایک ہفتے کے علاج، اس کی نگہداشت کے باعث فرعونِ مصر بالکل
پہلے جیسا صحت مند ہو گیا۔ اب وہ شاہی دربار میں بھی جانے لگا۔ تخت شاہی پر بیٹھ
دوسرے ممالک اور مقبوضہ صوبوں سے آنے والے تحفے تحائف وصول کرتا اور دربار میں
پیش ہونے والے مقدموں کے فیصلے بھی سناتا۔ ملکہ عالیہ اُس کے پہلو میں تخت پر بیٹھی
ہوتی تھی۔ چاند کی چودھویں تاریخ کو، جو قدیم مصریوں کے عقیدے کے مطابق رع
آمون کا مقدس دن تھا، فرعونِ مصر کی جانب سے محل کے ایوانِ شاہی میں ایک زبردست
دعوت کا اعلان کیا گیا۔ شاہی محلات کو دُلہن سے بھی بڑھ کر سجایا گیا۔ ایسے ایسے نادر
رنگ برنگے فانوس روشن کر دیئے گئے کہ کسی میں سے سرخ اور کسی میں سے نیلی اور
میں سے قرمزی روشنی کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔ شاہی محلات کے تمام فواروں میں سے چاندی
جیسا نقرئی پانی اُچھل اُچھل کر نیچے حوض میں گول دائروں کی شکل میں رکھے ہوئے
چھوٹے بڑے پیالوں اور پیالیوں میں گرتا اور ان میں جلترنگ کے ساز کی موسیقی
ہوتی۔ فصیلِ شہر کے تمام دروازوں اور فصیل کے اوپر والی تمام بُرجیوں میں شاہی سازندوں
کی ٹولیاں بیٹھ گئیں جن کے سازوں کے سُر چوبیس گھنٹے فضا میں موسیقی بکھیرتے رہتے
شاہی محل کے ہر دروازے پر ملک شام اور ملک دمشق کے ساز نواز کھڑے ہو کر دف بجاتے
اور جھوم جھوم کر رقص کرتے۔

محلات کے ہر ایوان کے چاروں گوشوں میں رکھے خوشبودار قیمتی مسالوں سے بھرے
ہوئے چاندی کے خوشبودانوں میں عود و عنبر سلگ سلگ کر محل کی فضاؤں کو معطر کرنے
جس شاہی ایوان میں دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا اس کی دیواروں کو قسم قسم کے زر و جواہر
والے باریک ریشمی پردوں سے سجا دیا گیا۔ ایوانِ شاہی کے چاروں کونوں میں صوفے
دمشق کی ساز بجانے والی نازک اندام حسین دوشیزائیں چنگ اور طاؤس پر اپنی

اُنگلیاں پھیرتے ہوئے موسیقی کے دھیمے دھیمے سُروں کا جادو بکھیرنے لگیں۔

مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ اُمراء، اہلِ دربار اپنی بیگمات کے ساتھ آرائشی پالکیوں
میں بیٹھ کر آئے جنہیں غلاموں نے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ نوجوان بگھیوں میں سوار ہو کر آ
رہے تھے جن کے آگے سفید اور بادامی رنگ کے گھوڑے جتے تھے۔ ادھیڑ عمر اُمراء اور
شرفاء نے سروں پر نقلی بالوں کی وگیں لگا رکھی تھیں۔ عورتوں نے اپنے اصلی بالوں کی پٹیاں
نکالی ہوئی تھیں اور کچھ بالوں کی مینڈھیاں نکال کر ان میں موتی پرو رکھے تھے۔ ان کی
زرق برق ریشمی پوشاکیں فانوسوں کی روشنیوں میں جھلملا رہی تھیں۔ ان پوشاکوں میں
سے عرب اور دمشق کے قیمتی عطریات کی خوشبو فضا کو معطر کر رہی تھی۔ مہمان خواتین کا
استقبال شاہی محل کی کنیزیں کر رہی تھیں۔ مرد مہمانوں کے خیر مقدم کے لئے خوش شکل
غلام موجود تھے۔ وہ مہمانوں کے جوتے خود اتارتے، چاندی کی صراحیوں میں بھرے
ہوئے خوشبودار پانی سے ان کے ہاتھ دُھلاتے، انہیں عطر لگاتے، ان کے گلے میں ہار
ڈالتے۔ مہمان جب اُس ایوانِ شاہی میں داخل ہو جاتے جہاں شاہی ضیافت کا اہتمام کیا
گیا تھا تو خوبصورت کنیزیں آگے بڑھ کر ہر مہمان مرد اور عورت کو کنول کے پھولوں کا تاج
پہناتیں، ان میں کسی کنول پھول کا رنگ سفید، کسی کا زرد، کسی کا سرخ اور کسی کا قرمزی
ہوتا۔ قدیم مصر کے عہد میں دریائے نیل کے کنارے کھلنے والے کنول کے پھولوں نے
ملک روم اور یونان میں بڑی شہرت پائی۔

جب مہمان ایوانِ شاہی میں صوفوں پر بیٹھ گئے تو سازندوں نے طاؤس و چنگ و
رباب کے ساز چھیڑ دیئے۔ دف کی ہلکی ہلکی تھاپ پر نفیریوں اور بانسریوں کے نغمے بیدار
ہو گئے۔ خوبصورت کنیزیں اور خوش شکل غلام لڑکے چاندی کے طشت اُٹھا کر آ گئے۔
طشتوں میں ہلکے سرور والی شراب کے زمردیں جام بھرے ہوئے تھے۔ مہمان اپنا اپنا جام
اٹھاتے اور دو ایک گھونٹ پی کر رکھ دیتے۔ ملک حبشہ کی بازی گر لڑکیاں اور لڑکے دوڑتے
ہوئے ایوانِ شاہی میں داخل ہوئے اور مختلف سازوں کی جھنکار میں بازی گری کے کرتب
دکھا کر مہمانوں کو خوش کرنے لگے۔ رنگ و آہنگ کا یہ جشن کچھ دیر تک جاری رہا۔ اس
دوران کسی مہمان کے گلے میں پڑا پھولوں کا ہار مرجھانے لگتا تو کنیزیں اور غلام فوراً اسے
اتار کر تازہ پھولوں کا ہار پہنا دیتے۔

پھر غلام اور کنیزیں کھانے کا سامان لے کر آ گئیں۔ کھانے میں طرح طرح کے پکوان تھے۔ سونے چاندی کے پتروں سے بنی ہوئی ٹوکریوں میں پھول اور روٹیاں رکھی تھیں ان پر گلاب کا عرق چھڑکا ہوا تھا۔ کسی غلام نے چکنے پنیر کے قاب اٹھا رکھے تھے۔ سب سے پہلے مہمانوں کو پرندوں کا گوشت پیش کیا گیا۔ ان میں مور، سرخاب اور لال چونچ والی بلبلوں کا گوشت بھی تھا۔ مچھلیاں ہر قسم کی تھیں جو دریائے نیل کے میٹھے پانیوں اور بحر قلزم سے پکڑ کر لائی گئی تھیں۔ زرد مونگوں کی رکابیوں میں دم پخت کئے ہوئے گھونگے پیش کئے جانے لگے۔ بعض بڑے بڑے قابوں میں بھنے ہوئے ثابت ہرن مع ان کے سینگوں کے رکھے تھے۔ موروں کے کباب اُن کی دُموں سمیت اور پوری مسلّم بھیڑیں لائی گئیں۔ چاندی کے بڑے بڑے بادیوں میں پلے ہوئے دُنبوں کی چربی کے ٹکڑے پڑے تھے پر زعفران چھڑکا گیا تھا۔ ہر میز پر دوسرے کھانوں کے علاوہ انگور، انار، ناشپاتیاں اور سیبوں سے بھرے ہوئے طشت رکھے تھے۔ مہمان بڑے شوق سے ہر قسم کے کھانوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ فضا میں مختلف کھانوں، مسالوں اور پھولوں کی خوشبو اُڑ رہی تھی۔ مہمانوں کے ہلکے ہلکے قہقہے سنائی دے رہے تھے۔

جب ضیافت اپنے اختتام کو پہنچی تو ہر مہمان کا ہاتھ دُھلا کر انہیں گلاب کے عطر میں بھگو کر نچوڑے ہوئے سفید جاذب رومال پیش کئے گئے تا کہ وہ اپنے ہاتھ اور ہونٹ پونچھ سکیں۔

ضیافت کے آخر میں فراعنہ مصر کی قدیم روایات کے مطابق دو غلام ایک تازہ حنوط ہوئی ممی کی لاش کا تابوت اٹھائے ایوانِ شاہی میں داخل ہوئے۔ تابوت بغیر ڈھکنے کے تھا۔ تابوت میں ممی کی لاش اپنے ہاتھ سینے پر باندھے سیدھی لیٹی ہوئی تھی۔ ممی کا تابوت مہمان کے آگے لایا جاتا اور غلام کہتا۔

"اسے غور سے دیکھو۔ اس سے پہلے کہ تمہارا بھی یہی انجام ہو، کھاؤ پیو اور جتنا عیش کر سکتے ہو کر لو۔"

جتنی دیر تک ممی کا تابوت ایوانِ شاہی میں مہمانوں کے درمیان پھرایا جاتا رہا، محفل پر عبرت انگیز سناٹا چھایا رہا۔ جب غلام ممی کا تابوت لے کر چلے گئے تو کنیزیں نئی شراب سے بھری ہوئی صراحیوں کے طشت لے کر آ گئیں۔ ساز بجانے والوں نے ساز

چھیڑ دیئے۔ مہمان ضیافت کے بعد کھانے کو ہضم کرنے کے لئے شراب کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ پینے لگے اور ہنس ہنس کر قہقہے لگاتے ہوئے ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کی باتیں کرنے لگے۔ محفل کی رنگینی اور گرمجوشی دوبارہ واپس آ گئی۔

آخر میں صحت یاب ہونے والے فرعون ہوتپ کا سونے کا تخت نمودار ہوا۔ تخت کو زرد لباسوں والے سیاہ فام حبشی غلاموں نے کندھوں پر اُٹھا رکھا تھا۔ تخت پر سونے کے پایوں اور قیمتی ہیرے جواہرات سے جگمگاتی دو کرسیاں رکھی تھیں۔ ایک کرسی پر فرعونِ مصر ہوتپ آمون پورے جاہ و جلال کے ساتھ بیٹھا تھا۔ دوسری کرسی پر ملکہ مصر بیٹھی تھی۔ فرعون ہوتپ کے ایک ہاتھ میں دیوتا آمون کے سر والی سونے کی چھڑی اور دوسرے ہاتھ میں شہنشاہیت کی علامت سنہری زنجیر تھی جو سونے کے چھلے میں پڑی ہوئی تھی۔ فرعون کے تخت کے پیچھے ایک اور تخت تھا جس پر فرعون ہوتپ کی بڑی بیٹی شہزادی ساہتی اور چھوٹا بیٹا ہوتپ آمون بیٹھا تھا۔ ان کے پیچھے تھیبز کے سب سے بڑے معبد ہیکل اعظم کا کاہن حامون زرد چغہ پہنے ہاتھ میں دیوتا آمون کے سر والا عصا تھامے چلا آ رہا تھا۔ اُس کے پیچھے ہیکل اعظم میں دیوتا آمون کے سامنے رقص کرنے والی لڑکیاں ہاتھوں کو سینوں پر باندھے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی چلی آ رہی تھیں۔ شاہی سواروں کو دیکھتے ہی تمام مہمان تعظیماً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ فرعون کے تخت کو منقش ستونوں کے درمیان سنگ سبز کے مرمریں چبوترے پر رکھ دیا گیا۔ تمام مہمان ابھی تک ایستادہ تھے۔ فرعون نے ایک ہاتھ آہستہ سے اوپر اٹھایا، سارے مہمان اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ کاہن حامون عصا ہاتھ میں تھامے دو قدم بڑھ کر فرعون کے تخت کے پاس آیا۔ اُس نے سب سے پہلے فرعون کے جاہ و جلال، اُس کی سلطنت کی وسعت کی زبردست تعریف کی۔ اس کے بعد تمام اراکین سلطنت، ملک کی رعایا اور اپنی طرف سے فرعون کو اس کی صحت یابی پر مبارکباد دی۔ فرعون ہوتپ طویل بیماری سے اٹھا تھا۔ اُس کے چہرے پر نقاہت اور کمزوری کے اثرات ابھی باقی تھے۔ اُس نے ایک ہاتھ اوپر اٹھا کر کاہن اعظم، اراکین سلطنت، اُمرا، شرفا اور تمام مہمانوں اور اپنی رعایا کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

"دیوتا آمون کے رحم و کرم، شاہی محل کے برگزیدہ طبیب زوناش کی نگہداشت اور علاج سے اور آپ سب کی دُعاؤں کے باعث میں صحت یاب ہو گیا ہوں۔ میں آپ سب

کا شکر گزار ہوں۔ لیکن جس نوجوان طبیب کی دواؤں سے مجھے اپنی مسلسل بے ہوشی سے نجات ملی، میں اُس کا احسان نہیں بھلا سکتا۔ اُس نوجوان طبیب کا نام شعبان ہے۔"

شعبان ضیافت میں موجود تھا اور ایک کونے میں بیٹھا رہا تھا۔ فرعون عظیم کی زبان سے اپنی تعریف سن کر اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ فرعون ہوتپ نے ہیکل اعظم کے کاہن حامون کو اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ کاہن حامون آگے بڑھ کر شاہی تخت کے پاس آیا اور اس نے اپنا سر جھکا دیا۔

فرعون ہوتپ نے مدھم آواز میں کاہن حامون سے کچھ کہا۔ کاہن حامون فرعون ہوتپ کا حکم سن کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور مہمانوں کی جانب منہ کر کے اپنا عصا والا بازو پھیلا کر بولا۔ "ربّ فرعون کے حکم سے نوجوان طبیب شعبان ان کے حضور پیش ہو۔"

یہ سن کر شعبان کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ جلدی سے اٹھا اور بڑے ادب سے قدم اٹھاتا فرعون ہوتپ کے تخت کے روبرو آ کر ہاتھ باندھ کر جھک گیا۔ محفل پر خاموشی چھا گئی۔ ضیافت میں فرعون کا شاہی طبیب زوناش بھی اپنے حواریوں کے ساتھ موجود تھا۔ فرعون ہوتپ کے منہ سے یہ سن کر کہ اُسے صرف نوجوان طبیب شعبان کی دوا سے مسلسل بے ہوشی سے نجات ملی ہے، زوناش کے سینے میں حسد کی آگ بھڑک اُٹھی۔ فرعون ہوتپ نے شعبان سے کہا۔

"چہرہ اُٹھا کر میری طرف دیکھو۔"

شعبان نے گردن اُٹھا کر فرعون ہوتپ کو ایک نظر دیکھا اور نظریں نیچی کر لیں۔ فرعون نے اپنے گلے میں سفید موتیوں کا قیمتی ہار اتار کر اپنا ہاتھ شعبان کی طرف بڑھا دیا اور کہا۔

"شعبان! میرے اس ناچیز تحفے کو قبول کرو۔"

مہمانوں پر سناٹا چھا گیا۔ فرعون ہوتپ نے آج تک کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو تحفہ پیش کرنے کا اعزاز نہیں بخشا تھا اور نہ ہی اپنے تحفے کو کبھی ناچیز کہا تھا۔ شعبان خود فرعون ہوتپ کی زبان سے نکلے ہوئے جملے پر حیران رہ گیا۔ اُس نے آگے بڑھ کر قیمتی ہار لیا اور سر جھکا کر کہا۔

"مجھے اگر دیوتا ایک ہزار سال کی زندگی بھی عطا کرتے تو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی شمال، جنوب، مشرق و مغرب کے عظیم شہنشاہ ربّ فرعون سے یہ بیش قیمت تحفہ پا کر ہوئی ہے۔"

فرعون کے پہلو میں بیٹھی ملکہ مصر نے اس لمحے اپنے شوہر کی طرف ذرا سا جھک کر اُس کے کان میں کچھ کہا، فرعون ہوتپ کے چہرے پر تبسم سا آ گیا۔ اُس نے ایک خاموش نگاہ تمام مہمانوں پر ڈالی، پھر اپنے روبرو ادب سے کھڑے شعبان کو دیکھا اور مہمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میں آج سے اس نوجوان طبیب کو اپنا طبیب خاص مقرر کرتا ہوں۔ میرے اس اعلان کو شاہی فرمان سمجھا جائے۔"

اس اعلان کو سن کر طبیب شاہی زوناش کے سینے پر سانپ لوٹ گئے۔ وہ یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ اُس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے طبیب کو یہ اعزاز حاصل ہو اور وہ فرعون ہوتپ کی آنکھ کا تارا بنے۔ فرعون ہوتپ کے شعبان کو طبیب خاص مقرر کرنے کے اعلان نے شاہی طبیب زوناش کے اندر حسد کے ایک ایسے زہریلے سانپ کو بیدار کر دیا تھا جو اگر زوناش کو ڈسنے لگا تھا تو وقت آنے پر فرعون کے طبیب خاص شعبان کو بھی ڈس سکتا تھا۔"

ضیافت کے اختتام پر جب فرعون ہوتپ کی شاہی سواری اپنے محل کو واپس چلی گئی تو شاہی دربار کے اُمرا اور شہر کے رؤسا نے آگے بڑھ کر شعبان کو مبارکباد دی۔ شاہی طبیب زوناش شعبان کو مبارکباد نہیں دینا چاہتا تھا مگر حواریوں میں سے اُس کے خاص حواری اور شاگرد فرتوش نے زوناش کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"استادِ مکرم! آپ کے دل پر جو گزر رہی ہے میں اس سے بخوبی واقف ہوں۔ لیکن اس وقت مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ آپ بھی آگے بڑھ کر شعبان کو مبارک باد پیش کریں۔ یہ ہمارے حق میں اچھا ہو گا۔"

شاہی طبیب زوناش نے غور کیا تو اُسے اپنے شاگرد اور رازدار دوست فرتوش کی یہ تجویز اچھی لگی۔ زوناش اپنے شاگردوں کے ساتھ شعبان کے پاس آیا اور اُس سے ہاتھ ملا کر بڑی مشکل سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"شعبان! ربّ فرعون کا طبیب خاص مقرر ہونے پر میری طرف سے بھی دلی مبارک قبول کرو۔"

شعبان نے زوناش کو پہچان لیا تھا کہ یہ فرعون کا شاہی طبیب ہے۔ اُس نے زوناش کا شکریہ ادا کیا اور انکسار کے ساتھ بولا۔

"محترم! میں اب بھی یہی سمجھتا ہوں کہ ربّ فرعون کا مرض آپ ہی کے علاج سے دُور ہوا ہے۔ یہ ربّ فرعون کی میری طرف سے خوش فہمی ہے کہ میرے علاج سے انہیں ہوش آیا تھا۔ میں تو اس وقت بھی خود کو آپ کا شاگرد سمجھتا ہوں۔"

زوناش نے شعبان کا کندھا تھپتھپا کر کہا۔

"یہ تمہارا بڑا پن ہے کہ تم مجھے استاد کا درجہ دے رہے ہو۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ربّ فرعون کو میرے مسلسل علاج ہی سے صحت ملی ہے۔"

یہ کہہ کر زوناش نے شعبان سے ہاتھ ملایا اور اپنے شاگردوں کے ساتھ ایوانِ شاہی کے صدر دروازے کی طرف بڑھا جہاں سے معزز مہمان اور ان کی بیگمات ایک دوسرے سے باتیں کرتیں واپس جا رہی تھیں۔ زوناش کے شاگرد فرتوش نے چلتے چلتے زوناش کے قریب ہو کر کہا۔

"استادِ مکرم! آپ نے بہت اچھا کیا کہ شعبان کو دل کی بات کہہ دی۔"

شاہی طبیب زوناش نے غرور سے گردن اٹھا کر کہا۔ "میں نے کوئی جھوٹ تو نہیں بولا۔ یہ کل کا نومشق طبیب ہمارے تجربے کا کیا مقابلہ کرے گا۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ربّ فرعون نے میری خدمات کی کوئی قدر نہیں کی۔"

اسی قسم کی باتیں کرتے وہ مہمانوں کے ساتھ محل کے صدر دروازے کی طرف چلے لگے۔ شعبان ابھی تک ایوانِ شاہی میں ہی بیٹھا تھا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ معزز مہمانوں کا ہجوم نکل جائے تو وہ دروازے کا رُخ کرے۔ ایک طرف سے کنیز لائیکا آتی دکھائی دی۔ اُس کا چہرہ خوشی اور فخر سے کھلا ہوا تھا۔ وہ شعبان کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور بولی۔

"مبارک ہو...... تمہیں بہت بہت مبارک ہو۔"

شعبان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہیں بھی مبارک ہو۔ میرے اس اعزاز میں تمہارا بھی حصہ ہے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں تمہارا علاج نہ کرتا تو مجھے نہ ربّ فرعون کے دربار میں باریابی ملتی اور نہ اتنا بڑا اعزاز ہی نصیب ہوتا۔"

لائیکا نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ "ایسا نہ کہو شعبان! ایسی بات نہیں ہے۔ یہ تمہاری اپنی قابلیت ہے جس نے تمہیں اس مقام تک پہنچایا ہے۔ میں تو صرف ایک ذریعہ بنی ہوں۔"

"پھر بھی۔" شعبان بولا۔ "میں نے غلط نہیں کہا۔ تم اگر ذریعہ نہ بنتیں تو مجھے کبھی یہ

مقام نہ ملتا۔ اس اعتبار سے میرے لئے تمہارا شکر گزار ہونا لازمی ہے۔"

لائیکا مسکرانے لگی، بولی۔ "ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ تمہیں یہ عہدہ پا لینے کی خوشی ہوئی ہے یا نہیں؟"

شعبان نے لائیکا کے ہاتھ پر آہستہ سے اپنا ہاتھ رکھ دیا اور بولا۔ "مجھے صرف اس بات کی خوشی ہوئی ہے کہ اب تم میرے بہت قریب آ جاؤ گی۔ میں جب چاہوں تمہیں مل سکوں گا۔"

کنیز لائیکا کے رخساروں پر حیا کی سرخی دوڑ گئی۔ فرعون کی طرف سے دی ہوئی موتیوں کی مالا شعبان کے گلے میں تھی۔ لائیکا نے کہا۔

"تمہیں یہ موتیوں کی مالا بڑی سج رہی ہے۔"

"یہ میں تمہیں دیتا ہوں۔ تمہیں بھی بڑی سجے گی۔"

شعبان گلے میں سے موتیوں کا ہار اتارنے لگا تو لائیکا نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟ اسے اپنے گلے سے نہ اتارو۔ یہ ربّ فرعون کا تحفہ ہے۔ کسی دوسرے کو دو گے تو اس کی توہین ہو گی۔"

شعبان کا ہاتھ وہیں رُک گیا۔ لائیکا بولی۔ "چلو میرے ساتھ۔ تمہیں شہزادی صاحبہ نے یاد کیا ہے۔ میں تمہیں لینے آئی تھی۔"

شعبان نے پوچھا۔ "کس لئے یاد کیا ہے انہوں نے مجھے؟"

"تم چلو تو سہی۔" لائیکا نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "وہاں جا کر تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ کس لئے یاد کیا ہے شہزادی صاحبہ نے...... آؤ۔"

شہزادی ساہتی اپنے محل کے ایوانِ خاص میں ہی تھی۔ شعبان نے جاتے ہی جھک کر شہزادی ساہتی کو تعظیم پیش کی اور ادب سے کھڑا رہا۔ شہزادی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ اُس کے ہاتھ میں زمرد کا خالی جام تھا۔ پیچھے کنیز شراب کی صراحی تھامے کھڑی تھی۔ شہزادی نے اپنے جام والے ہاتھ کو ذرا سی جنبش دی۔ کنیز نے فوراً آگے بڑھ کر صراحی میں سے شراب جام میں انڈیل دی۔ شہزادی نے ایک گھونٹ پیا اور بولی۔

"شعبان! تمہیں بابا جان کے طبیب خاص کا عہدہ مبارک ہو۔"

شعبان نے انکساری کے ساتھ کہا۔

"شہزادی صاحبہ! یہ آپ ہی کی کرم فرمائیوں کا نتیجہ ہے۔"
شہزادی ساحتی نے شراب کا جام قریب پڑی صندل کی تپائی پر رکھ دیا اور گود میں رکھا
ریشمی رومال اٹھا کر اپنے ہونٹوں کے ساتھ دو بار آہستہ سے لگایا اور کہنے لگی۔
"یہ اعزاز تم نے اپنی لیاقت سے حاصل کیا ہے۔ بابا جان کا علاج چھ مہینوں سے ہو رہا
ہے۔ شاہی طبیب زوناش کی ایک بھی دوا کارگر نہیں ہو رہی تھی۔ تم پہلی بار ہی نبض دیکھ کر
دوا تیار کر کے لائے اور تمہاری دوائی سے بابا جان کو نہ صرف ہوش آ گیا بلکہ وہ صحت یاب
بھی ہو گئے۔ بابا جان تو شاہی طبیب زوناش کو معزول کر کے اُس کی جگہ تمہیں شاہی طبیب
مقرر کرنا چاہتے تھے لیکن امی جان نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا اور کہا کہ زوناش
شاہی خاندان کا پرانا طبیب ہے اسے بھی رہنے دیا جائے۔ پھر بابا جان نے تمہارے
طبیب خاص ہونے کا اعلان کر دیا۔"
شعبان نے کہا۔ "شہزادی صاحبہ! میں شاہی طبیب کو اپنے سے کمتر نہیں سمجھتا۔ وہ عمر
میں مجھ سے بڑے ہیں، انہیں ادویات اور جڑی بوٹیوں کا مجھ سے زیادہ تجربہ ہے۔ یہ محض
ایک اتفاق کی بات ہے کہ میری دوا سے ربّ فرعون کو آرام آ گیا۔"
شہزادی ساحتی نے جام اٹھا کر شراب کا ایک گھونٹ پیا اور رومال اپنے ہونٹوں پر پھیر
کر کہا۔ "اب تمہیں شاہی محلات میں آ کر رہنا ہو گا۔ تمہیں ایک حویلی رہائش کے لئے دی
جائے گی۔ تمہاری ضروریات شاہی محل کی جانب سے پوری کی جائیں گی۔ اس کے علاوہ
تمہیں ہر ماہ وظیفہ بھی ملے گا۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے شعبان؟"
شعبان نے عرض کی۔ "مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے شہزادی صاحبہ؟"
شہزادی بولی۔ "سواری کے واسطے تمہیں چار کہاروں کی شاہی پالکی ملے گی اور شاہی
محافظوں کا ایک دستہ شاہی محل سے باہر آتے جاتے وقت تمہارے ساتھ رہ کر تمہاری
حفاظت کرے گا۔ اب تم اپنے مکان پر جاؤ اور اپنا ساز و سامان اور ادویات وغیرہ لے کر
محل کی حویلی میں منتقل ہو جاؤ۔ غلام ضرگام تمہارے ساتھ جائے گا۔ وہ تمہارا ذاتی خدمت
گار ہو گا۔"
"جو حکم شہزادی صاحبہ۔"
اور پھر شعبان شہزادی ساحتی سے اجازت لے کر لائیکا کے ہمراہ ایوانِ خاص سے باہر

نکل آیا۔ لائیکا کہنے لگی۔ "اب میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"
"کیوں نہیں جاؤ گی؟" شعبان نے اعتراض کیا۔
لائیکا بولی۔ "مجھے تمہاری نئی حویلی کی آرائش وغیرہ بھی تو کروانی ہو گی۔ واپس آؤ گے تو
میں تمہاری حویلی میں ہی ہوں گی۔"
محل کے صدر دروازے پر چار غلام شاہی پالکی لئے تیار کھڑے تھے۔ چار محافظ سپاہی
بھی گھوڑوں پر سوار شعبان کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک بغیر سوار کے خالی گھوڑا اُن
کے ساتھ تھا۔ شعبان شاہی پالکی میں سوار ہو کر اپنے مکان پر آیا تو شاہی فوج کے سپاہیوں
اور پالکی کو دیکھ کر شعبان کی بچپن کی ساتھی سائنا دوڑ کر آ گئی۔ کہنے لگی۔
"یہ خبر بستی میں پہنچ گئی تھی کہ تمہیں ربّ فرعون نے اپنا طبیب خاص مقرر کیا ہے۔
تمہیں مبارک ہو۔ میں ہمیشہ دیوتاؤں کے آگے تمہاری ترقی کے لئے دُعائیں کیا کرتی
تھی۔ دیوتاؤں نے میری دُعا سن لی۔"
شعبان نے سائنا کا شکریہ ادا کیا اور محافظ سپاہیوں کو وہ مختصر سامان دکھایا جو اُسے اپنے
ساتھ حویلی میں لے جانا تھا۔ سپاہی سامان اٹھا کر گھوڑے پر لادنے لگے۔ سائنا صحن میں
کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔ شعبان اُس کے پاس آ گیا۔ کہنے لگا۔
"شاہی محل کے حکم کے مطابق اب مجھے محل کی شاہی حویلی میں رہنا ہو گا۔ میرا جی بستی
کو چھوڑنے کو نہیں چاہتا مگر مجبوری ہے۔"
سائنا نے معصوم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "دیوتاؤں نے تمہیں اپنی قابلیت دکھانے کا
سنہری موقع دیا ہے۔ تمہیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ بستی میں تمہارے لئے اب کیا رہ
گیا ہے؟"
شعبان بولا۔ "تم فکر نہ کرو۔ میں کبھی کبھی تمہیں ملنے آتا رہوں گا۔"
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" سائنا نے اُداس لہجے میں کہا۔ "تم نہ بھی آؤ تو میری
آنکھوں کے سامنے ہی ہوتے ہو۔"
سائنا اپنے فقرے پر خود ہی شرما گئی۔ وفورِ جذبات میں اُس کے منہ سے اُس کے دل
کی بات نکل گئی تھی۔ اُس نے اپنی آنکھوں میں آتے ہوئے آنسوؤں کو روک کر کہا۔
"اب تمہیں جانا چاہئے۔ شاہی سوار تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

شعبان نے جلدی سے سائنا کی پیشانی کو چوما اور صحن کے دروازے سے باہر نکل گ
جہاں چاروں محافظ گھوڑوں پر سوار اور چاروں غلام کہار پالکی کے چاروں سروں پر
کھڑے تھے۔ شعبان کا مختصر سا ساز و سامان خالی گھوڑے پر لدا ہوا تھا۔ شعبان پالکی م
بیٹھ گیا۔ غلاموں نے پالکی کندھوں پر اٹھائی اور یہ سواری شاہی محل کی طرف چل دی۔

شعبان جس شاہی حویلی میں منتقل ہوا، وہ شاہی محلات کے جنوبی گوشے میں امرا
دربار کی حویلیوں سے ملحق تھی۔ سنگ سرخ کی بنی ہوئی ایک منزلہ عمارت تھی جس کی دونو
جانب باغیچوں میں سنگ مرمر کے فوارے چل رہے تھے۔ سرو اور شمشاد کے قد آور درخ
سر اٹھائے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ صحن کی دیواروں پر گلاب کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں ج
میں سرخ اور سفید گلاب کھلے ہوئے تھے۔ حویلی کے کمروں کے فرش قیمتی قالینوں
ڈھکے ہوئے تھے۔ دروازوں پر ریشمی پردے گرے ہوئے تھے۔ دیواروں پر سرخ، ن
اور کیسری رنگوں کی بڑی بڑی تصویریں بنی ہوئی تھیں جن میں کہیں فرعون کو جنگل میں ش
کھیلتے دکھایا گیا تھا تو کہیں شاہی دربار میں مقبوضہ علاقوں کے سفیروں کو فرعون کی خدم
میں قیمتی تحائف پیش کرتے دکھایا گیا تھا اور کہیں آہو چشم رقاصائیں دیوتا اسیرس کے بت
کے سامنے جھانجریں ہاتھوں میں تھامے رقص کر رہی تھیں۔ ہر کمرے میں قیمتی فرنیچر بڑ
سلیقے سے لگا تھا۔ ستونوں کے اوپر کسی نہ کسی دیوتا کا پرندوں اور چوپایوں کے سروں وا
کوئی نہ کوئی مجسمہ نصب تھا۔ چھتوں کے ساتھ چاندی کے فانوس لٹک رہے تھے۔ آرام
صوفوں، آرام کرسیوں کے درمیان تپائیوں پر مختلف انواع کے پھلوں اور خشک میوہ جا
سے بھرے ہوئے طشت رکھے تھے۔ کنول کے پیالوں کی شکل کے خوشبو دانوں میں لو
وغیرہ کی خوشبوئیں سلگ رہی تھیں۔ کونے والی آبنوس اور صندل کی لکڑی کی تپائیوں پر س
مرمر کے گلدانوں میں کنول اور گلاب کے تازہ پھول سجے ہوئے تھے۔

کنیز لائیکا اور شعبان کے غلام خاص ضرگام کی نگرانی میں حویلی کے خادموں اور کنیز
نے کمروں کی جھاڑ پونچھ کر کے ہر شے کو بڑے سلیقے سے اپنی اپنی جگہ پر سجا دیا تھا۔ حو
کے باورچی خانے میں رات کے لئے کھانا تیار کیا جا رہا تھا۔

شعبان کو ساتھ لے کر لائیکا نے اُسے حویلی کے سارے کمرے دکھائے اور کہا۔ ''
تمہیں ہر قسم کا آرام میسر ہوگا۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو، اپنے نجی غلام ضرگام کو حکم

وہ مہیا کر دے گا۔''

آخر میں لائیکا، شعبان کو حویلی کے اُس کمرے میں لے آئی جہاں طبابت سے متعلق اس کا ساز و سامان سنگ مرمر کی لمبی میزوں اور الماری میں رکھ دیا گیا تھا۔ کہنے لگی۔

''تمہیں اپنا نیا مکان پسند آیا؟''

شعبان نے سر ہلا کر کہا۔ ''ہاں۔''

لائیکا کچھ دیر رُکنے کے بعد چلی گئی۔ حقیقت میں شعبان کو شاہی محل کی حویلی میں آتے ہی بستی والے غریبانہ مکان کی یاد ستانے لگی تھی۔ اتنی بڑی اور خالی خالی حویلی میں وہ اپنے آپ کو تنہا تنہا محسوس کرنے لگا تھا۔ یہ ایک قدرتی بات تھی۔ لیکن وہ شاہی محل میں رہنے کے لئے مجبور تھا۔ ربّ فرعون کے فرمان کی عدم تعمیل ایک جرم ہی نہیں گناہ تھا۔ کیونکہ قدیم مصریوں میں فرعون کو دیوتا آمون کا بیٹا تصور کیا جاتا تھا۔

شاہی محل میں شعبان کے روزمرہ کے معمولات شروع ہو گئے۔ اُسے روزانہ فرعون کی خدمت میں حاضر ہو کر اُس کا معائنہ کرنا ہوتا تھا۔ اس کا علاج ابھی جاری تھا۔ شعبان کو ملکہ فرعون کی طرف سے ہدایت تھی کہ وہ خود اُس کے شوہر کو دوا پلائے اور اُس کی خبر گیری کرے۔ دوسری طرف شاہی طبیب زوناش بھی غافل نہیں بیٹھا تھا۔ اُسے اس بات کا سخت صدمہ ہوا تھا کہ شعبان کی وجہ سے اُسے فرعون کی دیکھ بھال کے فرائض سے سبک دوش کر دیا گیا ہے۔ یہ اس کی سب سے بڑی شکست تھی۔ وہ جو منصوبہ لے کر جوڑ توڑ اور سازشوں سے شاہی محل میں داخل ہو کر شاہی طبیب کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوا تھا وہ منصوبہ اُسے خاک میں ملتا دکھائی دے رہا تھا۔

شاہی طبیب فطری طور پر کینہ پرور، فتنہ ساز اور سازشی مزاج کا آدمی تھا۔ اُس کا منصوبہ شاہی طبیب سے بھی بڑے عہدے پر ہاتھ مارنے کا تھا۔ اس منصوبے میں ہیکل اعظم کا کاہن حامون بھی شامل تھا۔ قدیم مصر کے معاشرے میں معبد کے کاہنوں کو فرعون کے ہم مرتبہ سمجھا جاتا تھا بلکہ امارت اور اپنے اختیارات میں وہ کبھی کبھی فرعون سے بھی آگے نکل جاتے تھے۔ معبدوں کے لئے فرعون کی جانب سے بڑی بڑی جاگیریں وقف کی ہوئی ہوتی تھیں جن کی آمدنی کا بیشتر حصہ کاہن اپنے اوپر خرچ کرتے تھے۔ وہ بڑی بڑی جائیدادوں کے مالک تھے۔ ان کے پاس اتنی دولت جمع ہو گئی تھی کہ کبھی کبھی فرعون کو

دشمن کا حملہ روکنے یا دشمن پر حملہ کرنے کے واسطے کاہنوں سے بڑی بڑی رقوم قرض لینی پڑتی تھیں۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی کاہن اتنا دولت مند اور بااختیار ہو جاتا تھا کہ وہ خود فرعون بن کر تخت پر براجمان ہو جاتا تھا۔ مصلحت اندیشی سے کام لیتے ہوئے فوج کا سپہ سالار عام طور پر کاہن کے ساتھ ہوتا تھا کیونکہ اُسے معلوم ہوتا تھا کہ کاہن کے اشارے کے بغیر فرعون بھی کوئی اہم فیصلہ نہیں کر سکتا۔

کاہن حامون کی اسی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے شاہی طبیب زوناش نے عیاری، جوڑ توڑ، خوشامد اور موقع شناسی سے کام لیتے ہوئے اپنے منصوبے میں کاہن حامون کو شریک کر لیا تھا۔

جب شاہی محل میں شعبان کی آمد سے طبیب زوناش کا مرتبہ ایک دم گھٹ گیا تو وہ اور کاہن اعظم حامون سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ انہیں اپنا منصوبہ خاک میں ملتا نظر آ رہا تھا۔ شاہی طبیب زوناش سخت پریشان تھا۔ اُس نے کہا۔

"شاہی طبیب کی حیثیت میں مجھے فرعون کے پاس جانے اور اسے خود دوا تیار کر کے پلانے کا موقع ملتا رہتا تھا اور میں نے اپنے منصوبے پر عمل کرتے ہوئے فرعون کو دوائی میں شامل کر کے ایسا زہر پلانا شروع کر دیا تھا جس کے اثرات دیر بعد ظاہر ہونے تھے۔ لیکن اس نوجوان طبیب شعبان کے آنے اور فرعون کے طبیب خاص مقرر ہو جانے کے بعد میں اب ایسا نہیں کر سکوں گا اور یہ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتا ہوں کہ جب تک فرعون ہوتپ ہمارے راستے سے نہیں ہٹتا، میں تم اور سپہ سالار اقتدارِ اعلیٰ پر قبضہ نہیں کر سکتے۔"

کاہن اعظم بڑے غور سے زوناش کی باتیں سن رہا تھا اور گہری سوچ میں تھا۔ جب طبیب زوناش نے بات ختم کی تو کاہن اعظم حامون نے کہا۔

"میں مایوس نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا راستہ نکل آئے گا جس پر چل کر ہم تخت شاہی پر قبضہ کر سکیں گے۔"

زوناش نے کاہن اعظم کی بڑی نازک رگ کو چھیڑتے ہوئے کہا۔ "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ فرعون ہوتپ کا بیٹا ہوتپ آمون ایک آزاد خیال نوجوان ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ معبد میں عبادت کرنے نہیں آتا بلکہ وہ ہمارے دیوتاؤں کو برملا جھوٹے دیوتا کہتا ہے۔ وہ فرعون ہوتپ کی موت کے بعد مصر کے تخت پر فرعون بن کر بیٹھے گا۔ وہ تخت نشین ہونے

کے بعد پہلا کام یہ کرے گا کہ معبدوں سے تمہارے اور ہمارے دیوتاؤں کے سارے بت تڑوا دے گا۔ معبدوں کی جاگیریں اور جائیدادیں ضبط کرے گا۔ تم پائی پائی کو محتاج ہو جاؤ گے اور فرعون کی طرف سے جو معمولی سا وظیفہ ملے گا تم اسی پر گزر بسر کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

متمول اور عیش پسند کاہن اعظم اس تصور ہی سے کانپ اُٹھا، کہنے لگا۔ "میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ فرعون ہوتپ کو اپنے راستے سے ہٹانے کے بعد یا میں خود تخت سنبھال لوں گا اور یا سپہ سالار عشمون کو فرعون بنا کر تخت پر بٹھا دوں گا۔ ہمارے اور دیوتاؤں کے دشمن شہزادہ ہوتپ آمون کو کسی حالت میں بھی فرعون کی حیثیت سے تخت نشین نہیں ہونے دیا جائے گا۔"

شاہی طبیب زوناش کہنے لگا۔ "وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اب فرعون ہوتپ کو اپنے راستے سے کیسے ہٹایا جائے؟ تھوڑا تھوڑا کر کے میں دوائی کے بہانے فرعون کو جو زہر پلاتا رہا ہوں اس نوجوان طبیب شعبان نے اپنی دواؤں سے اس کا اثر زائل کر دیا ہے۔ وہ پھر سے صحت مند ہو کر شاہی تخت پر بیٹھ گیا ہے۔ ہمارے پاس اُسے اپنے راستے سے ہٹانے کے واسطے سوائے اُسے زہر دینے کے دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اور اب میرے معزول ہو جانے کے بعد ہمارے لئے یہ راستہ بھی بند ہو گیا ہے۔"

کاہن اعظم بولا۔ "تمہیں کہہ دیا نا کہ کوئی نہ کوئی راستہ نکل آئے گا۔ بس تم اپنی زبان بند رکھو اور کچھ دیر کے لئے اس موضوع پر کوئی بات نہ کرو۔"

کاہن اعظم حامون شاہی طبیب سے زیادہ عیار اور موقع شناس ذہن رکھتا تھا۔ کاہن اعظم خوب جانتا تھا کہ فرعون ہوتپ کی موت کے بعد کاہنوں کے روز بروز بڑھتے ہوئے اقتدار اور ان کی دولت اور دیوتاؤں کا دشمن فرعون کا بیٹا ہوتپ آمون ہی تخت پر بیٹھے گا جو کاہن اعظم کے اقتدار کی شمع گل کر دے گا اور ہو سکتا ہے اسے جلا وطن بھی کر دے۔ چنانچہ وہ شاہی طبیب سے دس قدم بڑھ کر فرعون کو ہٹا کر خود تخت پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں فوج کا سپہ سالار عشمون اُس کے ساتھ تھا۔ کاہن اعظم کو یہ گوارا تھا کہ اگر وہ خود فرعون کا تاج نہیں پہن سکتا تو سپہ سالار عشمون کو تاج پہنا کر تخت شاہی پر بیٹھا دے لیکن ہوتپ آمون کا تخت پر بیٹھنا کسی صورت گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

یہ اس کی موت تھی۔

کاہن اعظم حامون اُسی روز سپہ سالار سے ملنے اُس کے محل میں پہنچ گیا اور اُسے تمام
حالات سے آگاہ کیا۔ سپہ سالار نے ساری بات سُننے کے بعد کہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ فوج کی مدد سے فرعون کو قتل کر کے تختِ شاہی پر قبضہ کروں۔ اس
سے رعایا فوج سے اور ہم سے بدظن ہو جائے گی۔ تم لوگ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ اندر ہی
اندر کسی طرح فرعون کو موت کی نیند سلا دیا جائے۔ اس کے بعد میں سارے حالات
سنبھال لوں گا۔"

کاہن اعظم نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں کوئی تدبیر کرتا ہوں۔" کاہن اعظم
حامون گہری سوچ میں ڈوبا سپہ سالار عشمون کے محل سے ہیکل اعظم میں واپس آ گیا۔

✲

شاہی طبیب زوناش، کاہن اعظم حامون اور سپہ سالار عشمون کے درمیان اندر ہی
اندر جو سنگین سازش تیار ہو رہی تھی شعبان اس سے بالکل بے خبر تھا۔ وہ معمول کے فرائض
بڑی ذمہ داری سے ادا کر رہا تھا۔ روزانہ دن میں دو مرتبہ صبح شام ربِّ فرعون ہوتپ کو خود
کر دوائی پلاتا، ملکہ فرعون کی خدمت میں کچھ دیر کے لئے حاضر ہوتا اور اگر شہزادی سائنا
اُسے بلاتی تو اس کے ایوانِ خاص میں جاتا۔ اس دوران وقت نکال کر کنیز لائیکا بھی کبھی
کبھی اُس کے پاس آ جاتی اور دونوں کو ایک دوسرے سے پیار محبت کی باتیں کرنے کا
موقع مل جاتا۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔

ایک روز شعبان کا بڑا جی چاہا کہ وہ اپنے آبائی مکان پر جا کر کچھ وقت گزارے۔ اُسے
فراغت اور آزادی کے وہ دن بہت یاد آتے تھے جب وہ اپنے معمولی سے مکان میں اپنی
مرضی سے سوتا اور اپنی مرضی سے بیدار ہوتا تھا۔ سائنا اُس کے لئے روٹی اور مچھلی کا
ناشتہ لے کر آتی تھی۔ اُسے اپنا دوست طاغوت بھی بہت یاد آنے لگا تھا۔ کیا خبر وہ اُس کی
عدم موجودگی میں اُس کے مکان پر آیا ہو۔ چنانچہ ایک روز فرعون کو صبح کی دوائی پلانے کے
بعد اُس نے ملکہ سے اپنے آبائی مکان پر جانے کی اجازت لی اور گھوڑے پر سوار ہو کر
بستی کی طرف چل پڑا۔

اُس کا خیال تھا کہ اُس کا آبائی مکان ویران پڑا ہو گا۔ لیکن وہاں پہنچ کر اُس نے دیکھا
کہ مکان کا صحن ایسے صاف تھا جیسے کسی نے ابھی ابھی جھاڑو دیا ہو۔ صحن میں سائنا تخت پر
بیٹھی ٹوکری میں کنول کی کلیاں رکھے ان کے ہار پرو رہی تھی۔ شعبان صحن میں داخل ہوا تو
سائنا کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔ وہ کنول کی کلیوں کی ٹوکری وہیں چھوڑ کر دوڑ کر شعبان کے
پاس آئی اور بولی۔

"آج دیوتا مجھ پر بڑے مہربان ہیں کہ انہوں نے تمہیں میرے پاس بھیج دیا۔"

شعبان نے ہمیشہ سائنا کے ساتھ سرد مہری کا سلوک کیا تھا۔ کبھی سیدھے منہ اس سے
بات نہیں کی تھی۔ لیکن آج وہ اُسے بڑی اچھی لگ رہی تھی۔ آج اُس کی باتیں بھی اُسے
بڑی اچھی لگ رہی تھیں۔ شعبان نے شاید زندگی میں پہلی بار سائنا کو اپنے ساتھ لگا کر اُس
کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اس خوشگوار انقلاب پر سائنا حیران ہو کر رہ گئی۔ وہ زبان سے کچھ نہ
بولی اور اپنے سر کو شعبان کے سینے کے ساتھ لگائے رکھا۔

شعبان اُس سے الگ ہو کر اپنے کمرے میں گیا۔ اُس کے کمرے کی ہر شے بڑے
قرینے سے اپنی جگہ پر موجود تھی۔ تخت پوش کے بستر پر دُھلی ہوئی سفید چادر بچھی تھی۔ تپائی
پر ایک گلدان میں گلاب اور کنول کے کچھ پھول بھی سجے ہوئے تھے۔ سائنا اُس کے پیچھے
پیچھے آئی تھی۔ شعبان نے پوچھا۔

"میرے کمرے کی کون دیکھ بھال کرتا رہا ہے؟"

سائنا نے شرماتے ہوئے کہا۔ "میرے سوا تو یہاں کوئی نہیں ہے۔ اور پھر میں اس لئے
بھی تمہارے کمرے کو آراستہ رکھتی تھی کہ شاید کسی وقت تم اچانک آ جاؤ۔"

شعبان بولا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ میرے بستر پر گرد پڑی ہو گی۔ صحن بھی ویران ویران
لگ رہا ہو گا۔ لیکن تم نے تو کمال کر دیا۔"

سائنا نے کہا۔ "تم بیٹھو، میں تمہارے لئے ناشتہ لاتی ہوں۔"

شعبان نے اُسے روک دیا۔ "اس کی ضرورت نہیں۔ میں ناشتہ حویلی میں کر کے آ رہا
ہوں۔"

سائنا کا دل افسردہ ہو گیا۔ یہ افسردگی اُس کے چہرے پر بھی آ گئی۔ شعبان نے سائنا
کے چہرے کی افسردگی کو بالکل محسوس نہ کیا۔ بستر پر آرام سے نیم دراز ہو گیا۔ سائنا اُس

کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ شعبان نے پوچھا۔
"طاغوت تو نہیں آیا تھا؟"
سائنا بولی۔ "ایک دن دوپہر کے وقت آیا تھا۔ کہنے لگا، کیا شعبان اب شاہی محل م
ہی رہنے لگا ہے، اپنے مکان پر نہیں آتا؟ میں نے کہا۔ ابھی تک تو نہیں آیا۔ شاید اُ
اپنے آبائی مکان کی یاد آئے اور کسی روز آ جائے۔ کہنے لگا۔ اب اگر وہ آئے تو اُسے کہ
چاند کی ساتویں رات کو اپنے مکان پر میرا انتظار کرے۔"
شعبان اُٹھ کر بیٹھ گیا اور بڑے غور سے سائنا کی بات سن رہا تھا۔ کہنے لگا۔
"یہ کب کی بات ہے؟"
سائنا نے کہا۔ "تین روز پہلے آیا تھا وہ......"
شعبان نے حساب لگا کر کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ وہ دو روز بعد رات کو آئے گا
کیونکہ دو روز بعد چاند کی ساتویں رات ہوگی۔"
سائنا نے پوچھا۔ "کیا تم رات کے وقت شاہی محل سے نکل سکو گے؟"
شعبان بولا۔ "کیوں نہیں نکل سکوں گا۔ میں وہاں قید تو نہیں ہوں۔ جب اور جس
وقت چاہوں اپنے عزیزوں سے ملنے مکان پر آ سکتا ہوں۔ میں چاند کی ساتویں کو شام کے
وقت ہی آ جاؤں گا۔"
سائنا نے کہا۔ "طاغوت کچھ پریشان سا لگتا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ میرے پاس زیادہ وقت
نہیں ہے۔ بس تم شعبان کو میرا پیغام پہنچا دینا۔ پھر وہ زیادہ دیر بیٹھا بھی نہیں۔ طاغوت
آج کل کیا کرتا ہے؟"
طاغوت، سائنا اور شعبان تینوں بچپن کے ساتھی تھے۔ تینوں نے اپنا بچپن دریائے نیل
کے کنارے کھیلتے کودتے گزارا تھا۔ شعبان کو تو معلوم تھا کہ طاغوت کس قسم کے کام
ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ طاغوت کی اصل حیثیت سائنا کو بتائے۔ اُس نے جواب دیا۔
"تمہیں ایک بار بتایا تھا نا کہ وہ سوداگری کرتا ہے۔ تھوڑا بہت مال لے کر ایک ملک
سے دوسرے ملک جاتا ہے۔ جب کبھی اس کا قافلہ ادھر سے گزرے اور یہاں قیام کرے
مجھ سے ملنے آ جاتا ہے۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے قافلے یہاں زیادہ دیر نہیں رُکتے۔ بس آ
ہیں، کارواں سرائے میں کچھ سامان اتارتے ہیں، دوسرا سامان لادتے ہیں اور آگے

دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے طاغوت جلدی میں ہوگا۔"
تھوڑی دیر تک شعبان اپنے کمرے میں بیٹھا سائنا سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ پھر
اٹھا اور بولا۔ "میں کچھ دیر دریا کنارے گھومنا چاہتا ہوں۔"
شعبان کمرے سے باہر آ گیا۔ سائنا نے کہا۔ "واپسی پر مل کر جانا۔ ادھر سے ہی محل کو
نہ چل دینا۔"
شعبان نے صحن میں سے گزرتے ہوئے کہا۔ "مل کر جاؤں گا۔"
مکان کے باہر اُس کا گھوڑا کھڑا تھا۔ اُس نے گھوڑے کو وہیں چھوڑا اور پیدل ہی دریا
کی طرف چل دیا۔ دریائے نیل خاموشی اور سکون کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ سورج کی کرنیں
اس کی سطح کو چمکا رہی تھیں۔ ہوا کے جھونکوں میں دریا کے کنارے اُگے ہوئے سرکنڈوں کی
خوشبو رچی ہوئی تھی۔ شعبان کو یوں لگا جیسے وہ کسی قید خانے سے نکل کر کھلی آزاد فضا میں آ
گیا ہو۔ دریا کنارے ٹہلتا ہوا وہ دُور تک نکل گیا۔ دریا پر ماہی گیروں کی بادبانی کشتیاں
کہیں کہیں تیرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ کھجوروں کی شاخیں ہوا کا ذرا تیز جھونکا آتا تو
لہرانے لگتیں۔ شعبان ایک جگہ دریا کنارے بیٹھ گیا۔ اُسے اپنا بچپن یاد آنے لگا جب وہ اور
طاغوت دریا کنارے کھیلا کرتے تھے۔ اچانک اُس کے ذہن میں ایک اور خیال اپنے
آپ بیدار ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ اُس کے ماں باپ نے یا ماں نے یا باپ نے جب وہ
شاید تین یا چار دن کا ہوگا چھوٹی سی ٹوکری یا کشتی میں ڈال کر اُسے اسی دریا کی موجوں کے
سپرد کر دیا تھا اور یہیں کسی جگہ ایک سنگتراش اُسے ٹوکری میں سے نکال کر اپنے گھر لے گیا
تھا اور پھر اس نے اس کا نام شعبان رکھا اور اسے اپنا حقیقی بیٹا سمجھ کر پال پوس کر جوان کیا۔
کتنے سنگدل تھے اُس کے ماں باپ۔ ایسی کون سی آفت ٹوٹ پڑی تھی ان پر کہ وہ اپنے
جگر کے ٹکڑے کو دریا کی موجوں کے سپرد کرنے پر مجبور ہو گئے۔ شعبان اپنے خیالات میں
دیر تک ڈوبا رہا۔
ایک بجرا دریا میں تیرتا ہوا اُس کے سامنے سے گزرا۔ اس میں کچھ لڑکیاں دفیں بجا کر
کوئی گیت گا رہی تھیں۔ شعبان کے افسردہ تصورات کا سلسلہ ان کی آوازوں سے ٹوٹ
گیا۔ وہ اٹھا اور سر جھکائے خاموشی سے واپس چل پڑا۔
جس وقت شعبان سائنا کو الوداع کہہ کر اپنے مکان سے شاہی محل کی طرف چلا تو اسے

معلوم نہ تھا کہ ایک آدمی کھجور کے درخت کی اوٹ میں چھپا اسے دیکھ رہا ہے۔ شعبان کا گھوڑا جب کافی آگے نکل گیا تو وہ آدمی بھی اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور شاہی محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ یہ آدمی کاہن حامون کا خاص جاسوس تھا جس نے پہلا کام یہ کیا تھا کہ اپنے خاص جاسوس کو صبح و شام شعبان کی نگرانی پر لگا دیا تھا۔ اس کا کام یہ معلوم کرتے رہنا اور کاہن حامون کو آکر بتاتا تھا کہ شعبان کہاں گیا تھا اور کس کس سے ملا تھا۔

شعبان محل کی چار دیواری میں پہنچ کر اپنی حویلی کی طرف چلا گیا اور اس کا پیچھا کرنے والا آدمی سیدھا ہیکل اعظم آ گیا۔ اُس نے کاہن حامون کو بتایا کہ شعبان اپنے پرانے مکان پر گیا تھا وہاں اُسے ایک لڑکی ملی تھی۔ اس کے بعد وہ دریا کنارے کچھ دیر بیٹھا رہا اور وہاں سے محل میں واپس آ گیا۔

کاہن اعظم نے اپنے خاص جاسوس سے کہا۔ "ٹھیک ہے، اس کی نگرانی جاری رکھو۔"

دو دن بعد چاند کی ساتویں تاریخ تھی۔

اُس روز شعبان نے اپنے بچپن کے دوست طاغوت سے ملنے جانا تھا۔ اُس نے ایک خالہ کی بیماری کا بہانہ بنایا اور سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے ہی اپنے پرانے مکان پر آ گیا۔ کاہن اعظم کا جاسوس برابر اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ بھی مکان کے ایک طرف چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب رات ہوگئی تو سائنا شعبان کے لئے کھانا بنا کر لے آئی۔ اُس نے کھانا کھایا اور سائنا کو شاہی محل کی باتیں سنانے لگا جسے وہ بڑی دلچسپی سے سنتی رہی۔ کہنے لگی۔

"معلوم ہوتا ہے تمہارا دل شاہی محل میں لگ گیا ہے۔"

شعبان بولا۔ "جی لگا تو نہیں لیکن لگانا پڑ گیا ہے۔ کئی بار جی میں آتا ہے کہ محل سے بھاگ کر اپنے مکان میں آ جاؤں مگر اب ایسا کر نہیں سکتا۔ کانٹوں کا ہار گلے میں ڈال لیا ہے جسے اتار نہیں سکتا، گلے میں پہنے رکھنے پر مجبور ہوں۔"

"اس قسم کی باتیں سوچنا بند کر دو۔" سائنا نے شعبان کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "دیوتاؤں کی مہربانی سے تمہیں ایک ایسا عہدہ ملا ہے جس کے لئے لوگ ترستے ہیں۔ دیکھ لینا تم ایک دن شاہی وزیر بن جاؤ گے۔"

شعبان نے پلٹ کر سائنا کی طرف دیکھا اور سخت لہجے میں بولا۔ "تو کیا تم یہ چاہ

یا اپنے گھر سے دور رہوں؟ تمہیں کبھی اپنی شکل نہ دکھاؤں؟"

سائنا سہم گئی۔ کہنے لگی۔ "میں نے ایسا کب کہا کہ میں تمہیں دیکھنا نہیں چاہتی؟ میں تو چاہتی ہوں کہ تم ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہو اور میں صبح شام تمہاری خدمت کرتی رہوں، تمہیں دیکھتی رہوں۔"

شعبان کو غصہ آ گیا تھا۔ اُس نے مزید دو ایک نوالے زہر مار کئے اور چنگیر پیچھے سرکا کر بولا۔ "لے جاؤ اسے۔ جتنا مجھے کھانا تھا، کھا لیا۔"

سائنا نے معذرت کے ساتھ کچھ کہنا چاہا تو شعبان نے اُسے جھڑک دیا۔ سائنا آنکھوں میں آنسو لئے کھانے کے برتن وغیرہ اٹھا کر چلی گئی۔ حقیقت یہ تھی کہ شعبان نے ساری عمر چھوٹے سے مکان کے آس پاس سادہ اور پُرسکون ماحول میں پرورش پائی تھی۔ فرعون کا طبیب خاص مقرر ہونے کے بعد وہ یک لخت شاہی محلات کے وسیع و عریض اور کشادہ ایوانوں میں پہنچ گیا تھا جہاں کوئی بھی ایک دوسرے سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ ہر کسی پر ایک دباؤ سا پڑا ہوا تھا۔ ہر کوئی ایک دوسرے کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ چنانچہ شعبان شدید گھٹن اور تنہائی کے احساس سے دوچار تھا اور چاہتا تھا کہ اُس کا کوئی راز دار ساتھی جو اُس کے مزاج سے واقف ہو اس سے کہے کہ شاہی محل کو چھوڑ کر اپنے مکان والی غریبانہ زندگی میں واپس آ جاؤ۔ خواہ وہ اس کے مشورے پر عمل نہ کرے لیکن کوئی یہ بات اُسے کہے تو سہی۔ سائنا ہی اُس کی ایک بچپن کی ساتھی پیچھے رہ گئی تھی اور وہ بھی اُلٹا اُسے ہر بار یہی کہتی تھی کہ دیکھنا شاہی محل کو نہ چھوڑنا۔ وہیں جم کر بیٹھے رہنا۔ چنانچہ وہ غصے میں آ گیا تھا اور اُس نے سائنا کو سختی سے ڈانٹ دیا تھا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ سائنا کے مکان پر جا کر اُس سے اپنے درشت لہجے اور نازیبا سلوک کی معافی مانگتا۔ لیکن وہ نہ گیا۔ یہ بات اُس کے مزاج کے خلاف تھی۔ وہ کسی سے معافی نہیں مانگ سکتا تھا۔ شاید یہ اُس کے شاہی خون کا اثر تھا۔ آخر وہ فرعونِ مصر کا پوتا تھا۔ اگرچہ وہ اس حقیقت سے ابھی تک بے خبر تھا۔

بچپن میں ایک بار جب دریا میں نہانے کے واسطے شعبان نے کرتہ اتارا تھا تو اس کے دوست طاغوت نے شعبان کے بازو پر کنول پھول کی شکل کا بنا ہوا نشان دیکھ کر پوچھا تھا کہ یہ تم نے کہاں سے بنوایا؟ جس پر شعبان نے کہا تھا کہ یہ چاند گرہن کا پیدائشی نشان ہے۔ شعبان کے ماں باپ نے اُسے یہی بتایا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں ہی لیٹا رہا۔ اُسے طاغوت کا انتظار تھا اس لئے شعبان نے سو
کی کوشش نہ کی۔ جب رات ذرا گہری ہوئی تو کسی نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔
شعبان نے جلدی سے اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ طاغوت نے اندر آتے ہی شعبان کو گلے
لیا اور مبارکباد دی۔

''یار تم نے چپکے چپکے اتنا اونچا عہدہ حاصل کر لیا اور ہمیں بتایا تک نہیں۔''

شعبان بولا۔ ''تم سے ملاقات ہوتی تو بتاتا۔''

طاغوت بولا۔

''میں تو دو بار آیا تھا۔ سائنا نے بتایا کہ تم اب شاہی محل میں ہی رہنے لگے ہو۔''

دونوں دوست تخت پوش پر بیٹھ گئے۔ شعبان کہنے لگا۔ ''شاہی محل میں رہنے تو ضرور لگا
ہوں مگر سچ پوچھو تو میرا وہاں ایک پل کے لئے بھی جی نہیں لگا۔''

طاغوت نے شعبان کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''کیا بیوقوفوں والی باتیں کرتے
ہو۔ خبردار اگر تم نے شاہی محل کو چھوڑا۔ دیوتا آمون ہر کسی کو ایسے سنہری موقع نہیں دیا
کرتا۔ تم تو خوش قسمت ہو۔''

شعبان نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔

''میں دیوتا آمون اور سارے دیوتاؤں کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس اونچے
مرتبے پر پہنچایا لیکن میرے اس عہدے سے شاہی محل کے بعض لوگ در پردہ مجھ سے دشمنی
کرنے لگے ہیں۔ خاص طور پر شاہی طبیب زوناش۔''

''وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' طاغوت بولا۔ ''تم ربّ فرعون کے خاص طبیب ہو۔
زوناش تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔''

شعبان نے کہا۔ ''تم شاہی محل کی فضا کو نہیں جانتے۔ وہاں لوگ اوپر سے ایک
دوسرے کو بڑے اخلاق اور محبت سے ملتے ہیں لیکن اندر ہی اندر ایک دوسرے کی جڑیں
کاٹنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ شاہی طبیب کو بڑا قلق ہے کہ وہ میری وجہ سے اپنے عہدے
اور ربّ فرعون کی قربت سے محروم ہو گیا ہے۔ اوپر اوپر سے تو وہ مجھے بڑے خلوص اور
شفقت سے ملتا ہے لیکن میں جانتا ہوں اندر ہی اندر وہ مجھے اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا
ہے۔ مجھے اس سے خطرہ ہے۔ وہ مجھے نقصان پہنچانے کی ضرور کوشش کرے گا۔''

طاغوت نے شعبان کے بازو کو پکڑ کر اسے زور سے ہلایا اور کہا۔ ''دنیا میں کسی کی مجال
نہیں کہ وہ میرے جگری دوست شعبان کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔ میں تمہاری طرف میلی آنکھ
سے دیکھنے والے کی آنکھیں نکال دوں گا۔ ابھی میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں اپنا خفیہ ٹھکانہ
دکھا دیتا ہوں۔ اگر تم شاہی طبیب کی طرف سے زیادہ خطرہ محسوس کرو تو فوراً مجھے آ کر خبر کر
دینا۔ تم دیکھ لو گے کہ میں تمہارے شاہی طبیب کا کیا حشر کرتا ہوں۔''

شعبان کو کافی حوصلہ ہو گیا۔ کہنے لگا۔ ''میرا خیال ہے اس کی نوبت نہیں آئے گی۔''

طاغوت نے کہا۔ ''پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ چل کر میرا خفیہ ٹھکانہ دیکھ
آؤ۔ حالات ایک پل میں بدل سکتے ہیں۔ تمہیں کسی بھی وقت میری ضرورت پڑ سکتی ہے۔
چلو اٹھو، میرے ساتھ چلو۔''

شعبان جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ آرام کرنا چاہتا تھا لیکن طاغوت نے اُسے زبردستی اٹھا
کر اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر دیا۔ شعبان نے صحن میں بندھے ہوئے گھوڑے پر زین کسی
اور اس پر سوار ہو گیا۔ طاغوت بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور دونوں دوست صحن کے
صدر دروازے سے نکل کر ایک طرف چل پڑے۔ جیسے ہی وہ کچھ فاصلے پر گئے، کھجور کے
درخت کے پیچھے چھپ کر بیٹھا کاہن حامون کا جاسوس اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنے گھوڑے پر
بیٹھا اور شعبان اور طاغوت کا تعاقب کرنے لگا۔

دونوں دوست رات کے اندھیرے اور ستاروں کی پھیکی روشنی میں گھوڑے دوڑاتے
قدیم مصر کے دارالحکومت تھیبز کو پیچھے چھوڑ کر کافی آگے نکل گئے تھے۔ کاہن حامون کا
آدمی برابر کچھ فاصلہ ڈال کر ان کا پیچھا کر رہا تھا۔ طاغوت کا خفیہ ٹھکانہ وہاں سے آگے
ویران اور سنگلاخ ٹیلوں کے اندر ایک زمین دوز غار میں تھا۔ غار کے دہانے تک پہنچنے کے
لئے ٹیلوں کے درمیان کئی دروں اور تنگ راستوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ سنگلاخ ٹیلوں میں
پہنچ کر طاغوت اور شعبان گھوڑوں سے اتر پڑے اور گھوڑوں کی باگیں تھامے پیدل ہی
ٹیلوں کے درّوں میں سے گزرنے لگے۔ ان کا پیچھا کرتا کاہن حامون کا جاسوس بھی
گھوڑے سے اتر گیا تھا۔ اُس نے گھوڑا ایک جگہ باندھا اور وہ بھی پیدل ہی دونوں کا پیچھا
کرنے لگا۔ یہ راستہ کیا تھا بھول بھلیاں تھیں۔ وہاں تو لوگ دن کے وقت راستہ بھول
جاتے تھے۔ رات کے وقت تو وہاں کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ طاغوت تو ان پہاڑی درّوں کے

چپے چپے سے واقف تھا۔ وہ آسانی سے شعبان کو اپنے زمین دوز ٹھکانے پر لے گیا تو
کاہن کا سراغ رساں بھٹک گیا۔ اُس نے آگے کیا جانا تھا اُسے پیچھے جانے کا بھی راستہ
نہیں مل رہا تھا۔ بڑی مشکل سے وہ ان بھول بھلیوں سے نکل کر اس مقام پر پہنچا جہاں اُس
نے گھوڑا کھڑا کیا تھا۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور مایوسی کے عالم میں واپس چل دیا۔

ان سنگلاخ ٹیلوں کے اندر ایک قدرتی غار بنا ہوا تھا۔ اس غار کے ایک تنگ حجرے
میں چراغ روشن تھا۔ طاغوت اور شعبان دونوں وہاں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ دونوں
فرعون کے محل کے سازشی ماحول کے بارے میں ہی گفتگو کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد
شعبان اٹھ کھڑا ہوا۔ ”اب میں چلتا ہوں۔“

”تم یہ جگہ بھول تو نہیں جاؤ گے؟“ طاغوت نے پوچھا۔

شعبان بولا۔ ”میں نے ایک نشانی یاد رکھ لی ہے۔ مجھے آنا پڑا تو یہاں پہنچ جاؤں گا۔“

طاغوت اپنے دوست کو چھوڑنے باہر تک آیا۔ شعبان نے طاغوت کو الوداع کہا اور
واپس روانہ ہو گیا۔ جو نشانی اُس نے ذہن میں محفوظ کی تھی وہ طاغوت کے خفیہ غار کی
طرف جانے والے تنگ پہاڑی راستے کے موڑ پر باہر کو نکلی ہوئی چٹان کی ایک تکون تھی۔
پہاڑی درّوں کی بھول بھلیوں سے نکل کر شعبان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اپنے مکان کی
جانب چل پڑا۔

کاہن اعظم حامون کے سراغ رساں نے حامون کے ہیکل میں پہنچ کر اُسے اپنی
کارگزاری سے آگاہ کیا اور کہا۔

”شعبان کے مکان پر ایک آدمی اُسے رات کے وقت ملنے آیا تھا جو اُسے بھوری
سنگلاخ پہاڑیوں میں لے گیا۔ میں ان کے پیچھے پیچھے رہا۔ لیکن میری بد قسمتی سے وہ لوگ
رات کے اندھیرے میں ٹیلوں کی بھول بھلیوں میں کہیں غائب ہو گئے۔“

کاہن حامون نے سراغ رساں سے پوچھا۔ ”جو اجنبی شعبان کو گھر سے لینے آیا تھا تم
نے اُس کی شکل دیکھی تھی؟“

سراغ رساں بولا۔ ”لمبے قد کا چوڑا چکلا آدمی تھا۔ اندھیرے میں، میں اُس کی پوری
شکل نہیں دیکھ سکا۔“

کاہن حامون بولا۔ ”شعبان کی نگرانی کرتے رہو۔ اگر اب وہ ٹیلوں کی طرف جائے

پتہ لگا کر آنا کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ اب جاؤ۔“

سراغ رساں نے جھک کر کاہن اعظم کی عبا کو بوسہ دیا اور واپس مڑ گیا۔

اُدھر شاہی طبیب زوناش ایک ایسی ذہنی اذیت میں مبتلا تھا جس سے اُسے کسی کل
چین نہیں پڑ رہا تھا۔ جب وہ یہ دیکھتا کہ اس کے دشمن کو فرعون ہوتپ کا روز بروز زیادہ سے
زیادہ قرب حاصل ہو رہا ہے اور فرعون اس پر سب سے بڑھ کر بھروسہ کرنے لگا ہے، وہ صبح
و شام دونوں وقت فرعون کو اپنے ہاتھ سے دوا پلاتا ہے تو احساسِ شکست سے اُس کے سینے
پر سانپ لوٹنے لگتے۔ وہ بستر پر لیٹا لیٹا اُٹھ کر بیٹھ جاتا۔ فرعون نے زوناش کو شاہی طبیب
کے اعزاز سے محروم نہیں کیا تھا۔ وہ شاہی طبیب ضرور تھا، محل کی شاہی حویلی میں ہی رہتا
تھا۔ لیکن وہ نہ صرف فرعون ہوتپ کے شاہی قرب سے محروم ہو گیا تھا بلکہ فرعون کے حکم
سے اُسے شاہی خاندان کے کسی بھی فرد کا علاج کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ زوناش کے
لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی ذلت نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ دن رات شعبان کو اپنے راستے سے
ہٹانے کی فکر میں تھا مگر اُسے کوئی تدبیر سجھائی نہیں دے رہی تھی۔

دوسری طرف ہیکل اعظم کا کاہن حامون بھی فرعون کی صحت یابی اور اس کی بہتر سے
بہتر ہوتی صحت سے پریشان تھا اور جلد سے جلد اس سے چھٹکارا حاصل کر کے تخت شاہی
پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ فوج کے سپہ سالار سے اُس نے ساری ساز باز کر رکھی تھی۔ اس کے
سر پر یہ خیال تلوار بن کر لٹک رہا تھا کہ اگر فرعون ہوتپ کے بعد بے دین اور دیوتاؤں کی
رسوم و روایات کا دشمن بیٹا ہوتپ آتون تخت نشین ہو گیا تو ہیکل اعظم کے نام کی گئی ساری
جاگیریں ضبط کر لی جائیں گی۔ کاہن حامون نے جتنی دولت جمع کر رکھی ہے وہ ساری کی
ساری سرکاری خزانے میں جمع ہو جائے گی اور وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہو جائے گا۔ شاہی
طبیب زوناش اور کاہن حامون دونوں شام کے وقت ہیکل اعظم کے خاص حجرے میں
ملتے اور اس سنگین مسئلے کا کوئی حل تلاش کرنے کی تگ و دو میں لگے رہتے۔ لیکن انہیں کوئی
راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

ایک رات شاہی طبیب زوناش اپنی حویلی کی خواب گاہ میں لیٹا اسی اُلجھن کو سلجھانے
کی کوشش کر رہا تھا کہ ایک خیال بجلی کی چمک کی طرح اچانک اس کے دماغ میں آ گیا۔ وہ
جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اُٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ وہ خیال جو اُس کے دماغ میں

اچانک آ گیا تھا، ایک ترکیب تھی۔ اس ترکیب پر عمل کر کے وہ نہ صرف اپنے دشمن طبیب شعبان سے چھٹکارا پا سکتا تھا بلکہ فرعون ہوتپ سے بھی نجات حاصل کر سکتا تھا۔ وہ ایک تیر سے دو شکار مار سکتا تھا۔ زوناش سے ایک پل بھی نہ رہا گیا۔ اسی وقت وہ پالکی میں سوار ہوا اور کاہن حامون کو خوشخبری سنانے ہیکل اعظم میں اس کے حجرے میں پہنچ گیا۔ آدھی رات کو اچانک زوناش کو اپنے سامنے دیکھ کر کاہن حامون کو تعجب ہوا۔ اُس نے پوچھا۔

''تم کچھ گھبرائے ہوئے ہو۔ کیا بات ہے؟''

شاہی طبیب بولا۔ ''یہ خوشی کی گھبراہٹ ہے کاہن اعظم۔''

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔ کھل کر بات کرو۔'' کاہن حامون نے کہا۔

وہ دونوں کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ کاہن حامون نے پوچھا۔ ''اب بتاؤ۔ ایسی خوشی کی بات کون سی ہے جو تم سے برداشت نہیں ہو رہی؟''

زوناش ذرا آگے کو ہو گیا اور دھیمی آواز میں بولا۔ ''جس مسئلے نے ہمیں کئی روز سے پریشان کر رکھا ہے اس کے حل کی ایک ترکیب میرے ذہن میں آ گئی ہے۔''

کاہن حامون کچھ نہ بولا۔ وہ زوناش کو ٹکٹکی باندھے بڑے سکون کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''اصل بات بیان کرو۔''

شاہی طبیب زوناش نے مدھم آواز اور رازدارانہ لہجے میں جو ترکیب اُس کے ذہن میں آئی تھی وہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دی۔ کاہن حامون بڑی توجہ سے سنتا رہا۔ جب زوناش اپنی بات کہہ چکا تو حامون کچھ دیر چپ رہا، پھر بولا۔

''یہ ایک بڑی خطرناک ترکیب ہے۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ تم اس پر پوری رازداری کے ساتھ عمل کر سکو گے؟''

شاہی طبیب نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا۔

''میں طبیب ہوں اور تجربہ کار طبیب ہوں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی اور ہم اپنا مقصد حاصل کر لیں گے۔''

کاہن حامون نے کہا۔ ''ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا، یہ راز صرف ہم دونوں تک ہی محدود رہنا چاہئے۔ کسی تیسرے کے کان میں اس کی بھنک تک نہیں پڑنی چاہئے۔''

''کاہن اعظم! آپ اس کی فکر نہ کریں۔'' زوناش بولا۔ ''یہ کام اتنی رازداری سے ہو گا

کہ شاہی محل کا بڑے سے بڑا جاسوس بھی اس کا سراغ نہ لگا سکے گا۔''

''ٹھیک ہے......'' کاہن حامون نے اپنی زرد عبا کو اپنے کاندھے پر ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ ''اب تم جاؤ اور اس منصوبے پر مزید غور و فکر کرو۔ کل اسی وقت میرے حجرے میں آ کر مجھے اپنے حتمی فیصلے سے آگاہ کرنا۔''

شاہی طبیب نے سر ہلا کر کہا۔ ''جیسا آپ کا حکم کاہن اعظم! آپ کی اگر یہی خواہش ہے تو میں اپنے منصوبے پر ایک بار پھر غور کر لیتا ہوں۔ اب اجازت دیں۔ کل اسی وقت حاضر ہوں گا۔''

وہ اُٹھ کر جانے لگا تو کاہن حامون بولا۔

''اس دوران شعبان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنا۔ اُسے یہ تاثر ہرگز نہیں ملنا چاہئے کہ تم اس کو اپنا دشمن سمجھتے ہو۔''

''میں آپ کی ہدایت کے مطابق عمل کروں گا کاہن اعظم۔'' زوناش نے جھک کر کاہن حامون کی تعظیم کی اور حجرے سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد کاہن اعظم حامون گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ شاہی طبیب زوناش نے جو منصوبہ پیش کیا تھا وہ کاہن حامون کے دل کو لگا تھا۔ یہ بڑی کارگر ترکیب تھی اور اس منصوبے کی کامیابی کا اسے سو فیصد یقین تھا۔ لیکن اس میں یہ ایک خطرہ ضرور موجود تھا کہ اگر کسی کو ذرا سا بھی شک پڑ جاتا ہے تو پھر کاہن حامون، شاہی طبیب زوناش اور سپہ سالار عشمون اپنے آپ کو پھانسی کے پھندے سے نہیں بچا سکیں گے۔

زوناش کو اپنے منصوبے پر مزید سوچ بچار کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ سارے کا سارا منصوبہ پوری جزئیات کے ساتھ اُس کے سامنے تھا۔ وہ اس کے ہر پہلو پر غور و فکر کر چکا تھا۔ اب صرف منصوبے پر عمل کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ وہ بڑے اطمینان سے اپنی خواب گاہ میں آ کر سو گیا۔ دوسرے دن وہ ایوانِ شاہی کے دالان میں سے گزر رہا تھا کہ اُس کی نگاہ اپنے دشمن نوجوان طبیب شعبان پر پڑی۔ وہ کاندھے پر دواؤں کا تھیلا لٹکائے محل کے خاص اہل کاروں کی معیت میں فرعون ہوتپ کی خواب گاہ کی طرف جا رہا تھا۔ زوناش سمجھ گیا کہ شعبان معمول کے مطابق فرعون کو اپنے ہاتھ سے دوا پلانے جا رہا ہے۔ خوش اخلاقی کے نمائشی مظاہرے کا یہ بڑا اچھا موقع تھا۔ شاہی طبیب نے آگے بڑھ کر

شعبان کو بڑی گرمجوشی سے اپنے گلے لگایا اور کہا۔
"شعبان! مجھے بڑی خوشی ہے کہ تمہارے علاج سے ربّ فرعون کو صحت ملی۔ تم میرے بچوں کی طرح ہو۔ ایسا خیال بھی دل میں نہ لانا کہ میں تم سے ناخوش ہوں۔"
شعبان کو شاہی طبیب سے اس قسم کے سلوک کی توقع نہیں تھی۔ وہ سادہ دل سچا انسا(ن) تھا۔ شاہی طبیب کے جھوٹ کو بھی اُس نے سچ سمجھا اور بولا۔
"آپ ہمارے بزرگ ہیں، استاد ہیں۔ میں بھلا ایسا خیال دل میں لا سکتا ہوں؟"
شاہی طبیب نے شعبان کے کندھے پر تھپکی دی اور کہا۔
"مجھے تم سے یہی توقع تھی۔ مجھ سے اگر کسی قسم کے مشورے کی ضرورت محسوس کر(و) میں تمہاری ہر قسم کی مدد کے لئے حاضر ہوں۔"
شعبان احسان مند نظروں سے زوناش کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ میرے لئے ایک بڑا اعزاز ہے۔ میں آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔"
شعبان شاہی اہلکاروں کے ساتھ آگے بڑھ گیا اور شاہی طبیب شعبان کے خلاف اپ(نے) خطرناک منصوبے پر غور و فکر کرتا اپنی حویلی میں آ گیا۔ وہ جتنا غور و فکر کرتا، اس کا دل اُ(سے) یہی گواہی دیتا کہ اس کا منصوبہ تیر بہدف ثابت ہوگا۔ رات کو کاہن اعظم نے اُسے بلایا (تو) وہ اُس سے ملنے ہیکل اعظم پہنچا۔ کاہن اعظم حامون اس کا منتظر تھا۔ اُس نے پوچھا۔
"زوناش! تم نے اپنے منصوبے کے ہر پہلو پر اچھی طرح سے سوچ بچار کر لیا؟"
زوناش نے جواب دیا۔ "میں نے اچھی طرح سے مزید سوچ بچار کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس سے زیادہ کارگر ترکیب اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ جس سے سانپ بھی م(ر) جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"
کاہن بولا۔ "اچھی بات ہے۔ تم اس پر عمل شروع کر دو۔ میں نے سپہ سالار عشمون (کو) بلوا کر اس سے بات کی تھی۔"
"پھر کیا کہا عشمون نے؟" زوناش نے پوچھا۔
حامون کہنے لگا۔ "اس کا کہنا ہے کہ ہمیں جلد از جلد اس پر عمل کر دینا چاہئے۔ لیکن ا(س) بات کی اُس نے بھی سختی سے تاکید کی ہے کہ یہ راز کسی اور شخص کو معلوم نہیں ہونا چاہئے۔"
زوناش بولا۔ "کوئی اور شخص تو کیا یہ راز تو دیوتاؤں سے بھی پوشیدہ رہے گا جن کو

بات کا علم ہوتا ہے۔"
کاہن حامون مطمئن ہو گیا۔ کہنے لگا۔ "یاد رکھو، ہمارے منصوبے کی رازداری ہی اس کی کامیابی کی ضامن ہے۔ اب تم جا کر اس پر اپنا عمل شروع کرو۔"
شاہی طبیب اپنی حویلی میں آ گیا۔ وہ جدی پشتی طبیب تھا اور ہر قسم کی مفید اور غیر مفید جڑی بوٹیوں سے واقف تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ کون سی جڑی بوٹی کون سے مرض کی دوا ہے اور کون سی جڑی بوٹی میں زہر ہلاہل کی تاثیر ہے۔ وہ مختلف زہروں سے بھی شناسا تھا کہ کون سا زہر دینے سے دشمن پہلے بیمار پڑتا ہے، اس کا وزن کم ہونا شروع ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ موت کے منہ میں پہنچ جاتا ہے۔ کون سا ایسا زہر ہے جو جسم کے اندر جاتے ہی انسان کے اعصاب کو فوراً مفلوج کر دیتا ہے اور اسی لمحے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ زہر سب سے زیادہ سریع الاثر اور قاتل زہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ زہر دریائے نیل کی دلدلوں میں پائے جانے والے کالے ناگ کے زہر میں دو تین جڑی بوٹیوں کا عرق ملا کر تیار کیا جاتا تھا۔ دوسرے زہروں کے اثرات فوراً ظاہر ہو جاتے تھے مثلاً جسم پھٹنے لگتا تھا، جسم سیاہ پڑ جاتا تھا، جسم گلنے لگتا تھا اور پتہ چل جاتا تھا کہ مرنے والے کو زہر دیا گیا ہے۔ لیکن کالے ناگ کے زہر میں خاص جڑی بوٹیوں کا سفوف ملانے سے جو زہر تیار ہوتا تھا اس کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ بڑے سے بڑا طبیب بھی معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ مرنے والے کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے۔
شاہی طبیب کو خاص جڑی بوٹیوں کی تلاش میں تین دن تک صحرائی ٹیلوں اور جنگل میں بھٹکنا پڑا تب کہیں جا کر اُسے وہ تینوں خاص بوٹیاں مل گئیں۔ اس کے بعد دریائے نیل کے دلدلی ساحل پر جا کر اُس نے کافی تگ و دو کے بعد ایک سیاہ ناگ کو پکڑ کر وہیں اُس کا زہر نکالا۔ زہر اس طرح سے نکالا کہ اوپر سے تنگ منہ والی پتھر کی بوتل پر باریک کپڑا کس کر لپیٹ دیا۔ سانپ کو گردن سے پکڑ کر اس کا منہ بوتل پر رکھ دیا۔ سانپ نے گھبرا کر بوتل کے کپڑے کو ڈسا۔ اس کے زہر خارج کرنے والے دونوں اوپر کے دانت باریک کپڑے میں دھنس گئے اور ان سے زہر کے قطرے بوتل میں ٹپکتے چلے گئے۔ اس طرح شاہی طبیب نے کالے ناگ کا زہر حاصل کر لیا۔ زہر نکالنے کے بعد کالے ناگ کو دلدل ہی میں چھوڑ دیا گیا۔

اپنی شاہی حویلی میں طبیب زوناش نے چھوٹی سی لیبارٹری بنا رکھی تھی جہاں وہ مختلف امراض کے علاج کے واسطے دوائیاں تیار کرتا تھا۔ لیبارٹری میں آ کر اُس نے دروازے اندر سے مقفل کر دیا اور کالے ناگ کے زہریلے قطروں اور جڑی بوٹیوں کی مدد سے خاص زہر تیار کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اُسے سارا دن لگ گیا۔ شام کو جا کر زہر تیار ہو گیا۔ اُس نے زہر کی چھوٹی سی پتھر کی بوتل چھپا کر ایک طاق کے نچلے خانے میں رکھ دی۔ اس کے منصوبے کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا تھا۔ اب اس کا دوسرا، آخری اور سب سے خطرناک مرحلہ شروع ہونے والا تھا۔

شاہی طبیب بھی فرعون کے محل میں رہتا تھا اور شعبان بھی اسی محل میں رہائش پذیر تھا۔ شاہی طبیب کو معلوم تھا کہ شعبان دن میں دو بار فرعون ہوتپ کو دوا پلانے اُس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور اپنی حویلی میں کس وقت آتا ہے اور حویلی میں کتنی دیر رہتا ہے اور وہاں اس دوران اس کے معمولات کیا ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ دوپہر کے کھانے کے بعد شعبان اپنی خواب گاہ میں گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے لئے سو جاتا ہے اور اس دوران حویلی کی کنیزیں اور غلام خاص ضرغام بھی اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں آرام کر رہے ہوتے ہیں۔ زوناش کو شعبان کی شاہی حویلی کا سارا حدود اربعہ معلوم تھا۔ زوناش جس شاہی حویلی میں رہتا تھا اس کا نقشہ بھی ہو بہو شعبان کی شاہی حویلی کی طرح تھا۔ چنانچہ اُسے یہ معلوم تھا کہ شعبان کی حویلی میں وہ کمرہ کس طرف واقع ہے جہاں وہ اپنی دوائیاں، جڑی بوٹیاں دواؤں کے محلول کی بوتلیں اور خاص طور پر اپنا دواؤں والا تھیلا رکھتا ہے۔ اس تھیلے میں تین دواؤں کی بوتلیں ہوتی تھیں۔ ان میں سے ایک میں بے ہوش مریض کو فوری طور ہوش میں لانے والی دوا تھی۔ ایک میں زخم پر لگانے والا مرہم تھا اور تیسری شیشی میں خاص قوت بخش دوا تھی جو مرض دور ہو جانے کے بعد مریض کو کچھ دنوں تک اس غرض سے دی جاتی ہے کہ بیماری کی وجہ سے اُس کے کمزور پڑ چکے جسم کی طاقت پھر سے بحال ہو سکے۔

یہ تیسری شیشی سبز پتھر کی بنی ہوئی تھی اور اس پر نسواری رنگ کا ڈاٹ لگا ہوا تھا۔ ڈاٹ دریائے نیل کے کنارے اُگنے والے سرکنڈے کو چھیل کر اس کے گودے کو خشک کر کے تیار کیا گیا تھا۔ یہ بڑی قیمتی دوائی تھی اور اس میں مرجان اور موتیوں کے کشتے کے اجزا

شامل تھے۔ طبیب ہونے کی وجہ سے زوناش اس دوائی کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہی وہ طاقت بخش دوا تھی جو روزانہ صبح اور شام کے وقت شعبان فرعون ہوتپ کی خواب گاہ میں جا کر اسے خود اپنے ہاتھوں سے پلاتا تھا۔ زوناش نے شروع شروع میں اپنی آنکھوں سے یہ دوائی فرعون کو پلاتے دیکھا تھا اور وہ اس شیشی کی شکل صورت سے بھی واقف تھا۔ شاہی طبیب زوناش کے خطرناک منصوبے کے دوسرے اور آخری مرحلے کا خاص نشانہ یہی سبز پتھر کی بنی ہوئی چھوٹی سی بوتل تھی۔ اس چھوٹی سی بوتل نے شاہی طبیب زوناش، کاہن اعظم حامون اور شاہی افواج کے سپہ سالار رعشمون کو کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار کرنا تھا۔

طبیب زوناش کو اپنے منصوبے کی تکمیل کے لئے شعبان کے تھیلے میں رکھی ہوئی اسی سبز بوتل کی ضرورت تھی۔ اس بوتل تک پہنچنے کی غرض سے وہ خود شعبان کی لیبارٹری یا مطب میں داخل ہونے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اور شخص اس کے منصوبے کی رازداری میں کسی پہلو سے بھی شریک ہو۔ کافی سوچنے اور غور کرنے کے بعد زوناش کی نگاہ شعبان کی ایک خاص کنیز پر پڑی۔ اس کنیز کا نام شمالا تھا اور اس کا کام شعبان کے کمروں کی صفائی ستھرائی کرنا تھا۔ یہ کنیز اکثر بیمار رہا کرتی تھی اور زوناش سے اپنا علاج کرواتی تھی۔ ایک دن کنیز شمالا اپنے علاج کے سلسلے میں زوناش کی حویلی میں آئی تو زوناش نے اُس کی نبض دیکھ کر اُسے معمول کے مطابق دوا تیار کر کے کھلا دی اور کہا۔

"شمالا! تمہاری بیماری بہت پرانی ہو گئی ہے۔ اس نے تمہارے جسم میں جڑیں پکڑ لی ہیں۔ میری دوا کا وقتی طور پر تو تھوڑا بہت اثر ہو جاتا ہے لیکن یہ دوا تمہاری بیماری کا شافی علاج نہیں ہے۔"

شمالا کنیز بے چاری پریشان ہو گئی۔ کہنے لگی۔ "آپ اتنے لائق طبیب ہیں۔ میں ساری زندگی آپ کی خدمت کروں گی۔ مجھے کوئی ایسی دوائی دیں کہ جس سے میری بیماری جاتی رہے۔"

شاہی طبیب زوناش کہنے لگا۔ "ایک ایسی دوا ہے کہ اس کی ایک خوراک پینے سے تمہاری بیماری جڑ سے اکھڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جائے گی۔"

کنیز شمالا کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کہنے لگی۔ "دیوتا آپ پر مہربان ہو۔ مجھے وہ دوا پلا دیجئے۔ میں ساری زندگی آپ کی لونڈی بن کر رہوں گی۔"

زوناش نے اپنے سر کو نفی کے انداز میں ہلاتے ہوئے کہا۔ ''افسوس کہ وہ دوا میرے پاس نہیں ہے۔ مگر اس محل میں موجود ہے۔ اگر تم وہ لے آؤ تو تمہیں اپنی پرانی بیماری سے نہ صرف نجات مل جائے گی بلکہ تم پھر سے جوان ہو جاؤ گی۔''

کنیز شالا نے سینے پر ہاتھ باندھ کر سر جھکا دیا اور بولی۔ ''مالک! مجھے بتائیں محل میں وہ دوا کس جگہ پر ہے؟ میں اپنی جان خطرے مین ڈال کر بھی یہ دوا لے آؤں گی۔''

طبیب زوناش کہنے لگا۔ ''تمہیں اپنی جان خطرے میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ دوا اس حویلی کے اندر ہی ہے جس حویلی میں تم کام کرتی ہو۔''

کنیز کچھ حیران سی ہو کر طبیب زوناش کا منہ تکنے لگی۔ وہ بولی۔ ''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی مالک!''

طبیب زوناش نے کہا۔ ''سنو! یہ دوا تمہارے مالک طبیب شعبان کے دواؤں کے تھیلے میں ہر وقت موجود رہتی ہے۔ یہی وہ طاقتور قیمتی دوا ہے جس کے چار چار قطرے وہ صبح شام ربّ فرعون کو پلاتا ہے۔ اسی دوا کی وجہ سے ربّ فرعون جوانوں کی طرح صحت مند ہو رہا ہے۔ مگر یہ دوا بڑی قیمتی ہے اور صرف فرعون ہوتپ کے لئے ہی بنائی گئی ہے۔ تمہارا مالک شعبان کسی دوسرے شخص کو یہ دوا نہیں دے سکتا۔ فرعون کی طرف سے بھی اسے ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر تم کسی طریقے سے اپنے مالک کا دواؤں والا تھیلا میرے پاس لے آؤ تو میں تمہیں اس خاص دوائی کے چار قطرے پلا دوں گا اور تم ہمیشہ کے لئے تندرست ہو جاؤ گی۔ دوبارہ کبھی بیمار نہیں پڑو گی۔''

کنیز نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''مالک! یہ کام تو میں ابھی کرنے کو تیار ہوں۔ یہ تو میرے لئے بے حد آسان کام ہے۔''

زوناش بولا۔ ''لیکن شعبان کو اس کی خبر نہیں ہونی چاہئے۔''

کنیز شالا نے تھوڑی دیر سوچا، پھر کہنے لگی۔ ''میرا مالک شعبان دوپہر کو گھنٹے ڈیڑھ کے لئے سو جاتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ اپنی دواؤں والا تھیلا اپنے دواؤں والے کمرے کی الماری کے نچلے خانے میں رکھتا ہے۔ میں اس وقت تھیلا آپ کے پاس لے آؤں گی اور واپس لے جا کر رکھ بھی دوں گی۔''

''بالکل ٹھیک ہے۔'' زوناش نے کہا۔ ''کل دوپہر کو جب تمہارا مالک سو جائے تو

اس کا دواؤں والا تھیلا کسی کپڑے میں لپیٹ کر چھپا کر میرے پاس لے آنا۔ چونکہ وہ دوا بڑی طاقتور ہے اس لئے مجھے اس کے چار قطروں میں ایک دوسری دوا کو ملا کر تمہیں پلانی پڑے گی۔ ورنہ میں تمہیں کہہ دیتا کہ شعبان کے کمرے میں ہی تھیلے میں سے فلاں شیشی نکال کر اس کے چار قطرے پی لو۔''

کنیز بولی۔ ''میں ہر حال میں کل مالک کا تھیلا لے کر دوپہر کو آپ کی حویلی میں پہنچ جاؤں گی۔''

زوناش نے اُسے تاکید کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس کی خبر کسی تیسرے شخص کو نہیں ہونی چاہئے۔ ورنہ تمہارے ساتھ مجھ پر بھی کوئی آفت نازل ہو سکتی ہے۔''

کنیز نے کہا۔ ''میں کوئی بچی نہیں ہوں۔ اور پھر میں رازوں کو اپنے سینے میں دفن کرنا جانتی ہوں۔ میرے سینے میں محل کی شہزادیوں کے ایسے کئی راز دفن ہیں کہ جنہیں ظاہر کروں تو شاہی محل کی دیواریں لرز جائیں۔''

زوناش نے مسکرا کر کہا۔ ''بس میں یہی چاہتا ہوں کہ کام راز داری سے ہو۔ اب جاؤ اور کل دوپہر کو میں تمہارا اسی کمرے میں انتظار کروں گا۔''

کنیز شالا آداب بجا لا کر چلی گئی۔

شاہی طبیب زوناش کے لئے وہ رات اور اس سے اگلا دوپہر تک کا دن گزارنا کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ سب سے زیادہ پریشانی اُسے اس بات کی تھی کہ اگر کسی وجہ سے شعبان کی آنکھ کھل گئی اور اُس نے کنیز کو اپنا تھیلا لے جاتے پکڑ لیا تو شعبان یہ معلوم کئے بغیر اُسے کبھی نہیں چھوڑے گا کہ وہ اس کی خاص دواؤں والا تھیلا کہاں لے جا رہی تھی، کس کے لئے لے جا رہی تھی؟ عین ممکن ہے کہ تھوڑے سے ڈرانے دھمکانے کے بعد کنیز بتا دے کہ اسے شاہی طبیب نے تھیلا لانے کے لئے کہا تھا۔ اس کے بعد جو طوفان برپا ہو گا اس کی تباہ کاری اور ہلاکت خیزیوں کا زوناش کو پورا پورا اندازہ تھا۔ بڑی مشکل سے دوپہر ہوئی۔ کنیز شالا کے آنے کا وقت ہو گیا۔ طبیب زوناش پہلے ہی سے اس کمرے میں جا کر بیٹھ گیا تھا جہاں کنیز نے آنا تھا۔ آخر اُسے کنیز کی صورت نظر پڑی۔ اُس نے کپڑے میں کچھ لپیٹ کر چادر کے اندر اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔

کمرے میں آ کر اُس نے کپڑے میں سے شعبان کا دواؤں والا تھیلا نکال کر زوناش

کے سامنے رکھ دیا اور سانس ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔
''بڑی مشکل سے مالک کے کمرے میں سے تھیلا نکال کر لائی ہوں۔ مجھے یہی ڈر لگا تھا کہ کہیں مالک کی آنکھ نہ کھل جائے۔''
''وہ سو رہا تھا نا؟'' زوناش نے تھیلا کھول کر اس میں سے سبز پتھر کی شیشی نکال کر اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔
شالا بولی۔''میں مالک کو دیکھ آئی ہوں۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ ایک گھنٹے سے پہلے نہیں اُٹھے گا۔''
شاہی طبیب زوناش نے فرعون کی دوا والی سبز پتھر کی چھوٹی بوتل ایک طرف رکھتے ہوئے شالا سے کہا۔''تمہیں کسی نے اپنے مالک کے کمرے میں جاتے اور وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھا تو نہیں؟''
کنیز بولی۔''بالکل نہیں دیکھا۔ وہاں اس وقت کوئی نہیں آتا۔ سب لوگ آرام کر رہے ہوتے ہیں۔''
زوناش نے بوتل کا ڈاٹ اتار کر بوتل ناک کے قریب لا کر سونگھی۔ یہ وہی دوا تھی جو شعبان فرعون ہوتپ کو پلاتا تھا۔ مزید تسلی کی خاطر اُس نے بوتل میں سے دوا کے تین چار قطرے پیالی میں ڈال کر اس میں پانی ملایا اور اسے پی لیا۔ جب پوری تصدیق ہو گئی کہ بوتل بھی وہی ہے اور دوائی بھی وہی ہے جس کی اسے ضرورت تھی تو اس نے خالی پیالی میں بوتل میں سے مزید تین قطرے انڈیلے اور بوتل کا ڈاٹ لگاتے ہوئے شالا سے کہا۔
''یہ تمہارے لئے ہیں۔ یہی وہ دوائی ہے جس کو پی کر نہ صرف تمہاری بیماری دور ہو جائے گی بلکہ تم پھر سے جوان ہو جاؤ گی۔''
کنیز شالا نے بے تاب ہو کر کہا۔''مالک! مجھے ابھی پلا دیجئے۔''
زوناش بولا۔''یہ دوائی تمہارے لئے بڑی طاقتور ہے۔ مجھے اس میں کچھ اور دوائی کے عرق ملانے پڑیں گے اس کے بعد تم پی سکتی ہو۔ ایسا کرو تم دوسرے کمرے میں جا کر بیٹھو، میں ان قطروں میں دوسری دواؤں کو ملا کر ابھی تمہیں پلاتا ہوں۔''
کنیز نے کہا۔''میں بھی یہیں بیٹھی رہتی ہوں۔''
زوناش نے کہا۔''ہمارے پیشے میں مریضوں کے سامنے ان کی دوائیں تیار کرنے

منع کیا گیا ہے ورنہ میں تمہیں کبھی دوسرے کمرے میں جانے کو نہ کہتا۔ پل دو پل کی بات ہے، میں ابھی تمہیں بلا لوں گا۔''
کنیز اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اُس کے جانے کے بعد طبیب زوناش نے دروازے کو اندر سے کنڈی لگائی، پیالی میں پڑے ہوئے قطرے واپس شعبان کی سبز بوتل میں ڈالے، جلدی سے الماری کے اندر سے وہ بوتل نکالی جس میں کالے ناگ کے زہر کے قطروں میں دوسرے زہروں کو ملا کر ایک ایسا زہر تیار کر کے ڈالا گیا تھا جو بے ذائقہ اور بغیر بو کے تھا اور جس کے اثر سے انسان کا جسم فوری طور پر مفلوج ہو جاتا تھا اور اس کی سانس کی نالی جم جاتی تھی۔
زوناش نے کالے ناگ کے زہریلے محلول کے دس بارہ قطرے شعبان کی دوا والی سبز بوتل میں ڈال دیئے اور بوتل کو اچھی طرح سے ہلا کر اس پر ڈاٹ لگائی اور اسے شعبان کے دواؤں والے تھیلے میں اسی جگہ لگا دیا جہاں وہ پہلے سے لگی ہوئی تھی۔ اس کے بعد اُس نے ایک دوسری بوتل میں سے ایک خاص دوا نکال کر کنیز شالا والی پیالی میں ڈالی، اس میں تھوڑا سا پانی ملایا اور اٹھ کر دروازے کی کنڈی کھول کر دوسرے کمرے میں بیٹھی کنیز شالا کو اندر بلا لیا۔ شالا اندر آ کر بیٹھ گئی۔ زوناش نے دوا والی پیالی اُسے دے کر کہا۔
''تم بڑی خوش نصیب ہو شالا کہ تمہیں وہ انمول دوا پینے کو مل رہی ہے جو سوائے فرعون ہوتپ کے دوسرے کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ اسے پی جاؤ اور سمجھ لو کہ اب تم پھر سے جوان ہو جاؤ گی۔''
شالا خوشی سے نہال ہو رہی تھی۔ وہ جوانی کی سرحد پار کر کے بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہو چکی تھی۔ اور اب نہ صرف اُسے اپنی بیماری سے چھٹکارا مل رہا تھا بلکہ اُس کی جوانی بھی اُسے واپس مل رہی تھی۔
شالا دوا پی گئی۔
شاہی طبیب زوناش نے شعبان کا دواؤں کا تھیلا کپڑے میں لپیٹ کر اُسے پکڑایا اور بولا۔''اب جتنی جلدی ہو سکے یہ تھیلا اپنے مالک شعبان کی الماری میں جہاں سے نکالا تھا وہیں جا کر رکھ دو۔ یہ کام ہوشیاری سے کرنا۔ اُسے ہرگز ہرگز پتہ نہ چلے کہ تم تھیلا لے کر نکل گئی تھیں۔''

"بالکل پتہ نہیں لگے گا اسے۔" شمالا بولی اور کپڑے میں لپٹا ہوا تھیلا چادر کے اندر چ
کر شعبان کی حویلی کی طرف تیز تیز قدموں سے چل پڑی۔ شعبان کی شاہی حویلی ا
زوناش کی شاہی حویلی کی طرح فرعون کے شاہی محلات کی چار دیواری کے اندر ہی تھ
دونوں حویلیوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ کنیز شمالا جیسے ہی کمرے سے نکلی طبیب
زوناش پچاس ساٹھ قدموں کا فاصلہ ڈال کر اُسے کے پیچھے ہو گیا۔ وہ یہ تسلی کرنا چاہتا
کہ کنیز شمالا شعبان کی حویلی میں پہنچ گئی ہے۔ دونوں حویلیوں کے درمیان شاہی محلات
ایک کشادہ باغ اور ایک عبادت گاہ حائل تھی اور ایک ڈیڑھ فرلانگ کا فاصلہ بن گیا تھا۔
شاہی باغ کے کنارے کنارے تیز تیز قدم اٹھاتی چلی جا رہی تھی۔ شاہی طبیب اس
نگاہوں سے اوجھل رہ کر برابر اس کو اپنی نگاہ میں رکھے ہوئے تھا۔ وہ خود ایسے چل رہا
کہ کوئی دیکھے تو یہی سمجھے کہ شاہی طبیب باغ میں چہل قدمی کر رہے ہیں۔ شمالا عبادت
کے پائیں باغ سے بھی گزر گئی۔ آگے شعبان کی حویلی کی عمارت آ جاتی تھی۔ شاہی طبیب
چھپ کر اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ جب شمالا شعبان کی حویلی میں داخل ہو چکی تو طبیب
زوناش فوراً پلٹ کر واپس اپنی حویلی کی جانب چل دیا۔

کنیز شمالا حویلی میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے اپنے مالک شعبان کے کمرے
کی طرف گئی۔ اُس نے کھڑکی میں سے اندر جھانک کر دیکھا۔ شعبان گہری نیند سو رہا تھا
اس کے بعد اُس کے دواؤں والے کمرے میں جا کر شمالا نے شعبان کا دواؤں والا خا
تھیلا اس کی الماری کے نچلے خانے میں رکھ کر الماری کو بند کیا اور دبے پاؤں کمرے
نکل کر اپنے حجرے میں آ گئی۔ جیسے ہی وہ اپنے حجرے میں داخل ہوئی، اُس کے دل
اچانک زور زور سے دھڑکنا شروع کر دیا۔ کنیز شمالا دل پر ہاتھ رکھ کر اپنے بستر پر بیٹھ گئی
اُسے پسینے آنے لگے۔ حلق خشک ہو گیا۔ وہ اُٹھ کر پانی پینے کے لئے کونے میں پڑی صر
کی طرف جانے لگی تو دو قدم چلنے کے بعد گر پڑی۔ اُٹھنا چاہا مگر اُٹھ نہ سکی۔ دو
کنیزوں کو مدد کے لئے آواز دینی چاہی مگر حلق سے آواز نہ نکلی۔ سانس رُکنے لگی۔ جسم
پڑ گیا۔ اور دوسرے لمحے اُس کی رُوح جسم سے پرواز کر گئی......!

شعبان سو کر اُٹھا تو اُسے شمالا کی موت کی خبر ملی۔ اُس کے خاص غلام ضرگام نے بتایا۔

"مالک! شمالا اچانک ہی مر گئی۔ اس کی لاش اُس کے حجرے میں بستر کے قریب پڑی تھی۔ وہ اکثر بیمار رہا کرتی تھی۔ بس اس کا وقت پورا ہو گیا تھا۔"

"اُس کی لاش کہاں ہے؟" شعبان نے پوچھا۔

غلام نے کہا۔ "وہ تو اُسی وقت اُس کے گھر والے آ کر لے گئے۔"

شعبان خاموش رہا۔ اُسے معلوم تھا کہ شمالا ایک مہلک مرض میں مبتلا ہے جس کا علاج ناممکن ہو چکا تھا۔ اس مرض نے آخر اسے موت کی آغوش میں پہنچا دیا۔

دن ڈھلنے لگا تھا۔ شعبان فرعون کے محل میں جانے کی تیاریوں میں لگ گیا۔

دوسری طرف شاہی طبیب زوناش کنیز شمالا کی موت کی خبر کا بے صبری سے انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے فرعون کی دوا کے بہانے شمالا کو جو دوا پلائی تھی وہ بھی ایک ہلاکت خیز زہر تھا جس نے کچھ دیر کے بعد یقینی طور پر اپنا اثر دکھا دینا تھا چنانچہ جب اُسے یہ اطلاع ملی کہ شعبان کی کنیز شمالا کی اچانک موت واقع ہو گئی ہے تو زوناش نے اطمینان کا سانس لیا۔

جس خطرے نے آگے چل کر شاہی طبیب کے شاہی مرتبے اور خود اس کی زندگی کو خطرے میں ڈالنا تھا اس نے اس خطرے کا پہلے قدم پر ہی قلع قمع کر دیا تھا۔ اب وہ مکمل طور پر بے خوف و خطر ہو کر اپنے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچتے دیکھ سکتا تھا اور اسے اپنے منصوبے کی کامیابی کا پورا یقین تھا۔

جب دریائے نیل پر کھجوروں کے جھنڈ کے مغربی اُفق پر سورج غروب ہو گیا اور دارالحکومت تھبیز کے شہر کے چراغ اور شاہی محلات کے اندر اور باہر فانوس روشن ہو گئے تو شعبان معمول کے مطابق فرعون ہوتپ کو دوا پلانے تیار ہو کر شاہی محل کی جانب چل پڑا۔ دواؤں کا خاص تھیلا جس میں فرعون کے لئے اُس کی تیار کردہ طاقت بخش خاص دوا تھی،

اس کے کندھے پر لٹکا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا شاہی محلات کے، باغات میں
گزر رہا تھا۔ دوسری طرف شاہی طبیب بھی اپنی حویلی میں بیٹھا فرعون ہوتپ کی موت
گھڑیاں گن رہا تھا۔ شاہی طبیب کو خوب معلوم تھا کہ فرعون والی دوائی کی شیشی میں
نے جو زہر ملا دیا ہے وہ فرعون کے جسم کے اندر جاتے ہی اُسے ہلاک کر دے گا۔

ادھر شعبان اپنے انجام سے بے خبر فرعون کے محل میں داخل ہونے کے بعد مختلف
ایوانوں میں سے گزرتا ہوا ملک فارس اور بابل کے بیش قیمت قالینوں سے ڈھکا ہوا کشا
زینہ طے کر کے فرعون کی خواب گاہ میں آ گیا۔

اس وقت فرعون ہوتپ اپنے شاہانہ پلنگ پر ریشمی تکیوں سے پشت لگائے نیم دراز تھا
اس کی صحت پہلے سے بہت اچھی ہو گئی تھی۔ ملکہ عالیہ اور شہزادی ساہتی پلنگ کے پاس
بیٹھی تھیں۔ شعبان دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر آداب بجا لانے کے لئے جھک گیا۔ فرعون
ہوتپ نے ہاتھ سے شعبان کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ شعبان اپنے آپ کو سمیٹ کر بڑے
ادب سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ کندھے پر سے دواؤں کا تھیلا اتار کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ ملکہ
فرعون شعبان کی جانب متوجہ ہو کر بولی۔

''شعبان! تمہارے علاج سے میرے شوہر کو پھر سے نئی زندگی ملی ہے۔ تم خوش نصیب
ہو۔ رب فرعون نے تمہیں اپنے خاص طبیب ہونے کے علاوہ شاہی طبیب کا منصب
عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

شعبان نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ ''ملکہ عالیہ! رب فرعون کی اس کرم نوازی پر
جتنا بھی فخر کروں کم ہو گا۔''

فرعون ہوتپ کے لبوں پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ اس نے کہا۔ ''میں نے تم پر کوئی
احسان نہیں کیا۔ تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم اس منصب کے لائق ہو۔ آج سے تم میرے
طبیب خاص ہونے کے علاوہ ہمارے شاہی خاندان کے طبیب بھی ہو۔''

شہزادی ساہتی کہنے لگی۔ ''تمہیں شاہی دربار میں اُمرا کی پہلی قطار میں کرسی ملے گی۔''

شعبان نے سر جھکا کر کہا۔ ''میں دل کی گہرائیوں سے آپ کا شکر گزار ہوں۔''

ملکہ فرعون نے پوچھا۔ ''میرے شوہر کا علاج ابھی کتنے روز جاری رہے گا؟''

شعبان دواؤں کا تھیلا کھول کر اس میں سے وہ سبز شیشی نکال رہا تھا جس میں اس

علم کے مطابق فرعون کی خاص زندگی بخش دوا تھی اور جو بات اس کے علم میں نہیں تھی وہ یہ
تھی کہ اُس سبز شیشی میں فرعون ہوتپ کی موت چھپی ہوئی تھی۔

شاہی طبیب زوناش جان بوجھ کر اس وقت فرعون کے شاہی محل میں اس کی خواب گاہ
کے آس پاس منڈلا رہا تھا۔ وہ بے تابی سے اُس لمحے کا انتظار کر رہا تھا جب فرعون ہوتپ کی
موت کی خبر جنگل کی آگ بن کر پھیلنے والی تھی۔ شعبان نے سبز شیشی نکالی تو ایک کنیز سونے
کے طشت میں پانی کی صراحی اور خالی پیالی رکھے آ گئی۔ شعبان نے شیشی کا ڈاٹ کھول کر
پیالی میں دوا کے دس بارہ قطرے ٹپکائے اور ڈاٹ لگا کر شیشی واپس تھیلے میں سنبھال کر رکھ
لی، پھر پیالی میں تھوڑا سا پانی ڈال کر چمچ سے دوا کو ہلایا۔ اپنی جگہ سے اُٹھ کر فرعون ہوتپ
کے پاس آیا اور دوائی والی پیالی بڑے ادب سے فرعون ہوتپ کے ہاتھ میں پکڑا دی۔

فرعون ہوتپ روزانہ دن میں دو بار شعبان کے ہاتھ سے وہی دوا پیتا تھا۔ اُسے کیا خبر
تھی کہ وہ اپنی موت کو گلے لگا رہا ہے۔ فرعون ہوتپ نے پیالی اپنے ہونٹوں سے لگائی اور
ایک ہی گھونٹ میں دوا پی گیا۔ دوا پینے کے بعد ابھی خالی پیالی اُس کے ہاتھ میں ہی تھی کہ
اُس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ پیالی اُس کے ہاتھ سے گر پڑی اور اُس کا سر ایک طرف ڈھلک
گیا....!

ملکہ عالیہ اور شہزادی ساہتی گھبرا کر اپنی جگہوں سے اٹھیں اور فرعون کو سنبھالنے کی کوشش
کرنے لگیں۔ شعبان بھی پریشان ہو گیا۔ اُس نے آگے بڑھ کر فرعون کی نبض دیکھی۔ نبض
ساکت ہو چکی تھی۔ ملکہ عالیہ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے شعبان کی طرف دیکھا اور کہا۔

''کیا ہو گیا ہے میرے شوہر کو؟''

شعبان کیا جواب دیتا۔ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ فرعون مر چکا ہے۔ اس دوران فرعون
کے منہ، ناک اور کانوں سے سیاہ خون جاری ہو گیا۔ ملکہ عالیہ اور شہزادی ساہتی کی چیخ نکل
گئی اور وہ روتے ہوئے فرعون کی لاش سے لپٹ گئیں۔ چیخ کی آواز سن کر خواب گاہ کے
حبشی محافظ تلواریں سونت کر دوڑتے ہوئے اندر آ گئے۔ شعبان سر جھکائے بے بسی کی تصویر
بنا کھڑا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ اُس کے خلاف کسی نے خوفناک سازش کی ہے۔ مگر وہ اپنے
آپ کو بے گناہ ثابت نہیں کر سکتا تھا۔ فرعون کی موت اس کی دوا پینے سے ہوئی تھی۔

ملکہ فرعون نے شعبان کی طرف اشارہ کر کے حبشی محافظوں کو حکم دیا۔

"اس کو گرفتار کر لو!"

حبشی محافظوں نے اسی وقت شعبان کو بازوؤں سے دبوچ لیا اور اُسے کھینچتے ہوئے خواب گاہ سے باہر لے گئے۔ اسی لمحے محل میں شور مچ گیا کہ ربّ فرعون کی موت واقع ہو گئی ہے۔ شاہی محلات میں کہرام بپا ہو گیا۔ شاہی طبیب زوناش اسی خبر کے انتظار میں تھا۔ وہ دوڑتا ہوا شاہی خواب گاہ میں آ گیا اور چہرے پر غم و اندوہ کے تاثرات لاتے ہوئے بولا۔

"رب آمون! ہمارے شہنشاہِ معظم کو اپنی حفاظت میں رکھنا۔"

ملکہ فرعون اور شہزادی ساہتی فرعون کے پلنگ پر سر جھکائے رنج و الم میں ڈوبی ہوئی سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ ملکہ عالیہ نے فرعون کا سر اپنی بانہوں میں لے رکھا تھا۔ شاہی طبیب زوناش نے آگے بڑھ کر فرعون کی نبض پر ہاتھ رکھا اور سسکی بھر کر بولا۔

"میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ رب آمون نے ہمارے باپ کو ہم سے چھین لیا ہے۔ ربّ فرعون اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ انہیں زہر دیا گیا ہے۔"

ملکہ فرعون اور شہزادی ساہتی سر جھکائے بیٹھی رہیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ شاہی طبیب نے بظاہر انتہائی پریشانی کے ساتھ پوچھا۔

"ملکہ عالیہ! یہاں کون آیا تھا؟"

شہزادی ساہتی نے شعبان کے تھیلے میں فرعون کی خاص دوا کی سبز شیشی نکال کر شاہی طبیب کو دے دی اور کہا۔ "طبیب شعبان نے اس میں سے دوا دی تھی۔"

شاہی طبیب زوناش نے دوا کا ڈاٹ کھول کر اسے سونگھا اور سر پیٹ کر کہا۔ "رب آمون کا شعبان پر قہر نازل ہو گا۔ اس شیشی میں زہریلی دوا بھری ہوئی ہے۔ شعبان نے ہمارے شہنشاہ کو زہر دے کر ہلاک کیا ہے۔ اُسے فوراً حراست میں لے لیا جائے۔"

ملکہ فرعون نے شدید غم زدہ لہجے میں آہستہ سے کہا۔ "اُسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

طبیب زوناش نے گھٹنوں کے بل جھک کر فرعون کی لاش کے قدموں کو بوسہ دیا اور اندر ہی اندر سکھ کا سانس لیا۔ وہ جو چاہتا تھا ہو گیا تھا۔ اُس نے سپہ سالار عشمون اور کاہن اعظم حامون سے گٹھ جوڑ کر کے جو خونی منصوبہ بنایا تھا وہ کامیابی سے پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تھا۔ دو کنیزیں سر جھکائے ذرا پیچھے کھڑی تھیں۔ زوناش نے دو قدم پیچھے ہٹ کر ایک کنیز سے سرگوشی میں پوچھا۔

"طبیب شعبان نے تمہارے سامنے ربّ فرعون کو دوا پلائی تھی؟"

کنیز نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے سرگوشی ہی میں کہا۔ "ہاں! اُس نے میرے سامنے ربّ فرعون کو دوا پلائی تھی اور دوا کے پیتے ہی......" کنیز اس سے آگے کچھ نہ بول سکی اور سسکی بھر کر چپ ہو گئی۔

زوناش خواب گاہ سے باہر نکلا اور تیز قدم اٹھاتا فرعون ہوتپ کی موت کی خوشخبری کاہن اعظم حامون کو سنانے ہیکل کی طرف جانے کی غرض سے سیڑھیاں اُتر کر ایوانِ خاص میں آ گیا۔ وہاں سپہ سالار عشمون اور کاہن اعظم حامون دربار کے افراد کے ساتھ پہلے سے موجود تھے۔ سب کے چہرے غم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ صرف سپہ سالار عشمون اور کاہن حامون کے چہروں پر جھوٹے غم کے نقلی نقاب پڑے تھے مگر وہ دونوں ظاہر یہی کر رہے تھے کہ وہ سب سے زیادہ غمزدہ ہیں اور انہیں فرعون کی موت کا سب سے زیادہ صدمہ پہنچا ہے۔

سب سے زیادہ صدمہ کنیز لائیکا کو ہوا تھا جب اُسے یہ خبر ملی کہ فرعون ہوتپ کی زہر دینے سے موت واقع ہو گئی ہے اور زہر شعبان نے دیا ہے اور شعبان کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا ہے تو وہ دل تھام کر وہیں بیٹھ گئیں۔ فرعون کے ساتھ تو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا تھا۔ لیکن اب اس کے محبوب شعبان کے ساتھ جو کچھ ہونے والا تھا اس کا غم لائیکا کی برداشت سے باہر تھا۔ شاہی محل پر سوگ چھا گیا تھا۔ بازار بند ہو گئے تھے۔ پروہت، پجاری اور پجارنیں بال کھولے ہاتھوں کو باندھے سروں کو جھکائے دیوتا آمون کے سامنے ربّ فرعون کی جنت کی ابدی زندگی کے لئے دُعائیں مانگ رہی تھیں۔ تھیبز شہر پر سناٹا چھا رہا تھا۔ ہیکل اعظم کے علاوہ شہر کے دوسرے معبدوں میں بھی ربّ فرعون کی رُوح کی ابدی زندگی کے لئے دُعائیں مانگی جا رہی تھیں اور جانوروں کو قربان کیا جا رہا تھا۔ فرعون کی موت کی خبر سارے دارالحکومت میں پھیل چکی تھی۔ اس کے ساتھ ہی سب کو علم ہو چکا تھا کہ فرعون کو اُس کے طبیب خاص شعبان نے زہر دے کر ہلاک کیا ہے اور شعبان کو پکڑ لیا گیا ہے۔

یہ خبر بستی میں سائنا تک پہنچی تو وہ غم سے نڈھال ہو گئی۔ دارالحکومت تھیبز کا بچہ بچہ جانتا تھا کہ جس کو پکڑ کر قید خانے میں ڈال دیا جاتا ہے اس کا کیا حشر ہوتا ہے اور شعبان تو ربّ

فرعون کے قتل کے جرم میں پکڑا گیا تھا۔ اس کا جو عبرت ناک انجام ہونے والا تھا سائنا اس کے تصور ہی سے لرز گئی تھی۔ مگر وہ بے چاری کیا کر سکتی تھی؟ اُس کو تو حوصلہ دینے والا بھی کوئی نہ تھا۔ آنسو بہاتی شعبان کے مکان پر جا کر اُس کے خالی کمرے میں بیٹھ گئی اور دیر تک آنسو بہاتی رہی۔

شعبان کو گرفتار کرتے وقت اس کا دواؤں والا تھیلا اُس سے لے لیا گیا تھا جو ملکہ فرعون کے قبضے میں تھا۔ تھیلے میں دوا کی وہ سبز بوتل بھی تھی جس میں سے طبیب شعبان نے فرعون کو دوا کی خوراک پلائی تھی جس کے پیتے ہی وہ اس جہانِ فانی سے رحلت کر گیا تھا۔ ملکہ فرعون اور فرعون کی بیٹی شہزادی ساہتی خود اس اندوہناک واقعے کی عینی شاہد تھیں۔ کسی دوسرے گواہ کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی۔ شعبان کا جرم ثابت ہو چکا تھا اور شاہی طبیب پر ذرا سا بھی شک پڑنے کا امکان باقی نہیں رہا تھا۔ اب شعبان کی موت یقینی تھی۔ اُس نے اپنی عیاری سے ایک تیر سے دو نشانے مار لئے تھے اور فرعون ہوتپ کے ساتھ طبیب شعبان کو بھی اپنے راستے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہٹا دیا تھا۔

نیچے ایوانِ خاص میں آنے کے بعد شاہی طبیب زوناش سیدھا شاہی افواج کے سپہ سالار عشمون کے پاس گیا۔ سپہ سالار کی ایک جانب کاہن اعظم حامون اور دوسری جانب تختِ شاہی کا وارث اور فرعون کا بیٹا ہوتپ آمون کھڑا تھا۔ شاہی طبیب نے شہزادہ ہوتپ آمون کے آگے سر جھکا کر کہا۔

"ولی عہد ہوتپ آمون کو رب آمون اپنی پناہ میں رکھے۔ میں نے تصدیق کر لی ہے کہ ربّ فرعون کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے اور ملکہ عالیہ اور شہزادی ساہتی کی عینی شہادتوں کے مطابق یہ زہر نوجوان طبیب شعبان نے ہی دیا تھا۔"

شہزادہ ہوتپ آمون کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ اُس نے کہا۔ "طبیب شعبان کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس کو وہی سزا دی جائے گی جو ربّ فرعون کے قاتل کی ہونی چاہئے۔"

سپہ سالار عشمون نے دو ماہ تک حکومتی سطح پر سوگ منانے کا اعلان کر دیا۔ تمام شاہی تقریبات منسوخ کر دی گئیں۔ ملکہ عالیہ کی زیرِ صدارت ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں ولی عہد شہزادہ ہوتپ آمون اور شہزادی ساہتی کے علاوہ کاہن حامون، سپہ سالار عشمون اور تمام اہلِ دربار اور امراء و رؤسا شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں ملکہ فرعون اور

شہزادی ساہتی نے عینی شہادت دی کہ ان کی موجودگی میں طبیب شعبان نے ربّ فرعون ہوتپ کو اس دوا کی خوراک دی تھی جس میں زہر ہلاہل تھا اور جس کے پیتے ہی ربّ فرعون کی موت واقع ہو گئی تھی۔ ان شہادتوں کی روشنی میں سپہ سالار عشمون نے قاتل طبیب شعبان کو موت کی سزا سنا دی اور اعلان کیا کہ یہ سزا شاہی سوگ کی مدت گزر جانے کے بعد ربّ فرعون کی تدفین سے ایک روز پہلے دی جائے گی۔

کنیز لائیکا یہ خبر سن کر سکتے میں آ گئی۔ وہ اپنے محبوب شعبان کے طبیب خاص کا عہدہ پانے اور اس کے شاہی حویلی میں منتقل ہو جانے کے بعد کس قدر خوش تھی کہ اب شعبان اس کی آنکھوں کے سامنے رہا کرے گا۔ وہ جس وقت چاہے اس سے مل سکے گی۔ اُسے کیا خبر تھی کہ دیکھتے دیکھتے تختہ اُلٹ جائے گا اور اس کی خوشیوں کا سورج غم کے اندھیروں میں ڈوب جائے گا۔

شعبان کی بچپن کی ساتھی اور دل کی گہرائیوں سے اُسے پیار کرنے والی سائنا کا تو اس سے زیادہ برا حال تھا۔ شعبان کو موت کی سزا سنائے جانے کی خبر اُس پر بجلی بن کر گری۔ ساری رات اُس نے روتے ہوئے گزار دی۔

یہ اندوہناک خبر شعبان کے جگری دوست طاغوت تک بھی پہنچ گئی۔ یہ خبر سن کر اُسے بے حد صدمہ ہوا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ شعبان ربّ فرعون کو زہر دینے کا سوچ سکتا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ اُس کا دوست شعبان ضرور کسی خوفناک سازش کا شکار ہوا ہے۔ وہ رات کی تاریکی میں گھوڑے پر سوار ہو کر سائنا سے ملنے آیا۔ سائنا اپنے کچے مکان کی دریا کی سمت والی کوٹھڑی میں سوتی تھی۔ طاغوت نے اُسے جگایا۔ سائنا کوٹھڑی سے نکل کر صحن میں طاغوت کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ طاغوت نے کہا۔

"یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ شعبان ایسی حرکت کر سکتا ہے۔"

سائنا کی آنکھیں رو رو کر سوجی ہوئی تھیں۔ اُس کا چہرہ غم سے اُترا ہوا تھا۔ کہنے لگی۔

"مجھے خود یقین نہیں آتا۔ شعبان تو بے حد نرم دل ہے۔ وہ یہ کام نہیں کر سکتا۔ وہ تو جال میں پھنسی ہوئی مچھلی کو تڑپتا دیکھ کر بے چین ہو جاتا تھا اور اسے جال سے نکال کر دریا میں ڈال دیتا تھا۔"

طاغوت بولا۔ "یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔ ضرور اُسے کسی سازش میں قربانی کا بکرا بنایا

گیا ہے۔"

سائنا نے کہا۔ "مگر اب کیا فائدہ؟ جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب تو شعبان کو کوئی نہیں بچا سکتا"

طاغوت بولا۔ "میں اُسے بچانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ میں اپنی جان کا خطرہ لے کر بھی اسے بچانے کی کوشش کروں گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

سائنا نے آزردگی سے کہا۔ "دیوتا تمہاری مدد کریں۔ لیکن مجھے شعبان کی زندگی کی کوئی امید نہیں ہے۔ فرعون کے شاہی قید خانے سے آج تک کوئی موت کا قیدی زندہ نہیں نکل سکا۔"

طاغوت بولا۔ "تمہیں کوئی امید نہیں ہو گی۔ لیکن میں مایوس نہیں ہوں۔ میں اپنے دوست کو اس طرح مرنے نہیں دوں گا۔" پھر کچھ سوچ کر بولا۔ "شاہی محل کی ایک کنیز لائیکا کو تم جانتی ہو؟"

سائنا کو اس وقت لائیکا کا ذکر ناگوار گزرا۔ پھر بھی اُس نے کہا۔ "ہاں، میں اُسے جانتی ہوں۔ شعبان اُس کا علاج کرتا رہا ہے۔ وہ اس کے مکان پر آیا کرتی تھی۔ مگر تم نے اس کا ذکر کیوں کیا ہے؟"

طاغوت نے سائنا کے سوال کا جواب دینے کی بجائے دوسرا سوال کر دیا۔ کہنے لگا۔

"وہ رہتی تو شاہی محل میں ہی ہو گی لیکن اس کا کوئی اپنا گھر بھی ضرور ہو گا جہاں اس کے ماں باپ یا بہن بھائی رہتے ہوں گے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس کا گھر کہاں ہے؟"

سائنا نے نفی میں سر ہلایا۔ کہنے لگی۔ "مجھے معلوم نہیں ہے۔ مگر تم اس کے گھر کا پتہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

طاغوت نے کہا۔ "میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ شعبان کو موت کے منہ سے بچانے کے سلسلے میں وہ میری مدد کر سکتی ہے۔ میں شاہی محل میں جا کر تو اُس سے نہیں مل سکتا۔ اس کے گھر پر ہی اس سے ملاقات کر سکتا ہوں اور وہ کسی نہ کسی وقت اپنے عزیزوں سے ملنے گھر ضرور جاتی ہو گی۔ کیا تم اس کے گھر کا سراغ لگا سکتی ہو؟"

جب سائنا کو یہ احساس ہوا کہ شعبان کو بچانے کے سلسلے میں کنیز لائیکا کے گھر کا معلوم کرنا ضروری ہے تو وہ فوراً بولی۔

"میں لائیکا کے مکان کا پتہ معلوم کر لوں گی۔ مجھے دو ایک دن کی مہلت دو۔"

طاغوت بولا۔ "ٹھیک ہے۔ میں تین دن کے بعد اسی وقت تمہارے پاس آؤں گا۔ اس دوران تم کوشش کر کے لائیکا کے مکان کا پتہ معلوم کر رکھنا۔"

"میں پوری کوشش کروں گی۔" سائنا نے یقین کے ساتھ کہا۔

اس کے بعد طاغوت چلا گیا۔ کنیز لائیکا شاہی محل کی کنیز تھی۔ اس کا ٹھکانہ معلوم کرنے میں سائنا کو زیادہ دقت نہ اٹھانی پڑی اور وہ اگلے ہی روز اس کے مکان پر پہنچ گئی۔ اتفاق سے لائیکا اپنے ماں باپ سے ملنے اسی روز گھر آئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف تھیں۔ لائیکا یہ بھی جانتی تھی کہ طاغوت شعبان کا جگری دوست ہے۔ جب سائنا نے اسے بتایا کہ تین دن بعد طاغوت شعبان کے بارے میں ضروری بات کرنے اس کے گھر آ رہا ہے تو لائیکا فوراً تیار ہو گئی۔ کہنے لگی۔

"میں دو دن بعد ہی تمہارے گھر آ جاؤں گی اور تیسری رات تمہارے گھر پر ہی بسر کروں گی۔ طاغوت سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔"

سائنا نے شعبان کے بارے میں پوچھا تو وہ بولی۔ "شعبان کو اس کے دشمنوں نے اپنے جال میں پھنسایا ہے۔ وہ یہ کام نہیں کر سکتا۔"

"کیا تم قید خانے میں اُس سے ملی ہو؟" سائنا نے پوچھا۔

لائیکا کہنے لگی۔ "اسے کوئی نہیں مل سکتا۔ جس قید خانے میں وہ بند ہے وہاں سوائے پہرے داروں کے دوسرا کوئی داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

سائنا کے دل پر چوٹ سی لگی۔ ٹھنڈا سانس بھر کر بولی۔ "یہ سب کچھ طاغوت کو بتا دینا۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی راستہ نکال لے۔"

سائنا لائیکا کو تیسرے دن آنے کی تاکید کر کے چلی گئی۔ تیسرے دن وعدے کے مطابق لائیکا دن ڈھلتے ہی سائنا کے مکان پر آ گئی۔ وہ چھپ کر آئی تھی اور سائنا کے مکان کی چار دیواری میں ہی رہی۔ رات کو طاغوت آ گیا۔ سائنا کے مکان کے پچھواڑے چھوٹا سا صحن تھا۔ وہاں کھجور کے تین درخت ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ طاغوت، سائنا اور لائیکا ان درختوں کی اوٹ میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ لائیکا نے طاغوت کو بھی یہی بتایا کہ شعبان جس جگہ قید ہے وہاں کوئی نہیں جا سکتا۔ طاغوت اس کی باتیں بڑی توجہ سے سنتا رہا۔ پھر اس نے پوچھا۔

"کیا تم بتا سکتی ہو یہ قید خانہ محل کے کس گوشے میں ہے اور اس کے آس پاس کون کو
سی عمارت ہے؟"

لائیکا نے کہا۔ "یہ قید خانہ زمین دوز ہے اور شاہی محلات کے جنوبی کونے میں ہے
اس کی ایک دیوار فصیل شہر کے ساتھ ملی ہوئی ہے باقی کی تین دیواریں شاہی فوج کی اسلحہ
خانے کی طرف ہیں۔ قید خانے کا دروازہ اسلحہ خانے کی طرف ہے۔ وہاں ہر وقت فوج کا
پہرہ لگا رہتا ہے۔"

طاغوت نے پوچھا۔ "قید خانے کی جو دیوار شہر کی فصیل کے ساتھ لگی ہے کیا فصیل کا یہ
حصہ بھی جنوب کی طرف ہے؟"

"ہاں......" لائیکا نے جواب دیا۔ "وہاں فصیل کے اوپر ایک ہوا دان بنا ہوا ہے جہاں
سے نیچے زمین دوز تہہ خانوں میں تازہ ہوا جاتی ہے۔"

بجلی کی چمک کی طرح ایک خیال طاغوت کے دماغ میں لہرا گیا۔ اُس نے لائیکا سے
پوچھا۔ "کیا یہ ہوا دان نیچے شعبان کے تہہ خانے میں جا کر کھلتا ہے؟"

لائیکا بولی۔ "یہ مجھے معلوم نہیں ہے۔"

طاغوت کو مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ جس مقصد کے لئے اُس نے لائیکا کو
بلایا تھا اس کا وہ مقصد حل ہو گیا تھا۔ اُس نے لائیکا سے کہا۔

"اس ملاقات کا ذکر کسی سے مت کرنا۔"

لائیکا بولی۔ "کسی سے ذکر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

طاغوت نے سائنا سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میں جاتا ہوں۔ اگر مجھے ضرورت محسوس
ہوئی تو کل یا پرسوں رات میں کسی وقت آؤں گا۔"

طاغوت سائنا کے مکان کے پچھلے دروازے سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور رات کی
تاریکی میں اپنے خفیہ ٹھکانے کی جانب روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن طاغوت نے گڈریئے کا بھیس بدلا اور دو چار بکریاں ساتھ لئے انہیں
چراتا ہوا شاہی محل کی جنوبی فصیل کے آس پاس منڈلانے لگا۔ وہ فصیل سے دور رہ کر اس
کا گہری نظروں سے جائزہ لے رہا تھا۔ ایک جگہ اُسے فصیل کے اوپر چھوٹے سے چبوترے
پر ہوا دان باہر کو نکلا ہوا دکھائی دیا۔ قدیم مصر میں زمین دوز قید خانوں تک تازہ ہوا پہنچانے

کے لئے اس قسم کے ہوا دان بنا دیئے جاتے تھے۔

فصیل سے کچھ فاصلے پر کھجور کا ایک درخت نیچے کو جھکا ہوا تھا۔ طاغوت بکریاں لے کر
درخت کے نیچے ایسے بیٹھ گیا جیسے ستا رہا ہو۔ بکریاں اُس کے پاس ہی سوکھی جھاڑیوں
میں منہ مارنے لگیں۔ طاغوت کی عقابی آنکھیں فصیل کی دیوار کے اوپر باہر کو نکلے ہوئے
ہوا دان اور فصیل کی دیوار پر لگی ہوئی تھیں۔ شاہی فوج کے دو گھوڑ سوار تیزی سے گھوڑے
دوڑاتے فصیل کے قریب سے گزر کر آگے نکل گئے۔ جب گھڑ سوار فصیل کی دوسری طرف
مڑ گئے تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بکریوں کو ساتھ لگائے اِدھر اُدھر سے پھرتا پھراتا فصیل کی
دیوار کے اُس مقام تک آ گیا جہاں دیوار کے اوپر ہوا دان نصب تھا۔ ایک بکری کو جان
بوجھ کر اُس نے فصیل کی طرف بھگا دیا، پھر خود بھی لاٹھی ہاتھ میں لئے اس کو پکڑنے کے
لئے پیچھے دوڑ پڑا۔ اس بہانے اُس نے فصیل کی دیوار کا نیچے سے اُوپر تک بڑی گہری نظر
سے جائزہ لیا اور بکری کو پکڑ کر اُسے گھسیٹتا ہوا اور اسے برا بھلا کہتا ہوا دوسری بکریوں کے
پاس آ گیا جو بڑے مزے سے سوکھی گھاس پر منہ مار رہی تھیں۔ وہ بکریوں کو ہانکتا ہوا جس
طرف سے آیا تھا اسی طرف کو چل دیا۔ لاٹھی کندھے سے لگائے، گڈریئے کے بھیس میں
بکریوں کو ہانکتے ہوئے وہ ریت کے میدان میں سے گزر کر سنگلاخ میدان میں آ گیا
جہاں زمین سے اندر چھوٹی بڑی بھورے رنگ کی نوکیلی چٹانیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ یہ
میدان جہاں ختم ہوتا تھا وہاں بنجر سنگلاخ ٹیلے تھے۔ ان ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے کے
عقب میں طاغوت کے دو ساتھی اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی طاغوت نے
بکریوں کو بھگا دیا۔ اُس کے ساتھیوں نے تلواریں اپنے اپنے نیاموں میں ڈال لیں اور
طاغوت کے قریب آ ئے۔ ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"کوئی سراغ ملا سردار؟"

طاغوت نے سر ہلا کر آہستہ سے کہا۔ "واپس چلو۔"

گھوڑوں پر سوار ہوتے ہی انہوں نے گھوڑوں کی ایڑ لگائی اور انہیں سرپٹ دوڑاتے
اپنی خفیہ کمین گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ خفیہ کمین گاہ پر پہنچنے کے بعد طاغوت دیر تک اپنے
خاص ڈاکو ساتھیوں سے مشاورت کرتا رہا۔ طاغوت کا خاص ڈاکو ساتھی جس کو وہ جانباز
کے لقب سے بلاتا تھا کہنے لگا۔

"ہمیں انتظار میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ ہم آج رات کو نکل پڑتے ہیں۔"

طاغوت نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ سب نے جانباز کی تجویز کی حمایت کی۔ کافی سوچ بچار کے بعد طاغوت نے اسی رات اپنی مہم پر نکل پڑنے کا فیصلہ کیا۔ ایک ڈاکو ساتھی کہنے لگا۔

"سردار! اس بات کا کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ فصیل کی دیوار پر لگے ہوئے ہوادان کا نچلا دہانہ شعبان کے تہہ خانے میں ہی نکلتا ہے؟"

طاغوت بولا۔ "اس کا ہمیں کوئی بھی یقین نہیں دلا سکتا۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہوادان کا دہانہ اگر شعبان کے تہہ خانے میں نہیں تو کسی نہ کسی زمین دوز راہداری میں ضرور نکلے گا اور وہاں پہرے دار محافظ بھی ہوں گے۔ ان سے مقابلہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمیں انہیں بڑی عجلت سے قتل کرنا ہو گا، وہاں ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہو گا۔"

ایک ڈاکو بولا۔ "تم اس کی فکر نہ کرو سردار! قید خانے کے سپاہی لڑنا بھول چکے ہیں۔ ہم جاتے ہی ان کی گردنیں اڑا دیں گے۔"

لیکن طاغوت کے چہرے پر فکر و تردد کے اثرات نمایاں تھے۔ وہ جانتا تھا کہ جس کام کو اس کے ساتھی آسان سمجھ رہے ہیں وہ اتنا آسان نہیں ہے۔ قید خانے کی زمین دوز راہداریوں میں اترنے کے بعد وہ چاروں طرف سے شاہی فوج کے حصار میں ہوں گے۔ ذرا سی غفلت اور غلط اٹھا ہوا قدم ان سبھی کو موت کی نیند سلا دے گا۔ طاغوت کو اپنی جان کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ شروع دن ہی سے ایک نڈر اور دلیر آدمی واقع ہوا تھا۔ وہ صرف اپنے جگری دوست شعبان کی جان بچانے کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا رہا تھا لیکن اب سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ اسے جو کچھ کرنا تھا اسی رات کو کر گزرنا تھا۔ اس کا یہ فیصلہ اٹل تھا اور طاغوت کی روایت رہی تھی کہ وہ جو فیصلہ ایک بار کر لیتا پھر چاہے کچھ ہو جائے اس سے پیچھے نہیں ہٹتا تھا۔

اپنے پچیس تیس بہادر ڈاکو ساتھیوں کو لے کر وہ آدھی رات کے وقت اپنی خفیہ کمین گاہ سے نکل کھڑا ہوا۔ سب کے سب ڈاکو تیر کمان، تیز دھار خنجروں اور تلواروں سے لیس تھے۔ موٹا رسہ جس پر ہر پانچ گز کے بعد گرہیں لگی تھیں گچھا بنا کر خالی گھوڑے پر رکھ دیا گیا تھا۔ یہ رسہ اتنا لمبا تھا کہ آسانی سے فصیل شہر کے اوپر تک پہنچ سکتا تھا۔ ان میں سے ایک

ڈاکو ایسا نہ تھا جس نے سو ڈیڑھ سو انسانوں کو قتل نہ کیا ہو۔ وحشی خونیوں کا یہ مختصر سا لشکر طاغوت کی سرکردگی میں رات کے اندھیرے میں دیوانہ وار گھوڑے دوڑاتا صحرا میں ریت کے ٹیلوں اور سنگلاخ پہاڑی چٹانوں کے درمیان سے ہو کر فصیل شہر کی جنوب کی جانب بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

طاغوت جائے واردات کا دن کے وقت ہی معائنہ کر چکا تھا۔ فصیل سے کچھ پیچھے ایک بہت بڑی سیاہ چٹان کے پاس آ کر یہ لشکر گھوڑوں سے اتر پڑا۔ طاغوت نے صرف پانچ آدمی اپنے ساتھ لئے۔ باقیوں کو پیچھے رہنے دیا۔ فصیل شہر اُس جانب سے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ فصیل کے اوپر جہاں ہوادان لگا ہوا تھا اس کے عین نیچے آ کر گھوڑے کی پیٹھ پر سے رسہ اتار کر ایک ڈاکو نے جو اس کام میں ماہر تھا، رسے کے سرے کو اپنی کمر کے ساتھ باندھا اور فصیل کی دیوار میں باہر نکلے ہوئے پتھروں کو پکڑ کر اور جہاں سے پتھروں میں گڑھے پڑ گئے تھے وہاں پاؤں رکھتا اوپر چڑھنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ فصیل پر چڑھ گیا اور رسے کو فصیل کے کنگورے کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر رسے کو ہلا کر سب ٹھیک ہے کا اشارہ دیا۔ اشارہ پاتے ہی پہلے طاغوت اور پھر اس کے چاروں آدمی بھی ایک دوسرے کے پیچھے فصیل پر چڑھ گئے۔

فصیل پر آتے ہی وہ فصیل کی چھت پر اس طرح اوندھے لیٹ گئے کہ ان کی گردنیں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں اور رات کی تاریکی میں ان کی تیز خونی آنکھیں گرد و پیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔ طاغوت نے رسہ اوپر کھینچ لیا تھا۔ وہ جھکا جھکا ہوادان کے پاس آ گیا۔ ہوادان کا گول قطر تین یا چار فٹ کے درمیان ہو گا۔ اس میں سے ایک آدمی آسانی سے گزر سکتا تھا۔ طاغوت کا جانثار ساتھی اس کے پاس ہی جھک کر بیٹھا تھا۔ اُس نے رسے کے سرے کو اپنی کمر کے گرد باندھ لیا تھا۔ طاغوت نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"نیچے اترنے کے بعد اگر سب ٹھیک ہو تو رسے کو تین بار جنبش دینا۔ اگر کوئی خطرہ ہو تو خطرے کے ٹل جانے تک وہیں دبک کر بیٹھے رہنا۔ رسے کو ہلانے کی ضرورت نہیں۔"

جانباز ساتھی نے تیز کمان اوپر ہی چھوڑے۔ صرف خنجر اور تلوار ساتھ لے کر ہوادان میں داخل ہو گیا۔ دو ڈاکوؤں نے اوپر سے رسے کو پکڑ رکھا تھا۔ جیسے جیسے جانباز ساتھی ہوادان کے اندر نیچے اُترتا جاتا تھا، دونوں ڈاکو رسے کو چھوڑتے جاتے تھے۔ جب جانباز کے

پاؤں اندھیرے میں نیچے پتھریلے فرش کے ساتھ لگ گئے تو رسہ ساکن ہو گیا۔

جانباز ڈاکو نیچے اُترتے ہی وہیں بیٹھ گیا۔ پہلے تو اُسے اندھیرے میں کچھ دکھائی نہ د
پھر ایک جانب سے کسی لیمپ کی دھیمی دھیمی روشنی سی نظر آنے لگی۔ اُس نے دیکھا کہ
ایک نیم تاریک راہ داری میں ہے۔ وہ اٹھ کر چار پانچ قدم پیچھے اور چار پانچ قدم آگے
طرف گیا۔ اُسے وہاں کوئی محافظ سپاہی یا پہرے دار دکھائی نہ دیا۔ دبے پاؤں دوڑ
ہوئے ہوادان کے نیچے آ کر اُس نے رسے کو تین بار ہلایا۔ جیسے ہی رسے میں تین بار جھ
ہوئی طاغوت اور اس کے پیچھے اُس کے چاروں ساتھی ہوا دان کے تاریک کنوئیں
اترنے لگے۔ ان کا پانچواں ساتھی پہلے سے نیچے موجود تھا۔ نیچے آتے ہی وہ سب کے سب
جس طرف اندھیرا تھا اس طرف دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے اور دائیں با
گھورنے لگے۔ طاغوت نے جانباز سے سرگوشی کی۔

"تم میرے ساتھ آؤ"

طاغوت نے باقی ڈاکوؤں کو وہیں چھپے رہنے کا اشارہ کیا۔ ان سب نے تلوار
ہاتھوں میں لے رکھی تھی۔ راہ داری چند قدم آگے جا کر ایک طرف مڑ جاتی تھی۔ وہ
مڑنے لگے تو جلدی سے پیچھے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گئے۔ ایک محافظ تلوار لگائے چ
رہا تھا۔ وہ بڑی بے فکری سے چلا آتا تھا۔ وہاں کسی دشمن کے خطرے کا سوال ہی پیدا
ہوتا تھا۔ طاغوت اور جانباز اندھیرے میں تھے۔ جیسے ہی محافظ تلوار کمر سے لگائے ان
قریب سے ہو کر دو قدم آگے نکلا طاغوت نے تلوار کا بھرپور وار کیا اور محافظ کی گردن کٹ
نیچے گر پڑی۔

طاغوت اور جانباز اس جانب بڑھے جس طرف سے محافظ سپاہی آیا تھا۔ وہاں پتھ
دیوار میں ایک جگہ سے مدھم روشنی نکل رہی تھی۔ ایک دوسرے کے پیچھے کھسکتے ہوئے وہ
جگہ پہنچے تو دیکھا کہ ایک تنگ زینہ نیچے جاتا ہے۔ زینے کے اختتام پر دیوار کے ساتھ
میں مشعل روشن تھی۔ طاغوت نے جانباز کو اشارہ کیا کہ پیچھے جا کر باقی آدمیوں کو بھی
آئے۔ جانباز تیزی سے پیچھے گیا اور اپنے چاروں آدمیوں کو لے آیا۔ طاغوت
اشاروں میں انہیں سمجھایا کہ میں اور جانباز نیچے جائیں گے، وہ چاروں زینے کے
تلواریں نکال کر چھپ جائیں اور کوئی بھی ادھر سے گزرے یا نیچے آنے لگے تو اُ

تہ تیغ کر دیں۔ اس کے بعد طاغوت جانباز کے ساتھ زینہ اترنے لگا۔ آخری زینے پر
نہیں دو آدمیوں کے باتیں کرنے اور ایک آدمی کے ہلکا سا قہقہہ لگانے کی آواز سنائی دی۔
زینہ جہاں ختم ہوتا تھا وہاں کوئی دروازہ نہیں تھا۔ آگے ایک اور تنگ راہداری تھی۔ انسانی
آوازیں راہداری کے دائیں جانب سے آئی تھیں۔ طاغوت نے جانباز کو دو قدم پیچھے رہنے
کا اشارہ کیا اور خود تھوڑا سا آگے بڑھ کر دیکھا کہ دو محافظ سپاہی چھوٹی رومن تلواریں کمر
کے ساتھ لگائے لکڑی کے سٹولوں پر بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ طاغوت جلدی سے پیچھے
ہٹ آیا۔ اُس نے جانباز کو اشارہ کیا کہ زینے کے اندر ہو جائے۔ اس کے بعد طاغوت
نے ہاتھ میں تھامی ہوئی تلوار کی نوک کو دو بار پتھریلے فرش پر اس طرح رگڑا کہ اس کی آواز
پیدا ہوئی۔

محافظ سپاہیوں نے آواز سن کر زینے کی طرف دیکھا، پھر اُن میں سے ایک سپاہی اُٹھا
اور زینے کی طرف بڑھا۔ جیسے ہی وہ زینے کے سامنے آیا طاغوت نے اپنا طاقتور لمبا بازو
بڑھا کر اُسے گردن سے دبوچ کر اندر کھینچ لیا اور تلوار اُس کے پیٹ سے آر پار کر دی۔
سپاہی کے حلق سے کربناک چیخ کی آواز نکلی تو طاغوت اور جانباز تلواریں سونت کر راہداری
میں نکل آئے۔ سامنے سے دوسرا سپاہی اپنے ساتھی کی مدد کو تلوار اٹھائے دوڑتا ہوا آ رہا
تھا۔ وہ اکیلا طاغوت اور جانباز کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ دونوں اس پر ٹوٹ پڑے۔ محافظ
سپاہی نے دو تین وار اپنی تلوار پر لئے، اس کے فوراً بعد جانباز اور طاغوت کی تلواروں نے
اُس کے تین ٹکڑے کر دیئے۔

تلواریں ٹکرانے کی آوازیں سن کر زینے کے اوپر سے باقی ڈاکو بھی زینہ پھلانگتے
ہوئے نیچے آ گئے۔ طاغوت راہ داری میں دوڑ کر اُس جگہ آ گیا جہاں لکڑی کے سٹولوں پر
تھوڑی دیر پہلے دونوں محافظ بیٹھے تھے۔ جانباز اُس کے ساتھ تھا۔ باقی چاروں ڈاکو راہداری
کی دیوار کے ساتھ چوکس ہو کر لگے تھے۔ طاغوت نے دیکھا کہ لوہے کی موٹی سلاخوں
والا دروازہ ہے جس کے پیچھے ایک تنگ کوٹھڑی میں دیوار کے طاق میں چراغ روشن ہے۔
طاق کے نیچے زمین سے دو فٹ اونچے پتھر کے چبوترے پر ایک آدمی دیوار کی طرف منہ
کئے لیٹا ہے۔ طاغوت نے آہستہ سے شعبان کا نام لے کر آواز دی۔ دوسری تیسری آواز پر
شعبان نے گردن موڑ کر دیکھا، چراغ کی روشنی میں طاغوت نے اُسے پہچان لیا۔ اُس نے

دھیمی آواز میں کہا۔

"میں طاغوت ہوں۔ بولنا مت۔"

سلاخ دار دروازے کی کنڈی باہر سے لگی ہوئی تھی۔ اُس نے کنڈی کھولی اور کوٹھڑی
میں شعبان کے پاس آیا۔ شعبان طاغوت کو دیکھ کر جلدی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ طاغوت اُ
ساتھ لے کر جلدی سے قید خانے سے نکل کر راہداری میں آ گیا۔ شعبان درمیان میں تھ
اُس کی ایک طرف طاغوت اور دوسری طرف جانباز تھا۔ طاغوت کے ساتھیوں نے شعبا
کو دیکھا اور وہ جلدی سے تلواریں پکڑے آگے ہو گئے۔ جب اوپر کو جاتے زینے
قریب پہنچے تو اچانک سامنے سے تین محافظ سپاہیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ خونریز
شروع ہو گئی۔ مگر بہت جلد فرعون کی سپاہ کے آرام طلب عیش پسند سپاہی پیچھے ہٹنا شروع
گئے۔ لیکن طاغوت اور اس کے ساتھیوں نے انہیں وہیں ڈھیر کر دیا۔ اور وہ زینے
کر اوپر والی منزل کی غلام گردش میں آ گئے۔ وہاں طاغوت کے ساتھی پہلے سے ہوا
کے نیچے تلواریں لئے کھڑے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ سب سے پہلے شعبان کو رے
ذریعے ہوادان کے اندر چڑھایا گیا۔ جب شعبان ہوادان میں سے فصیل کی چھت پر
آیا تو اس کے بعد ایک ایک کر کے پانچوں ڈاکو اور طاغوت بھی اوپر آ گئے۔ کمند ہوا
میں سے باہر نکال لی گئی اور اسے فصیل کی دیوار پر نیچے لٹکا دیا گیا جس کے ذریعے شعبا
طاغوت اور اس کے پانچوں ساتھی فصیل سے اتر کر رات کے اندھیرے میں سنگ
چٹانوں کی طرف دوڑ پڑے۔ وہاں طاغوت کے باقی آدمی کمانوں پر تیر چڑھائے چٹان
اوٹ میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنے آدمیوں کو آتے دیکھا تو خالی گھوڑے لے کر ان
طرف بڑھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد یہ لشکر شعبان کو ساتھ لئے اپنے سردار طاغوت کی رہ
میں اپنے خفیہ ٹھکانہ کی طرف سرپٹ گھوڑے دوڑائے چلا جا رہا تھا۔ طاغوت اپنے "
شعبان کو فرعون کے قید خانے سے نکال کر لے آیا تھا جو اس کی بہت بڑی کامیابی تھی
جس پر وہ بہت خوش تھا۔

شعبان کے فرار کی خبر نے سپہ سالار، کاہن اعظم اور شاہی طبیب پر ایک لمحے ک
سکتہ طاری کر دیا۔ سپہ سالار عشمون نے اسی لمحے دارالحکومت کے تمام دروازوں کو بند
دیا۔ فرعون ہوتپ کی سلطنت طول و عرض تک پھیلی ہوئی تھی۔ سپہ سالار کے حکم سے سلط

کی سرحدوں پر فوجی دستے پھیلا کر ان کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ شاہی قید خانے کے جو
محافظ بچ گئے تھے انہیں فوراً قتل کروا کر اُن کے سر شہر کے دروازوں پر لٹکا دیئے گئے۔
شاہی طبیب زوناش اور کاہن حامون سخت پریشان تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں شعبان
اچانک ملکہ مصر کے رُوبرو پیش ہو کر ان کی سازش کا بھانڈا نہ پھوڑ دے۔ سپہ سالار نے
انہیں سمجھایا کہ ان کی خونی سازش کو بے نقاب کرنے کے لئے شعبان کے پاس نہ کوئی گواہ
ہے اور نہ کوئی دوسرا ثبوت ہے۔ اگر وہ آ گیا تو اسے فوراً گرفتار کر کے اس کی گردن اُڑا دی
جائے گی۔ لیکن کاہن اعظم حامون زیادہ فکرمند تھا۔ کہنے لگا۔

"اگرچہ ہم نے اپنی طرف سے کوئی ثبوت نہیں چھوڑا۔ پھر بھی شعبان کے زندہ رہنے
سے موت کی تلوار ہمارے سر پر لٹکتی رہے گی۔ وہ جہاں بھی ہو اس کو ہلاک کرنا ضروری
ہے۔"

سپہ سالار عشمون بولا۔ "میں نے شہر کے دروازوں کو بند کروا دیا ہے۔ کوئی بلی بھی
تلاشی دیئے بغیر شہر میں داخل یا شہر سے باہر نہیں نکل سکتی۔ سلطنت کی سرحدوں پر اپنی سپاہ کو
پھیلا دیا ہے۔ شہر کے اندر اور شہر کے باہر گاؤں اور دیہات کی آبادیوں میں گھر گھر تلاشی کا
سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ شعبان آج نہیں تو کل تک ضرور پکڑا جائے گا۔ راتوں رات
وہ سلطنت کی حدوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اُس نے کسی بھی جگہ سے سرحد پار کرنے کی کوشش
کی تو میری فوج کے جانباز اسے وہیں دبوچ لیں گے۔"

ملکہ فرعون نے اسی لمحے سپہ سالار کو طلب کر لیا اور شعبان کے فرار کے سلسلے میں باز
پُرس کی۔ "ربّ فرعون کا قاتل اتنی دیدہ دلیری کے ساتھ شاہی قید خانے سے فرار ہو
جائے، یہ ہم سب کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔"

سپہ سالار بولا۔ "ملکہ عالیہ! جن محافظوں کی غفلت سے ایسا ہوا ہے ان کو موت کے
گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ مفرور قاتل کے پیچھے فوج کے دستے دوڑا دیئے گئے ہیں۔ دیوتا
آمون ہماری مدد کرے گا۔ قاتل شعبان سرحد پار کرنے سے پہلے ہی پکڑ لیا جائے گا۔"

دوسری طرف شعبان شاہی قید خانے سے فرار ہونے کے بعد طاغوت کے خفیہ ٹھکانے
میں ہی روپوش تھا۔ دوسرے دن شام کے وقت اُس نے طاغوت سے کہا۔

"دوست! اگر میں اس ملک کے اندر رہا تو ایک نہ ایک دن پکڑا جا سکتا ہوں۔ میں

چاہتا ہوں کہ مصر کی سرحد پار کر کے ملک بابل کی طرف نکل جاؤں۔"

طاغوت کہنے لگا۔ "تمہیں اپنے سے الگ کرنے کو میرا جی گوارا نہیں کرتا۔ لیکن تم ٹھیک کہتے ہو۔ تم کوئی معمولی قیدی نہیں ہو۔ تم پر فرعونِ مصر کے قتل کا الزام ہے۔ ملکہ فرعون کے حکم سے شاہی فوج کی آدھی نفری کو تمہاری تلاش میں لگا دیا گیا ہوگا۔"

شعبان بولا۔ "یہی سوچ کر میں نے ملک بابل کی طرف نکل جانے کا سوچا ہے۔ ملکہ بابل کے ساتھ مصر کی دشمنی چل رہی ہے، وہاں مجھے پناہ مل جائے گی۔"

طاغوت نے کچھ غور کرنے کے بعد کہا۔ "لیکن تمہارے یہاں سے نکلنے سے پہلے معلوم کرنا بہت ضروری ہے کہ ملک کی سرحدوں کی کیا صورت حال ہے اور سرحد کے کس حصے سے تمہیں نکالا جا سکتا ہے۔"

اس روز شام کے وقت طاغوت نے اپنے دو آدمیوں کو بھیس بدلوا کر یہ معلوم کرنے کے لئے بھیج دیا کہ وہ مصر کی سرحدوں کی صحیح صورت حال معلوم کر کے لائیں۔ تین دن کے بعد دونوں آدمیوں نے واپس آ کر اطلاع دی کہ نہ صرف ملک کی سرحدیں بند کر دی گئی ہیں اور تجارتی قافلوں کی زبردست تلاشی کے بعد انہیں آنے جانے کی اجازت دی جا رہی ہے بلکہ سرحدوں کے اندر تمام گاؤں اور دیہات اور چھوٹی چھوٹی صحرائی بستیوں میں چوبیس گھنٹے شاہی فوج کے دستے گشت لگاتے رہتے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس وقت شعبان کا یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ طاغوت نے حالات کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے شعبان سے کہا۔

"میرا خیال ہے تم کچھ وقت ہماری کمین گاہ میں ہی چھپے رہو۔ جب حالات ٹھیک ہوتے ہیں تو میں خود تمہیں سرحد پار کروا دوں گا۔ اس وقت تمہارا سرحد پار کرنے کی کوشش کرنا واقعی موت کے منہ میں جانے کے برابر ہے۔"

شعبان وہاں رُکنا نہیں چاہتا تھا مگر حالات کے مدنظر رُکنے پر مجبور ہو گیا۔ طاغوت نے عقل مندی سے کام لیتے ہوئے اپنی خفیہ کمین گاہ کو بدل کر پہاڑیوں کے اندر ہی وہاں سے سات کوس شمال کی طرف لے گیا۔ یہ جگہ اونچی اونچی سنگلاخ چٹانوں کے درمیان گھری ہوئی تھی اور یہاں صرف طاغوت اور اُس کے ساتھی ہی پہنچ سکتے تھے۔

ادھر باپ کے مرنے کے بعد نوجوان ولی عہد ہوتپ آمون تخت شاہی پر فرعون بن کر بیٹھنے کو بے تاب تھا۔ اُسے تخت و تاج کا لالچ نہیں تھا نہ اُسے محض اقتدار حاصل کرنے کی ہوس تھی۔ ہوتپ آمون جو بعد میں فرعون اخناتون کے نام سے مشہور ہوا ایک روشن خیال اور اس زمانے کے مطابق توحید پرست نظریات رکھتا تھا۔ اسے شروع ہی سے بت پرستی سے نفرت تھی اور اس کا یہ عقیدہ اس کے دل و دماغ پر چھا چکا تھا کہ سورج ہی کرۂ ارض پر زندگی کا خالق ہے اور اسی کی گرمی اور روشنی سے زندگی نمو پاتی ہے۔ اس کے عقیدے کے مطابق سورج ہی زندگی کی ابتدا اور انتہا تھی۔ لیکن اُس نے اپنے ان خیالات کا کسی کے آگے کبھی اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مصر کی حکومت مختلف دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اگر ان بنیادوں کو ہلایا گیا تو ساری عمارت دھڑام سے نیچے آن گرے گی۔ اپنے عقیدے کو بروئے کار لانے کے لئے بڑے تحمل اور صبر کی ضرورت تھی۔ اُس کی پہلی سیڑھی مصر کے تخت پر قبضہ کرنا تھا۔ ہوتپ آمون فرعون کا اکلوتا بیٹا تھا اور طے شدہ ولی عہد تھا۔ اس کے باوجود ہوتپ آمون کو ڈر تھا کہ سپہ سالار کے گٹھ جوڑ سے کاہن اعظم حامون بھی فرعون بن کر تخت پر بیٹھ سکتا ہے۔

لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔ چونکہ حامون ہوتپ آمون نے اس وقت تک اپنے توحید پرستانہ خیالات کا اظہار کبھی کسی کے آگے نہیں کیا تھا اور ان انقلابی خیالات کو اپنے سینے میں چھپا کر رکھا ہوا تھا اس لئے کاہن اعظم حامون کو اس سے کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ولی عہد ہوتپ آمون اور درویش صفت خاموش طبع بھولا بھالا نوجوان شہزادہ ہے۔ وہ بڑا اچھا کٹھ پتلی فرعون ثابت ہو گا۔ اور کاہن اعظم جو چاہے اس سے کروا لیا کرے گا۔ اس لئے جب ملکہ فرعون نے اعلان کیا کہ اس کے شوہر کے سوگ کے دن ختم ہونے کے فوراً بعد ولی عہد ہوتپ آمون بحیثیت فرعون تخت نشین ہو گا تو سب سے پہلے کاہن حامون نے ولی عہد کو جا کر مبارک باد دی اور ہیکل اعظم میں اس کی درازی صحت کے لئے خاص رسومات ادا کی گئیں۔

فرعون ہوتپ کو مرے اور شعبان کو شاہی قید خانے سے فرار ہو کر طاغوت کی نئی کمین گاہ میں روپوش ہوئے تین ہفتے گزر چکے تھے۔ ولی عہد ہوتپ آمون کی تخت نشینی کے شاہی اعلان کے فوراً بعد فرعون ہوتپ کی لاش حنوط کرنے کے واسطے شاہی حنوط گھر پہنچا دی گئی۔

اس شاہی حنوط گھر میں صرف فراعنہ مصر اور شہزادوں اور شہزادیوں کے مُردہ جسموں کو حنوط کیا جاتا تھا۔ یہاں اس کی وضاحت ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ آخر قدیم مصریوں کے دل میں لاشوں کو حنوط کرنے کے بعد سالہا سال تک محفوظ رکھنے کا خیال کیسے پیدا ہوا؟ قدیم مصریوں کا یہ عقیدہ تھا کہ ہر انسان کا ایک ہمزاد ہوتا ہے جو انسان کے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے اور اسے کھانے پینے اور دوسری ضروریاتِ زندگی کی ضرورت اسی طرح رہتی ہے جس طرح زندہ انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔ انسان کے اس ہمزاد کو وہ ''کاع'' کہتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر ''کاع'' کو انسان کے مرنے کے بعد کھانا وغیرہ نہ ملے تو وہ بھی مر جاتا ہے اور انسان مرنے کے بعد ابدی زندگی کے حصول سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر ''کاع'' انسان کے مرنے کے بعد زندہ رہے گا، اُس کا جسم اچھی حالت میں رہے گا تو وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور یوں مرنے والے کو اپنی موت کے بعد اپنے ہمزاد کے ذریعے ابدی زندگی حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ قدیم مصری موت کے بعد اگلی دنیا کی زندگی کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ مُردے کی آخرت اور ابدی زندگی کا دارو مدار اس بات پر ہے کہ اس کا جسم ہر طرح سے مکمل حالت میں ہو۔

چنانچہ قدیم مصریوں نے لاشوں کو حنوط کرنے کا طریقہ ایجاد کیا اور اس ایجاد میں انہوں نے وہ کمال حاصل کیا کہ جو موجودہ سائنسی دور تک کسی قوم کو نصیب نہ ہو سکا۔ حنوط کرنے کے بعد مُردے کے تابوت کے ساتھ مرنے والے کے لئے کھانے پینے کا سامان، اس کے استعمال کی چیزیں مثلاً نئے کپڑوں کے جوڑے، جوتے، کنگھی، سر کے بال مونڈنے کے لئے اُسترے، پانی کے مٹکے غرض کہ استعمال کی ہر وہ شے جس کی انسان کو زندگی میں ضرورت پڑتی ہے رکھ دی جاتی۔ بادشاہوں کے تابوت اہرام کے نیچے کشادہ تہہ خانوں میں دفن کئے جاتے اور ان تہہ خانوں میں بادشاہ کی خلعت فاخرہ کے علاوہ اس کی سواری کی بگھی جس کے پہیے سونے کے ہوتے تھے اور اُس کے خاص خدمت گار، غلام اور پسندیدہ کنیزیں بھی اس کے ساتھ ہی زندہ دفن کر دی جاتیں تاکہ وہ فرعون کی اگلی زندگی میں اس کی خدمت کر سکیں۔ چنانچہ 1796ء میں مصر پر حملے کے وقت نپولین کے ساتھ آئے ہوئے ماہر آثار قدیمہ شمپولین نے جب مصر کے پہلے اہرام کی کھدائی کی تو اس کو فرعون کے تابوت کے آس پاس شاہی ساز و سامان اور شہد اور باداموں سے بھرے ہوئے

مٹکوں کے علاوہ ریت پر انسانی ہڈیوں کے پنجر بھی ملے جو اُن بدنصیب غلاموں اور کنیزوں کے انسانی ڈھانچے تھے جنہیں فرعون کی لاش کے ساتھ مقبرے میں زندہ دفن کر دیا گیا تھا اور جو دم گھٹنے سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے تھے۔

فرعون کی لاش شاہی حنوط گھر میں لائے جانے کے فوراً بعد اسے دریائے نیل کے پاک صاف پانی سے غسل دیا گیا۔ اس کے بعد لاش کو مختلف اقسام کی دواؤں اور خوشبویات سے تر کر کے تین دن کے لئے رہنے دیا گیا۔ اس دوران شاہی ہیکل میں اور شہر کے دوسرے معبدوں میں جانوروں کی قربانیوں اور دیوتاؤں کی تعریف میں گیت گانے کا سلسلہ جاری رہا۔ چوتھے روز حنوط کرنے کا عمل شروع ہوا۔ فرعون کی لاش سنگ مرمر کے ایک چبوترے پر لٹا دی گئی۔ سب سے پہلے لاش کے نتھنوں میں آنکڑا ڈال کر مغز نکالا گیا۔ اس کے بعد لاش کے پہلو میں تیز دھار آلے سے شگاف ڈال کر انتڑیاں نکالی گئیں۔ اس کے بعد تیز شراف معدے میں ڈال کر اسے دھویا گیا اور پیٹ میں خوشبودار جڑی بوٹیاں بھری گئیں۔ آخر میں ایک پچکاری سے معدے اور پیٹ میں دیودار کا تیل ڈال دیا گیا۔ انتڑیاں پہلے سے اچھی طرح سے صاف کی گئیں۔ اس کے بعد انہیں سونے کے برتن میں رکھ کر مختلف مسالے لگائے گئے اور برتن کو مُردے کے بازوؤں یا ٹانگوں کے درمیان رکھ کر پٹی باندھ دی گئی۔ لاش کو گوند اور رال میں بھگوئی کپڑے کی پٹیوں سے لپیٹ دیا گیا۔ آخر میں فرعون کے چہرے، آنکھوں اور ابروؤں کو رنگ روغن سے اس طرح سجایا گیا کہ جیسے فرعون سو رہا ہے۔

لاش کو تابوت میں رکھ دیا گیا۔ لاش کے پہلو میں کتاب الموت کا ایک نسخہ سنہری جزدان میں بند کر کے ساتھ رکھ دیا گیا جس میں جنت کو جانے والے راستے کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ اس عمل کے مکمل ہو جانے کے بعد فرعون کے تابوت کو شاہی محل میں اس کی خواب گاہ میں لا کر بڑے احترام سے رکھ دیا گیا۔ تابوت کے ڈھکنے کے اوپر فرعون کے چہرے کا سونے کا ایک بڑا مجسمہ جڑا ہوا تھا تاکہ فرعون کا آخری دیدار کیا جا سکے۔ ان کے عقیدے کے مطابق فرعون کی ممی کے تابوت کو پندرہ یوم تک شاہی محل میں ہی رہنا تھا۔ اس اثناء میں اہرام میں تدفین کی ابتدائی تیاریوں کا عمل بھی جاری تھا۔ اہرام کے اندر جس تہہ خانے یا مقبرے میں فرعون کے تابوت کو دفن کرنا تھا، وہ کافی گہرائی میں بنایا گیا تھا اور اس تک

پہنچنے کے لئے کئی پُر پیچ راستوں اور غاروں میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ مقبرے کی چاردیواری اندرونی دیواروں پر شاہی مصوروں نے بڑی بڑی رنگین تصویریں بنائی تھیں جن میں فرعون کی زندگی کے مناظر کے علاوہ فرعون کو دیوتا آمون کے ساتھ ابدی جنت میں داخل ہوتے دکھایا گیا تھا۔ درمیان میں سنگ مرمر کا چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر ممی کے تابوت کو رکھا جانا تھا۔ مقبرے میں فرعون کے استعمال کی تمام چیزیں پہلے سے رکھ دی گئی تھیں۔ ان میں فرعون کی سونے کی بگھی، اس کا ایک ہیرے جواہرات جڑا تخت، سونے کی ڈھال اور تلوار کھانے پینے کے سونے کے برتن، شراب پینے کے سونے کے پیالے جن پر مرجان، زمرد اور عقیق جڑے ہوئے تھے، ایک صندوق جس میں فرعون کے شاہی لباس کے جوڑے رکھے تھے، ایک طرف دیوار کے ساتھ چار مٹکے لگے تھے ان میں شہد، زیتون کا تیل، غلہ اور بادام بھرے ہوئے تھے۔

فرعون کی ممی کے تابوت کو سوگ کے پندرہ دن گزر جانے کے بعد اہرام میں لا کر دفن کیا جاتا تھا۔ اس دوران فرعون کی پسندیدہ کنیزوں اور غلاموں کا انتخاب کیا جانے لگا۔ ان غلاموں اور کنیزوں کو فرعون کی لاش کے ساتھ ہی اہرام میں زندہ دفن ہونا تھا۔ ملکہ فرعون اور شہزادی ساہتی کے مشورے سے دو غلاموں اور دو کنیزوں کو اس اذیت ناک ''اعزاز'' کے لئے چنا گیا۔ ان دو بدنصیب کنیزوں میں ایک کنیز لائیکا بھی شامل تھی...... ان غلاموں اور کنیزوں کو بالکل نہیں بتایا گیا کہ انہیں پندرہ یوم کے بعد فرعون ہوتپ کی ممی کے ساتھ ہی اہرام میں زندہ دفن کر دیا جائے گا۔ یہ چاروں اپنے اذیت ناک انجام سے بے خبر شاہی محل میں اپنے معمولات کے فرائض کی ادائیگی میں مصروف رہے۔ عقیدے کے مطابق فرعون کی تدفین سے سات ایام پہلے فرعون کی ممی کے ساتھ دفن ہونے والے دونوں غلاموں اور دونوں کنیزوں کو یہ ''خوشخبری'' سنا دی گئی اور ساتھ ہی انہیں الگ الگ کمرے میں بند کر کے باہر پہرہ بٹھا دیا گیا۔

کنیز لائیکا کو جب یہ خبر سنائی گئی کہ اُسے فرعون کے تابوت کے ساتھ ہی اہرام میں زندہ دفن کیا جائے گا تو اُس کا رنگ زرد ہو گیا۔ چاہے کتنا طاقتور عقیدہ کیوں نہ ہو، کوئی غلام اور کنیز زندہ دفن ہونے کو تیار نہیں ہوتی تھی۔ لیکن وہ زندہ دفن ہونے سے بچ بھی نہ سکتے تھے۔ لائیکا کو کمرے میں بند کر کے باہر حبشی تلوار بردار غلام کا پہرہ لگا دیا گیا۔ زندہ

دفن ہونے کے تصور ہی سے اُس کا دل بیٹھا جا رہا تھا لیکن وہ اپنی جان بچانے کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اُسے اپنے محبوب شعبان کا خیال آ گیا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ رواج کے مطابق یہ خبر زندہ دفن ہونے والوں کے لواحقین تک بھی پہنچا دی گئی کہ ان کا بیٹا یا بیٹی فرعون کے ساتھ جنت میں داخل ہونے والی ہے۔ کون اپنے بچے کو زندہ دفن ہوتے دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ ان بدنصیبوں کے لواحقین اور ماں باپ کے کلیجے کٹ گئے مگر اوپر سے وہ خوش رہنے اور ایک دوسرے کو مبارک باد دینے پر مجبور تھے۔ یہ اطلاع لائیکا کی بوڑھی ماں کو ملی تو غم سے اُس کا دل ڈوب گیا مگر وہ اپنے غم کو ظاہر نہ کرنے پر مجبور تھی۔ دارالحکومت کے کونے کونے میں سرکاری طور پر ڈھول پیٹ کر کاہن حامون کے ہرکاروں نے زندہ دفن ہونے والوں کے ناموں کا اعلان کر دیا۔ یہ خبر سائنا تک پہنچی تو اُسے بے حد صدمہ ہوا۔ اُسے معلوم تھا کہ شعبان لائیکا کو پسند کرتا ہے۔ وہ سوچنے لگی کہ شعبان کو جب یہ اطلاع ملے گی تو وہ کس قدر افسردہ خاطر ہو گا۔

طاغوت کے خاص آدمی بھیس بدل کر دارالحکومت میں روزانہ چکر لگاتے تھے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ فرعون کے قاتل شعبان کی تلاش کے بارے میں شاہی سپاہ کیا حکمت عملی اختیار کر رہی ہے۔ انہوں نے بھی یہ خبر سنی کہ فلاں فلاں غلام اور کنیز کو فرعون کے ساتھ اہرام میں دفن کیا جا رہا ہے۔ ان کے ذریعے یہ اندوہناک خبر شعبان تک بھی پہنچ گئی کہ اُس کی محبوبہ لائیکا کو فرعون کے ساتھ دفن کرنے کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ ایک لمحے کے لئے وہ سکتے میں آ گیا، پھر فوراً اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور طاغوت سے کہا۔

''میں لائیکا کو اہرام میں زندہ دفن نہیں ہونے دوں گا۔''

طاغوت بولا۔ ''تم کیا کر سکتے ہو؟ تمہاری اپنی زندگی خطرے میں ہے۔ لائیکا کو بچانے گئے تو خود پکڑ لئے جاؤ گے۔ فرض کر لیا تم شاہی محل تک پہنچ بھی گئے تو لائیکا اس وقت سخت پہرے میں ہو گی۔ تم اُسے کیسے نکال کر لاؤ گے؟''

شعبان کا ذہن اس وقت بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ کہنے لگا۔ ''اس کام میں سائنا میری مدد کر سکتی ہے۔ میں آج رات ہی جا کر اُسے ملوں گا۔''

طاغوت اُسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ ''احمق نہ بنو۔ عقل سے کام لو۔ فرعون کے تابوت کے ساتھ جو غلام یا کنیز دفن ہونے کے لئے چن لی جاتی ہے اسے دنیا کی کوئی

طاقت فرار نہیں کرا سکتی۔ ناحق جان خطرے میں نہ ڈالو اور لائیکا کو بھول جاؤ۔ موت اُس کا مقدر بن چکی ہے۔"

مگر شعبان یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ کہنے لگا۔ "تم چاہے کچھ بھی کہو۔ میں نے لائیکا کو بچانے کا فیصلہ کر لیا ہے چاہے اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ تم مجھے جانے کی اجازت نہیں دو گے تو میں خود رات کو سائنا کے مکان پر چلا جاؤں گا۔"

طاغوت نے جب دیکھا کہ عشق کا بھوت شعبان کے سر پر بری طرح سوار ہے اور اُس سے کوئی نہ کوئی ایسی حماقت ضرور سرزد ہو جائے گی جس کے نتیجے میں وہ خود خطرے میں گھِر جائے گا تو کہنے لگا۔

"صبر سے کام لو۔ ٹھیک ہے اگر تم سائنا سے ضرور ملنا چاہتے ہو تو میرے آدمی تمہیں رات کو اپنی حفاظت میں اس کے مکان پر پہنچا دیں گے۔ لیکن تمہیں صبح ہونے سے پہلے پہلے کمین گاہ پر واپس آ جانا ہو گا۔"

شعبان بولا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں۔ صبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں پہنچ جاؤں گا۔"

یہ ایک بہت بڑا خطرا تھا جسے طاغوت محض اپنے دوست کی خوشنودی کے لئے مول لے رہا تھا۔ وہ فرعون کا قاتل تھا اور اُس کی تلاش میں شاہی فوج کے سپاہی اور جاسوس چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے لیکن وہ یہ خطرہ مول لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اُس نے احتیاط کے طور پر شعبان کے بال منڈوا دیئے اور اُس کا حلیہ لکڑ ہاروں جیسا بنا دیا۔ جب رات کی تاریکی چاروں طرف پھیل گئی تو شعبان گھوڑے پر سوار ہو کر دو محافظ ڈاکوؤں کی معیت میں سائنا کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ سائنا کے مکان کے پاس پہنچ کر شعبان نے دونوں محافظ ڈاکوؤں کو مکان کے باہر ایک طرف کھڑے ہونے کو کہا اور خود سائنا کی کوٹھڑی کی کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اُس نے کھڑکی پر تین بار خاص انداز میں دستک دی۔ سائنا سو رہی تھی۔ دوسری تیسری دستک پر اُس کی آنکھ کھل گئی۔ شعبان نے ایک بار پھر مخصوص انداز میں کھڑکی پر دستک دی تو سائنا سمجھ گئی کہ یہ شعبان ہے۔ وہ بستر سے اُٹھ کر کھڑکی کی طرف دوڑی۔ کھڑکی کا پٹ کھولا تو اندھیرے میں اُسے شعبان نظر آیا۔ سائنا کو دیکھتے ہی شعبان کھڑکی میں سے کوٹھڑی میں آ گیا۔ سائنا نے جلدی سے کھڑکی بند کر کے کنڈی لگا دی۔ وہ حیرت اور مسرت کے ملے جلے احساس کے ساتھ شعبان کو دیکھ رہی تھی۔ شعبان نے سائنا

سے کہا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں تم سے بڑی ضروری بات کرنے آیا ہوں۔ یہاں بیٹھ جاؤ۔"

سائنا اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔ شعبان اُس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کہنے لگا۔ "تم نے یہ خبر سن لی ہو گی کہ فرعون کے تابوت کے ساتھ جن دو کنیزوں کو اہرام میں دفن کیا جا رہا ہے ان میں لائیکا بھی ہے۔"

سائنا کا خیال تھا کہ شاید شعبان اس سے ملنے آیا ہے لیکن اُسے لائیکا کی محبت کھینچ کر اُس کے پاس لے آئی تھی۔ سائنا کی ساری زندگی محبت کے صدمے سہتے گزری تھی۔ اُس نے یہ صدمہ بھی برداشت کر لیا اور بولی۔

"ہاں۔ یہ خبر میں نے بھی سنی ہے۔"

شعبان نے کہا۔

"میں لائیکا سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا کسی صورت تم مجھے اُس سے ملوا سکتی ہو؟"

سائنا بولی۔ "کیسی باتیں کرتے ہو؟ لائیکا اس وقت شاہی قید خانے میں بند ہے۔ باہر سخت پہرہ لگا ہے۔ میں تمہیں کیسے ملوا سکتی ہوں؟"

شعبان بولا۔ "تم شاہی محل میں ایک دو بار جا چکی ہو۔ تم صرف اتنا کرو کہ مجھے یہ سراغ لگا کر بتا دو کہ لائیکا شاہی محل کے کس جانب کون سے کمرے میں قید ہے۔ اس کے بعد میں خود اُسے وہاں سے نکال لوں گا۔"

سائنا نے شعبان کے بازو کو تھام لیا اور بولی۔ "تمہیں میری قسم ہے شعبان! یہ کام نہ کرنا۔ شاہی فوج کے سپاہی پہلے ہی تمہاری تلاش میں ہیں۔ تمہیں کچھ ہو گیا تو میں زندہ نہ رہ سکوں گی۔"

سائنا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے پہلی بار اس قدر جذباتی ہو کر شعبان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔ شعبان کچھ کہنے لگا تو سائنا نے اُس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ سائنا کے ذہن میں اچانک ایک خیال آ گیا تھا۔ اُس نے کہا۔

"ایک بات ہو سکتی ہے۔"

"وہ کیا؟ بتاؤ۔" شعبان نے پوچھا۔

سائنا بولی۔ ”شاید تمہیں بھی معلوم ہوگا کہ رسم کے مطابق ہر فرعون کے ساتھ زندہ دفن ہونے والے غلاموں اور کنیزوں کی تدفین سے پہلے اُن کی ماں باپ سے آخری ملاقات کروائی جاتی ہے۔“

شعبان ایک دم چونک سا گیا۔ کہنے لگا۔ ”ہاں، مجھے یاد آیا۔ آخری ملاقات کروائی جاتی ہے۔ لائیکا کی بھی اس کے ماں باپ سے آخری ملاقات کروائی جائے گی۔ تم نے یہ بتا کر میرا کام آسان کر دیا ہے۔ میں آخری ملاقات کے وقت لائیکا کو نکال لے جانے کی کوشش کروں گا۔“

سائنا بولی۔ ”یہ خودکشی کرنے کے برابر ہوگا۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ آخری ملاقات کے وقت بدقسمت غلام یا کنیز کے ساتھ شاہی سپاہ کے فوجی آگے پیچھے ہوتے ہیں۔ کسی کو قریب آنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ تم نے ایسی حالت میں لائیکا کو اغوا کرنے کی کوشش کی تو خود پکڑے جاؤ گے۔ نہ نہ، میں ہاتھ جوڑتی ہوں تمہارے آگے۔ یہ کام نہ کرنا۔“

اس لمحے شعبان کسی اور ہی سوچ میں تھا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ اگر وہ طاغوت کے سارے ڈاکوؤں کو بھی لے کر آ جائے تو بھی لائیکا کو چھڑانے کے لئے شاہی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکے گا اور خود گرفتار ہو جائے گا۔ چنانچہ اُس کا ذہن تیزی کے ساتھ کسی دوسری تدبیر پر غور و فکر کرنے لگا تھا۔ ایک تدبیر ایک دم سے جیسے بجلی چمک جاتی ہے اُس کے ذہن میں آ گئی۔ اُس نے لائیکا سے کہا۔

”ایک بات بتاؤ، کیا ایسا ممکن ہے کہ جب شاہی فوج کے سپاہی آخری ملاقات کروانے لائیکا کو لے کر اُس کے گھر آئیں تو تم وہاں پر موجود ہو؟“

سائنا نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور بولی۔ ”ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ میں ایک دن پہلے لائیکا کے گھر پہنچ جاؤں گی۔ مگر تمہیں اس سے کیا فائدہ ہوگا؟“

شعبان بولا۔ ”یہ میں تمہیں کل رات آ کر بتاؤں گا۔ مجھے یہ بتاؤ لائیکا کی آخری ملاقات کا دن کون سا ہے؟“

سائنا نے حساب لگانے کے بعد بتایا۔ ”رسم کے مطابق یہ ملاقات آج سے ٹھیک [illegible] دن بعد ہوگی۔“

شعبان بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ بولا۔ ”ٹھیک ہے۔ میں کل رات کو جلدی آ جاؤں گا۔

جاگتی رہنا۔“

سائنا آہ بھر کر بولی۔ ”میں سوتی ہی کب ہوں۔ فکر نہ کرو، میں جاگ رہی ہوں گی۔“

شعبان نے کوئی جواب نہ دیا اور کھڑکی میں سے باہر کود گیا۔ سائنا کھڑکی کے کھلے ہوئے پٹ سے لگی شعبان کو رات کے اندھیرے میں گم ہوتے دیکھتی رہی۔

شعبان نے جو کچھ سوچ رکھا تھا اس کے بارے میں اُس نے طاغوت کو بھی کچھ نہ بتایا۔ رات کو واپسی پر جب اُس نے پوچھا کہ سائنا سے کیا بات ہوئی تو اُس نے کہا۔

”کل رات کو بتاؤں گا۔“

طاغوت تعجب سے پوچھنے لگا۔ ”کیوں؟ آج کیوں نہیں بتاؤ گے؟“

شعبان بولا۔

”مجھے کل پھر سائنا سے ملنے جانا ہوگا۔ واپس آ کر تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔“

طاغوت نے اور زیادہ تعجب سے پوچھا۔ ”تو کل رات بھی جاؤ گے؟“

”ہاں......“ شعبان بولا۔ ”جانا ضروری ہے۔“

پھر شعبان غار میں بچھے ہوئے بستر پر لیٹ گیا اور چادر اوپر کر کے آنکھیں بند کر لیں۔

دوسرے روز سورج غروب ہونے کے بعد جب رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تو شعبان دو محافظ ڈاکوؤں کے ساتھ طاغوت کی خفیہ کمین گاہ سے نکل کر اپنے پرانے بستی والے مکان کی طرف چل پڑا۔

تاریک رات میں صحرائی ٹیلوں اور سنگلاخ چٹانی سلسلوں میں سے گزرتا شعبان پرانی بستی میں پہنچ گیا۔ سائنا کے گھر جانے کی بجائے وہ اپنے مکان میں آ گیا۔ محافظ ڈاکو مکان کے باہر چھپ کر پہرہ دینے لگے۔ مکان کے پچھلے حجرے میں اُس کا علاج معالجے کا سامان، جڑی بوٹیوں کی پوٹلیاں اور دوائی پیسنے کی سل اور مختلف محلول سے بھری ہوئی پتھر کی بوتلیں ویسے ہی الماریوں اور طاقوں میں پڑی تھیں۔ اُس نے چراغ جلایا اور اس کی روشنی میں بعض جڑی بوٹیوں کی پوٹلیاں کھول کر دیکھنے لگا۔ کافی دیر تلاش کرتے رہنے کے بعد اُس نے ایک پوٹلی میں سے ایک سوکھی ہوئی جڑی بوٹی اور دوسری پوٹلی میں سے ایک اور جڑی بوٹی کی خشک بھربھری پتیاں نکالیں۔ ان کو پتھر کی سل پر رکھ کر بٹے سے اچھی طرح پیسا، پھر ایک کٹورے میں ڈال دیا۔ اُٹھ کر الماری اور طاق میں پڑی بوتلوں میں سے دو

بوتلیں نکال کر ان میں بھری ہوئی سیال دوا کے گن کر بارہ بارہ قطرے پتھر کی سل پر ٹپکائے، انہیں بٹے سے سل پر ہی اچھی طرح سے جڑی بوٹیوں کے سفوف میں حل کرنے لگا۔ وہ خاصی دیر تک پتھر کی سل پر بٹے کو آگے پیچھے چلاتے ہوئے دوائی کے لیپ کو حل کرتا رہا۔ یہ اس قسم کی دوائی تھی کہ جیسے جیسے اسے ملایا جا رہا تھا، وہ سوکھتی جا رہی تھی اور کم ہوتی جا رہی تھی۔ جب اس کی مقدار صرف اتنی رہ گئی کہ اگر اسے سل بٹے پر مزید حل کیا جاتا تو وہ اُڑ جاتی تو شعبان نے اُس کی ایک گولی سی بنا لی۔ یہ گولی کچے جنگلی بیر کے سائز کی تھی اور اس کا رنگ سبز ہو گیا تھا۔

شعبان نے سبز گولی کو بڑی احتیاط کے ساتھ کپڑے میں لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور سائنا کے گھر کی طرف چلا۔ حسب وعدہ سائنا نے اپنی کوٹھڑی کی کھڑکی کھلی رکھی ہوئی تھی۔ شعبان نے اندر جھانک کر دیکھا، حجرے میں اندھیرا تھا۔ اُس نے آہستہ سے سائنا کو آواز دی، سائنا جاگ رہی تھی۔ صرف اُس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ شعبان کی آواز پر وہ جلدی سے کھڑکی میں آ گئی۔ شعبان نے سرگوشی میں کہا۔ ’’میں اندر نہیں آؤں گا۔ تم میرے ساتھ میرے مکان پر چلو۔ وہیں ساری باتیں ہوں گی۔‘‘

سائنا اسی وقت شعبان کے ساتھ چل دی۔ اپنے پرانے مکان کے کمرے میں آ کر شعبان تخت پوش پر بیٹھ گیا۔ سائنا کو اُس نے بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور کہنے لگا۔

’’جو کچھ میں کہوں اسے بڑے غور سے سننا۔‘‘

کمرے میں اندھیرا تھا۔ شعبان نے اُٹھ کر دیا روشن کر کے اس کی لو دھیمی کر دی اور واپس تخت پوش پر آ کر بیٹھ گیا۔ کمرے میں خاموشی اتنی گہری تھی کہ دونوں کو ایک دوسرے کے سانس لینے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ شعبان بولا۔

’’آج سے ٹھیک تین دن بعد لائیکا کو شاہی محل کے سپاہی اُس کے ماں باپ سے آخری ملاقات کروانے لے کر جائیں گے۔ تم نے یہی بتایا تھا نا؟‘‘

’’ہاں۔‘‘ سائنا نے جواب دیا۔

شعبان نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ’’اور تم نے کہا تھا کہ تم ایک دن پہلے لائیکا کے گھر چلی جاؤ گی۔‘‘

سائنا بولی۔ ’’ہاں۔‘‘

شعبان نے کہا۔ ’’اس کا مطلب ہے کہ تم پرسوں صبح کو ہی لائیکا کے ہاں چلی جاؤ گی اور پھر آخری ملاقات تک اس کے گھر پر ہی رہو گی۔‘‘

’’ہاں۔‘‘ سائنا بولی۔ ’’مگر تم پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو؟ صاف بات کیوں نہیں کرتے؟ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟‘‘

شعبان نے جیب میں سے دوائی کی گولی والی چھوٹی سی پوٹلی نکال کر سائنا کو دکھائی اور کہنے لگا۔ ’’اس پوٹلی میں ایک خاص دوا کی گولی ہے۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔‘‘

اُس نے کپڑے میں لپٹی ہوئی سبز رنگ کی چھوٹی گولی نکال کر سائنا کو دکھائی اور کہنے لگا۔ ’’جب لائیکا آخری ملاقات کے لئے اپنے گھر آئے تو تمہیں یہ گولی اُسے دینی ہو گی۔‘‘

سائنا بڑے غور سے شعبان کی ہتھیلی پر رکھی ہوئی سبز رنگ کی گولی کو دیکھ رہی تھی۔ اُس نے پوچھا۔ ’’اس سے کیا ہو گا؟‘‘

شعبان نے گولی کو دوبارہ کپڑے میں لپیٹ کر اس کی پوٹلی سی بنائی اور بولا۔ ’’اگر میں تمہیں بتا دوں کہ یہ گولی کیا جادو کا اثر دکھائے گی تو تمہیں یقین نہیں آئے گا۔‘‘

سائنا ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ’’کیا اس کے کھانے سے لائیکا غائب ہو جائے گی؟‘‘

شعبان نے کہا۔ ’’غائب ہونے سے بھی بڑھ کر کرامت ظاہر ہو گی۔ لائیکا کو گولی دے کر تم اُسے تاکید کرو گی کہ اسے اپنے پاس چھپا کر رکھ لے اور جب اُسے زندہ دفن کرنے کے لئے اہرام میں لے جایا جائے تو دوسروں کی نظروں سے بچا کر یہ گولی منہ میں ڈال کر اسے نگل جائے۔ یہ گولی اُسے اس وقت منہ میں ڈال کر نگلنی ہو گی جب شاہی محل کے خدام اُسے دوسری کنیز اور دو غلاموں کے ساتھ فرعون کے مقبرے میں تنہا چھوڑ کر مقبرے کی دیوار کو بند کر کے چلے جائیں۔ گولی کھانے کے ایک گھنٹے بعد لائیکا پر آہستہ آہستہ غشی طاری ہونے لگے گی۔ اس کے بعد وہ بے ہوش ہو جائے گی۔ اس گولی میں ایسی نایاب بوٹیوں کا عرق شامل کیا گیا ہے کہ جس کے اثر سے فرعون کے مقبرے کی بند چار دیواریوں کے اندر تازہ ہوا کے بند ہو جانے اور ہوا میں موجود سانس کے ذریعے انسان کو زندہ رکھنے والے ذرات کے ختم ہو جانے کے بعد بھی لائیکا زندہ رہے گی مرے گی نہیں۔‘‘

’’یہ کیسے ہو سکتا ہے؟‘‘ سائنا حیران ہو کر بولی۔

شعبان نے کہا۔

''اس گولی میں ایسی جڑی بوٹیوں کے اجزاء شامل کئے گئے ہیں جس کے ذرات لائیکا کے خون میں حل ہو کر اس کے دماغ کو کم از کم تین دن تک زندہ رکھیں گے۔''

سائنا بولی۔ ''تین دن زندہ رکھنے سے لائیکا کو کیا فائدہ ہوگا؟ چوتھے دن تو وہ اپنے آپ مر جائے گی۔''

''لائیکا مرے گی نہیں۔'' شعبان نے کہا۔ ''اس لئے کہ تیسرا دن آنے سے پہلے ہی میں اُسے اہرام کے زمین دوز مقبرے سے نکال کر لے جاؤں گا۔''

اب سائنا پہلے سے زیادہ حیرت زدہ ہوگئی۔ کہنے لگی۔ ''یہ تم کیا بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو شعبان؟ ایک بار اہرام کو بند کر دیا جاتا ہے تو پھر انسان تو کیا کوئی چیونٹی بھی اس کی چٹان جیسی دیواروں میں سے گزر کر اندر نہیں جا سکتی۔ تم کیسے اندر جا کر لائیکا کو بھی نکال لے آؤ گے؟''

شعبان بولا۔

''یہ میں ابھی تمہیں نہیں بتا سکتا۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ تم جیسے بھی ہو لائیکا کو یہ گولی دے کر وہ ساری باتیں اچھی طرح اس کے ذہن نشین کرا دو جو میں نے تمہیں بتائی ہیں اور اُسے تاکید کر دو کہ اس گولی کو اس وقت منہ میں ڈال کر نگلنا ہوگا جب شاہی محل کے خادم، کاہن اور پروہت اسے دوسری کنیز اور غلاموں کے ساتھ مقبرے کے تہہ خانے میں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ تم یہ کام پوری ذمہ داری سے کرو گی۔''

سائنا نے کہا۔ ''کیوں نہیں کروں گی۔'' اُس نے سبز گولی والی چھوٹی سی پوٹلی اپنی قمیض کے اندر چھپا کر رکھ لی۔

شعبان کہنے لگا۔ ''لائیکا کو میری طرف سے بتا دینا کہ میں ہر حالت میں اُسے اہرام کے اندر سے نکال کر لے جاؤں گا۔ وہ بالکل نہ گھبرائے، میں اسے مرنے نہیں دوں گا۔ اس کی تسلی کی خاطر اُسے یہ بھی بتا دینا کہ مجھے یعنی شعبان کو اہرام کے اندر جانے والے ایک خفیہ راستے کا علم ہے۔ میں اہرام کے بند ہونے کے دوسرے ہی دن رات کے وقت خفیہ راستے سے اہرام میں داخل ہو کر اسے نکال کر لے جاؤں گا۔ میری طرف سے اُسے تاکید کرنا کہ شعبان کہہ رہا تھا کہ میں جان پر کھیل کر بھی اسے اہرام سے نکال لے جاؤں

گا، وہ بالکل نہ گھبرائے اور میری دی ہوئی دوائی کی گولی اسے کم از کم ایک ہفتے تک سانس لئے بغیر زندہ رکھ سکتی ہے۔''

سائنا خاموش تھی۔ شعبان سائنا سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ ''جس دن لائیکا اپنے گھر والوں سے آخری ملاقات کرنے آئے گی، میں اُسی رات کو تمہیں آ کر مل لوں گا۔ تم اس رات اپنے گھر واپس آ جاؤ گی نا؟''

''ہاں۔'' سائنا نے کہا۔ ''شاہی محل کے سپاہی تو آخری ملاقات کروانے کے بعد لائیکا کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اس کے بعد مجھے وہاں رہ کر کیا کرنا ہوگا۔ میں اُسی دن گھر لوٹ آؤں گی۔''

''ٹھیک ہے...... اب میں چلتا ہوں۔ میرا یہاں زیادہ دیر رُکنا ہم دونوں کے لئے خطرناک ہو سکتا ہے۔''

سائنا اُسے دیکھتی ہی رہ گئی اور شعبان اپنے مکان سے نکل کر چلا گیا۔ وہ چاہتی تھی کہ شعبان اُس کے پاس کچھ دیر اور رُک جاتا۔ وہ اُس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ لائیکا کو اہرام سے نکالنے کے بعد وہ اُسے لے کر کہاں جائے گا؟ کیا وہ پھر کبھی واپس نہیں آئے گا؟ کیا وہ پھر کبھی شعبان کا چہرہ نہ دیکھ سکے گی؟ سائنا کو تو شعبان سے اور کوئی غرض نہیں تھی، وہ تو صرف یہی چاہتی تھی کہ اس کا محبوب جس سے وہ بچپن سے پیار کرتی آ رہی ہے، اس کی آنکھوں کے سامنے رہے اور وہ اُسے دیکھتی رہے۔ اُس کی محبت تو صرف محبوب کے دیدار کی طلبگار تھی۔ لیکن شعبان چلا گیا۔ سائنا کا حال، اُس کے دل کا حال پوچھے بغیر ہی چلا گیا......!

✿......✿

شعبان راتوں رات طاغوت کی خفیہ کمین گاہ میں پہنچا تو طاغوت اُس کا بے چینی سے انتظار کررہا تھا۔ کہنے لگا۔ ''تم نے اتنی دیر کیوں لگا دی؟''

شعبان نے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ...... میں تمہیں سب کچھ بتاتا ہوں۔''

دونوں غار کے اندر بیٹھ گئے۔ شعبان نے لائیکا کو اہرام میں زندہ دفن ہونے سے بچانے کی خاطر جو منصوبہ بنایا تھا طاغوت کو پوری تفصیل کے ساتھ بتا دیا۔ طاغوت بڑے غور سے سنتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''مگر تم فرعون کے اہرام میں داخل کہاں سے ہو گے؟ شاید اس پر تم نے غور نہیں کیا۔''

''شعبان بولا۔ ''اس پر غور کرنے کی ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ مجھے اہرام کے اندر جانے والے اُس خفیہ راستے کا علم ہے جو تخت نشین ہونے والا ہر فرعون خفیہ طور پر ضرور بنواتا ہے تاکہ مرنے والے فرعون کے تابوت کے ساتھ جو بے پناہ دولت زرو جواہر کی شکل میں رکھ دی گئی ہے اس کی دیکھ بھال کی جائے اور دشمن سے جنگ کی صورت میں یہ دولت فوجی مقاصد کے واسطے استعمال کی جا سکے۔''

طاغوت بڑا حیران ہوا، کہنے لگا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے شاہی اہرام کے ایسے کسی خفیہ راستے کے بارے میں کبھی نہیں سنا۔ اور پھر تمہیں یہ راز کیسے معلوم ہوا؟''

شعبان نے کہا۔

''مجھے یہ راز فرعون ہوتپ کی بیٹی شہزادی ساہتی کی زبانی معلوم ہوا تھا۔ ان دنوں میں ملکہ فرعون اور شہزادی ساہتی کا طبیب خاص تھا اور کثرت شراب نوشی سے شہزادی ساہتی کی گرتی ہوئی صحت کا علاج کر رہا تھا۔ شہزادی ساہتی کو شراب نوشی کی بری عادت پڑ گئی تھی اور وہ ہر وقت نشے کی حالت میں رہتی تھی۔ شہزادی ساہتی میرے ساتھ بڑی شفقت کا سلوک کرتی تھی۔ ایک روز میں شہزادی کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ بات ہر فرعون کے اہرام میں اُس کے تابوت کے ساتھ دفن کئے جانے والے زرو جواہر اور بیش قیمت خزانے کی ہو رہی تھی۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے میں شروع ہی سے قدرے آزاد خیال ہوں۔ اپنے دیوتاؤں پر میرا اعتقاد بھی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ میں اپنی عقل سے بھی سوچتا ہوں۔ چنانچہ میں نے بغیر سوچے سمجھے شہزادی صاحبہ سے کہہ دیا کہ ربہ فرعون کے ساتھ جو اتنی دولت زرو جواہر کی شکل میں رکھ دی جاتی ہے کیا وہ آگے چل کر لٹیروں اور ڈاکوؤں کی دست برد سے محفوظ رہ سکے گی؟ اس پر شہزادی ساہتی نے سخت لہجے میں میری سرزنش کرتے ہوئے کہا۔ تمہیں فوراً توبہ کرنی چاہئے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ربہ فرعون کے تابوت کے ساتھ جو دولت رکھی جاتی ہے وہ اگلی دنیا میں اُسی کے کام آتی ہے؟ میں نے فوراً توبہ کی اور شہزادی صاحبہ سے معافی مانگنے لگا۔ شہزادی ساہتی نے اپنے زمردیں پیالے میں سے شراب خانہ سوز کا ایک گھونٹ پیا اور کہنے لگیں۔ جو دولت جنت میں ابدی زندگی حاصل کرنے والے فرعون کے استعمال کے بعد بچ رہتی وہ اہرام کے اندر اُس کی امانت بن کر محفوظ رہتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی اگلی دنیا میں رہنے والے فرعون کی اجازت سے یہ دولت جنگ کی صورت میں سلطنت اور ملک کی حفاظت کرنے والی شاہی فوج کے بھی کام میں لائی جاتی ہے۔ میں نے بڑے ادب سے عرض کی کہ شہزادی صاحبہ! اہرام کی سنگیں دیواریں تو تینوں جانب سے زمین کی گہرائیوں تک اُتری ہوئی ہوتی ہیں اور وہ بند ہوتا ہے۔ پھر جنگ کی صورت میں اہرام کے اندر سے دولت کیسے باہر لائی جاتی ہے؟ اس کے جواب میں شہزادی ساہتی نے مجھے وہ راز بتا دیا جو اگر وہ شراب کی ترنگ میں نہ ہوتیں تو کبھی ان کی زبان پر نہ آتا۔ کہنے لگیں۔ اس مقصد کے لئے شاہی اہرام کے اندر جانے کا ایک خفیہ راستہ بنایا جاتا ہے جو ایک سرنگ کی طرح ہوتا ہے۔ اس سرنگ کا دہانہ شاہی اہرام سے پانچ سو قدموں کے فاصلے پر جنوب کی جانب رکھا جاتا ہے جس کو بڑے بڑے پتھروں سے چھپا دیا جاتا ہے۔ پھر اچانک شہزادی صاحبہ کو خیال آ گیا کہ انہوں نے مجھے ایک ایسا خفیہ راز بتا دیا ہے جو انہیں نہیں بتانا چاہئے تھا۔ ایک لمحے کے لئے اُن کا نشہ ہرن ہو گیا، میری طرف گھور کر دیکھا اور کہا۔ اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر دیوتا آمون اور دیوتا ایزس کی قسم کھا کر کہو کہ جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے یہ کسی بھی شخص کو نہیں بتاؤ گے۔ میں نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر دیوتاؤں کی قسم کھا کر وعدہ کیا کہ میں یہ راز کسی کو نہیں بتاؤں

گا۔ شہزادی کہنے لگیں۔ اب اگر تم نے یہ راز کسی کو بتایا تو تم پر دیوتاؤں کا قہر نازل ہوگا۔
اس کے بعد شہزادی ساہتی نے مجھے بتایا کہ شاہی اہرام کے خفیہ راستے کا راز سوائے ملکہ فرعون اور اس کی اولاد اور سپہ سالار کے کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ جو مزدور سرنگ کھود کر یہ خفیہ راستے بناتے ہیں انہیں سرنگ مکمل ہونے کے فوراً بعد سپہ سالار اپنے ہاتھ سے قتل کر دیتا ہے۔''

شعبان ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا، پھر بولا۔ ''اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ مجھے شاہی اہرام کے خفیہ راستے کا علم کیسے ہوا۔''

طاغوت بڑی توجہ سے شعبان کی رام کہانی سن رہا تھا۔ جب شعبان نے اپنی بات ختم کی تو اُس نے کہا۔ ''تم نے یہ راز مجھے بتا کر اپنی قسم توڑ دی ہے جو تم نے دیوتا آمون اور دیوتا اسیرس کو حاضر جان کر کھائی تھی۔ اب تم دیوتاؤں کے قہر سے نہیں بچ سکو گے۔ تمہیں چاہئے تھا کہ مجھے یہ راز نہ بتاتے۔''

شعبان نے کہا۔ ''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں جانوں اور دیوتا جانیں۔ لیکن اس کام میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔''

طاغوت ہنس کر بولا۔ ''میں نے پہلے کبھی تمہاری مدد کرنے سے انکار کیا ہے جو اب کروں گا۔ بولو، مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

شعبان نے کہا۔ ''فرعون ہوتپ کی تدفین اور اس کے ساتھ کنیز لائیکا کو زندہ دفن کرنے میں صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں اس سے پہلے پہلے شاہی اہرام کی خفیہ سرنگ کے دہانے کا پتہ چلا لوں۔ اس کے لئے تمہیں کل رات کو میرے ساتھ جانا ہو گا۔ کیا تم چل سکو گے؟''

طاغوت نے شعبان کا ہاتھ زور سے دباتے ہوئے ہنس کر کہا۔ ''کیوں نہیں جاؤں گا۔ تم ایک ہی تو میرے دوست ہو۔ تمہارے لئے تو جان بھی حاضر ہے۔''

طاغوت نے اُٹھ کر شعبان کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور اُسے گلے لگا لیا۔ کہنے لگا۔ ''میں ویسے بھی تمہیں اس مہم پر اکیلا نہ جانے دیتا۔ تمہارے پکڑے جانے کا مجھے ہر وقت ڈر رہتا ہے۔ فکر نہ کرو۔ ہم کل آدھی رات کے وقت اس مہم پر نکل پڑیں گے۔ اب تم جاؤ۔''

دوسری رات جب آدھی رات گزر چکی تو طاغوت اور شعبان دونوں دوست اپنی خطرناک مہم پر خفیہ کمین گاہ سے نکل پڑے۔ انہوں نے اپنے حلیے اُن مسافروں جیسے بنائے ہوئے تھے جو دن کی تپش اور گرمی سے بچنے کے لئے راتوں کو ایک شہر سے دوسرے شہر کو سفر کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے محافظوں کو بھی نہیں لیا تھا۔ قدیم مصر کے آلودگی سے پاک نیلے آسمان پر ستاروں کے جھرمٹ چاندی کے جڑاؤ زیوروں کی مانند چمک رہے تھے۔ ان کی پھیکی روشنی میں دونوں دوست گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے اپنی منزل کی طرف چلے جا رہے تھے۔ ان کی منزل وہ شاہی اہرام تھا جو نیا نیا تعمیر ہوا تھا اور جس میں مُردہ فرعون ہوتپ کے تابوت کو دفن کیا جانا تھا۔ یہ اہرام شاہی محلات سے ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر واقع تھا۔ دونوں دوست سیدھے راستے پر چلنے کی بجائے ایک لمبا راستہ طے کر کے شاہی اہرام کی عقبی سنگلاخ پہاڑیوں میں پہنچ گئے۔ جب وہ ان پہاڑیوں سے باہر نکلنے لگے تو ستاروں کی دُھندلی روشنی میں انہیں دُور سے شاہی اہرام ایک باجبروت تکونے پہاڑ کی طرح زمین سے بلند ہو کر ستاروں کو چھوتا ہوا دکھائی دیا۔ انہوں نے گھوڑے روک دیئے۔ شعبان کہنے لگا۔

''ہمیں اہرام کے جنوب کی طرف جانا ہوگا۔''

طاغوت نے چہرہ اوپر اٹھا کر ستاروں کو دیکھا اور بولا۔ ''ہم اس وقت شمال مغرب کی طرف ہیں۔ جنوب ہمارے دائیں بازو کی جانب ہے۔''

انہوں نے دائیں جانب گھوڑوں کو ڈال دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ شاہی اہرام کے جنوب میں آ گئے۔ لیکن وہ اہرام سے کافی دُور تھے۔ شعبان نے کہا۔

''اہرام کی خفیہ سرنگ کا دہانہ اہرام سے پانچ سو قدموں کے فاصلے پر بتایا گیا ہے۔ اس کے لئے ہمیں اہرام کے قریب جانا پڑے گا۔''

طاغوت بولا۔ ''اہرام کے اِردگرد شاہی فوج کا پہرہ ہوگا۔ وہاں جانا خطرناک ہے۔ ہم اندازہ لگا کر یہاں سے اہرام کی طرف چلتے ہیں۔ مگر ایک بات ہے۔''

''وہ کیا؟'' شعبان نے پوچھا۔

طاغوت نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے اہرام کی سرنگ کے دہانے پر بھی فوج کے سپاہی چھپ کر اس کی نگرانی کر رہے ہوں۔''

شعبان سوچنے لگا، پھر بولا۔ ''میرا خیال ہے ابھی ایسا نہیں ہوا ہوگا۔ کیونکہ اہرام کے اندر ابھی فرعون کی ممی کی تدفین نہیں ہوئی۔ اگر خفیہ پہرہ لگا بھی تو وہ اہرام میں فرعون کو دفن کر دینے کے بعد لگے گا۔ بہر حال ہم احتیاط سے کام کر لیں گے۔''

پہلی احتیاط انہوں نے یہ کی کہ اپنے گھوڑے اسی جگہ ایک بڑے چٹانی پتھر کے ساتھ باندھ دیئے اور پیدل چل پڑے۔ ان کے آس پاس اور دُور و نزدیک ریت کے چھوٹے بڑے ٹیلے سر اٹھائے کھڑے تھے۔ رات کے اندھیرے اور جھلملاتے ستاروں کی دُھندلی روشنی میں دُور سے دیو پیکر اہرام ایسے لگتا تھا جیسے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا جا رہا ہے۔ ایک جگہ زمین سخت ہو گئی اور کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی سیاہ چٹانیں زمین سے باہر نکلی ہوئی نظر آنے لگیں۔ شعبان رُک گیا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں آگے نہیں جانا چاہئے۔ ہم اہرام سے پانچ سو قدموں کے فاصلے پر پہنچ چکے ہیں۔''

طاغوت رات کے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا، اُس نے شعبان کو سرگوشی میں کہا۔ ''ہو سکتا ہے اِردگرد کوئی سپاہی پہرے پر موجود ہو۔ ہمیں اونچی آواز میں نہیں بولنا چاہئے۔''

شعبان نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''میں آگے آگے چلتا ہوں، تم تھوڑا فاصلہ ڈال کر میرے پیچھے پیچھے آؤ۔''

شعبان آگے آگے اور طاغوت اُس کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے اور ہر دوسرے قدم پر رُک کر دائیں بائیں دیکھ لیتے تھے۔ کچھ دُور شعبان کو ایک چھوٹا سا ٹیلہ نظر آیا۔ شعبان نے طاغوت سے سرگوشی کی۔

''میرا خیال ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں اہرام کی سرنگ کا دہانہ ہے۔''

طاغوت بولا۔

''تم چلو، میں تمہارے پیچھے پندرہ بیس قدموں کا فاصلہ ڈال کر آتا ہوں۔''

شعبان آگے چل پڑا۔ ٹیلے کے پاس پہنچ کر اُس نے دیکھا کہ وہاں ٹیلے کی ڈھلان کے ساتھ ایک جگہ بڑے بڑے پتھروں کی سلیں اس طرح پڑی تھیں کہ صاف لگتا تھا کہ انہیں آدمیوں نے خود وہاں لا کر ڈھیر کیا ہے۔ وہ جھک کر ان کا جائزہ لینے لگا۔ یہ کئی کئی من وزنی چٹانوں کے بڑے بڑے ٹکڑے تھے جن کو آڑا ترچھا کر کے اس طرح ایک دوسرے

کے اوپر نیچے اور ساتھ لگایا گیا تھا کہ دیکھنے سے ایسا لگے جیسے زلزلے وغیرہ کی وجہ سے پتھر کی یہ سلیں اپنے آپ ٹیلے سے ٹوٹ کر یہاں جمع ہو گئی ہیں۔ شہزادی ساہتی نے خفیہ سرنگ کے دہانے کی یہی نشانی بتائی تھی۔ ایک جگہ اُس نے پتھر کی سل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ہلانے کی کوشش کی، وہ اپنی جگہ سے نیچے کی جانب کھسک گئی۔ اُس کے کھسکنے سے دو تین بڑے بڑے پتھر اندر کو لڑھک گئے اور وہاں ایک شگاف سا بن گیا۔

شعبان نے شگاف کے اندر سر ڈال کر دیکھا، اندھیرے میں اُسے کچھ سجھائی نہ دیا لیکن وہ سمجھ گیا کہ یہی اہرام کی سرنگ کا دہانہ ہے۔ وہ وہیں بیٹھ گیا اور اپنے دائیں بائیں اور اوپر ٹیلے کی طرف دیکھنے لگا۔ اُسے وہاں کوئی پہرے دار سپاہی وغیرہ نظر نہ آیا۔ اتنے میں طاغوت بھی جھک کر احتیاط سے چلتا اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ شعبان نے پتھروں کے درمیان جو شگاف تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے یقین ہے یہی اہرام کی سرنگ کا دہانہ ہے۔''

طاغوت نے ایک بڑے پتھر کو اپنی مضبوط گرفت میں لے کر ذرا پیچھے کو کھسکا دیا۔ شگاف کچھ اور بڑا ہو گیا۔ طاغوت نے شعبان سے کہا۔ ''تم اندر جا کر معلوم کرو۔ میں باہر پہرے پر بیٹھتا ہوں۔ جاؤ۔''

شعبان شگاف میں اُتر گیا۔ طاغوت نے تلوار کھینچ کر ہاتھ میں پکڑ لی اور پتھر کی ایک بڑی سل کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ شعبان نے شگاف میں اُترنے کے بعد محسوس کیا کہ وہ ایک غار میں کھڑا ہے۔ اُس نے دیواروں کو ہاتھ لگا کر دیکھا کہ غار کی دیواروں پر پتھر کی اینٹیں بڑی ترتیب سے ایک دوسری کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔ گھپ اندھیرا تھا۔ شعبان دیوار کو ٹٹول ٹٹول کر چل رہا تھا۔ اُسے پانچ سو قدموں کے فاصلے تک جانا تھا۔ سو تک تو وہ قدموں کی گنتی کرتا رہا، پھر بھول گیا اور ویسے ہی ایک ایک قدم آگے بڑھاتا چلتا رہا۔ اُس کے اندازے کے مطابق پانچ سو قدم پورے ہو گئے تھے۔ اب وہ بڑی احتیاط سے قدم اٹھانے لگا کہ کہیں آگے کوئی گہرا گڑھا نہ آ جائے۔ اُس کا ہاتھ ایک اور دیوار سے ٹکرایا۔ وہ رُک گیا۔ ہاتھ آگے بڑھایا تو اُس کا ہاتھ ایک اور دیوار سے جا لگا۔ اس دیوار نے غار کو بند کر رکھا تھا۔ اُس نے دیوار پر کافی اِدھر اُدھر ہاتھ مارا مگر اُسے آگے جانے کا کوئی راستہ نہ ملا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس غار کو بند ہی کرنا تھا تو اسے اتنی دُور تک کھودنے کی

کیا ضرورت تھی؟ ضرور اس دیوار میں دوسری طرف جانے کا کوئی خفیہ طاق ہوگا۔ وہ دیوار کو دونوں ہاتھوں سے ٹٹو لنے لگا۔ دیوار پتھریلی تھی اور چٹان کے ایک بڑے ٹکڑے کو کاٹ کر بنائی گئی تھی۔

دیوار پر تو اُسے کوئی سوراخ یا شگاف محسوس نہ ہوا۔ لیکن جہاں غار کی لمبی دیوار ختم ہو کر چٹانی دیوار کے ساتھ آ کر ملتی تھی، اُس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُسے ایک جگہ پتھر کی اینٹ اپنی جگہ سے ہلی ہوئی محسوس ہوئی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد اینٹ باہر آ گئی۔ اینٹ نکالنے سے جو دیوار میں چوکور شگاف پڑ گیا تھا شعبان نے اُس کے اندر ہاتھ ڈالا تو اُس کا ہاتھ ایک آہنی ہُک سے ٹکرا گیا۔ یہ ہُک اوپر کو اٹھی ہوئی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔ اس نے پورا زور لگا کر ہُک کو نیچے کر دیا۔ ہُک کے نیچے ہوتے ہی ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ غار کی دیوار اپنی جگہ سے اندر کی جانب کھسکنے لگی اور نیلی روشنی اُس پر پڑی۔

دیوار آدھی سے زیادہ ایک طرف ہٹ کر رُک گئی۔

دوسری جانب ایک زینہ نیچے جاتا تھا۔ نیلی روشنی اس زینے میں سے اوپر آ رہی تھی۔ وہ زینہ اُترنے لگا۔ اس زینے نے اُسے ایک کشادہ کمرے میں پہنچا دیا جہاں ایک طرف چاندی کے فانوس میں شمع روشن تھی۔ فانوس کی گول باریک دیوار نیلے رنگ کی تھی جس میں سے شمع کی روشنی نیلی ہو کر باہر نکل رہی تھی۔ یہ فرعون ہوتپ کا زمین دوز مقبرہ تھا جہاں فرعون کے تابوت کو دفن کیا جانا تھا۔ کمرے کے وسط میں سبز اور سفید پتھر کا ایک لمبا چبوترا بنا ہوا تھا۔ اس چبوترے پر فرعون ہوتپ کے تابوت کو رکھا جانا تھا۔ مقبرے کی چاروں دیواروں کے ساتھ فرعون کے استعمال میں آنے والا ساز و سامان بڑے قرینے سے لگا تھا۔ سونے کے پہیوں والی بگھی، ڈھال، تلوار، نیزے اور زر و جواہرات سے بھرے ہوئے صندوق...... شعبان کو فرعون کے مقبرے کے خفیہ راستے کا سراغ مل گیا تھا۔ اب اُسے وہاں زیادہ دیر رُکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اُلٹے قدموں زینہ طے کر کے اوپر آ گیا۔ آدھی کھلی ہوئی دیوار میں سے گزر کر غار میں آیا اور دیوار کے شگاف میں ہاتھ ڈال کر آہنی ہُک کو دوبارہ اوپر کر دیا۔ ہُک جیسے ہی اوپر ہوئی، دھیمی گڑگڑاہٹ کے ساتھ دیوار اپنی جگہ پر واپس آ گئی۔ شعبان نے دیوار میں اینٹ دوبارہ لگا دی اور اندھیرے میں غار کی دیوار کے ساتھ ہاتھ لگائے قدرے تیز تیز قدم اٹھاتا واپس چل پڑا۔

غار کے دہانے کے باہر چٹان کی اوٹ میں طاغوت چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے شعبان کو باہر نکلتے دیکھا تو جلدی سے اُٹھ کر اُس کے پاس آ گیا۔

"کوئی سراغ ملا؟" طاغوت نے پوچھا۔

"ہاں۔" شعبان بولا۔ "یہاں سے نکل چلو۔"

چاروں طرف سے چوکس رہتے ہوئے دونوں دوست رات کی تاریکی میں تیز تیز قدم اٹھاتے اہرام کی سرنگ کے دہانے سے دُور نکل گئے۔ انہوں نے واپس ہونے سے پہلے غار کے دہانے کو پتھر کی سل سے پہلے کی طرح بند کر دیا تھا۔ شعبان نے کہا۔

"سرنگ اہرام کے مقبرے کو ہی جاتی ہے۔ میں مقبرے کے اندر سے ہو کر آیا ہوں۔"

طاغوت کو اطمینان ہو گیا۔ کہنے لگا۔ "معلوم ہوتا ہے عشق کی دیوی لیشتر تمہاری مدد کر رہی ہے۔ وگرنہ فرعون کے مقبرے کا خفیہ راستہ ملنا اتنا آسان نہیں تھا۔ لیکن ایک بات ہے۔ اہرام میں فرعون ہوتپ کو دفنائے جانے کے بعد خفیہ راستے کے باہر بڑا زبردست پہرہ ہوگا۔ اس وقت تمہارا اندر جانا بہت مشکل ہوگا۔"

شعبان بولا۔ "وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ یہ مشکل مرحلہ طے ہو گیا ہے تو وہ مرحلہ بھی طے ہو جائے گا۔"

وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کا رُخ اپنی خفیہ کمین گاہ کی طرف کر دیا۔

✿

تین دن کے بعد لائیکا کنیز کی اپنے گھر والوں سے آخری ملاقات تھی۔ شاہی فوج کا محافظ دستہ لائیکا کو اپنے حصار میں لئے اُس کے گھر پر آ گیا۔

سائنا رات کو ہی لائیکا کے گھر آ گئی تھی۔ کنیز لائیکا سے اُس کے بوڑھے ماں باپ کی آخری ملاقات کا منظر بڑا رقت انگیز تھا۔ اگرچہ ان کے عقیدے کے مطابق ان کی بیٹی فرعون ہوتپ کے ساتھ جنت میں ابدی زندگی حاصل کرنے والی تھی لیکن بیٹی کے زندہ دفن کئے جانے کے خیال سے بوڑھے ماں باپ کے دل خون کے آنسو رو رہے تھے۔ کون اپنی اولاد کو زندہ دفن ہوتے دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ کنیز لائیکا اپنے ماں باپ کے گلے لگ کر دیر تک آنسو بہاتی رہی۔ سائنا ایک طرف سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ کمرے میں اس وقت شاہی فوج کا کوئی آدمی نہیں تھا۔ لائیکا، سائنا کو بھی گلے لگ کر ملی۔ کرب ناک موت کے

خیال سے بے چاری نازک اندام کنیز کے چہرے پر ویرانی سی برس رہی تھی۔ جب ذرا ان لوگوں کی حالت سنبھلی تو سائنا، لائیکا کو لے کر دوسری کوٹھڑی میں آ گئی اور جلدی جلدی اُسے وہ تمام باتیں بیان کر دیں جو شعبان نے اُسے کہی تھیں اور قمیض کے اندر سے پوٹلی نکال کر لائیکا کو دکھائی اور کہا۔

''شعبان نے ہدایت کی ہے کہ یہ گولی تم اس وقت نگل لینا جب شاہی فوج کے سپاہی اور غلام اور کاہن تمہیں فرعون کے تابوت کے ساتھ اہرام میں بند کر کے چلے جائیں گے۔''

لائیکا نے ایک افسردہ سے تبسم کے ساتھ کہا۔ ''شعبان سے کہنا اب میری اور تمہاری ملاقات اگلی دنیا میں ہی ہو گی۔ تم نے مجھے بچانے کی جو کوشش کی ہے میں اس کا احترام کرتی ہوں لیکن اس کی کوئی کوشش مجھے موت سے نہیں بچا سکے گی۔''

سائنا نے کہا۔

''میری بہن! شعبان کو یقین ہے کہ یہ گولی ضرور اپنا اثر دکھائے گی اور تم اس وقت تک زندہ رہو گی جب تک شعبان تمہیں اہرام کے اندر آ کر نکال کر لے جائے گا۔''

لائیکا نے سرد آہ بھر کر نا اُمیدی کے لہجے میں کہا۔ ''اگر اس گولی کے اثر سے میں کچھ دیر زندہ بھی رہ گئی تو شعبان اس اہرام میں کیسے داخل ہو کر مجھے لے جائے گا جس کے بند ہو جانے کے بعد اندر کوئی چیونٹی بھی داخل نہیں ہو سکتی؟''

سائنا کو خود بھی یقین نہیں تھا لیکن اُس نے لائیکا کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔ ''پھر بھی تمہیں یہ گولی ضرور نگل لینی ہو گی۔ کیا خبر شعبان اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جائے۔''

لائیکا نے بے دلی کے ساتھ شعبان کی دی ہوئی سبز گولی پوٹلی میں لپیٹ کر اپنی قمیض میں رکھ لی اور ٹھنڈا سانس بھر کر بولی۔ ''شعبان سے کہنا میں اُس سے محبت کرتی ہوں اور مرنے سے پہلے میرے ہونٹوں پر صرف اُسی کا نام ہو گا۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

سائنا نے اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

اتنی دیر میں آخری ملاقات کا وقت ختم ہو گیا اور شاہی فوج کے سپاہی اندر آ کر لائیکا کو اپنے محاصرے میں لے کر باہر لے گئے۔ لائیکا کے بوڑھے ماں باپ آنکھوں میں آنسو لئے اپنی بیٹی کو موت کے منہ میں جاتے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے رہ گئے۔

دوسرے روز مرنے والے فرعون ہوتپ کی تدفین کی آخری رسومات کی تقریباً شروع

ہو گئیں۔ فرعون کا تابوت آخری دیدار کے لئے فرعون کے شاہی محل کے سب سے بڑے ایوان میں لا کر رکھ دیا گیا۔ جس طرف تابوت کا سر تھا اس کی دونوں جانب بڑے بڑے صوفے رکھے تھے جن پر سب سے پہلے ملکہ مصر یعنی فرعون ہوتپ کی سوگوار بیوی اور اُس کی بیٹی شہزادی ساہتی اور ولی عہد بیٹا ہوتپ آمون سیاہ ماتمی لباس پہنے سروں کو جھکائے اُداس بیٹھے تھے۔ اس کے بعد شاہی خاندان کی شہزادیاں اور شہزادے بیٹھے تھے۔ دوسری جانب کو صوفوں پر دربار کے اُمرا سیاہ لبادے کندھوں پر ڈالے ماتمی صورتیں بنائے بیٹھے تھے۔ تابوت کے پیچھے ایک جانب فوج کا سپہ سالار عشمون ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کے پہلو میں ہیکل اعظم کا بڑا کاہن حامون زرد اور سیاہ چولا پہنے دونوں ہاتھوں میں سونے کی تھالی تھامے کھڑا رب قمر اور رب آمون کی مناجات کے اشعار دبی زبان میں بول رہا تھا۔ سونے کی تھالی میں عود سلگ رہا تھا۔ فرعون کے تابوت کے سرہانے کی جانب سونے چاندی کے پایوں والی ایک تپائی تھی جس پر اونچا کر کے ایک فانوس رکھا تھا۔

کاہن نے آگے بڑھ کر فانوس کو روشن کر دیا۔ فانوس کے اندر سے سبز، نیلی، اُودی اور گلابی کرنیں نکل نکل کر شاہی ایوان کی دیواروں میں جڑے ہوئے زمرد، عقیق اور ہیروں کو چمکانے لگیں۔ کاہن نے سلگتے عود و عنبر والی تھالی ہاتھوں میں لے کر دیوی دیوتاؤں کی تعریف کے اشلوک پڑھتے ہوئے تابوت کے گرد سات چکر لگائے اور تابوت کے سرہانے آ کر کھڑا ہو گیا اور اُونچی آواز میں فرعون ہوتپ کے کارنامے بیان کرنے شروع کر دیئے۔ آخری رسوم کی تقریبات ساری رات جاری رہیں۔

دوسرے دن سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ ہی شاہی تابوت کو ایک بہت بڑے رتھ پر رکھ کر تدفین کے لئے اہرام کی طرف لے جایا گیا۔ رتھ کے آگے سات سیاہ فام گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ شاہی تابوت پر سونے کے تاروں والی سیاہ چادر پڑی تھی۔ سب سے آگے ڈھول تاشے اور نفیریاں بجانے والوں کی ٹولی تھی۔ ان سب کے لبادے سیاہ تھے اور سازوں پر بڑی دردناک لے بجا رہے تھے۔ ان کے پیچھے شاہی سپاہ کے چاق و چوبند سپاہی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے چل رہے تھے۔ ان کے پیچھے سیاہ فام غلاموں کی ایک جماعت چلی آ رہی تھی۔ انہوں نے فراعنہ مصر کے شاہی پرچم اٹھا رکھے تھے۔ ان کے بعد ہیکل اعظم کی رقاصہ لڑکیاں تھیں۔ ان سبھی کے بال کھلے تھے اور وہ ہولے ہولے اپنے

سینوں پر ماتمی انداز میں ہاتھ مارتی چلی آ رہی تھیں۔ ان کے بعد ہیکل اعظم کے پجاری اور پروہت تھے جو دُعائیں پڑھ رہے تھے۔ ان کے درمیان کاہن اعظم ایک سیاہ رنگ کی کرسی پر بیٹھا تھا جسے چار سیاہ فام غلاموں نے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ کاہن اعظم بھی دُعائیہ کلمات بولتا جاتا تھا۔ ان کے پیچھے امرائے سلطنت تھے جو سب کے سب ماتمی لباس میں ملبوس تھے۔ امرا کی جماعت کے بعد فرعون ہوتپ کے تابوت کا رتھ چلا آ رہا تھا۔ تابوت کے چاروں گوشوں میں چاندی کے پیالوں میں عود ولوبان سلگ رہا تھا۔ فرعون کے تابوت کے عقب میں چار تخت چلے آ رہے تھے جنہیں غلاموں نے اٹھایا ہوا تھا۔ پہلے تخت پر ملکہ فرعون اور شہزادی ساہتی اور ولی عہد ہوتپ آمون سوگوار بیٹھے تھے۔ دوسرے تخت پر شاہی خاندان کی شہزادیاں بیٹھی تھیں۔ تیسرے اور چوتھے تخت پر امرائے سلطنت کی خواتین اپنے ہاتھ سینوں پر باندھے سروں کو جھکائے ہوئے بیٹھی تھیں۔ ان چار تختوں کے پیچھے وہ غلام اور کنیزیں لائی جا رہی تھیں جنہیں فرعون کے تابوت کے ساتھ اہرام میں زندہ دفن کیا جانا تھا۔ ان میں لائیکا کنیز بھی تھی۔ ان سبھی کے ہاتھ رسیوں سے پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ ان کی دونوں جانب اور عقب میں محافظ سپاہیوں کے دستے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ سب سے آخر میں شاہی سپاہ کے گھوڑ سواروں کے چار دستے چل رہے تھے۔ ہر سپاہی کے پہلو میں تلوار لٹک رہی تھی اور پشت پر کمانیں اور تیروں سے بھرے ہوئے ترکش لگے تھے۔ یہ ماتمی شاہی جلوس فرعون کا تابوت لئے آہستہ آہستہ نئے اہرام کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اہرام کے قریب جا کر ڈھلان شروع ہو گئی۔ اس ڈھلان کے آگے اہرام کا چوکور دروازہ تھا۔ یہ دروازہ ایسا تھا کہ اسے کواڑ نہیں لگے ہوئے تھے۔ یہ بھاری چٹانی سل کو اوپر اٹھانے سے بنا ہوا تھا۔ تدفین کے بعد اس چٹانی سل کے نیچے گرنے سے اہرام کا دروازہ ہزاروں سال کے لئے بند ہو جانا تھا۔ اہرام کے دروازے پر پہنچنے کے بعد جلوس رُک گیا۔ یہاں ملکہ مصر، شہزادی ساہتی، ولی عہد ہوتپ آمون، کاہن اعظم حامون، چار سوڈانی شاہی غلاموں اور فرعون کے ساتھ اہرام میں زندہ دفن کئے جانے والے دو غلام اور دو کنیزیں جن میں لائیکا بھی تھی کے سوا باقی سب شرکاء جلوس وہیں ٹھہر گئے۔ دونوں کنیزوں اور غلاموں کو آگے کر دیا گیا۔ ان کے ہاتھ بدستور رسیوں سے بندھے تھے اور ایک لمبی

رسی سے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھی باندھ دیا گیا تھا۔ دونوں بدقسمت غلام اور کنیزیں آگے چلنے لگیں۔ چار سوڈانی غلاموں نے فرعون کے تابوت کو کندھوں پر اٹھا لیا اور وہ پیچھے پیچھے چل پڑے۔ ان کے عقب میں ملکہ مصر، شہزادی ساہتی اور ولی عہد ہوتپ آمون پیدل چلنے لگے۔ کاہن اعظم کے ایک ہاتھ میں ہیکل اعظم کا عصا تھا، دوسرے ہاتھ میں سونے کا مقدس پیالہ تھا جس میں عود ولوبان سلگ رہا تھا۔ یہ مختصر سا جلوس اہرام کے اندر داخل ہو گیا۔

اہرام کے اندر ایک لمبی غلام گردش تھی۔ اس کے بعد زینہ زمین کے اندر اُترتا تھا۔ اس کے بعد پھر ایک غلام گردش آ جاتی تھی۔ یہ غلام گردش نیچے اُترتے ایک اور زینے پر جا کر ختم ہوتی تھی۔ ماتمی جماعت فرعون کا تابوت لئے اس زینے سے بھی نیچے اُتر گئی۔ اس کے بعد ایک تنگ سرنگ سی آ گئی جس میں سے لوگ ایک ایک کر کے ہی گزر سکتے تھے۔ اس کے بعد ایک دروازہ آ گیا۔ یہ دروازہ بھی پتھر کی بھاری اور چوکور سل کو اوپر اٹھانے سے بن گیا تھا۔ تدفین کے بعد اس پتھر کی سل کو بھی نیچے گر کر دیوار کے برابر ہو کر اہرام کے مقبرے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دینا تھا۔ یہ اہرام کی گہرائی میں فرعون کا اصل مقبرہ تھا جہاں فرعون کے تابوت کو رکھا جانا تھا۔ مقبرے کی دیوار میں ایک شمع روشن تھی۔ کاہن اعظم حامون، ملکہ مصر، شہزادی ساہتی اور ولی عہد ہوتپ آمون ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ کاہن اعظم حامون کے اشارے سے سوڈانی غلاموں نے فرعون کا تابوت اُٹھا کر مقبرے کے وسط میں بنے ہوئے چبوترے پر رکھ دیا اور اُلٹے قدم اُٹھا کر ایک طرف ہاتھ باندھ کر، سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ ملکہ، شہزادی اور ولی عہد نے آگے بڑھ کر باری باری تابوت کو بوسہ دیا۔ کاہن اعظم حامون اُونچی آواز میں مقدس دُعا پڑھتا رہا۔ آخر میں کاہن اعظم نے سلگتے ہوئے عود ولوبان کا پیالہ ایک ہاتھ میں لئے فرعون کے تابوت کے اِردگرد سات چکر پورے کئے اور سلگتے ہوئے عود ولوبان کا پیالہ فرعون کے تابوت کے اوپر رکھ دیا۔ اس دوران اہرام میں زندہ دفن کئے جانے والے دونوں غلام اور دونوں کنیزیں تابوت کے پاؤں کی جانب زمین پر سروں کو جھکائے دو زانو بیٹھی رہیں۔ جب تمام آخری رسومات پوری ہو گئیں تو ان غلاموں اور کنیزوں کے ہاتھوں کی رسیاں کھول دی گئیں۔ کاہن اعظم نے باری باری ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر دُعائیہ کلمات کہے اور ملکہ مصر، شہزادی ساہتی،

ولی عہد آمون، کاہن اعظم اور چاروں سوڈانی غلام جس راستے سے مقبرے میں داخل ہوئے تھے اُسی راستے سے باہر نکل گئے۔ جب سب لوگ مقبرے سے باہر آ گئے تو کاہن حامون نے دیوار کے ایک شگاف میں ہاتھ ڈال کر پتھر کی ایک اینٹ کو باہر کھینچ لیا۔ اینٹ کے باہر نکلتے ہی اہرام کے مقبرے کے دروازے کی اوپر کو اُٹھی ہوئی سینکڑوں ٹن وزنی پتھر کی دیوار آہستہ آہستہ نیچے اُترنا شروع ہو گئی۔ ملکہ مصر، کاہن اعظم، شہزادی ساہتی اور ولی عہد آمون خاموش کھڑے دیوار کو آہستہ آہستہ نیچے اُترتی دیکھتے رہے۔ سوڈانی غلام ان کے عقب میں ادب سے کھڑے تھے۔ جب دیوار نے پوری کی پوری نیچے اُتر کر مقبرے کے دروازے کو بند کر دیا تو یہ لوگ واپس چل پڑے۔ ملکہ مصر شہزادی ساہتی اور ولی عہد آمون آگے آگے تھے۔ کاہن اعظم ان کے پیچھے تھا اور چاروں سوڈانی غلام آخر میں آہستہ آہستہ چلے آتے تھے۔ یہ جماعت جب اہرام کی پُر پیچ اور تنگ و تاریک غلام گردشوں میں سے گزر کر اہرام کے چوکور دروازے میں سے باہر نکلی تو ہیکل اعظم کے پجاریوں اور پروہتوں نے سازوں کی دردناک لے پر مقدس اشلوک گانے شروع کر دیئے۔ ملکہ مصر، شہزادی اور ولی عہد اپنے اپنے شاہی تخت پر رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ غلاموں نے تخت کندھوں پر اٹھا لئے اور چل پڑے۔ کاہن اعظم بھی اپنے تخت کی کرسی پر بیٹھ گیا اور چار خدام تخت کو اُٹھا کر ملکہ مصر کے شاہی تخت کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ ان کے پیچھے چاروں سوڈانی غلام تھے جو اہرام کے دروازے سے نکلنے کے بعد ایک طرف ہاتھ باندھے کھڑے ہو گئے تھے۔

کاہن اعظم حامون نے شاہی سپاہ کے دستوں کے قریب سے گزرتے ہوئے سپہ سالار عشمون کو اشارہ کیا۔ سپہ سالار نے فوج کے ایک دستے کو اشارہ کیا جو پہلے سے حکم کا منتظر کھڑا تھا۔ اشارہ ملتے ہی فوجی دستے کے سپاہیوں نے تلواریں نکال لیں، سوڈانی غلاموں کی طرف بڑھے اور جاتے ہی چشم زدن میں چاروں سوڈانی غلاموں کے سر کاٹ کر نیچے پھینک دیئے...... ان غلاموں کو اس لئے ہلاک کر دیا جاتا تھا تا کہ فرعون کے اہرام میں اُس کے مقبرے کو جانے والے راستوں کا راز یہ غلام کسی کو بتا نہ دیں۔

فرعون کی ملکہ، اُس کی بیٹی شہزادی ساہتی، ولی عہد ہوتپ آمون اور کاہن اعظم اور

غلام فرعون کا تابوت مقبرے کے چبوترے پر رکھ کر اور ضروری مذہبی رسومات ادا کرنے کے بعد مقبرے سے نکل گئے اور اُن کے جانے کے بعد مقبرے کی چٹانی دیوار اوپر سے نیچے کھسکتے کھسکتے زمین کے ساتھ لگ گئی اور مقبرے کا دروازہ چٹانی دیوار میں تبدیل ہو گیا تو دونوں غلام اور کنیزیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے مقبرے کی بند دیوار کو تکتے رہ گئے۔ کنیز لائیکا نے شعبان کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اُس کی دی ہوئی سبز گولی مقبرے کی دیوار کے بند ہونے سے ایک لمحے پہلے منہ میں ڈال کر نگل لی تھی۔ گولی نگلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد لائیکا کو چکر آنا شروع ہو گئے۔ اُس نے بیٹھے بیٹھے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ اس لمحے پہلا خیال جو اُسے آیا یہ تھا کہ شعبان نے اُسے زندہ دفن ہونے کی اذیت سے بچانے کی خاطر کسی مہک زہر کی گولی دے دی ہے۔ وہ شعبان سے ناراض ہونے کی بجائے دل میں اُس کا شکریہ ادا کرنے لگی کہ اُس نے اُسے بند اہرام میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے سے نجات دلا دی ہے۔

اُس کے سر کے چکر زیادہ شدت اختیار کر گئے اور اُسے فرعون کے مقبرے کے اندر رکھی ہوئی ہر شے گھومتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ دوسرے ہی لمحے لائیکا بے ہوش ہو کر لڑھک گئی۔ دونوں غلام اور دوسری کنیزیں اُس کے قریب ہی زمین پر سروں کو نیچے کئے بیٹھے اپنی اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک لمحے کے لئے نظریں پھیر کر بے ہوش پڑی لائیکا کو دیکھا تو اُس کی خوش قسمتی پر رشک کرنے لگے کہ وہ دم گھٹ کر مرنے کے خوف سے پہلے ہی مر گئی ہے۔ فرعون کے چاروں طرف سے مُہر بند مقبرے میں جو آکسیجن تازہ ہوا کے ساتھ اندر آ گئی تھی وہ ابھی تک موجود تھی۔ لیکن یہ آکسیجن غلاموں اور کنیزوں کے سانس لینے کے ساتھ ساتھ ختم ہو رہی تھی۔ مقبرے کی دیوار کے ساتھ جو چراغ روشن تھا اُس سے بھی آکسیجن آہستہ آہستہ جل کر ختم ہو رہی تھی۔ کنیز لائیکا مری نہیں تھی، بے ہوش ہوئی تھی۔ اُس کا سانس اتنی آہستہ آہستہ چل رہا تھا کہ اسے کوئی محسوس نہیں کر سکتا تھا۔

مقبرے کی فضا ساکت ہو گئی تھی...... ایسے لگ رہا تھا جیسے خاموشی بھی پتھر کی طرح جامد ہو گئی ہے۔ دوسری کنیز کی آہستہ آہستہ سسکیاں بھرنے کی آواز آنے لگی۔ دونوں غلاموں میں سے کسی نے اُس کی طرف نہ دیکھا۔ دم گھٹ کر مرنے کے خوف سے اُن پر لرزہ طاری تھا۔ بند فضا میں گرمی بڑھ رہی تھی اور اُن سب کے جسم پسینے سے شرابور ہو گئے تھے۔ ایک

غلام گھبرا کر اُٹھا اور مقبرے کے دروازے والی دیوار کے پاس جا کر اُسے زور لگا کر اوپر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ دوسرے غلام اور دوسری کنیز نے اُسے ایک نظر دیکھا اور سروں کو نیچے کر لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں دیوار کی چٹان کو اوپر اٹھانے والے غلام کا دم پھول گیا اور وہ وہیں بے دم ہو کر گر پڑا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ لمبے لمبے سانس لینے سے بند مقبرے کی آکسیجن تیزی سے خرچ ہونے لگی۔ غلام زندگی سے مایوس ہو کر وہیں پڑا رہا۔

جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا، بند مقبرے کی آکسیجن کم ہوتی جا رہی تھی یہاں تک کہ آہستہ آہستہ ان تینوں کو سانس لینے میں دُشواری پیش آنے لگی۔ وہ پورا منہ کھول کر جب سانس اندر کھینچنے کی کوشش کرتے اس سے بہت کم سانس اندر جاتا۔ سب سے پہلے دوسرا غلام گھبرا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا پکڑ رکھا تھا۔ اُس کے حلق سے خرخراہٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں...... دوسری کنیز کو جب سانس لینے میں زیادہ زور لگانا پڑا تو اُس نے بھی اپنا گلا پکڑ لیا مگر اُٹھنے کی بجائے وہیں زمین پر لڑھک گئی اور اُس کا سانس بھی دھونکنی کی مانند چلنے لگا۔ پہلا غلام مقبرے کی بند دیوار کے آگے زمین پر پڑے پڑے بے ہوش ہو گیا تھا۔ دوسرا غلام اپنے گلے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے لڑکھڑاتا ہوا فرعون کے تابوت والے چبوترے کے پاس آیا اور چبوترے کی دیوار سے ٹکریں مارنے لگا۔ مگر وہ زیادہ دیر تک یہ عمل جاری نہ رکھ سکا۔ اٹھا اور حلق سے بکرے کی طرح آوازیں نکالتا مقبرے کے چاروں طرف چکرانے لگا۔ دوسرے چکر پر ہی وہ زمین پر بے دم ہو کر گر پڑا۔ اُس کے حلق سے کرب ناک آوازیں نکل رہی تھیں۔ کچھ وقت زمین پر ایڑیاں رگڑنے اور سر کو دائیں بائیں پٹخنے کے بعد اُس پر بھی ضعف کی وجہ سے غشی طاری ہونے لگی۔

دوسری بدقسمت کنیز کا سانس اُکھڑ رہا تھا۔ آنکھیں باہر کو اُبل آئی تھیں۔ حلق سے ہاؤں ہاؤں کی ڈراؤنی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اُس پر جان کنی کا عالم طاری تھا۔ آہستہ آہستہ یہ آوازیں ڈوبتی چلی گئیں...... اور پھر دوسری کنیز بھی بے ہوش ہو گئی۔ بے ہوش ہوتے ہی دونوں غلاموں اور دوسری کنیز کے سانس بند ہو گئے اور آکسیجن نہ ملنے سے دماغ کے خلیے مرنا شروع ہو گئے۔ اس کے چند لمحوں بعد دونوں غلام اور دوسری کنیز بھی مر گئے۔ صرف کنیز لائیکا ابھی زندہ تھی۔ حیات بخش جڑی بوٹیوں کی مدد سے شعبان کی تیار کردہ

دوائی کی گولی کی تاثیر سے کنیز لائیکا کے دماغ کو تھوڑی مقدار میں ہی سہی لیکن اتنی مقدار میں معدے کے اندر ہی سے آکسیجن ضرور مل رہی تھی کہ اُس کے خلیے ابھی زندہ تھے اور سست رفتاری سے کام کر رہے تھے۔ شعبان یہی چاہتا تھا۔ اُس کی دوائی اپنا کام کر رہی تھی۔

فرعون کے مقبرے کی فضا میں سے جب آکسیجن بالکل ختم ہو گئی تو دیوار کے ساتھ جلنے والا چراغ ایک دم بھڑک کر بجھ گیا۔ کیونکہ یہ چراغ بھی آکسیجن کی وجہ سے ہی جل رہا تھا۔

✡

اُس وقت قدیم مصر کے دارالحکومت تھیبز میں سورج غروب ہوتے ہوئے اپنی ارغوانی روشنی تیزی سے سمیٹنے لگا تھا اور شہر پر رات کے سائے اُترنا شروع ہو گئے تھے۔ شعبان کو اسی رات سائنا سے مل کر یہ پوچھنے جانا تھا کہ کیا اُس نے لائیکا کو وہ گولی دے دی تھی جو شعبان نے اُسے اس تاکید کے ساتھ دی تھی کہ وہ اہرام کے بند ہوتے ہی اسے نگل لے؟ شعبان طاغوت کی خفیہ کمین گاہ میں رات گہری ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ جب رات آدھی کے قریب گزر گئی تو وہ طاغوت کے دو محافظوں کے ساتھ سائنا کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ سائنا کو معلوم تھا کہ شعبان صورت حال معلوم کرنے کے لئے رات کو آئے گا چنانچہ اُس نے کھڑکی کی کنڈی اندر سے نہیں لگائی تھی۔ شعبان رات کی تاریکی میں صحرا کے سنگلاخ ٹیلوں میں سرپٹ گھوڑا دوڑاتے سائنا کے مکان پر آ گیا۔ اُس نے دونوں محافظوں کو ایک طرف کھڑے رہنے کو کہا اور خود سائنا کے مکان کے صحن کی کچی دیوار پھاند کر صحن میں آ گیا۔ اُس نے کھڑکی پر آہستہ سے تین بار مخصوص دستک دے کر کھڑکی کا پٹ کھول دیا۔

سائنا جاگ رہی تھی۔ وہ جلدی سے کھڑکی کے پاس آ گئی۔ شعبان اُس کے پاس بستر پر بیٹھ گیا۔

”لائیکا سے تمہاری آخری ملاقات ہو گئی تھی؟“ اُس نے پوچھا۔

سائنا نے اُسے بتایا کہ ملاقات بھی ہو گئی تھی اور اُس نے لائیکا کو اس کی گولی بھی دے دی تھی اور اسے سمجھا دیا تھا کہ یہ گولی اس وقت نگلنی ہے جب اہرام کی دیوار بند کر دی جائے گی۔

"پھر لائیکا نے کیا کہا؟" شعبان نے پوچھا۔

"اُس بے چاری نے کیا کہنا تھا" سائنا بولی۔ "وہ تو موت کے خوف سے نڈھال تھی۔ بس اتنا ہی کہا کہ شعبان نے جو کچھ کہا ہے میں اس پر عمل کروں گی۔"

شعبان بولا۔ "محبت کی دیوی ایشتر ہماری مدد کر رہی ہے۔ میں لائیکا کو اہرام سے زندہ نکال لاؤں گا۔"

سائنا کا دل اُداس ہو گیا۔ کاش شعبان مجھ سے بھی اتنا ہی پیار کرتا۔ سائنا سوچنے لگی۔ لیکن شعبان نے کبھی سائنا کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دیا تھا۔ اُسے یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ سائنا اُس سے کتنا پیار کرتی ہے اور اُس کی محبت رُوح کی گہرائیوں تک اُتری ہوئی ہے۔ وہ چپ رہی۔ شعبان نے نظریں اُٹھا کر سائنا کو دیکھا۔ شاید اُسے اس بے زبان لڑکی کے دلی جذبات کا اندازہ ہو گیا تھا، کہنے لگا۔

"تم نے میری خاطر جو کچھ کیا ہے میں اسے ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

سائنا کے دل میں خیال آیا کہ کاش شعبان اس کی جگہ یہ کہہ دیتا کہ سائنا میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ "میں نے تمہارے لئے کچھ نہیں کیا۔"

شعبان نے سائنا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے بوسہ دیا اور بولا۔ "میری وجہ سے اگر تمہیں کبھی کوئی دُکھ پہنچا ہو تو مجھے معاف کر دینا۔"

سائنا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر اُس نے آنسوؤں کو باہر نہ آنے دیا۔ شعبان بولا۔

"اب میں جاتا ہوں۔" اور سائنا کے جواب کا انتظار کئے بغیر شعبان کھڑکی میں سے صحن میں اُتر گیا۔ سائنا کھڑکی کے ساتھ لگ گئی۔ اُس کی قسمت میں شاید یہی لکھا تھا کہ اُس کا محبوب ہر بار اُس کے پاس آ کر اُس سے جدا ہو جائے اور وہ اُسے آنکھوں میں آنسو لئے جاتے ہوئے دیکھتی رہے۔ جب شعبان رات کی تاریکی میں صحن کی دیوار پھاند کر دوسری طرف چلا گیا تو سائنا نے کھڑکی بند کر دی اور بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور آنسو اُس کے بند رخساروں سے نکل کر اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔

دوسری رات بڑے معرکے کی اور بڑی خطرناک رات تھی۔

اُس رات شعبان نے اپنی محبوبہ لائیکا کو فرعون ہوتپ کے اہرام میں سے نکالنے جانا تھا۔ اس مہم کا انجام کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ شعبان کی دی ہوئی دوا نے اپنا

ر نہ کیا ہو اور لائیکا اہرام کے اندر دم گھٹنے سے مر چکی ہو۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ زندہ ت میں ہو۔ اور جب وہ اُسے نکال کر خفیہ سرنگ میں سے باہر آئے تو فرعون کے شاہی محافظوں کا دستہ جو سرنگ کے باہر چھپ کر پہرہ دے رہا ہو انہیں پکڑ لے اور طاغوت بھی اُن کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ شعبان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے اُٹھ رہے تھے۔ دن بھر وہ طاغوت کی خفیہ کمین گاہ میں بیٹھا اپنے پریشان خیالات اور وسوسوں میں اُلجھا رہا۔ مہم کے خطرناک ہونے کا احساس طاغوت کو بھی تھا لیکن اُس نے ہر حال میں اپنے دوست شعبان کا ساتھ دینے کا عہد کر رکھا تھا۔ جیسے جیسے رات گہری ہو رہی تھی، شعبان کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔ جب آدھی رات ہوئی تو طاغوت نے شعبان کو اپنے ساتھ لیا اور اپنے گھوڑوں کے رُخ شاہی اہرام کی طرف کر دیئے۔

طاغوت کو مہم کی نزاکت کا احساس تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے ساتھ اپنے سرفروش اور خونخوار قسم کے جانباز ڈاکوؤں کا پورا دستہ لے لیا تھا۔ صحرا کی رات پر سکوت چھایا ہوا تھا جیسے رات بھی شعبان کی اس خطرناک مہم کا انجام دیکھنے کے لئے دم بخود تھی۔ گھوڑ سوار رات کی تاریکی اور سکوت میں سرپٹ گھوڑے دوڑاتے اپنی منزل کی طرف چلے جا رہے تھے۔ فاصلہ لحظہ بہ لحظہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ سنگلاخ پہاڑی ٹیلوں کے ایک سلسلے میں سے باہر نکلتے ہی گھوڑ سواروں کو ستاروں کی دُھندلی روشنی میں فرعون ہوتپ کا دیو پیکر اہرام دُور سے نظر آنے لگا۔ طاغوت اور شعبان خونخوار ڈاکوؤں کی ٹولی کے آگے آگے تھے۔ طاغوت نے اپنا گھوڑا شعبان کے قریب لاتے ہوئے پوچھا۔

"تم اہرام میں اکیلے جاؤ گے یا میں تمہارے ساتھ چلوں؟"

شعبان نے گہری سوچ سے چونک کر کہا۔ "نہیں، تمہیں جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں اکیلا ہی جاؤں گا۔"

جب اہرام ایک خاص فاصلے پر رہ گیا تو طاغوت گھوڑے کی باگیں کھینچ کر رُک گیا۔ شعبان اور دوسرے جانباز ساتھیوں نے بھی گھوڑے روک لئے۔ طاغوت نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"فرعون کی شاہی فوج کے سپاہی جنگی ہتھیاروں سے لیس موقع پر موجود ہوں گے۔ اگر ان سے جھڑپ ہو گئی تو یاد رکھو ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچنا چاہئے۔"

خونی ڈاکوؤں کے دستے میں سے ایک جانباز نے تلوار لہرا کر کہا۔ ''سردار! بے فکر ہو جاؤ۔ ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔ ان سب کو ڈھیر کر دیں گے۔''

طاغوت اور شعبان نے بھی اپنی اپنی تلواریں نیام میں سے نکال لیں اور گھوڑوں کا رُخ اہرام کی جنوبی سمت ڈال دیا۔ اب گھوڑے ہلکی چال کے ساتھ چل رہے تھے۔ جب کچھ فاصلے پر سے وہ سنگلاخ ٹیلا نظر آیا جس کی ڈھلان کے پاس اہرام کی خفیہ سرنگ کا دہانہ چٹانی پتھروں میں چھپا ہوا تھا تو طاغوت نے اپنے آدمیوں کو رُکنے کا اشارہ کیا۔ وہ سب گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ طاغوت نے ان سب کو باتیں کرنے سے منع کر دیا تھا۔ سرنگ کے دہانے کی چٹانیں جب ایک خاص دُوری پر رہ گئیں تو طاغوت نے اشاروں سے اپنے آدمیوں کو دو ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک ٹکڑی کو اشارہ کیا کہ وہ سرنگ کے دہانے کی بائیں جانب کچھ فاصلے پر چھپ جائے۔ دوسری ٹکڑی کو دائیں جانب گھات لگانے کا اشارہ کیا۔ ایک ٹکڑی کو جھک کر اپنے پیچھے پیچھے آنے کو کہا اور اس کے بعد طاغوت شعبان کو ساتھ لے کر سرنگ کے دہانے کی طرف بڑھا۔ ڈاکوؤں کی دونوں ٹکڑیاں دائیں بائیں ہو کر بکھر کر پھونک پھونک کر قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھیں۔ جب سرنگ کے دہانے والی چٹانی پتھروں کی د[illegible] ستاروں کی ر[illegible] میں قدرے صاف نظر آنے لگی تو طاغوت نے پیچھے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ طاغوت اور شعبان خود بھی زمین پر بیٹھ گئے اور ان کے پیچھے آنے والی ٹکڑی کے ڈاکو بھی تھوڑا تھوڑا فاصلہ ڈال کر بیٹھ گئے۔ سبھی کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں اور سب کی نظریں چاروں طرف ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں۔ طاغوت نے شعبان کے کان کے قریب منہ لا کر کہا۔ ''دیوتا آمون تمہاری نگہبانی کریں۔ اب تم جاؤ۔ ہم اسی جگہ تمہاری واپسی کا انتظار کریں گے۔''

شعبان نے تلوار پھینک کر کمر کے گرد بندھی ہوئی پیٹی میں سے خنجر نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور ریت کی چھوٹی چھوٹی ڈھیریوں ار زمین میں سے باہر نکلے ہوئے چٹانی پتھروں کی آڑ لیتا جھک کر سرنگ کے دہانے کی طرف بڑھنے لگا۔ رات تاریک تھی اور اس کا اندھیرا شعبان کی مدد کر رہا تھا۔ پندرہ گز کے فاصلے پر وہ نظر نہیں آتا تھا۔ سرنگ کے دہانے کے پاس آ کر وہ بیٹھ گیا۔ ایک نگاہ پیچھے ڈالی اور خنجر دانتوں میں دبانے کے بعد دونوں ہاتھوں سے سرنگ کے دہانے کی سل کو ایک طرف کھسکانے لگا۔ کافی زور لگانے کے بعد

پتھر کی سل اتنی کھسک گئی کہ ایک آدمی اس کے اندر داخل ہو سکتا تھا۔ اُس نے خنجر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور سرنگ کے دہانے میں داخل ہو گیا۔ سرنگ میں گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ شعبان اس اندھیرے سے واقف تھا۔ وہ دیوار پر ایک ہاتھ رکھے آہستہ آہستہ سرنگ میں بڑھنے لگا۔

طاغوت دہانے سے تھوڑا پیچھے ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے ساتھی اس کے عقب میں تلواریں ہاتھوں میں لئے اندھیرے میں چھپے ہوئے تھے۔ اچانک شاہی فوج کے چار سپاہی ایک طرف سے نمودار ہو گئے۔ یہ خفیہ سرنگ کی نگرانی کرنے والے سپاہیوں کا گشتی دستہ تھا۔ طاغوت نے انہیں دیکھ کر اپنا سر نیچے کر لیا۔ سپاہی آپس میں باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ سپاہیوں کو اپنی جانب آتے دیکھ کر طاغوت نے تلوار کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ چاروں سپاہیوں کو اپنے سردار کی طرف آتے طاغوت کے جانبازوں نے بھی دیکھ لیا تھا جو عقب میں الگ الگ گھات لگائے بیٹھے تھے۔ طاغوت کا خیال تھا کہ سپاہی قریب آ کر دوسری طرف نکل جائیں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ چاروں سپاہی طاغوت کے بالکل قریب آ گئے۔ ان میں سے ایک نے طاغوت کو پتھر کی اوٹ میں بیٹھے دیکھ لیا۔ اُس نے للکار کر پوچھا۔

''کون ہو تم؟''

طاغوت کے پاس اس سوال کا ایک ہی جواب تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ چاروں کے چاروں سپاہیوں کی تلواریں نیام میں تھیں۔ وہ اُچھل کر آڑ میں سے نکلا اور تلوار کا بھرپور وار سپاہی کی ران پر کیا۔ سپاہی کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ چھوٹ گئی۔ طاغوت نے اُسے نیچے کھینچ لیا اور تلوار کے دوسرے وار سے اُس کی گردن آدھی سے زیادہ کاٹ ڈالی۔ یہ سب کچھ پلک جھپکتے میں ہو گیا۔ شاہی فوج کے سپاہیوں کو عقب میں چھپے ہوئے طاغوت کے ساتھیوں نے بھی دیکھ لیا تھا اور سردار کو ایک سپاہی پر وار کر کے اُسے نیچے گراتے بھی دیکھ لیا تھا۔ ایک دم سے سارے ڈاکو اپنی اپنی گھات سے نکلے اور تلواریں لہراتے باقی کے تین سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے گھوڑوں کی باگیں پکڑ کر اس طرح کھینچیں کہ تینوں کے تینوں سپاہی گھوڑوں سے نیچے گر پڑے۔ اس سے پہلے کہ سپاہی سنبھلتے اور تلواریں نکالتے، خونی ڈاکوؤں نے تلواروں کے پے در پے وار کرتے ہوئے ان کے ٹکڑے کر

ڈالے۔ گھوڑوں پر سے گرنے سے پہلے سپاہیوں نے ایسی اونچی آوازیں نکالی تھیں جیسے وہ اپنے ساتھیوں کو مدد کے لئے بلا رہے ہوں۔ وہاں صرف یہ چار سپاہی ہی نہیں تھے۔ سرنگ کے دہانے کی ایک جانب شاہی سپاہ کا سات آدمیوں کا پورا دستہ موجود تھا۔ اپنے ساتھیوں کی آوازیں سن کر یہ سپاہی اپنے ساتھیوں کی مدد کے لئے دوڑ پڑے۔ یہ ان کی بدقسمتی تھی کہ جلدی میں وہ اپنے گھوڑوں پر سوار نہیں ہو سکے تھے۔ سپاہیوں کی مدد کے لئے آوازیں دائیں بائیں گھات میں بیٹھے طاغوت کے ساتھیوں کی دونوں ٹکڑیوں نے بھی سن لی تھیں۔ وہ تلواریں سونت کر اپنی اپنی آڑ میں سے نکل آئے اور شاہی فوج کے سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ تلواروں سے تلواریں ٹکرانے لگیں۔ ایک تو ڈاکو تعداد میں زیادہ تھے، دوسرے شاہی فوج کے سپاہی مرغن غذائیں کھا کھا کر موٹے اور آرام طلب ہو گئے تھے۔ وہ ان وحشی خونخوار ڈاکوؤں کا کہاں تک مقابلہ کر سکتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ساتوں کے ساتوں سپاہیوں کی لاشوں کے ٹکڑے ریت پر پڑے تھے۔

طاغوت نے ایک عقلمندی کی تھی کہ پہلے چاروں سپاہیوں کے گھوڑوں کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ اس بات کا امکان تھا کہ یہ گھوڑے واپس اپنے لشکری استھان پر پہنچ کر شاہی فوج کو خبردار کر دیں گے۔ طاغوت نے چاروں گھوڑوں پر اپنے ایک ایک آدمی کو سوار کروایا اور کہا۔

"تم گھوڑے لے کر خفیہ کمین گاہ میں پہنچو۔ ہم بعد میں آئیں گے۔"

چاروں ساتھی گھوڑوں کو دوڑاتے اندھیرے میں ایک طرف کو نکل گئے۔ طاغوت نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "سپاہیوں کی لاشیں یہیں پڑی رہنے دو اور تم پتھروں اور ریت کی ڈھیریوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ میرا خیال ہے کہ یہاں اتنے ہی سپاہی پہرے پر تھے۔ لیکن اگر کسی طرف سے سپاہیوں کا کوئی گشتی دستہ نکل آئے تو یاد رکھو ان میں سے ایک بھی زندہ بچ کر شاہی محل کی طرف واپس نہ جانے پائے۔"

طاغوت کے ساتھیوں نے اپنی خون آلود تلواریں بند کر کے اپنے سردار کو اس کے حکم کی تعمیل کا یقین دلایا اور پیچھے ہٹ کر اِدھر اُدھر چھپ گئے۔ اب طاغوت خفیہ سرنگ کے دہانے کے اور قریب آ کر پتھر کی سل کے باہر کو نکلے ہوئے کنارے کی اوٹ میں ہو گیا اور بے چینی سے شعبان کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

شعبان اہرام کی خفیہ سرنگ میں سے گزرنے کے بعد زمین دوز زینہ اتر گیا تو آگے گھپ اندھیرا تھا۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ زینہ اُترنے کے بعد فرعون کا مقبرہ آتا تھا جہاں اُس کے تابوت کو دفن کیا گیا تھا اور جہاں وہ کچھ دن پہلے آ چکا تھا۔ اور تب مقبرے کے اندر ایک فانوس روشن تھا جس میں سے نیلی، اُودی اور گلابی روشنیاں نکل کر مقبرے میں رکھے زر و جواہرات اور سونے چاندی کے ظروف کو چمکا رہی تھیں۔ مگر اب وہاں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہ دیوار کو ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا تو آگے ایک دیوار آ گئی۔

شعبان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ خفیہ سرنگ وہی تھی۔ زمین کے اندر اُترنے والا زینہ بھی وہی تھا پھر یہ دیوار کہاں سے آ گئی؟ یہاں تو مقبرے کا کشادہ کمرہ ہونا چاہئے تھا۔ ایک بار تو وہ چکرا کر رہ گیا۔ اُس نے سامنے کھڑی دیوار پر اندھیرے میں ہاتھ پھیرا تو اُسے معلوم ہوا کہ دیوار جن پتھریلی اینٹوں کو جوڑ کر بنائی گئی ہے ان کا مسالہ ابھی گیلا ہے اور پوری طرح سے خشک نہیں ہوا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ نئی دیوار بنائی گئی ہے اور پہلے یہاں دیوار نہیں تھی۔ اُس نے اپنے خنجر کی مدد سے ایک اینٹ کا مسالہ کھرچ دیا۔ اینٹ چونکہ ابھی پوری طرح سے پختہ نہیں ہوئی تھی، تھوڑی سی کوشش سے باہر نکل آئی۔ اینٹ کے نکلنے سے دیوار میں جو چوکور سوراخ نمودار ہوا تھا اس میں طلوع سحر سے پہلے کی کافوری روشنی جھلکنے لگی تھی۔ شعبان نے دوسری اینٹ بھی نکال دی۔ اس طرح چار پانچ اینٹیں اُکھاڑنے کے بعد وہاں ایک شگاف بن گیا۔ شعبان نے سر اندر ڈال کر دیکھا تو سارا معمہ حل ہو گیا۔ دیوار کی دوسری جانب فرعون ہوتپ کا وہی مقبرہ تھا۔ اسی طرح دیواروں کے ساتھ سونے چاندی کے ظروف، ساز و سامان، فرعون کی سونے کی بگھی، اس کے استعمال کی چیزیں، شہد، بادام اور زیتون کے تیل کے مٹکے اور سونے چاندی کے سکوں اور ہیرے موتیوں سے بھرے ہوئے تھال پڑے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پہلے مقبرے کے درمیان جو چبوترا تھا اس پر فرعون کا تابوت نہیں تھا اور اب وہاں فرعون کی ممی کا تابوت رکھا ہوا تھا جس پر سونے کی تاروں والی سنہری چادر پڑی تھی۔ تابوت کے پیچھے سونے کی لاٹھ کے پیالے میں ہلکا ہلکا عود و لوبان سلگ رہا تھا۔ مقبرے میں پہلے جو فانوس روشن تھا اب وہ بجھا ہوا تھا۔ دیوار میں جو چراغ جل رہا تھا وہ بھی بجھ چکا تھا۔ مقبرے کے اندر جو طلوع سحر کی دھندلی دھندلی سی کافوری روشنی کا غبار سا پھیلا ہوا تھا وہ تابوت کے اوپر رکھے

ہوئے فرعون کے نصف دھڑ کے بت پر کئے گئے کافور کے لیپ میں سے نکل رہی تھی۔
اسی کافوری روشنی میں شعبان نے فرش پر اِدھر اُدھر دونوں غلاموں اور دونوں کنیزوں کے بے حس و حرکت جسم پڑے ہوئے دیکھے۔ شعبان نے جلدی جلدی دیوار میں سے کچھ اور اینٹیں اُکھاڑ ڈالیں اور مقبرے میں داخل ہو گیا۔ اُس نے ایک طرف پڑی لائیکا کو پہچان لیا۔ اُس نے جھک کر سب سے پہلے بے جان پتھر کے بت کی طرح پڑی لائیکا کے سینے کے درمیان ہاتھ رکھ دیا۔ اُس کے دل کی دھڑکن بہت دھیمی اور آہستہ آہستہ جاری تھی۔ شعبان کی دوائی نے دھوکہ نہیں دیا تھا۔ اُس نے دوسری کنیز اور دونوں غلاموں کو بھی دیکھا، تینوں کے دل ساکت تھے۔ وہ مر چکے تھے۔ شعبان نے لائیکا کو اپنے کاندھے پر ڈالا، مقبرے کی نئی دیوار کے شگاف میں سے نکل کر زینہ چڑھ کر اوپر والی غلام گردش میں آ گیا۔ اب وہ بے دھڑک ہو کر اندھیرے میں چل رہا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ راستے میں کوئی رُکاوٹ نہیں ہے۔ پھر بھی تہہ خانے کے اوپر سرنگ میں آ کر ۔ ـ کے ساتھ ہاتھ لگا کر آگے بڑھنے لگا۔ پانچ سو قدم چلنے کے بعد سرنگ کا خفیہ دہانہ آ گیا۔ اُس ـ لائیکا کو زمین پر آہستہ سے لٹایا اور خفیہ دہانے کے شگاف میں سے باہر جھانک کر دیکھا، آسمان پر جھلملاتے ستاروں کی پھیکی روشنی میں صحرائی رات خاموش تھی۔ شعبان نے آہستہ سے طاغوت کو آواز دی۔

طاغوت دہانے کے پتھروں کے پیچھے چھ سات قدموں کے فاصلے پر چھپا ہوا تھا۔ شعبان کی آواز سن کر وہ اُس کی طرف لپک کر گیا اور پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

"سب ٹھیک ہے...... لائیکا ابھی زندہ ہے۔" شعبان نے جواب میں کہا۔

دونوں دوستوں نے پوری طاقت سے دہانے کی بھاری سل کو اور ایک طرف کھسکا دیا۔ شعبان نے بے ہوش لائیکا کو اٹھایا اور سرنگ کے شگاف سے باہر آ گیا۔ طاغوت تیز تیز قدم اٹھاتا عقب میں اس طرف بڑھا جہاں اس کے ساتھی چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ شعبان نے لائیکا کو کندھے پر ڈال لیا تھا۔ ستاروں کی روشنی میں شعبان نے اِدھر اُدھر پڑی ہوئی انسانی لاشوں کو دیکھا تو طاغوت سے پوچھا۔

"سپاہیوں سے جھڑپ ہو گئی تھی کیا؟"

"ہاں......" طاغوت تیز تیز چلتے ہوئے بولا۔ "میرے آدمیوں نے ان سب کو ٹھکانے لگا دیا۔"

طاغوت نے ایک جگہ رُک کر منہ سے ایک صحرائی پرندے کی آواز نکالی۔ اس آواز کو سن کر اُس کے ساتھی گھات سے نکل کر اُس کے پاس آ گئے۔ اُس کے ساتھیوں کی جو دو ٹکڑیاں دائیں بائیں پہرے پر تھیں پرندے کی خاص آواز پر وہ بھی نکل کر طاغوت کے پاس آ گئیں۔ یہ ساری جماعت جلدی جلدی چل کر ان سنگلاخ ٹیلوں میں آ گئی جہاں ان کے گھوڑے کھڑے تھے۔ وہ سب گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ شعبان نے بے ہوش لائیکا کو اپنے گھوڑے پر آگے بٹھا لیا۔ ایک ہاتھ اُس کی کمر کے گرد ڈال کر اُسے اپنے ساتھ لگا لیا تاکہ نیچے نہ لڑھک جائے اور یہ لوگ گھوڑے دوڑاتے اپنی کمین گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مشرقی اُفق پر پو پھٹ رہی تھی اور آسمان پر صبح کا ہلکا ہلکا نور پھیلنے لگا تھا جب یہ ٹولی اپنی خفیہ کمین گاہ میں آ گئی۔

دوسرے روز جب دن نکلنے کے بعد شاہی فوج کا تازہ دم دستہ رات والی سپاہ کے دستے کو فارغ کر کے اُس کی جگہ پہرے داری کے فرائض ادا کرنے اہرام کی خفیہ سرنگ کے دہانے پر آیا تو وہاں سات سپاہیوں کی کٹی پھٹی لاشیں دیکھ کر ان کے ہوش اُڑ گئے۔ دستے کے افسر نے فوراً چار سپاہیوں کو ساتھ لیا اور مشعلیں روشن کر کے سرنگ میں اتر گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ اہرام کے مقبرے کی آخری دیوار ٹوٹی ہوئی تھی۔ فرعون کے مقبرے میں داخل ہو کر ان پر یہ قیامت خیز انکشاف ہوا کہ ربّ فرعون کے تابوت کے ساتھ جو دو غلام اور دو کنیزیں اگلی دنیا میں اُس کی خدمت گزاری کے لئے زندہ دفن کئے گئے تھے، ان میں سے ایک کنیز غائب تھی۔ ربّ فرعون کی رُوح اور دیوتا آمون کی اس سے زیادہ توہین نہیں ہو سکتی تھی۔ سپاہیوں اور اُن کے افسر پر لرزہ طاری ہو گیا۔ مقبرے میں سونے چاندی کے ساز و سامان اور ہیرے جواہرات میں سے کسی چیز کو چھیڑا نہیں گیا تھا، صرف ربّ فرعون کی چہیتی کنیز لائیکا غائب تھی۔

شاہی محل میں یہ خبر پہنچی تو ربّ فرعون کی رُوح کی بد دُعا اور دیوتاؤں کے عتاب کے خوف سے سب پر ہیبت اور خوف طاری ہو گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی فرعون کے مقبرے میں اس کی تدفین کے فوراً بعد کوئی شخص سیندھ لگا کر زندہ دفن کی جانے والی فرعون کی خاص

الخاص کنیز کو اغوا کر کے فرعون کو اس کی اگلی زندگی میں چہیتی کنیز کی خدمت گزاری سے محروم کر گیا تھا۔ ملکہ مصر، شہزادی ساہتی اور ولی عہد، سپہ سالار اور کاہن اعظم اسی لمحے سرنگ کی راہ سے فرعون کے مقبرے میں گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے اپنی آنکھوں سے مقبرے کی ٹوٹی ہوئی دیوار کا معائنہ کیا اور دیکھا کہ مقبرے میں دونوں غلاموں اور ایک کنیز کی لاشیں تو موجود تھیں مگر کنیز لائیکا کی لاش غائب تھی۔ فراعنہ مصر کے عقیدے کے مطابق فرعون کے مقبرے میں سے تابوت کے دفن ہونے کے چالیس دن کے دوران تابوت کے ساتھ دفن کئے جانے والے غلاموں یا کنیزوں میں سے اگر کسی غلام یا کنیز کی لاش غائب ہو جائے تو پھر وہ فرعون اگلی زندگی میں اُس کنیز یا غلام کی خدمت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتا ہے اور تخت نشین ہونے والے فرعون اور اس کے خاندان پر دیوتاؤں کا عتاب بھی نازل ہوتا تھا اور مرنے والے فرعون کی بد دُعا بھی لگتی تھی۔ ملکہ مصر کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ ولی عہد ہوتپ آمون اور شہزادی ساہتی بھی فرعون کی بد دُعا اور دیوتاؤں کے نازل ہونے والے عتاب کے خیال سے دہشت زدہ تھے۔

سپہ سالار عشمون نے کہا۔ ”ملکہ عالیہ! ہم سلطنت کا کونہ کونہ چھان ماریں گے اور کنیز لائیکا کو زندہ یا مُردہ ہر حالت میں گرفتار کر لائیں گے اور اسے دوبارہ مقبرے میں زندہ دفن کر دیں گے۔“

ملکہ مصر نے پریشان چہرہ اٹھا کر ہیکل کے کاہن اعظم حامون کی جانب دیکھا اور کہا۔ ”دیوتاؤں اور ربّ فرعون کی رُوح کی جو بے حرمتی ہم سے سرزد ہوئی تھی وہ ہو چکی ہے۔ کیا دیوتاؤں کی کتب مقدسہ میں اس گناہِ عظیم کا کوئی ایسا کفارہ درج ہے جسے ادا کر کے ہم دیوتا آمون اور ربّ فرعون کی بد دُعا سے بچ جائیں؟“

کاہن اعظم نے ادب سے عرض کی۔ ”ملکہ عالیہ! اس کا کفارہ کتب مقدسہ میں موجود ہے۔ یہ کفارہ اس کنیز کی کمی تو پورا نہیں کر سکتا جسے زندہ یا مُردہ مقبرے سے اغوا کیا گیا ہے لیکن جب تک کنیز لائیکا کو زندہ یا مُردہ مقبرے میں نہیں لایا جاتا ہے لازم ہے کہ ہم ہیکل اعظم میں دیوتا آمون کی قربان گاہ پر دو زندہ غلاموں اور کنیزوں کی قربانی دیں۔“

ملکہ مصر نے کہا۔ ”ہم یہ قربانی آج ہی دیں گے۔“

پھر ملکہ نے سپہ سالار سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”کنیز لائیکا کو ملک کی سرحدوں کے اندر اور

سرحدوں کے باہر ہر جگہ تلاش کیا جائے اور ایک ہفتے کے اندر اندر اُسے گرفتار کر کے لایا جائے۔“

سپہ سالار عشمون نے سینے پر دایاں ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”ایسا ہی ہوگا ملکہ عالیہ۔“

ملکہ مصر نے کاہن اعظم اور سپہ سالار کو ہدایت کی کہ کنیز کے فرار کی خبر شاہی محل کی دیواروں سے باہر نہ نکلنے پائے۔

سپہ سالار عشمون نے ایک بار پھر سینے پر دایاں ہاتھ رکھا اور بولا۔

”یہ خبر محل کی چار دیواری سے باہر نہیں نکلنے پائے گی ملکہ عالیہ! آپ مطمئن رہیں۔“

اسی لمحے سپہ سالار کے حکم سے شاہی سپاہ کے خاص دستے مفرور کنیز کی تلاش میں سلطنت کی سرحدوں کی جانب روانہ کر دیئے گئے۔ سلطنت کے اندر بھی گاؤں، دیہات اور بستیوں میں اور دارالحکومت کے اندر گھر گھر تلاشیاں شروع ہو گئیں۔ سپہ سالار عشمون کے حکم ہی سے کنیز لائیکا کے مکان کی خفیہ نگرانی کی جانے لگی۔ شاہی فوج کے خاص جاسوس مختلف حلیے بدل کر لائیکا کے مکان کے آس پاس چوبیس گھنٹے موجود رہنے لگے تاکہ اگر کنیز لائیکا اپنے ماں باپ سے ملنے آئے تو اُسے فوراً وہیں دبوچ لیا جائے۔ ہیکل اعظم میں دیوتا آمون کی قربان گاہ پر دو بدنصیب غلاموں اور دو کنیزوں کو دیوتا پر قربان کر دیا گیا۔ اہرام کی خفیہ سرنگ کے دہانے کو مہر بند کر کے باہر پہلے سے زیادہ فوج پہرے پر مقرر کر دی گئی۔

ایک ہفتہ گزر گیا مگر کنیز لائیکا کہیں سے بھی برآمد نہ ہو سکی۔ سپہ سالار نے تلاش کی مہم زیادہ تیز کر دی۔

دوسری طرف کنیز لائیکا طاغوت کی خفیہ کمین گاہ میں محفوظ تھی اور شعبان برابر اس کا علاج کر رہا تھا۔ پورے دو دن اور ایک رات اہرام کے اندر مقبرے میں بند رہنے اور شعبان کی دوا کے اثر سے بے ہوش ہو جانے کے بعد اگرچہ وہ زندہ حالت میں رہی تھی مگر اُس کے جسم کو تازہ اور زندگی بخش ہوا کی بہت قلیل مقدار ملتی رہی تھی جس کی وجہ سے خفیہ کمین گاہ میں لانے کے بعد بھی وہ دو دن تک نیم بے ہوشی کی حالت میں رہی۔ شعبان خاص جڑی بوٹیوں سے اس کے علاج میں مصروف تھا۔ چار دن گزر جانے کے بعد لائیکا اس قابل ہوئی کہ اُٹھ کر بستر پر بیٹھ سکے۔ مزید دو دن گزر جانے پر لائیکا کی کھوئی ہوئی

طاقت واپس آ گئی۔

اس رات اُس نے شعبان سے کہا۔ ''ہمیں اس ملک میں نہیں رہنا چاہئے۔ یہاں ہر لمحے پکڑے جانے کا خطرہ رہے گا۔''

شعبان بولا۔ ''میں خود بھی یہ ملک چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ اب مصر میں میرے لئے سوائے موت کے اور کچھ نہیں ہے۔''

''ہم کہاں جائیں گے؟'' لائیکا نے پوچھا۔

شعبان نے کہا۔

''یہ بعد میں سوچ لیں گے۔ پہلے ہمیں ملک مصر کی سرحدوں سے نکلنا ہے۔''

''وہاں تو فرعون کی فوج ہماری تلاش میں بیٹھی ہوگی۔'' لائیکا نے کہا۔

شعبان نے جواب دیا۔ ''ہم کسی نہ کسی طرح سرحدوں سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ طاغوت اور اس کے آدمی ہماری مدد کریں گے۔''

شعبان نے طاغوت کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ اپنے وطن کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے گا۔

''پہلے میں اکیلا تھا۔ اب لائیکا بھی میرے ساتھ ہے۔ اس وقت سلطنت کی پوری فوج ہماری تلاش میں ہے۔ تمہارے لئے بھی خطرہ بڑھ گیا ہے اس لئے میرا یہاں سے لائیکا کو لے کر نکل جانا ہی بہتر ہے۔''

''مگر تم کہاں جاؤ گے؟'' طاغوت نے پوچھا۔

شعبان کہنے لگا۔ ''دیوتاؤں کی زمین بڑی وسیع ہے۔ فرعونوں کی سلطنت کے باہر ہم کسی بھی جگہ رہ کر نئی زندگی شروع کر دیں گے۔''

کچھ ہی دن بعد جب لائیکا کی صحت پوری طرح سے بحال ہو گئی تو شعبان نے مصر کو چھوڑنے کا منصوبہ تیار کر لیا۔ جس رات شعبان اور لائیکا نے کسی دوسرے ملک کو چلے جانا تھا اس سے ایک دن پہلے لائیکا نے شعبان سے کہا۔

''میں چاہتی ہوں کہ اپنا وطن چھوڑنے سے پہلے میں اپنے بوڑھے ماں باپ سے آخری بار مل لوں۔''

شعبان سوچ میں پڑ گیا، کہنے لگا۔ ''میں تمہیں یہ مشورہ نہیں دوں گا۔ شاہی فوج کے سپاہی اب تمہیں بھی جگہ جگہ تلاش کر رہے ہیں اور تمہارے ماں باپ کے مکان کے آس

ں تو فوج کے سپاہی ضرور موجود ہوں گے۔ اس خیال کو دل سے نکال دو۔''

لائیکا آزردہ ہو گئی۔ کہنے لگی۔ ''اگر میں نے اپنے ماں باپ کو اپنی شکل نہ دکھائی تو وہ ہی سمجھیں گے کہ میں عظیم فرعون کے ساتھ اہرام میں زندہ دفن کر دی گئی ہوں اور اُن کی ی عمر میری دردناک موت پر آنسو بہاتے گزرے گی۔ ایک بار...... صرف ایک بار میں ہیں اپنی شکل دکھا کر یہ تسلی دینا چاہتی ہوں کہ میں مری نہیں، زندہ ہوں اور بہت جلد انہیں بھی اس شہر سے نکال کر اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔''

لائیکا کی دلیل بڑی معقول تھی۔ پھر بھی شعبان کو خطرہ تھا کہ فرعون کے سپاہی اور جاسوس لائیکا کے گھر کی ضرور نگرانی کر رہے ہوں گے۔ فرعون کے اہرام میں سے لائیکا کے زندہ فرار ہو جانے کی خبر کو شاہی خاندان اور ہیکل اعظم کے کاہن حامون اور شاہی حکیم زناش تک محدود رکھنے کی پوری پوری کوشش کی گئی تھی لیکن در پردہ شاہی سپاہ اور فوج کے جاسوس بھیس بدل کر ملک کے اندر اور ملک کی سرحدوں کے باہر تک ضرور کنیز لائیکا کو جگہ جگہ تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ شعبان نے اس بارے میں طاغوت سے مشورہ کیا تو وہ بھی پہلے تو سوچ میں پڑ گیا۔ کافی دیر غور و فکر کرنے کے بعد کہنے لگا۔

''لائیکا کی دلیل بڑی معقول ہے۔ اگر وہ ایک بار کسی طرح اپنے ماں باپ سے مل لیتی ہے تو اپنی بیٹی کو زندہ دیکھ کر ان کے سینے پر سے غم کا پہاڑ ہٹ جائے گا۔''

شعبان نے کہا۔ ''لیکن لائیکا کی اپنے ماں باپ سے ملاقات نہ صرف اس کے لئے بلکہ ہمارے لئے بھی ہلاکت کا باعث بن سکتی ہے۔''

طاغوت بولا۔ ''دوسری طرف یہ بھی سوچو کہ اگر لائیکا اپنے ماں باپ کو یہ نہ بتا سکی کہ وہ زندہ ہے تو یہ غم لائیکا کو زندہ درگور کر دے گا اور وہ زندگی بھر آنسو بہاتی رہے گی۔''

''تو پھر کیا، کیا جائے؟ تم کیا مشورہ دیتے ہو؟'' شعبان نے پوچھا۔

طاغوت نے جواب میں کہا۔ ''میں تو یہی مشورہ دوں گا کہ خطرہ مول لے کر لائیکا کو ایک بار اس کے ماں باپ سے ملا دینا چاہئے۔''

شعبان نے کہا۔ ''اور اگر ہم پکڑے گئے تو؟''

طاغوت بولا۔ ''ہم نہیں پکڑے جائیں گے۔ اس لئے کہ جب لائیکا اپنے ماں باپ سے ملنے جائے گی تو ہم یہ کمین گاہ خالی کر دیں گے اور شمال کی پہاڑیوں میں چلے جائیں

گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم لائیکا کے ساتھ نہیں جاؤ گے۔''

''تو پھر کون جائے گا؟'' شعبان نے پوچھا۔

طاغوت نے کہا۔ ''میں جاؤں گا۔ اور میرے ساتھ میرے جانبازوں کا ایک خاص دستہ ہوگا۔ ہم لائیکا کے مکان سے کچھ فاصلے پر رہ کر اس کی حفاظت کریں گے۔''

شعبان نے سر ہلا کر کہا۔ ''میرا دل نہیں مانتا۔ لیکن لائیکا کو اپنے ماں باپ سے ملنے سے روک بھی نہیں سکتا۔''

طاغوت نے شعبان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دبایا اور اپنے مخصوص انداز میں ہنس کر بولا۔ ''تم فکر نہ کرو۔ کچھ نہیں ہوگا۔ میں لائیکا کو اپنی حفاظت میں لے جاؤں گا اور زندہ سلامت اُسے واپس بھی لے آؤں گا۔''

چنانچہ اسی رات کی تاریکی میں طاغوت لائیکا کو اپنے ساتھ لے کر خفیہ کمین گاہ سے نکل پڑا۔ چھ جانباز محافظ اُس نے اپنے ساتھ رکھے تھے جو تیر کمان، تلواروں سے لیس گھوڑوں پر سوار طاغوت اور لائیکا کو اپنی حفاظت میں لئے ہوئے تھے۔ قدیم تھیبز کی رات کا آسمان ستاروں کے ہیرے موتیوں سے جگمگا رہا تھا۔ شعبان پیچھے ہی رہا تھا۔ طاغوت کی ہدایت کے مطابق اُس کے آدمیوں نے اپنا خفیہ ٹھکانہ بدل لیا تھا اور شمالی پہاڑیوں کی طرف نکل گئے تھے۔ شمالی پہاڑیوں والی دوسری خفیہ جگہ کا طاغوت کو علم تھا اور اس کی ہدایت کے مطابق پرانا ٹھکانہ بدلا گیا تھا۔

رات کے اندھیرے میں آٹھ گھوڑ سوار گھوڑوں کو پوری رفتار سے دوڑاتے اپنی منزل کی طرف سفر طے کر رہے تھے۔ اُن کی یہ منزل موت کی منزل میں بھی تبدیل ہو سکتی تھی مگر یہ نڈر لوگ ایک غمزدہ کنیز لائیکا کی آخری خواہش کی تکمیل کی خاطر اپنی جان کو خطرے میں ڈالے گھوڑے سرپٹ دوڑاتے چلے جا رہے تھے۔ لائیکا سر سے پاؤں تک سیاہ لبادے میں تھی۔ اس کا آدھا چہرہ بھی سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ طاغوت گھوڑے پر سوار اُس کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ طاغوت کے محافظ ڈاکو تین تین کی ٹولیوں میں ان کی دونوں جانب رہ کر ان کی حفاظت کر رہے تھے۔

دُور سے اس بستی کے چراغوں کی جھلملاتی روشنی نظر آنے لگی جہاں لائیکا کے ماں باپ کا مکان تھا۔ طاغوت نے گھوڑوں کی رفتار دھیمی کر دی اور اپنے جانبازوں کو اپنے پیچھے کی

طرف آنے کا اشارہ کیا۔ بستی کے باہر ایک جانب کھجور کے درختوں کے جھنڈ تھے۔ یہ گھوڑ سوار اس جھنڈ میں آ کر گھوڑوں سے اُتر گئے۔ سبھی نے اپنے اپنے گھوڑے درختوں سے باندھے اور اپنے سردار کے حکم کا انتظار کرنے لگے۔ طاغوت اور لائیکا بھی گھوڑوں سے اُتر چکے تھے۔ طاغوت نے دھیمی آواز میں اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''میں لائیکا کو لے کر آگے جاؤں گا۔ تم لوگ تھوڑا فاصلہ ڈال کر ہمارے دائیں بائیں رہو گے۔''

طاغوت نے لائیکا کو ساتھ لیا اور رات کی تاریکی میں چھپتا ہوا لائیکا کے مکان کی طرف بڑھا۔ لائیکا کا مکان بستی کے کنارے پر ایک تالاب کے پاس تھا۔ طاغوت کے جانثار ساتھی تلواریں اپنے سیاہ لبادوں میں چھپائے ان کے دائیں بائیں جھک کر آگے بڑھ رہے تھے۔ طاغوت کا خیال تھا کہ لائیکا کے مکان کے آس پاس شاہی فوج کے چند ایک سپاہی اور جاسوس مکان کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ اُس کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ وہاں فرعون کی شاہی فوج کا پچاس ساٹھ سپاہیوں پر مشتمل دستہ گھات لگائے چوبیس گھنٹے موجود رہتا ہے۔ رات کی تاریکی میں نہ طاغوت کو وہاں کوئی سپاہی دکھائی دیا اور نہ ہی گھات لگا کر بیٹھے ہوئے سپاہی ان سیاہ پوش لوگوں کو دیکھ سکے۔ طاغوت کے ساتھی ایک طرف ہو کر چھپ گئے مگر ان کی نظریں اندھیرے میں بھی اپنے سردار طاغوت کا تعاقب کر رہی تھیں۔ طاغوت اس بستی کا رہنے والا تھا اور اس کے تمام نشیب و فراز سے واقف تھا۔ لائیکا کو لے کر وہ تالاب کے کنارے اُگے ہوئے سرکنڈوں کی اوٹ میں سے گزرتے ہوئے اس کے مکان کی دیوار کے پاس آ گیا۔ یہاں اُس نے لائیکا کو سہارا دے کر دیوار پر چڑھا دیا اور سرگوشی میں کہا۔

''میں یہیں تمہارا انتظار کروں گا۔ دیر نہ لگانا۔''

لائیکا نے آہستہ سے کہا۔ ''میں بڑی جلدی آ جاؤں گی۔'' اور لائیکا اپنے مکان کی دیوار سے اُتر کر صحن میں آ گئی۔ صحن میں ایک چراغ دھیمی دھیمی روشنی بکھیر رہا تھا۔ لائیکا سیدھی اس کوٹھڑی کی طرف گئی جہاں اُس کے ماں باپ سوتے تھے۔ کوٹھڑی کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ لائیکا نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی اور کواڑ سے منہ لگا کر کہا۔

''ابا، امی دروازہ کھولو۔ میں ہوں، آپ کی بیٹی لائیکا۔''

غم زدہ بوڑھے ماں باپ کو بھلا نیند کہاں آتی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کی اذیت ناک موت کا

غم سینے سے لگائے ساری ساری رات آنسو بہاتے تھے۔ اپنی بیٹی لائیکا کی آواز سن کر بوڑھے ماں باپ چونک پڑے۔ انہوں نے ... اور خوف کی ملی جلی کیفیت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر لائیکا کا باپ چارپائی سے اُٹھ کر دروازے کے پاس گیا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دروازہ کھول دیا۔ وہ یہی سمجھا کہ ان کی بیٹی کی بھٹکتی ہوئی روح ان سے ملنے آئی ہے۔ دروازہ کھلتے ہی لائیکا اپنے باپ سے چمٹ گئی اور رونے لگی۔ جب باپ نے دیکھا کہ اُس کی بیٹی زندہ سلامت اس کے سامنے موجود ہے تو اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پھر اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں لائیکا کی ماں سے کہا۔

''دیکھو...... ہماری بچی زندہ ہے...... ہماری بچی زندہ ہے۔''

لائیکا کی ماں دوڑ کر آئی اور اپنی بیٹی سے لپٹ گئی۔ ماں بیٹی اور باپ تینوں رو رہے تھے اور ان کے آنسو نہیں تھمتے تھے۔ مگر لائیکا کو صورت حال کی نزاکت کا احساس تھا۔ اُس نے اپنے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''ابا، امی، میں زندہ ہوں۔ مجھے ربّ فرعون کے تابوت کے ساتھ دفن کر دیا گیا تھا مگر دیوتاؤں نے مجھے بچا لیا اور میں اہرام کے خفیہ دروازے سے فرار ہو گئی۔ اب میں صرف آپ سے ملنے اور آپ کو یہ تسلی دینے آئی ہوں کہ میں مری نہیں ہوں اور زندہ ہوں اور بہت جلد آپ کو بھی یہاں سے نکال کر اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔''

بوڑھے ماں باپ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ اب تک انہوں نے اپنی بیٹی کی موت کے غم میں آنسو بہائے تھے۔ اب خوشی کے مارے ان کے آنسو نہیں تھمتے تھے۔ انہوں نے بیٹی کو اپنے درمیان بٹھا لیا۔ کبھی ماں اور کبھی باپ اپنی بیٹی کا ماتھا چومتا۔ باپ نے بیٹی کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

''بیٹی! ہمارے لئے یہی بہت ہے کہ تم زندہ ہو۔ تم جہاں رہو، خوش رہو۔''

بوڑھی ماں نے بیٹی کو اپنے سینے سے لگا لیا اور بولی۔ ''ہم تمہارے ساتھ نہ بھی گئے ہمیں یہ اطمینان تو ہو گا کہ ہماری بیٹی زندہ سلامت ہے۔''

ادھر لائیکا اپنے ماں باپ کے آنسو پونچھ رہی تھی اور دوسری طرف طاغوت مکان کی دیوار کے ساتھ لگا اندھیرے میں بے چینی سے لائیکا کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں بار بار دیوار کی منڈیر کی طرف اوپر کو اٹھ جاتی تھیں مگر لائیکا ابھی تک واپس نہیں

آئی تھی۔

لائیکا جس کوٹھڑی میں اپنے بوڑھے ماں باپ سے باتیں کر رہی تھی اس کی ایک ہی کھڑکی تھی جو مکان کی جنوبی سمت دریائے نیل کی طرف کھلتی تھی۔ اس وقت کھڑکی بند تھی۔ لائیکا طاغوت کی ہدایت کے مطابق اپنے ماں کے پاس زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہتی تھی لیکن ماں کی ممتا اور باپ کی محبت اُسے جدا نہیں ہونے دے رہی تھی۔ شروع میں تو وہ ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے لیکن پھر کسی کو یہ خیال نہ رہا کہ اگر باہر سے گزرتے ہوئے کسی نے لائیکا کی آواز سن لی تو ان پر قیامت ٹوٹ سکتی ہے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ شاہی سپاہ کا وہ سپاہی جس کی ڈیوٹی رات کے اندھیرے میں مکان کے گرد گشت لگانے کی تھی حسب معمول نگرانی کی فرائض انجام دیتے ہوئے کھڑکی کے قریب سے گزرا تو اُسے اندر سے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ وہیں رُک گیا۔ اُس نے کان لگا کر سنا تو بوڑھے میاں بیوی کے علاوہ کسی تیسری عورت کی آواز بھی آ رہی تھی۔

دوسرے ہی لمحے یہ راز کھل گیا کہ فرعونِ مصر کے اہرام کی مفرور کنیز لائیکا اس وقت اپنے ماں باپ سے ملنے آئی ہوئی ہے۔ سپاہی نے بھاگ کر مکان کی نگرانی پر مامور شاہی فوج کے کمانڈر کو اطلاع کر دی۔ کمانڈر اسی سنہری موقع کی تاک میں تھا۔ اُس نے ساتھ تر سپاہیوں کے ساتھ لائیکا کے مکان پر دھاوا بول دیا اور لائیکا کو گرفتار کر لیا۔ طاغوت مکان کی دیوار کے پیچھے اندھیرے میں چھپا لائیکا کی واپسی کا منتظر تھا کہ اُس نے سپاہیوں کی یلغار کی آواز سنی اور سمجھ گیا کہ جو بات نہیں ہونی چاہئے تھی وہ ہو گئی تھی۔ کسی جاسوس نے لائیکا کو اپنے مکان میں آتے دیکھ لیا تھا اور اس کی مخبری پر فرعون کے سپاہیوں نے مکان پر حملہ کر دیا ہے۔ طاغوت اکیلا تھا، اکیلا پورے فوجی دستے کا مقابلہ کر کے لائیکا کو نہیں چھڑا سکتا تھا۔ وہ دیوانہ وار بھاگتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا اور انہیں یہ خبر سنائی۔

اسی دوران لائیکا کے مکان میں سے سپاہیوں کی آوازیں اور لائیکا کی چیخوں کی آوازوں کے ساتھ اُس کے بوڑھے ماں باپ کی آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ طاغوت کے جانثار ساتھی شاہی فوجی دستے پر دھاوا بولنا چاہتے تھے لیکن طاغوت نے انہیں روک لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا مطلب سوائے خودکشی کے اور کچھ نہیں ہے کیونکہ اس کے چھ جانباز ساتھی اپنی تمام تر بہادری اور جانثاری کے باوجود شاہی فوج کی اتنی بڑی تعداد کا

مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ وہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں ہو گئے۔ لائیکا کے مکان کے باہر شاہی سپاہیوں نے مشعلیں روشن کر رکھی تھیں اور گھوڑوں پر سوار تھے اور مشعلوں کی روشنی میں ان کی تلواریں اور زرہ بکتر چمک رہے تھے۔ طاغوت نے دیکھا کہ سپاہی لائیکا کو گھسیٹ کر اس کے مکان کے اندر سے نکال رہے تھے۔ مکان کے باہر آ کر سپاہیوں نے کمانڈر کے حکم سے لائیکا کے دونوں ہاتھ رسّی سے پیچھے باندھے اور اُسے گھوڑے پر ڈال کر شاہی محل کی طرف لے گئے۔ طاغوت اور اس کے ساتھی یہ المناک منظر دیکھتے رہ گئے۔ طاغوت نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور بولا۔

"جو میں نہیں چاہتا تھا وہ ہو کر رہا۔ اب ہماری جانیں بھی خطرے میں ہیں۔ یہاں سے ایک ایک کر کے نکل چلو اور شمالی پہاڑیوں والے نئے ٹھکانے پر پہنچو۔"

طاغوت کے چھ کے چھ ساتھی الگ الگ ہو کر کھجور کے درختوں کے جھنڈ میں گئے جہاں ان کے گھوڑے بندھے تھے۔ دوسری طرف سے طاغوت بھی دوڑتا ہوا وہاں آ گیا۔ گھوڑوں کو کھول کر وہ ان پر سوار ہوئے اور الگ الگ ہو کر رات کے اندھیرے میں اپنی نئی کمین گاہ کی طرف گھوڑوں کا رُخ موڑ دیا۔

شعبان شمالی پہاڑیوں والی نئی کمین گاہ میں طاغوت کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ جب طاغوت کو شعبان نے لائیکا کے بغیر آتے دیکھا تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"کیا ہوا؟ لائیکا کہاں ہے؟" اُس نے طاغوت سے پوچھا۔

طاغوت نے گھوڑے سے اُترتے ہوئے بتایا۔ "ہمارے پہنچتے ہی ہماری مخبری ہو گئی۔ لائیکا کوٹھڑی میں اپنے ماں باپ کے پاس بیٹھے تھوڑا وقت ہی گزرا تھا کہ شاہی فوج کے مسلح دستوں نے مکان کے صحن کا دروازہ توڑ کر دھاوا بول دیا اور لائیکا کو پکڑ کر لے گئے۔ وہ تعداد میں اتنے زیادہ تھے کہ ہم ان کا مقابلہ کرتے تو ہم میں سے ایک بھی زندہ واپس نہ آتا۔"

شعبان سمجھ گیا کہ دیوتاؤں نے اُسے اپنی محبوبہ سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت لائیکا کو واپس نہیں لا سکتی تھی۔ اب اُس کی موت یقینی تھی۔ وہ طاغوت سے بھی گلہ نہیں کر سکتا تھا۔ طاغوت نے ہمیشہ ہر کٹھن وقت میں اپنی جان کی بازی لگا کر شعبان کا ساتھ دیا تھا لیکن یہاں وہ واقعی مجبور تھا۔ شعبان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

طاغوت نے شعبان کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور کہنے لگا۔

"دوست! اگر تم کہو تو میں اب بھی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر لائیکا کو چھڑانے شاہی محل میں چلا جاتا ہوں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

شعبان نے طاغوت کو گلے لگا لیا اور بولا۔ "طاغوت! مجھے تمہاری دوستی پر کبھی شک نہیں ہوا۔ میں جانتا ہوں تم میری خاطر اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرو گے۔ مگر میں تمہیں خودکشی کرنے کے لئے کبھی نہیں کہوں گا۔ ٹھیک ہے، قسمت میں جو لکھا تھا ہو کر رہا۔ دیوتاؤں کی یہی مرضی تھی۔"

اس اندوہ ناک واقعے کے بعد دو دن تک شعبان طاغوت کے ساتھ اُس کی نئی کمین گاہ میں ہی چھپا رہا۔ اس دوران لائیکا کا خیال اُس کے دل و دماغ پر چھایا رہا۔ جب اُسے خیال آتا کہ لائیکا کو دوبارہ خفیہ راستے سے اہرام کے اندر لے جا کر فرعون کے مقبرے میں زندہ دفن کر دیا جائے گا تو اُس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو اُمڈ آتے۔ اب وہ اس کی مدد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ تیسرے دن اُس نے طاغوت سے کہا۔

"دوست! شہر تھیبز تمہارے ساتھ اب میری جان کا بھی دشمن ہو گیا ہے۔ ایسا کوئی عذاب اور دُکھ نہیں جو مجھے اس شہر نے نہ دیا ہو۔ اس شہر نے میری محبت کو مجھ سے چھین کر اسے زندہ درگور کر دیا اور اب مجھے ایک ایسے جرم کے بدلے میں پھانسی پر لٹکانا چاہتا ہے جو میں نے نہیں کیا۔ میرا دل اس سنگدل، بے وفا اور بے مہر شہر سے بھر گیا ہے۔ میں اس شہر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔"

طاغوت نے اپنے دوست کو روکنے کی کوشش اس لئے نہ کی کہ وہ جانتا تھا کہ شعبان اگر اس کے ساتھ رہا تو کسی نہ کسی دن ضرور فرعون کے سپاہیوں کے ہتھے چڑھ جائے گا اور اُس کا سر کاٹ کر شہر کے صدر دروازے پر لٹکا دیا جائے گا۔ اُس نے شعبان سے کہا۔

"لیکن تم کہاں جاؤ گے؟ کم از کم مجھے اس ملک کا نام ہی بتا دو۔ ہو سکتا ہے میں کبھی تم سے ملنے وہاں پہنچ جاؤں۔"

شعبان نے کہا۔ "مجھے خود نہیں معلوم کہ میں کہاں جاؤں گا اور کس ملک میں اپنا ٹھکانہ بناؤں گا۔"

اسی رات کو شعبان قدیم مصر کے دارالحکومت تھیبز سے نکل گیا۔ طاغوت مصر کی سرحد

تک اُس کے ساتھ آیا۔ جدا ہوتے وقت دونوں بچپن کے دوست ایک دوسرے کے گلے لگ کر ملے۔ شعبان نے گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ اس زمانے میں ملک بابل کے بادشاہ بخت نصر سے فراعنہ مصر کی دشمنی چلی آ رہی تھی۔ چنانچہ شعبان اس اعتبار سے اپنے آپ کو ملک بابل میں محفوظ خیال کرتا تھا کہ جب بابل کے بادشاہ کو یہ پتہ چلے گا کہ شعبان نے فرعون ہوتپ کو زہر دے کر ہلاک کیا ہے یا اس پر فرعون کو زہر دینے کا الزام ہے تو وہ شعبان کے ساتھ مصری ہونے کی وجہ سے برا سلوک نہیں کرے گا اور اُسے بابل میں پناہ مل جائے گی۔ چنانچہ مصر کی حکومت کی سرحدوں سے نکلنے کے بعد شعبان نے گھوڑے کا رُخ ملک بابل کی طرف پھیر دیا......!

✿......✿

اب ہم بدنصیب کنیز لائیکا کی طرف آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس پر کیا گزری۔

مُردہ فرعون کی رُوح کے ساتھ اگلی دنیا میں جانے والی کنیز کا اہرام سے فرار ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اس سے دیوتاؤں کی توہین ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ فرعون کے شاہی خاندان پر فرعون کی بد دُعا اور دیوتاؤں کے عذاب کے بادل منڈلانے لگے تھے۔ چنانچہ جب ملکہ مصر، کاہن اعظم حامون اور سپہ سالار عشمون کو اطلاع ملی کہ فرعون کے مقبرے سے فرار ہونے والی کنیز لائیکا گرفتار کر لی گئی ہے تو یہ شاہی خاندان اور مصری رعایا کے لئے بہت بڑی خوشخبری تھی۔ اسی وقت ہیکل اعظم سے لے کر ملک کے چھوٹے سے چھوٹے معبدوں تک دیوتاؤں کی پوجا شروع ہو گئی اور بھجن گائے جانے لگے۔ شہزادی ساہتی اور ولی عہد شہزادے آمون نے شاہی خواب گاہ میں جا کر اپنی والدہ اور ملکہ مصر کو مبارکباد دی۔

ملکہ مصر کی طبیعت اس سانحے کے بعد سخت علیل ہو گئی تھی۔ اس وقت بھی وہ اپنے زمردیں پایوں اور طلائی ستاروں والی مسہری میں نیم دراز تھیں لیکن چہرے سے فکر و پریشانی کے اثرات غائب ہو چکے تھے۔ ولی عہد آمون نے کہا۔

”پیاری امی ملکہ عالیہ، آپ کو مبارک ہو۔ ہمارے والد کی رُوح اگلی دنیا میں بھٹکتی نہیں پھرے گی۔“

شہزادی ساہتی نے کہا۔ ”امی جان! ربّ اسیرس نے ہم پر خاص مہربانی فرمائی ہے کہ کنیز لائیکا دوبارہ گرفتار کر لی گئی۔“

ملکہ مصر نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”ہمارا خاندان دیوتاؤں کے عذاب اور فرعون کی بد دُعا سے محفوظ ہو گیا ہے۔ اگلی دنیا میں اب تمہارے باپ کی رُوح کو ابدی زندگی ملے گی۔ ہم نے اس کی تمام رسومات پوری کر دی ہیں۔ لیکن دیوتاؤں کے کفارے

کے چودہ دن پورے ہونے تک تمہیں کنیز لائیکا کو سخت پہرے میں رکھنا ہوگا۔"

ولی عہد آمون نے کہا۔"امی جان! لائیکا اس وقت سپہ سالار عشمون کی تحویل میں ہے جس نے اُسے قلعے کے سب سے نچلے تہہ خانے میں بند کر کے باہر سپاہیوں کے پورے دستے کا پہرہ لگا دیا ہے۔ جیسے ہی کفارے کے چودہ دن مکمل ہوں گے کنیز کو دوبارہ فرعون کے مقبرے میں زندہ دفن کر دیا جائے گا۔"

کفارے کے چودہ دنوں میں سے سات دن کنیز لائیکا کو ہیکل اعظم میں کاہن حامون کی تحویل میں رکھا جانا تھا جہاں اس پر کفارے کی کچھ اہم رسمیں ادا کی جاتی تھیں۔ چنانچہ سات یوم تک تو کنیز لائیکا قلعے کے سب سے نچلے تہہ خانے میں قید رہی۔ آٹھویں روز اُسے فوج کے سخت پہرے میں ہیکل اعظم میں کاہن حامون کے حوالے کر دیا گیا۔ لائیکا کو اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ اب اُسے کوئی بھی نہیں بچا سکتا تھا۔

ہیکل کے باہر چاروں طرف شاہی فوج کے سپاہی مورچے بنا کر بیٹھ گئے۔ ہیکل کے اندر جس تہہ خانے میں لائیکا کو رکھا گیا تھا اس کے باہر اور پوری کی پوری غلام گردش میں سپاہی گشت لگاتے رہتے تھے۔ اتنے سخت حفاظتی انتظامات تھے کہ چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔ لائیکا کے وہاں سے فرار ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہیکل کے جس تہہ خانے میں لائیکا کو رکھا گیا تھا وہاں دیوتا آمون کا بت ایک چبوترے پر نصب تھا۔ کفارے کی رسم دیوتا آمون کے روبرو ہی سات دن تک ادا کی جاتی تھی۔ یہ تہہ خانہ دیوتا آمون کا خاص بت خانہ تھا۔ آمون کے بت کا لباس نیلے مخمل کا تھا۔ چہرے پر لال سیندور ملا ہوا تھا، آنکھوں میں سرخ عقیق جڑے ہوئے تھے، دیواروں پر دیوتا آمون کو مختلف خوبرو عورتوں کے ساتھ رنگین تصویروں میں داد عیش دیتا دکھایا گیا تھا۔ یہ اس دیوتا کا ایک نیا رُوپ تھا۔ اس رُوپ میں دیوتا آمون ایک عیاش آدمی کی شکل میں نمایاں تھا جو خوش شکل عورتوں اور مے ناب کا شوقین تھا۔ اس بت خانے میں ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جس کے دروازے پر سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ لائیکا اسی کوٹھڑی میں بند تھی۔ جب کفارے کی رسم شروع ہوئی تو اُسے کوٹھڑی میں سے نکال کر دیوتا کے بت کے سامنے لایا گیا۔ وہاں فرش پر سیاہ رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا۔ دیوتا کے بت کے قدموں کے درمیان ایک سنگیں پیالے میں عود و عنبر سلگ رہے تھے۔ لائیکا کو سیاہ قالین پر بت کے روبرو بٹھا دیا گیا۔

بت خانے میں اس وقت صرف کاہن حامون اور ہیکل اعظم کی چار لونڈیاں ہی تھیں۔ ہر لونڈی کے ہاتھوں میں چاندی کا برتن تھا۔ کسی برتن میں سیندور تھا، کسی میں پیسا ہوا سرمہ اور کسی میں زیتون کا تیل اور کسی برتن میں بادام روغن تھا جس میں مہندی کے پھولوں کا عطر ملا ہوا تھا۔ لائیکا کا جسم صرف ایک سرخ دوشالے سے ڈھکا ہوا تھا۔ اُس کے بال کھلے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ سات دنوں میں اُس کے ساتھ کیا کچھ ہونے والا ہے۔ احتجاج کرنے کا وہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ لائیکا نے اپنے آپ کو کاہن حامون کے سپرد کر دیا ہوا تھا۔ کفارے کی رسومات کا یہ پہلا دن تھا۔ ہیکل کی لونڈیوں نے اپنے اپنے چاندی کے برتن دیوتا کے بت کے قدموں میں رکھ دیئے اور ایک طرف ہاتھ سینوں پر باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔ کاہن حامون کے ہاتھ میں چاندی کا عصا تھا۔ اس کا سر تیل میں چمک رہا تھا۔ دیوتا کے بت کے چاروں جانب بڑے بڑے سیپ کے چراغ روشن تھے۔ کاہن حامون نے رسم کی ابتدا کرتے ہوئے آگے بڑھ کر دیوتا آمون کے بت کے پاؤں کو جھک کر بوسہ دیا اور پھر پیچھے ہٹ کر دیوتا کی تعریف کے اشلوک پڑھنے شروع کر دیئے۔ دیر تک وہ اشلوک زبانی پڑھتا رہا۔

جب اُس کا بھجن کیرتن ختم ہوا تو اُس نے اپنا عصا بت کے قدموں میں رکھ دیا اور لائیکا کے پاس آ گیا۔ بے چاری لائیکا اپنے جسم کو سرخ دوشالے میں چھپائے سر آگے کو ڈالی سمٹی ہوئی بیٹھی تھی۔ کاہن حامون نے کھڑے کھڑے مزید کچھ اشلوک پڑھے اور دیوتا آمون کی جانب چہرہ اُٹھا کر بلند آواز میں کہا۔

"عظیم دیوتا! ہم تیری خدمت میں فرعون ہوتپ کی اگلی ابدی زندگی کے لئے کفارہ ادا کرنے حاضر ہوئے ہیں۔ ہمارا کفارہ قبول فرما اور فرعون ہوتپ کو اگلی دنیا میں ابدی زندگی عطا کر۔"

ان الفاظ کو ادا کرنے کے بعد کاہن نے جھک کر ایک ہی جھٹکے سے لائیکا کے جسم پر سے سرخ دوشالہ کھینچ کر ایک طرف پھینک دیا۔ لائیکا اور زیادہ سمٹ گئی۔ اب لائیکا کا ستر عریاں تھا۔ کاہن حامون نے دو لونڈیوں کو اشارہ کیا، دونوں لونڈیوں نے چاندی کا ایک ایک برتن اٹھایا اور لائیکا کے پاس آ گئیں۔ انہوں نے اپنے اپنے چاندی کے برتن قالین پر رکھ دیئے۔ پھر لائیکا کو اوندھا کر کے قالین پر لٹا دیا اور اپنے اپنے برتنوں میں سے زیتون

کے تیل اور سیندور میں ہاتھ بھگو بھگو کر لائیکا کے بدن پر مالش کرنے لگیں۔

یہ عمل دیر تک جاری رہا۔ جب لائیکا کی کمر گردن سے لے کر ایڑیوں تک سیندور اور زیتون کے تیل سے سرخ ہوگئی تو دونوں لونڈیاں اپنے اپنے برتن اٹھا کر بت کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔ کاہن حامون نے دوسری دو لونڈیوں کو اشارہ کیا، اسی طرح وہ دونوں لونڈیاں بھی اپنے اپنے چاندی کے برتن اٹھا کر لائیکا کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ لائیکا ابھی تک قالین پر اوندھی پڑی تھی۔ کاہن حامون ایک طرف کھڑا گہری نظروں سے اس رسم کو ادا ہوتے دیکھ رہا تھا۔ دونوں لونڈیوں نے لائیکا کے جسم کو سیدھا کر دیا۔ اس کے بعد اپنے اپنے چاندی کے برتنوں میں سے عطر ملا بادام روغن ہتھیلیوں میں ڈال کر لائیکا کے جسم پر مالش کرنے لگیں۔ دیر تک یہ عمل جاری رہا۔ جب لائیکا کا جسم بادام روغن سے تر بہ تر ہوگیا تو ایک لونڈی نے چاندی کے برتن میں اُنگلی ڈال کر اُسے بھیگے ہوئے سرمے میں تر کیا اور سرمے سے لائیکا کے جسم پر پھول بوٹے بنانے لگی۔ جب لائیکا کے جسم کا سامنے والا حصہ پھول بوٹوں سے بھر گیا تو وہ لونڈی بھی پیچھے ہٹ کر بت کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

اب کاہن حامون کی باری تھی۔

اُس نے سیپ کا جلتا ہوا چراغ دیوتا کے بت کے قدموں میں سے اٹھایا اور اونچی آواز میں اشلوک پڑھتے ہوئے اسے قالین پر سیدھی لیٹی لائیکا کے پیٹ پر رکھ دیا۔ لائیکا کو سیپ کے چراغ کی ہلکی ہلکی حرارت اپنے جسم میں سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئی مگر وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی تھی، بالکل ساکت و جامد ہو کر لیٹی رہی۔ اس کے ساتھ ہی چاروں لونڈیوں نے دیوتا آمون کی تعریف کے بھجن گانا شروع کر دیئے۔ وہ بھجن گاتے ہوئے لائیکا کے گرد چکر بھی لگا رہی تھیں اور رقص کے انداز میں چل رہی تھیں۔ کاہن حامون ایک طرف کھڑا لونڈیوں کے رقص کے چکروں کو گنتا جا رہا تھا۔ جب اُس کے حساب سے خاص تعداد میں چکر پورے ہوگئے تو اُس نے لونڈیوں کو اشارہ کیا، چاروں لونڈیاں اپنے اپنے چاندی کے برتن اٹھا کر بت خانے سے نکل گئیں۔ ان کے جانے کے بعد بت خانے میں کاہن حامون اور لائیکا کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں تھا۔ کاہن حامون نے دیوتا کے بت کی ایک جانب جلنے والے دونوں چراغ بجھا دیئے۔ پھر دیوتا کے بت کے سامنے آ کر اُس کے قدموں کو تین بار چوما اور تیسرا چراغ بھی بجھا دیا۔ اب بت خانے میں صرف سیپ کا ایک

چراغ جل رہا تھا جس کی روشنی مدھم تھی۔

اس مدھم روشنی میں کاہن حامون قالین پر پتھر کے بت کی طرح لیٹی لائیکا کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اکیلے چراغ کی دھیمی روشنی میں لائیکا کے جسم پر ملا ہوا تیل مدھم کہکشاں کی طرح چمک رہا تھا۔ کاہن حامون نے سرخ دوشالے سے لائیکا کے جسم کا تیل پونچھنا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ وہ دیوتا آمون کا بھجن کیرتن بھی کرتا جا رہا تھا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد کاہن نے آخری چراغ بھی گل کر دیا۔ بت خانے میں اندھیرا چھا گیا۔

یہی عمل دوسرے اور تیسرے روز بھی دہرایا گیا۔ چوتھے روز مختلف تیلوں اور عطریات کی مالش کے بعد لائیکا کے بدن کو باریک سوئی سے گودا گیا اور پیٹ پر گلے سے لے کر ناف تک سانپ کی تصویر بنائی گئی۔ پانچویں رات کو لائیکا کو آرام کرنے دیا گیا۔ چھٹی اور ساتویں رات کو پہلے دن والا عمل دہرایا گیا۔ آخر میں جب کفارے کی تمام ضروری رسومات پوری ہوچکیں تو لائیکا کی ران پر چاقو سے زخم کر کے اس کے خون کو سونے کے ایک پیالے میں جمع کر لیا گیا۔ ساتویں رات کے پچھلے پہر لائیکا کو عریاں حالت میں رسیوں سے جکڑ کر اہرام کے خفیہ دروازے سے فرعون ہوتپ کے مقبرے میں لے جایا گیا۔

اس وقت ملکہ مصر اور ولی عہد شہزادہ آمون مقبرے میں موجود تھے۔ ان کی موجودگی میں بے ستر عریاں لائیکا کو فرعون ہوتپ کے تابوت کے پاؤں کی طرف زمین میں پہلے سے گاڑے ہوئے آہنی ستون کے ساتھ زنجیروں سے کس کر باندھ دیا گیا، اس کے خون سے بھرا ہوا سونے کا پیالہ فرعون کے تابوت کے اوپر رکھ دیا گیا۔ کاہن حامون نے آخری کلمات ادا کرتے ہوئے فرعون ہوتپ کی رُوح سے مخاطب ہو کر کہا۔

''عظیم فرعون ہوتپ کی مقدس روح! آج ہم نے تیرا کفارہ پورا کر دیا ہے۔ دیوتا آمون تجھ پر خوش ہوگئے، تیری امانت تجھ تک پہنچا دی گئی۔ دیوتا اسیرس اگلی دنیا میں تیری ابدی زندگی کی رکھوالی کرے۔''

اس کے بعد ملکہ مصر، ولی عہد شہزادہ آمون اور کاہن حامون اور دوسرے تین پروہت حجرے سے باہر نکل آئے۔ مقبرے کی دیوار خفیہ کیل کے ذریعے ہزاروں ٹن وزنی پتھر

نیچے گرا کر بند کر دی گئی۔

شاہی محل میں پہنچنے کے بعد ہیکل اعظم کے کاہن اعظم حامون نے ملکہ مصر کی خدمت میں حاضر ہو کر اُسے مبارکباد دی کہ شاہی خاندان، ہیکل اعظم اور سلطنت پر سے دیوتاؤں کے عذاب کی شکل میں نازل ہونے والی بلا ٹل گئی۔ ملکہ مصر نے اسی روز اپنے بیٹے ولی عہد شہزادے آمون کی تخت نشینی کی تیاریوں کا اعلان کر دیا۔ ایک ہفتہ تیاریوں میں گزر گیا۔

آٹھویں روز ولی عہد شہزادہ آمون اپنے باپ فرعون ہوتپ کے بعد بطور نئے فرعون کے مصر کے تخت پر بیٹھ گیا۔ نیا فرعون آمون جوان سال تھا۔ وہ خوش شکل اور نرم دل شاعر مزاج فرعون تھا۔ اس میں سب سے بڑی اور دوسرے فرعونوں سے مختلف خوبی یہ تھی کہ وہ توحید پرست تھا اور بتوں کی پوجا کے خلاف تھا۔

تل امرنا میں اس نوجوان فرعون کا نصف دھڑ کا جو بت برآمد ہوا ہے اور جو پیرس کے میوزیم میں موجود ہے اس میں اس نوجوان، خوش شکل اور توحید پرست فرعون کے چہرے کے نقوش بڑے حساس اور نازک دکھائی دیتے ہیں۔ لمبے ابروؤں کے نیچے بڑی بڑی آنکھوں میں ایک پُرسکون جھیل کی کیفیت ہے۔ یہ ایک خواب دیکھنے والے آرٹسٹ کی آنکھیں لگتی ہیں۔ ول ڈیوراں نے اپنی کتاب ''داستانِ تہذیب'' کے باب ''مصر'' میں اس فرعون کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی کچھ نظموں کا انگریزی ترجمہ بھی دیا ہے جس کا ہم آگے چل کر تفصیل سے تذکرہ کریں گے۔ ول ڈیوراں نے اس فرعون کے بارے میں جو تخت نشین ہونے کے بعد اخناتون کے نام سے مشہور ہوا، لکھا ہے کہ یہ فرعون انیسویں صدی کا برطانوی نژاد شاعر شیلے تھا جو آج سے چار ہزار برس پہلے قدیم مصر کے فرعونوں کے محل میں پیدا ہوا۔ آگے چل کر اسی کتاب کے صفحہ 205 پر ول ڈیوراں لکھتا ہے کہ اخناتون ایک شاعر اور درویش صفت انسان ہونے کے ساتھ ساتھ پُرجوش انقلابی بھی تھا۔ اُس نے مصر میں ایک ایسا مذہبی انقلاب برپا کیا جس نے مصر کی قدیم ترین سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن یہ ساری تفصیل اور اس کی توجیہہ اور اس کے نتائج ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ ابھی وہ مصر کے تخت پر نیا نیا فرعون بن کر بیٹھا تھا اور مصر میں ایک زبردست مذہبی انقلاب کا لاوا اُس کے اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔

اخناتون 1385 قبل مسیح میں مصر کا بادشاہ بنا تھا۔ اس کا پہلا نام آمون دیوتا کے

پر تھا۔ مگر مذہبی انقلاب لانے کے بعد اُس نے اپنا نام بھی بدل کر اخناتون رکھ لیا جس کا مطلب ہے سورج کا بیٹا یا سورج کا پرستار۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مصر کی قدیم تاریخ میں جتنی شہرت اخناتون کو ملی ہے وہ مصر کے کسی فرعون کو نصیب نہیں ہو سکی۔ ملکہ نفرتیتی اسی فرعون کی بیوی تھی جس کا سینے تک کا مجسمہ عالمگیر شہرت کا حامل ہے اور جسے قدیم مصری ملکاؤں کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

اخناتون اس نظریے کا قائل تھا کہ سورج ہی کرۂ ارض پر زندگی کا سرچشمہ ہے۔ ابھی انسانی فکر نے اتنی ترقی نہیں کی تھی کہ کائنات بلکہ تمام کائناتوں کے خالق حقیقی کا تصور انسانی ذہن میں آ سکتا۔ اس زمانے کے فکری شعور کے مطابق صرف سورج ہی کو زندگی کا سرچشمہ قرار دینا بہت بڑا انقلابی تصور تھا۔ اخناتون صاحب فکر تھا چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ پرندوں، جانوروں اور فطرت کی روایتی قوتوں کے بت بنا کر ان کی پوجا کرنا بیکار ہے۔ صرف سورج ہی پرستش کے لائق ہے۔ لیکن اس کے آگے بھی سجدہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ سجدہ کرنے یا نہ کرنے سے سورج کے قدرتی عمل میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ سورج انسان کا دوست ہے اور اس کے احسانات کی تعریف کرنی چاہئے، اس سے محبت کرنی چاہئے۔ چنانچہ تخت نشین ہونے کے بعد اخناتون نے سب سے پہلے اپنے نام کے آگے آمون دیوتا کا جو نام آتا تھا اسے بدل کر عاطون رکھ لیا۔ عاطون کا مطلب سورج تھا۔ یعنی اخن عاطون۔ اس کے بعد اخناتون نے پہلا حکم یہ صادر کیا کہ آج سے کسی معبد میں کسی دیوتا، کسی مظاہر فطرت کے بت کی پوجا نہیں ہو گی۔ اُس کے حکم سے ہیکل اعظم سے لے کر سلطنت کے تمام بت خانوں میں رکھے ہوئے بت توڑ دیئے گئے۔ جہاں جہاں پتھروں پر دیوتا آمون کا نام کندہ تھا اسے کھرچ کر اس کی جگہ عاطون یعنی سورج کا نام کندہ کر دیا گیا۔ ہیکل اعظم اور دوسرے بت خانوں کے نام حکومت کی طرف سے جو جاگیریں وقف تھیں، ان کو بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔ پروہتوں اور کاہنوں کو فرعونوں کی طرف سے جو زمینیں اور گاؤں عطا کئے گئے تھے اور جن کی آمدنی سے پروہت اور کاہن عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے تھے وہ زمینیں اور گاؤں ان سے واپس لے لئے گئے۔ ان کی جگہ کاہنوں اور پروہتوں کی ماہوار تنخواہیں لگا دی گئیں۔ دارالحکومت کے سب سے بڑے معبد ہیکل اعظم میں دیوتا آمون اور دیوتا اسیرس کا بہت بڑا بت نصب تھا جس پر

روزانہ سونے چاندی کے چڑھاوے چڑھتے تھے۔ اس بت کو فرعون اخناتون کے حکم سے توڑ کر اس کا ملبہ دریائے نیل میں بہا دیا گیا۔ ان بتوں کی جگہ ہیکل اعظم میں سنگ مرمر کی دیوار پر سنہری رنگ کا گول دائرہ نقش کر دیا گیا۔ یہ گول دائرہ سورج کی علامت تھا۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی جاری کیا گیا کہ سورج کے نقش کے آگے نہ تو کوئی سر جھکائے اور نہ سجدہ کرے۔

اخناتون کے اس جرأت مندانہ انقلابی اقدام سے معبد اور بت خانے تقریباً ویران ہو گئے۔ کاہن اعظم اور پجاریوں کی آمدنیاں رُک گئیں۔ ان کا اقتدار ختم ہو گیا۔ فرعون اخناتون کی والدہ ملکہ مصر نے بیٹے کے معاملات میں دخل دینا پسند نہ کیا۔ وہ فرعون مصر تھا، اس زمانے میں دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کا بادشاہ تھا۔ لوگ اُسے سورج کا بیٹا سمجھتے تھے۔ رعایا اور فوج اُس کے حکم کو دیوتاؤں کا حکم تصور کرتی تھی۔ ویسے بھی ملکہ مصر اب بوڑھی ہو چکی تھی اور وہ اپنی خواب گاہ میں پڑی رہتی تھی۔ اخناتون کی بڑی بہن شہزادی ساہتی کو اپنی شراب نوشی سے ہی فرصت نہیں تھی۔ اُسے رموزِ مملکت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اُسے دن رات شراب ملنی چاہئے تھی اور وہ شغل مے نوشی میں گم تھی۔

لیکن ہیکل کے کاہن اعظم حامون کے لئے یہ زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ فرعون کے ان انقلابی احکامات سے نہ صرف یہ کہ اس سے اس کی جائیداد اور دولت چھن گئی تھی بلکہ وہ اپنے جاہ و جلال سے بھی محروم کر دیا گیا تھا۔ مصیبت کی اس گھڑی میں صرف سپہ سالار عشمون ہی اُس کی ڈوبتی نیا کو سہارا دے سکتا تھا۔ وہ دوڑا دوڑا سپہ سالار کے پاس پہنچ گیا اور اپنا رونا رویا۔

"عشمون! اخناتون نے بتوں کو توڑ کر دیوتاؤں کی توہین کی ہے۔ پروہتوں اور کاہنوں کو کنگال کر دیا ہے۔ معبدوں کو ویرانہ بنا دیا ہے۔ ہم سب پر دیوتاؤں کا عتاب نازل ہونے والا ہے۔ تم فوج کے سپہ سالار ہو، اس وقت صرف تم ہی دیوتاؤں کی عزت آبرو اور ہمارے آباؤ اجداد کے مذہب کو بچا سکتے ہو۔"

فرعون اخناتون کی اصلاحات سے سپہ سالار عشمون بھی خوش نہیں تھا۔ یہ خوف اُس کے دل میں بھی بیٹھ گیا تھا کہ اخناتون نے بتوں کو توڑ کر دیوتاؤں کے عتاب کو للکارا ہے اور بہت جلد ملک پر کوئی بلا نازل ہونے والی ہے۔ مگر وہ اکیلا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ فوج

اخناتون کے ساتھ تھی، وہ اُسے سورج کا بیٹا مانتی تھی اور اس کے ہر حکم کی تعمیل اپنا فرض سمجھتی تھی۔ چنانچہ اُس نے کاہن حامون کے آگے اپنی اس مجبوری کو بیان کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے تمام حالات کا علم ہے۔ لیکن اس وقت ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ شاہی محل کے تمام وزراء اور اُمراء فرعون کے حامی ہیں۔ رعایا اور فوج فرعون کی وفادار ہے۔ ہمیں صبر سے کام لیتے ہوئے وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔"

کاہن حامون کے اندر لاوا بھڑک رہا تھا، کہنے لگا۔ "تم سب لوگ تو اپنے اپنے عہدوں پر قائم ہو۔ طبیب شاہی زوناش پر بھی کوئی زد نہیں پڑی۔ مصیبت کا پہاڑ تو مجھ پر ٹوٹ پڑا ہے۔"

سپہ سالار عشمون پوری توجہ سے حامون کی بات سن رہا تھا۔ حامون نے کہا۔ "دیکھا جائے تو ہمیں اخناتون کے باپ فرعون ہوتپ کو زہر دے کر ہلاک کروانے سے کیا حاصل ہوا؟ کچھ بھی نہیں۔ بلکہ ہم پہلے سے زیادہ بدحال ہو گئے ہیں۔ میں نے تمہیں کہا تھا عشمون کہ ولی عہد اخناتون کا بھی قصہ پاک کر دو۔ اس کے خیالات بڑے انقلابی ہیں۔ باپ کے بعد تخت پر بیٹھ گیا تو ہماری پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔ مگر تم نے اس وقت میری کوئی بات نہیں سنی۔ اگر فرعون ہوتپ کو ہلاک کروانے کے فوراً بعد تم شاہی تخت پر قبضہ کر لیتے اور خود فرعون بن کر اقتدار سنبھال لیتے تو آج ہمیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔"

سپہ سالار عشمون سمجھ رہا تھا کہ کاہن حامون کے دلائل بڑے وزنی ہیں اور اس سے واقعی بڑی بھول ہوگئی ہے۔ اگر وہ اخناتون کے باپ کی موت کے فوراً بعد تخت پر قبضہ کر لیتا تو ہنگامی حالات کے باعث اُس کے اس فعل کو کافی حد تک جائز سمجھا جاتا۔ مگر اب وقت گزر چکا تھا۔ ایک سنہری موقع ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ سپہ سالار کے دل میں فرعون بن کر سلطنت مصر پر حکومت کرنے کی خواہش ابھی تک زندہ تھی لیکن اب اُسے کسی مناسب وقت کا انتظار کرنا تھا۔ اُس نے حامون سے کہا۔

"ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے، بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے مناسب موقع کا انتظار کرنا ہوگا۔"

فرعون اخناتون کی انقلابی اصلاحات کے بعد شاہی دربار کے ادب و آداب میں بھی تبدیلی آ گئی تھی۔ اب فرعون کے روبرو پیش ہوتے ہوئے کسی کو سر جھکا کر یا فرش پر لیٹ

کر فرعون کی تعظیم بجا لانے کی اجازت نہیں تھی، صرف سینے پر ہاتھ رکھ کر تعظیم بجا لانے کا حکم تھا۔ اخناتون اپنی حسین اور نازک اندام بیوی ملکہ نفریتی کے ساتھ دن میں دو بار دربار لگاتا۔ دوسرے ممالک سے آنے والے وفود اور سفیروں سے ملاقات کرتا۔ غریبوں، مزدوروں، کسانوں اور ہر طبقے کے لوگوں کی عرض داشتیں سنتا اور اسی وقت احکام صادر کرتا۔ کبھی کبھی فرعون اخناتون اور ملکہ نفریتی اپنے بچوں کو بھی دربار میں ساتھ لے آتے۔ فرعون اور ملکہ شاہی تخت پر پوری شان کے ساتھ بیٹھے ہوتے تھے اور ان کے بچے دربار میں اِدھر اُدھر کھیلتے پھرتے تھے۔ پہلے فرعونوں کے وقتوں میں شاہی دربار پر جو موت کی خاموشی اور سنگین رُعب کی فضا چھائی ہوتی تھی وہ ختم ہو گئی تھی اور دربار کا ماحول ہلکا پھلکا اور فضا گھریلو قسم کی ہو گئی تھی جو نوجوان شاعر فرعون اخناتون کے لئے تو بڑے سکون اور اطمینان کا باعث تھی۔ لیکن اُس کی حکومت اور تاج و تخت کے حق میں تباہ کن ثابت ہوئی۔

✿

شعبان اپنی جان بچا کر اپنی محبوبہ کی موت کا داغ دل پر لئے سلطنت مصر کی حدود سے نکل چکا تھا۔ اُس سے والہانہ پیار کرنے والی اُس کی بچپن کی دوست سائنا اپنی خاموش محبت کو سینے سے لگائے اپنے گھر میں بیٹھی تھی۔ اُسے شعبان کی کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے۔

طاغوت نے اپنی خفیہ کمین گاہ تبدیل کر لی تھی لیکن وہاں وہ اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اس فکر میں تھا کہ اپنے جانبازوں کو ساتھ لے کر مصر کی سرزمین سے نکل جائے اور کسی دوسرے ملک کی سرحدوں کے قریب جا کر قافلوں کی لوٹ مار کا کاروبار شروع کرے۔ کچھ دیر کے لئے طاغوت نے مصر کی سرحدوں کے اندر سفر کرتے قافلوں پر ڈاکے ڈالنے کا کام ملتوی کر رکھا تھا۔ لیکن آدمی مہم پسند تھا اور پہاڑی کمین گاہ میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنا اُس کی فطرت کے خلاف تھا۔ چنانچہ کبھی کبھی رات کو یا دن کے پچھلے پہر اکیلا گھوڑے پر سوار ہو کر صحراؤں کی طرف سیر و تفریح یا ہرن کے شکار کو نکل جاتا تھا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ طاغوت منہ اندھیرے صحرائی ہرن کے شکار کی مہم پر نکلا تو دیر تک صحرا میں تلاش کرتے رہنے کے باوجود اُسے کوئی ہرن نہ ملا۔ اتنے میں پو پھٹنے لگی۔ سورج مشرقی اُفق پر اپنی سنہری کرنیں بکھیرتا اُبھرنے لگا۔ طاغوت ریت کے ٹیلوں کے درمیان

ہرن کی تلاش میں اِدھر اُدھر چکر لگا رہا تھا۔ سورج نکل آیا تھا اور صحرا میں دن کا اُجالا پھیل گیا تھا۔ طاغوت ریت کے ایک ٹیلے کی اوٹ سے نکلا تو اُس نے دیکھا کہ صحرا میں ایک سفید لباس والا آدمی طلوع ہوتے سورج کی طرف چہرہ کئے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے گھٹنوں کے بل بیٹھا ہے۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ سورج کی پوجا کر رہا ہے۔ طاغوت گھوڑا روک کر اُسے دیکھنے لگا۔ وہ آدمی اُس سے کوئی پانچ سو گز کے فاصلے پر تھا۔

طاغوت کچھ دیر بڑی دلچسپی سے اُس شخص کو سورج کی پوجا کرتے دُور سے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے اس خیال سے گھوڑے کی باگ دائیں جانب کھینچی کہ دوسری طرف نکل جائے کہ ایک عجیب بات ہو گئی۔ ابھی وہ گھوڑے کو موڑ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک ٹیلے کے عقب سے ایک شیر نکل کر سورج کی پوجا کرنے والے آدمی کی طرف بڑھا۔ اُس آدمی کی پشت شیر کی طرف تھی اور وہ سورج کی پرستش میں محو تھا۔ ایک لمحے کے اندر طاغوت نے سوچا کہ یہ شیر اُس آدمی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا شیر کی طرف لپکا۔ اتنی دیر میں شیر سورج کی پوجا کرنے والے کے قریب پہنچ چکا تھا جو اپنے عقب میں شیر کی موجودگی سے بے خبر اپنی عبادت میں مشغول تھا۔ طاغوت طوفانی آندھی کی طرح گھوڑا دوڑاتے شیر کے سر پر پہنچ گیا۔ لیکن شیر اس بے خبر آدمی پر چھلانگ لگا کر اسے زمین پر گرا چکا تھا۔ طاغوت نے بجلی کی تیزی کے ساتھ اوپر تلے تین تیر کمان میں جوڑ کر چلائے۔ تینوں کے تینوں تیر گولی کی تیزی کے ساتھ شیر کی گردن میں گھس گئے اور وہ ایک بھیانک گرج کے ساتھ ایک طرف کو دوڑ پڑا اور ٹیلوں کی اوٹ میں غائب ہو گیا۔

جو آدمی سورج کی پوجا کر رہا تھا وہ شیر کے دھکے سے ایک طرف گرا ہوا تھا۔ اُس کا سر اُٹھا کر اپنے زانو پر رکھا اور اُسے تسلی دی کہ جس شیر نے اس پر حملہ کیا تھا وہ زخمی ہو کر بھاگ گیا ہے۔ سورج کا پجاری ہوش میں تھا، اُس نے نیم وا آنکھوں سے طاغوت کو دیکھا اور کہا۔

"تم نے میری جان بچائی ہے۔ میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔"

اتنے میں شاہی فوج کا ایک دستہ گھوڑے دوڑاتا طاغوت کے سر پر پہنچ گیا۔ سپہ سالار [illegible] ان کے آگے آگے تھا۔ طاغوت سمجھ گیا کہ وہ پکڑا گیا ہے اور اب بھاگ نہیں سکتا۔

اُس نے اجنبی آدمی کا سر آہستہ سے زمین پر ٹکا دیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ سپہ سالار عشمون بھی
گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اُس نے اجنبی آدمی کو سہارا دے کر اٹھایا اور سپاہیوں کو حکم دیا۔
"اس آدمی کو گرفتار کرلو!"

سپاہیوں نے اسی وقت طاغوت کو دبوچ کر اُس کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ دیئے۔ پھر
سالار عشمون سورج کی پوجا کرنے والے آدمی کو سہارا دے کر شاہی رتھ تک لایا جس میں
ایک شاہانہ تخت بچھا ہوا تھا اور جسے شاہی دستہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ اجنبی آدمی
مصر کا فرعون اخناتون تھا جو خلافِ معمول طلوع ہوتے سورج کی پرستش کرنے صبح صبح شاہی
محل سے نکل کر صحرا میں آ گیا تھا۔ سپہ سالار عشمون نے اپنی حفاظت میں شاہِ مصر فرعون
اخناتون کو شاہی محل پہنچا دیا اور طاغوت کو زنجیروں میں جکڑ کر قید میں ڈال دیا۔ جب اُسے
پتہ چلا کہ جس آدمی کی اُس نے جان بچائی ہے وہ عظیم سلطنت مصر کا فرمانروا فرعون
اخناتون ہے تو اُس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اپنی گرفتاری کی وجہ اُس کی سمجھ میں یہ
آئی کہ سپہ سالار عشمون نے اُسے پہچان لیا ہے کہ وہ مشہور ڈاکو طاغوت ہی ہے۔ لیکن
حقیقت یہ نہیں تھی۔ طاغوت کو سپہ سالار عشمون اور سپاہیوں میں سے کسی نے نہیں پہچانا
تھا۔ عشمون نے آج تک طاغوت کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ طاغوت کو اس لئے گرفتار کیا گیا
تھا کہ سپہ سالار کے خیال میں وہ کوئی راہزن تھا جس نے فرعون اخناتون کو لوٹنے کی نیت
سے اس پر حملہ کر کے اُسے گرا دیا تھا۔

اگلے روز شاہی دربار لگا تو جھانجروں اور نفیریوں کی گونج میں سنہری ستونوں اور
ستاروں سے مزین نیلی چھت والی شاہی غلام گردش میں سے فرعون اخناتون دونوں ہاتھ
سینے پر رکھے فرعونوں والے پورے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا۔ اُس کی نازک اندام
ملکہ نفریتی ہونٹوں پر معصوم تبسم لئے باوقار قدم اٹھاتی اپنے خاوند کے پہلو میں چل رہی تھی۔
دونوں جانب غلام گردن میں خدام سینوں پر ہاتھ باندھے نظریں جھکائے کھڑے تھے۔
انہیں سر جھکا کر تعظیم بجا لانے کی اجازت نہیں تھی۔ فرعون اخناتون اپنے عالی شان تخت پر
رکھی سونے کی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ ملکہ نفریتی دوسری کرسی پر اُس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔
دربار میں سناٹا چھا گیا۔ سپہ سالار عشمون، کاہن اعظم حامون، شاہی طبیب زر...
اور دوسرے امراء، وزرا دربار میں موجود تھے۔ سب سے پہلے مقبوضہ علاقوں سے آئی ہوئی

خراج کی رقوم، سونا چاندی اور ہیرے جواہرات فرعون کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ غلام
زر و جواہرات سے بھرے ہوئے تھال لئے شاہی تخت کے آگے سے گزر جاتے۔ فرعون
اخناتون نے خراج میں وصول کی گئی دولت کی جانب کوئی توجہ نہ کی۔ جب ہیرے
جواہرات سے بھرا ہوا تھال لے کر آخری غلام شاہی تخت کے سامنے سے گزر گیا تو اخناتون
نے سپہ سالار عشمون سے مخاطب ہو کر کہا۔

"وہ نوجوان کہاں ہے جسے آپ لوگوں نے کل گرفتار کیا تھا؟"

عشمون نے بڑے ادب سے عرض کی۔ "ربِ فرعون! اُس گستاخ نے آپ پر حملہ
کرنے کی گستاخی کی تھی۔ ہم نے اُسے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا ہے۔"

اخناتون نے کہا۔ "اُسے ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔"

تھوڑی ہی دیر بعد طاغوت زنجیروں میں بندھا فرعون اخناتون کے رُوبرو کھڑا تھا۔
اخناتون نے حکم دیا۔ "اس کی زنجیریں کھول دی جائیں۔"

فوراً دو غلام آگے بڑھے اور دوسرے لمحے طاغوت کو زنجیروں سے آزاد کر دیا گیا۔
اخناتون نے درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کل صبح ہم سورج دیوتا کی صحرا میں عبادت
کر رہے تھے کہ ناگہاں ہم پر ایک شیر نے حملہ کر دیا۔ اس وقت اگر یہ نوجوان ہماری مدد کو
نہ پہنچتا تو فرعون اخناتون اس وقت زندہ نہ ہوتا۔"

پھر فرعون نے طاغوت سے پوچھا۔ "نوجوان! تمہارا نام کیا ہے؟"

طاغوت نے اپنے ہاتھ سینے پر باندھ رکھے تھے۔ اُس نے بڑے ادب سے کہا۔ "ربِ
فرعون، میرا نام طاغوت ہے۔"

اس نام کو سنتے ہی درباریوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ سپہ سالار عشمون نے
کہا۔ "ربِّ فرعون! اگر اس نوجوان نے اپنا صحیح نام بتایا ہے تو یہ ایک مشہور ڈاکو ہے جس کا
کام سفر کرتے قافلوں کو لوٹنا ہے۔"

اخناتون نے طاغوت سے پوچھا۔ "ہمارے سپہ سالار نے تم پر جو الزام لگایا ہے کیا یہ
درست ہے؟"

طاغوت نے جواب دیا۔ "ربِ فرعون! سپہ سالار کا الزام درست ہے۔ میں مشہور ڈاکو
طاغوت ہی ہوں۔"

اخناتون نے تحسین آمیز نگاہوں سے طاغوت کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''تم نے جس دلیری سے اپنے جرم کا اعتراف کیا ہے ہم اس کی قدر کرتے ہیں۔ لیکن وعدہ کرو کہ آج سے تم ایک نیک اور شریف انسان کی زندگی بسر کرو گے۔''

طاغوت نے عرض کی۔ ''ربہ فرعون! میں وعدہ کرتا ہوں کہ آج سے ایک شریف اور نیک انسان بن کر رہوں گا۔''

''ہمارے قریب آؤ۔'' اخناتون نے کہا۔

طاغوت نظریں نیچی کئے بڑے ادب سے چل کر فرعون کے رُوبرو جا کر کھڑا ہوگیا۔ فرعون اخناتون نے اپنے گلے سے قیمتی ہیروں کا ہار اُتار کر طاغوت کو دیا اور کہا۔

''ہماری جان بچا کر تم نے ہم پر جو احسان کیا ہے یہ اس کا بدلہ تو نہیں ہوسکتا۔ لیکن ہم یہ اپنی خوشی سے تمہیں دے رہے ہیں۔ اسے قبول کرو۔''

طاغوت نے ہیروں کی مالا لے کر اسے آنکھوں سے لگایا اور بولا۔ ''ربہ فرعون کی طرف سے دیا ہوا یہ انمول تحفہ میرے لئے زندگی کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔''

طاغوت نظریں نیچی کئے اُلٹے قدم اُٹھاتا واپس اپنی جگہ پر آ گیا۔ فرعون اخناتون نے تمام اہل دربار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم شاہی فرمان صادر کرتے ہیں کہ آج سے یہ نوجوان طاغوت ہمارے محافظ شاہی دستے کا افسر اعلیٰ مقرر کیا جاتا ہے۔ دربار برخاست ہوا۔''

اس کے ساتھ ہی اخناتون کرسی سے اٹھا اور اپنی ملکہ نفریتی کے ساتھ باوقار قدم اٹھاتا اپنی خواب گاہ کی طرف چل دیا۔ تمام اہل دربار نے جن میں فوج کا سپہ سالار عشمون بھی شامل تھا طاغوت کو نیا منصب سنبھالنے پر رسمی مبارکباد دی۔ حقیقت میں طاغوت کا شاہی محافظ دستے کا افسر اعلیٰ مقرر کیا جانا پسند نہیں آیا تھا۔ لیکن فرعون کے کسی حکم پر اعتراض کی کسی کو مجال نہیں تھی۔ طاغوت نے اُسی لمحے اپنے دل میں عہد کرلیا کہ آئندہ سے راہ زنی کا مذموم کام ہمیشہ کے لئے ترک کردے گا اور اپنے نئے منصب کے فرائض پوری دیانت داری سے ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اُس نے اپنے ڈاکو ساتھیوں کا خیال دل سے نکال دیا۔

اس بات کو جب تین چار دن گزر گئے اور طاغوت نئی کمین گاہ میں واپس نہ آیا تو اُس

کے ساتھی ڈاکو سمجھ گئے کہ اُن کے سردار کو شاہی فوج کے سپاہیوں نے گرفتار کرلیا ہے۔ اب انہیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ چنانچہ ایک ایک کر کے وہ سارے کے سارے خفیہ کمین گاہ چھوڑ کر جس کا جدھر منہ اُٹھا نکل گیا۔

دوسری طرف سپہ سالار عشمون، کاہن اعظم حامون اور شاہی طبیب زوناش سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور اس فکر میں غرق ہوگئے کہ فرعون اخناتون سے کیسے نجات حاصل کی جائے کہ ان کی چھنی ہوئی دولت پھر سے ان کے ہاتھ آ جائے اور دیوتاؤں کی پوجا کا مذہب پھر سے ملک میں رائج ہو جائے۔ یہ کام اتنا آسان نہیں تھا لیکن وہ توحید پرست انقلابی فرعون اخناتون کو اپنے راستے سے ہٹانے کا عہد کر چکے تھے۔ تینوں سازشی رات کو چھپ کر ہیکل کے تہہ خانے میں ملتے اور اپنی خونی سازش کے بارے میں مشاورت کرتے۔ ایک رات تینوں سازشی ہیکل کے تہہ خانے میں بیٹھے خفیہ ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے کہ سپہ سالار عشمون کہنے لگا۔

''میری سمجھ میں تو ایک ہی طریقہ ہے جس پر عمل کر کے ہم فرعون سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور وہ طریقہ یہ ہے کہ شاہی خواب گاہ کے کسی غلام کو دولت کا لالچ دے کر اس کے ہاتھوں سوتے میں فرعون کو قتل کروا دیا جائے اور اس کے فوراً بعد اُس غلام کو بھی قتل کر دیا جائے۔''

شاہی طبیب زوناش نے کہا۔ ''آج سے چند روز قبل اس طریقے پر عمل کیا جا سکتا تھا۔ مگر طاغوت کے نیا منصب سنبھالنے کے بعد ایسا کرنا ناممکن ہوگیا ہے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ طاغوت نے شاہی خواب گاہ سے تمام غلاموں کو تبدیل کر کے ان کی جگہ اپنے خاص آدمی لگا دیئے ہیں جنہیں کسی قیمت پر بھی خریدا نہیں جا سکتا اور طاغوت خود بھی شاہی خواب گاہ کی حفاظت کی خاطر رات کو دو تین چکر لگانے آ جاتا ہے۔''

کاہن اعظم حامون بولا۔ ''پھر تو ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے۔ کسی ترکیب سے فرعون کے کھانے میں زہر ملا کر اُسے ہلاک کر دیا جائے۔''

شاہی طبیب نے اس تجویز کو رد کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بھی اب ممکن نہیں رہا۔ کیونکہ فرعون کے ہر کھانے اور ہر مشروب کا طاغوت پہلے معائنہ کرتا ہے اور ہر کھانے اور ہر مشروب میں سے تھوڑا سا کھانا اور مشروب ایک بلی کو کھلاتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ کہیں

فرعون کے کھانے یا مشروب میں زہر تو نہیں ملایا گیا۔ یہاں تک کہ شاہی خاندان کے استعمال کے لئے جو پانی صراحیوں میں بھرا جاتا ہے وہ بھی طاغوت کے معائنے کے بغیر شاہی محل میں نہیں جاتا۔“

سپہ سالار عشمون غصے میں بولا۔”مجھے معلوم تھا یہ ڈاکو فرعون کا محافظ بن کر آیا ہے اور یہی کام کرے گا۔“

زوناش نے کہا۔”ہم اس مسئلے کو ادھورا نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمیں کوئی نہ کوئی صورت نکالنی پڑے گی۔“

کاہن اعظم جس کو اخناتون کی انقلابی اصلاحات سے سب سے زیادہ نقصان پہنچا تھا، کہنے لگا۔”ہم فرعون کو قتل نہیں کر سکتے۔ اُسے زہر دے کر بھی ہلاک نہیں کر سکتے۔ اب ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے۔“

”وہ کیا ہے؟“عشمون نے پوچھا۔

کاہن حامون ایک لمحے کے لئے چپ ہو گیا۔ سپہ سالار اور شاہی طبیب بے چینی سے کاہن اعظم کے جواب کا انتظار کر رہے تھے۔ کاہن اعظم حامون نے کہا۔

”جس طلسم کو آزمانے کی مجھے دیوتا اسیرس نے کبھی اجازت نہیں دی، لگتا ہے اپنے دیوتاؤں کی حکومت دوبارہ قائم کرنے کے واسطے مجھے اُسی طلسم کو آزمانا پڑے گا۔“

سپہ سالار عشمون اور شاہی طبیب زوناش جانتے تھے کہ کاہن اعظم کے پاس ایسے طلسم ہیں کہ جن کی مدد سے وہ زمین کی گہرائیوں میں دفن خزانوں کا بھی سراغ لگا لیتا ہے۔ لیکن اس کا انہیں یقین نہیں تھا کہ وہ اپنے طلسم سے فرعونِ مصر کو بھی ہلاک کر سکے گا۔

سپہ سالار کہنے لگا۔

”کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہارا طلسم یہ کام کر سکے گا؟“

کاہن حامون بولا۔”یقین ہو چاہے نہ ہو۔ لیکن میں اپنے اس طلسم کو ضرور آزماؤں گا۔ یہ دیوتا اسیرس کا خاص طلسم ہے اور اپنے اقتدار کی بحالی اور ہیکل اعظم کو تباہی سے بچانے کے لئے وہ ضرور میری مدد کرے گا۔“

شاہی طبیب نے سر ہلا کر کہا۔”ایسی بات ہے تو پھر تم اس طلسمی عمل پر آج سے کام شروع کر دو۔“

کاہن اعظم بولا۔”اس کے لئے ہمیں فرعون ہوتپ کے مقبرے میں زندہ دفن کئے گئے غلاموں یا کنیزوں میں سے کسی ایک کے انسانی ڈھانچے کے بائیں پاؤں کے انگوٹھے کی ہڈی لانی پڑے گی۔ اور یہ مشکل کام ہے۔“

سپہ سالار عشمون بولا۔”میرے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ میں مقبرے کے معائنے کے بہانے خفیہ دروازے سے اندر جا سکتا ہوں۔ اس دروازے پر میری فوج کے سپاہی پہرہ دے رہے ہیں۔ مجھے کوئی نہیں روکے گا۔“

کاہن اعظم حامون کے چہرے پر امید افزا مسکراہٹ آ گئی۔ کہنے لگا۔”اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا۔ بس تمہیں جتنی جلدی ہو سکے مقبرے میں جا کر مطلوبہ ہڈی حاصل کرنی چاہئے۔ جیسے ہی مقبرے میں زندہ دفن کئے گئے کسی غلام یا کنیز کے انگوٹھے کی ہڈی ملی میں اپنا طلسمی عمل شروع کر دوں گا۔“

سپہ سالار کے دماغ میں ساری ترکیب آ گئی تھی۔

اپنے منصوبے پر عمل کرتے ہوئے اُس نے اگلے ہی روز موقع پا کر ملکہ مصر کے روبرو پیش ہو کر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”ملکہ عالیہ! میں اس بارے میں فکرمند ہوں کہ ہم نے جس کنیز کو دوبارہ گرفتار کر کے نیم مُردہ حالت میں ربّ فرعون کے مقبرے میں دفن کیا تھا کہیں وہ دوبارہ فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو گئی ہو۔ آپ کا حکم ہو تو میں آج رات مقبرے میں جا کر اس بات کی تسلی کر لوں کہ کنیز فرار نہیں ہوئی۔“

ملکہ مصر کو یہ تجویز بڑی معقول محسوس ہوئی۔ سپہ سالار عشمون کی تجویز سے وہ خود بھی فکرمند ہوئی کہ اگر سچ مچ کنیز مقبرے سے نکل جانے میں کامیاب ہو گئی ہے تو ان کے خاندان پر ہی نہیں بلکہ پوری سلطنت پر ایک بار پھر بربادی کے سائے منڈلانے لگیں گے۔ چنانچہ اُس نے فوراً سپہ سالار کو فرعون کے مقبرے کے معائنے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد سپہ سالار کو کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی رات وہ کاہن حامون کو ساتھ لے کر اہرام کے خفیہ دروازے سے مقبرے کے اندر پہنچ گیا۔ ایک جلتی ہوئی مشعل کاہن اعظم حامون کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ دُوسرے غلاموں اور دوسری کنیز کے مُردہ ڈھانچوں کے ساتھ ایک جانب کنیز لائیکا کا

ڈھانچہ بھی تھا جس کا آدھے سے زیادہ گوشت گل سڑ گیا تھا۔

کاہن حامون نے مشعل سپہ سالار عشمون کو پکڑا دی اور دوسری کنیز کے ڈھانچے کے بائیں پاؤں کے انگوٹھے کی ہڈی کو اٹھا کر اپنے کپڑے میں لپیٹ کر اپنے لبادے کی جیب میں رکھ لیا اور عشمون سے کہا۔ ''اب ہمیں یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس شے کی ہمیں ضرورت تھی وہ مل گئی ہے۔''

دونوں مقبرے سے باہر آ گئے۔ انہوں نے مقبرے کے دروازے کی چٹانی دیوار کو خفیہ کیل کے ذریعے دوبارہ بند کر دیا۔

کاہن اعظم نے مُردہ کنیز کے انگوٹھے کی ہڈی کے ملتے ہی اپنے طلسمی عمل کو شروع کر دیا۔ تین دن تین راتوں تک وہ ہیکل کے تہہ خانے میں اسیرس دیوتا کے سامنے بیٹھا ہڈی پر طلسمی عمل کرتا رہا۔ چوتھی رات کو اُس نے کنیز کی ہڈی کو ایک چھوٹے مرتبان میں بند کر کے دیوتا کے بت کے قدموں میں رکھ دیا۔ اس بت کو کاہن نے شاہی فوج کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچا لیا تھا۔ اسیرس دیوتا کا یہ بت انسانی ہتھیلی کے برابر تھا۔ کنیز کی ہڈی کے مرتبان کو دیوتا کے قدموں میں رکھنے کے بعد کاہن حامون نے دیوتا کے آگے تین بار سجدہ کیا اور دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور کہا۔

''اے آسمانوں اور زمینوں کے دیوتا اسیرس! میں نے یہ عمل تیری حکومت کو پھر سے واپس لانے اور تیرے جاہ و جلال کو دوبارہ بحال کرنے کے واسطے کیا ہے۔ تو میری مدد کرنا......تو میری مدد کرنا......!''

دوسرا سارا دن اور آدھی رات تک مرتبان دیوتا کے قدموں میں پڑا رہا۔ آدھی رات کے بعد کاہن حامون نے مرتبان میں سے کنیز کی ہڈی کو نکال کر پتھر کی سل پر رکھ کر طلسمی منتروں کا جاپ کرتے ہوئے پیس کر اسے سفوف میں تبدیل کر دیا، پھر ایک پوٹلی میں سے مُردہ اُلو کے جسم کی راکھ نکال کر اس سفوف کو اس میں اچھی طرح سے ملا دیا۔ اس کے بعد کنیز کی ہڈی اور اُلو کی راکھ کے ملے جلے سفوف کو ایک رومال میں لپیٹ کر اس کی پوٹلی بنائی اور جیب میں ڈال کر تہہ خانے سے نکل آیا۔ فرعون اخناتون کو ہلاک کرنے کے لئے کاہن حامون کا طلسم تیار ہو چکا تھا۔

رات کو سپہ سالار عشمون، کاہن حامون اور شاہی طبیب زوناش تینوں قاتل سازشی تہہ

خانے میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ کاہن حامون کہنے لگا۔ ''میں نے طلسم تیار کر لیا ہے۔ یہ ایک سفوف کی شکل میں ہے۔ یہ سفوف ایک پوٹلی میں بند ہے۔''

پھر کاہن حامون نے پوٹلی نکال کر سامنے رکھ دی۔ عشمون اور زوناش اُسے غور سے دیکھنے لگے۔ زوناش نے پوچھا۔ ''کیا اس سفوف کو فرعون اخناتون کے کھانے میں ملا کر دینا پڑے گا؟''

کاہن حامون نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اس سفوف میں ایک ایسا ہلاکت خیز طلسم شامل ہے جس کے لئے ضروری نہیں کہ اسے پانی میں یا کھانے میں حل کر کے فرعون کو دیا جائے۔ ہمیں اس پوٹلی کو صرف فرعون اخناتون کے تخت کے ایک پائے کے نیچے رکھ دینا ہوگا۔''

''اس کے بعد کیا ہوگا؟'' سپہ سالار نے پوچھا۔

کاہن حامون کے چہرے پر مکار مسکراہٹ آ گئی۔ کہنے لگا۔ ''اس کے بعد وہ کچھ ہوگا جس کے لئے ہم نے یہ ساری سازش اور یہ سارا طلسم تیار کیا ہے۔ یہ دیوتا اسیرس کا خاص طلسمی عمل ہے۔ جس پر یہ عمل کیا جاتا ہے وہ کبھی زندہ نہیں بچتا۔''

عشمون اور شاہی طبیب ایک دوسرے کو خوش ہو کر دیکھنے لگے۔

کاہن حامون کہنے لگا۔ ''اس طلسمی سفوف کو فرعون کے تخت کے نیچے رکھنے کے ایک دن بعد فرعون کو چکر آنے لگیں گے۔ وہ بستر علالت پر پڑ جائے گا۔ تین دن بعد اس کا بدن بخار سے پھنکنے لگے گا۔ دنیا کا کوئی علاج، کوئی دوا اس کو بخار سے نجات نہیں دلا سکے گی۔ ایک ہفتہ بخار میں مبتلا رہنے کے بعد فرعون پر غشی طاری ہو جائے گی اور ہفتے کی آخری رات کو وہ غشی کی حالت میں ہی مر جائے گا۔''

شاہی طبیب نے پوچھا۔ ''کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ طلسم اسی طرح عمل کرے گا جس طرح تم نے اسے بیان کیا ہے؟''

کاہن حامون نے گردن اُٹھا کر کہا۔ ''یہ دیوتا اسیرس کا سب سے خطرناک طلسم ہے۔ اس طلسم میں موت کا خفیہ منتر شامل کیا گیا ہے جس کا وار کبھی خالی نہیں جاتا۔''

سپہ سالار بولا۔ ''اس طرح سے ہم اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کر سکیں گے۔''

کاہن حامون نے کہا۔ ''بلکہ سلطنت کے قدیم دیوتاؤں کی عزت و آبرو اور ان کا

اقتدار بھی دوبارہ بحال ہو جائے گا۔"

شاہی طبیب نے حامون سے کہا۔"اب طلسمی سفوف کو فرعون کے تخت کے پائے کے نیچے رکھنے کا مسئلہ ہے۔"

سپہ سالار کہنے لگا۔"یہ کام میں کروں گا۔"

کاہن نے سر ہلا کر کہا۔"یہ کام میں زیادہ خوش اسلوبی سے کر سکوں گا۔ میں کبھی کبھی آدھی رات کو دربار کے خالی ایوان میں معائنے کے لئے چلا جاتا ہوں۔ میرے لئے طلسمی سفوف کو تخت کے پائے کے نیچے چھپانا مشکل نہیں۔"

چنانچہ یہ طے ہو گیا کہ ہلاکت خیز طلسمی سفوف کاہن حامون ہی فرعون کے تخت کے نیچے رکھے گا۔ چنانچہ کاہن اعظم رات کے آخری پہر میں دربار کے ایوان میں گیا۔ ایوان خالی پڑا تھا۔ اُس نے بڑی آسانی سے طلسمی سفوف تخت پر رکھی فرعون کی طلائی کرسی کے پائے کے نیچے چھپا دیا۔

اب وہ طلسمی سفوف کے اثر کا انتظار کرنے لگے۔ کاہن حامون نے کہا تھا کہ طلسمی سفوف دوسرے دن ہی اپنا اثر دکھانا شروع کر دے گا اور فرعون پر مرگی کا حملہ ہو گا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ تین دن گزر گئے اور فرعون اخناتون پر کسی مرض، کسی بیماری نے حملہ نہ کیا۔ سپہ سالار عشمون اور شاہی طبیب زوناش نے حامون سے تاخیر کی وجہ پوچھی تو وہ بولا۔"کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ ہمیں صبر سے کام لینا ہو گا۔"

لیکن جب ایک ہفتہ گزر گیا اور اخناتون کو کچھ نہ ہوا تو کاہن اعظم کو بھی تشویش ہوئی۔ سپہ سالار نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے کسی نے فرعون کے تخت کے نیچے سے طلسمی سفوف کی پوٹلی نکال لی ہو۔ تصدیق کی خاطر کاہن ایک رات خود خالی ایوانِ دربار میں گیا۔ اُس نے کرسی کا پایہ اٹھا کر دیکھا، سفوف کی پوٹلی اپنی جگہ پر موجود تھی۔ اُس نے پوٹلی کو وہیں رہنے دیا اور جا کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔

"طلسمی سفوف کو کسی نے نہیں چھیڑا۔ لیکن ایسے لگتا ہے کہ فرعون اخناتون پر اس طلسم کا اثر نہیں ہو گا۔"

"پھر کیا، کیا جائے؟" سپہ سالار عشمون نے پوچھا۔

کاہن حامون ان دونوں سے زیادہ پریشان تھا۔ ہیکل اعظم کا خزانہ اور اس کے نام کی

جاگیریں ضبط ہو جانے سے سب سے زیادہ زد اُسی پر پڑی تھی۔ کہنے لگا۔

"ہمیں کوئی اور ترکیب سوچنی پڑے گی۔"

سپہ سالار بولا۔"میں تو اب بھی یہی مشورہ دوں گا کہ فرعون کے کسی محافظ کو بھاری رشوت دے کر اسے قتل کروا دیا جائے۔ بعد میں ہم محافظ کو بھی قتل کر دیں گے۔"

شاہی طبیب نے کہا۔"اور اگر ہم ایسا نہ کر سکے اور محافظ پکڑا گیا تو وہ ہمارا بھانڈا پھوڑ دے گا اور ہم تینوں میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔"

یہ خدشہ کاہن حامون کو بھی تھا۔ اُس نے کہا۔"مجھے ایک اور طلسم آزما لینے دو۔"

چنانچہ کاہن حامون نے اپنے جادو کے زور سے ایک ڈیڑھ فٹ کا پتلا تیار کیا۔ تین راتیں وہ اس پتلے پر طلسمی منتر پڑھ کر پھونکتا رہا۔ چوتھی رات پتلے میں جان پڑ گئی اور اُس نے گردن گھما کر کاہن حامون کی طرف دیکھا اور اپنی خرخراتی آواز میں پوچھا۔

"کاہن حامون! تم نے مجھ پر کس غرض کے واسطے طلسم کیا ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟"

کاہن حامون نے کہا۔"میں نے تمہارے طلسم کا پورا چلّہ کیا ہے۔ اب تم میری ایک خواہش پوری کرنے کے پابند ہو۔ کہو کہ تم میری خواہش پوری کرو گے۔"

طلسمی پتلے نے خرخراتی آواز میں کہا۔"میں تمہاری ایک خواہش پوری کرنے کا پابند ہوں۔ بولو تمہاری کیا خواہش ہے؟"

کاہن حامون نے زہر میں بجھا ہوا ایک خنجر پتلے کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور بولا۔

"میری خواہش ہے کہ تم فرعون اخناتون کو جا کر قتل کر دو۔"

طلسمی پتلا بولا۔"میں تمہاری خواہش پوری کروں گا حامون!"

کاہن حامون نے کہا۔

"لیکن فرعون کی خواب گاہ میں رات کو بھی بڑا سخت پہرہ ہوتا ہے۔"

طلسمی پتلے نے کہا۔"فرعون کے محافظ مجھے نہیں دیکھ سکیں گے۔ میں آج رات کو ہی فرعون کا کام تمام کر دوں گا۔"

کاہن حامون بولا۔"فرعون کو قتل کرنے کے بعد تم سیدھا میرے پاس آ کر مجھے بتاؤ کہ تم نے میری خواہش پوری کر دی ہے۔"

"ایسا ہی ہو گا حامون۔" طلسمی پتلا اتنا کہہ کر ساکت ہو گیا۔ زہر میں بجھا ہوا خنجر اُس

نے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

کاہن نے پتلے کو اُٹھا کر تہہ خانے میں ایک جگہ چھپا دیا اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اُس نے عشمون اور زوناش کو بھی بتا دیا کہ وہ کیا کرنے والا ہے۔ سپہ سالار کو کاہن کے طلسم پر شک پڑ چکا تھا۔ اُسے یہ خطرہ تھا کہ اگر یہ راز فاش ہو گیا تو فرعون کے حکم سے حامون کے ساتھ اس کے سارے خاندان کو بھی کھولتے ہوئے تیل کے کڑاؤ میں ڈال دیا جائے گا۔ پہلے فرعون غداروں کو ایسی ہی سزائیں دیا کرتے تھے۔ اُس نے کہا۔

"تم کہتے ہو کہ تمہارا طلسمی پتلا بول بھی لیتا ہے۔ اگر وہ پکڑا گیا تو کہیں وہ فرعون کو بتا نہ دے کہ مجھے کاہن حامون نے اس کے قتل کے لئے بھیجا تھا۔ تم اسی وقت گرفتار کر لئے جاؤ گے اور جسمانی اذیت سے گھبرا کر تم ہمارا نام بھی لے دو گے۔"

کاہن حامون بولا۔

"فکر نہ کرو۔ طلسمی پتلا صرف اسی سے بات کرتا ہے اور اسی کی بات سنتا ہے جس نے اس پر طلسم کیا ہوا ہو۔ دوسرے کے آگے نہ وہ بول سکتا ہے نہ سن سکتا ہے۔"

سپہ سالار اور شاہی طبیب کاہن حامون کی اس وضاحت سے زیادہ مطمئن نہ ہوئے۔ لیکن اب وہ کاہن کو یہ بھی نہیں کہہ سکتے تھے کہ طلسمی پتلے کو فرعون کے قتل کے لئے نہ بھیجے۔

چنانچہ دوسری رات کو جب مصر کے قدیم دارالحکومت تھیبز کے لوگ گہری نیند سو رہے تھے اور فرعون اخناتون بھی اپنی خواب گاہ میں محو خواب تھا، کاہن اعظم نے پتلے کو تہہ خانے میں سے نکالا، اسے اپنے لبادے میں چھپایا اور ہیکل کے پچھواڑے تالاب کے پاس آ گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ اُس نے پتلے کو نکال کر زمین پر کھڑا کر دیا اور بولا۔

"طلسمی پتلے! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟"

طلسمی پتلے نے گردن گھما کر آنکھیں کھول کر کاہن کو دیکھا اور بولا۔ "میں تمہاری آواز سن رہا ہوں کاہن حامون!"

کاہن حامون نے پتلے کو حکم دیا۔ "تو پھر فرعون کے محل میں جاؤ اور اُسے اپنے خنجر سے ہلاک کر کے میرے پاس واپس آ جاؤ۔"

طلسمی پتلا بولا۔ "ایسا ہی کروں گا کاہن اعظم!"

اندھیرے میں طلسمی پتلے کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ حامون کے

دیکھتے دیکھتے طلسمی پتلا زمین سے آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھنے لگا۔ زمین سے پندرہ بیس فٹ بلند ہونے کے بعد فرعون کے محل کی طرف پرواز کرنے لگا۔ آسمان پر ساتویں تاریخ کا چاند نکلا ہوا تھا۔ اچانک سیاہ بادلوں کی ایک گھٹا فرعون ہوتپ کے اہرام کے پیچھے سے اُٹھی اور دیکھتے دیکھتے آسمان پر چھا گئی اور گھٹا میں بجلی رہ رہ کر چمکنے لگی۔ چاند سیاہ بادلوں میں چھپ گیا۔ طلسمی پتلا کڑکتی بجلیوں سے بے نیاز سیاہ بادلوں میں فرعون اخناتون کے محل کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ اب ایسا ہوا کہ عین اسی وقت فرعون ہوتپ کے مقبرے میں رکھے تابوت کو ہلکی سی جنبش ہوئی اور تابوت کا ڈھکنا آہستہ آہستہ اُوپر اُٹھنے لگا۔ جب ڈھکنا پورا اوپر کو اُٹھ گیا تو اُس کے اندر سے فرعون کی ممی کے دونوں بازو باہر کو نکل آئے...... پھر ممی کا آدھا دھڑ اوپر کو اٹھ گیا اور اس کے بعد ممی تابوت میں سے نکل کر بالکل سیدھی اور بے حس و حرکت کھڑی ہو گئی...... فرعون ہوتپ کی ممی نے گردن گھما کر اپنی دونوں جانب دیکھا، چہرہ سامنے کی طرف کیا اور آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

سامنے مقبرے کے خفیہ دروازے کی وہ چٹانی دیوار تھی جو ایک جانب دیوار کے اندر لگی ایک کیل دبانے سے اُوپر کو اُٹھ جاتی تھی۔ مگر فرعون کی ممی کو کیل دبا کر دیوار اوپر اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ چلتے ہوئے دیوار کے سامنے آئی اور اس طرح دیوار کے آر پار گزر گئی جیسے اس کے سامنے کوئی دیوار نہیں تھی۔ اہرام کی سرنگ میں سے گزرتی ہوئی فرعون کی ممی اہرام کے باہر آ کر رُک گئی...... آسمان پر چھائی ہوئی کالی گھٹا میں بجلی رہ رہ کر کڑک اور چمک رہی تھی۔ فرعون کی ممی نے سر اُٹھا کر چمکتی کڑکتی بجلیوں کو ایک نظر دیکھا اور پھر زمین سے بیس پچیس فٹ بلند ہو کر فضا میں پرواز کرنے لگی۔

فرعون کی ممی کا رُخ شاہی محل کی طرف تھا......!

طلسمی پتلا ایک ہاتھ میں زہریلا خنجر مضبوطی سے پکڑے شاہی محل کے پائیں باغ میں اتر گیا۔ وہ باغ میں چلتا فرعون اخناتون کے محل کے پہلے دروازے پر آ گیا۔ دروازے پر فرعون کے محافظ خاص طاغوت کے چار سپاہی پہرے پر موجود تھے۔ انہوں نے کمر کے ساتھ تلواریں اور خنجر لگا رکھے تھے اور ہاتھوں میں نیزے تھامے ہوئے تھے۔ طلسمی پتلا بے فکر ہو کر چلتا ان کے درمیان سے گزر گیا۔ چاروں محافظوں میں سے کسی کو طلسمی پتلا نظر نہ آیا۔ اس دروازے کے آگے پھر ایک باغ کا قطعہ تھا، اس کے آگے وہ دروازہ تھا جو فرعون

اخناتون کی شاہی خواب گاہ کی غلام گردش میں کھلتا تھا۔ وہاں بھی طاغوت کی طرف سے چار محافظ پہرہ دے رہے تھے۔ طلسمی پتلا ان کے درمیان سے بھی گزر گیا اور کسی محافظ کو خبر نہ ہوئی۔

اب طلسمی پتلا شاہی خواب گاہ کی غلام گردش میں تھا۔ یہ غلام گردش فرعون کی شاہی خواب گاہ کے ایوان کو جاتی تھی۔ طلسمی پتلا بڑے تیز تیز قدم اٹھاتا چلا جا رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں زہر میں بجھا ہوا خنجر تھا۔ کاہن اعظم نے اس خنجر کو ایسے قاتل زہر میں بجھایا تھا کہ اس کے ذرا سے زخم لگنے سے ہی انسان کی موت واقع ہو جاتی تھی۔ غلام گردش میں بھی محافظ سپاہی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پہرہ دے رہے تھے مگر ان میں سے کوئی بھی طلسمی پتلے کو نہ دیکھ سکا۔ طلسمی پتلا ان کی نگاہوں سے غائب ہو کر اپنی خونی مہم پر چلا جا رہا تھا۔
غلام گردش کا ایک موڑ گھومنے کے بعد طلسمی پتلے کو دُور سے فرعون اخناتون کے ایوان میں اُس کی شاہی خواب گاہ کا نیلے ستاروں والا دروازہ فانوسوں کی روشنی میں دکھائی دینے لگا۔ طلسمی پتلے نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ لیکن ابھی فرعون اخناتون کی شاہی خواب گاہ پچیس تیس قدموں کے فاصلے پر رہ گئی تھی کہ اچانک طلسمی پتلے کو ایک جھٹکا لگا اور اُس کے قدم اپنے آپ رُک گئے۔ پتلے کی گردن دائیں بائیں گھومنے لگی۔ اُس کے حلق سے خرخر کرتی دھیمی دھیمی آوازیں نکلنے لگیں۔ ان آوازوں پر خوف کا عنصر غالب تھا۔ دوسرے لمحے فرعون ہوتپ کی ممی اُس کے سامنے نمودار ہو گئی۔ اپنے سامنے فرعون کی ممی کو دیکھ کر طلسمی پتلے پر دہشت طاری ہو گئی۔ خوف سے وہ تھر تھر کانپنے لگا۔

اسی لمحے فرعون کی ممی کی آواز بلند ہوئی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی زندہ شخص قبر کے اندر سے بول رہا ہو۔ فرعون کی ممی نے کہا۔

''تم میرے بیٹے اخناتون کو قتل کرنے جا رہے ہو؟''

طلسمی پتلا کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''ربہ فرعون! مجھے معاف کر دے۔ مجھ پر کاہن حامون نے طلسم کیا تھا۔ میں اس طلسم کے زیر اثر ایسا کرنے جا رہا تھا۔''

فرعون کی ممی نے کہا۔ ''تمہیں معاف نہیں کیا جائے گا۔''

طلسمی پتلا فرعون کی ممی کے قدموں میں گر پڑا اور گڑگڑا کر بولا۔ ''ربہ فرعون! میری خطا معاف کر دے۔ میں تمہارے قدموں میں گر کر تم سے معافی مانگتا ہوں۔ اگر کاہن

مون نے مجھ پر طلسم نہ کیا ہوتا تو میں فرعون اخناتون کو ہلاک کرنے کا سوچ بھی نہیں تھا۔''

زعون کی ممی نے کہا۔ ''اُٹھو......!''

طلسمی پتلا جلدی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ زہریلا خنجر ابھی تک اُس کے سیدھے ہاتھ میں تھا۔ عون ہوتپ کی ممی گویا ہوئی۔ ''یہیں سے واپس جاؤ اور یہ زہریلا خنجر جو کاہن حامون نے ہیں میرے بیٹے اخناتون کو ہلاک کرنے کی غرض سے دیا تھا کاہن حامون کی گردن میں ار کر اس کا کام تمام کر دو۔''

طلسمی پتلے نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے، سر کو جھکایا اور بولا۔ ''ربہ فرعون کے حکم کی یل میرا فرض ہے۔''

یہ کہہ کر طلسمی پتلا اُلٹے قدم واپس چل پڑا۔ وہ پہلے سے بھی تیز قدموں سے غلام گردش چل رہا تھا۔ شاہی محل کے پائیں باغ سے نکلتے ہی طلسمی پتلا فضا میں بلند ہو گیا اور ہوا پرواز کرنے لگا۔ اب اُس کا رُخ ہیکل اعظم کی طرف تھا جہاں ہیکل کے عقبی روازے کے باہر تالاب کے کنارے کاہن حامون اس کا انتظار کر رہا تھا کہ طلسمی پتلا ابھی کر اُسے فرعون اخناتون کے قتل کا مژدہ سنائے گا۔ آسمان پر بادلوں کی سیاہ کالی گھٹا میں رہ رہ کر کڑک رہی تھی۔ بادل گرج رہے تھے۔ اب بارش بھی شروع ہو گئی تھی۔ کاہن امون دونوں ہاتھ پشت پر رکھے ہیکل کے عقبی دروازے کی ڈیوڑھی میں بے چینی سے ٹہل ا تھا۔ اُس کی نگاہیں بار بار ڈیوڑھی کے باہر تالاب کے کنارے کی جانب اُٹھ جاتی یں۔ طلسمی پتلا ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اُس کے طلسم کا وار خالی نہیں ائے گا۔ یہ طلسم اعظم تھا۔ اس کا وار کبھی خالی نہیں جاتا تھا۔ ایک بار اُس کی نگاہیں تالاب طرف اُٹھیں تو بجلیوں کی چمک میں اُس نے طلسمی پتلے کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

کاہن حامون کا چہرہ کھل اُٹھا۔ وہ لپک کر بارش میں ہی ہیکل کی ڈیوڑھی سے باہر آ گیا۔ طلسمی پتلا سیدھا اُس کی طرف آ رہا تھا۔ کاہن نے بے اختیار ہو کر پوچھا۔

''کیا تم نے میری خواہش پوری کرتے ہوئے فرعون اخناتون کا کام تمام کر دیا؟''

جواب دینے کی بجائے طلسمی پتلے نے زمین سے اُچھل کر آناً فاناً زہریلا خنجر حامون کی ردن میں گھونپ دیا اور غائب ہو گیا۔ کاہن حامون کے حلق سے ایک دلدوز چیخ کی

آواز نکلی۔ اُس کی گردن سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ کاہن نے اپنے دونوں ہاتھوں سے گردن کو پکڑا اور ہیکل کے تہہ خانے کی طرف دوڑا۔ اُس کی گردن میں سے خون آبشار کی طرح نکل کر اُس کے ہاتھوں اور کہنیوں سے ہو کر نیچے گر رہا تھا۔ کاہن حامون دوڑتا جا رہا تھا۔ لیکن چند قدم دوڑنے کے بعد اُس کی ٹانگیں کانپنے لگیں...... جسم سے سیروں خون نکل جانے سے اُس پر غشی کی حالت طاری ہونے لگی۔ اُس زہر ہلاہل نے بھی اپنا اثر دکھایا جو حامون نے فرعون کو ہلاک کروانے کے واسطے خنجر پر لگایا تھا۔ دیکھتے دیکھتے حامون کی آنکھیں باہر کو نکل پڑیں، سارے جسم پر آبلے نمودار ہو گئے۔ وہ گر پڑا۔ اس کا سانس اُکھڑ گیا۔ حلق سے ڈراؤنی آوازیں نکلنے لگیں۔ طلسمی پتلا اس اثنا میں غائب ہو کر جس دنیا سے آیا تھا اُس دنیا میں واپس جا چکا تھا۔ بادلوں کی گرج کے ساتھ کاہن اعظم حامون کے حلق سے ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی اور اُس کی رُوح پرواز کر گئی۔

صبح حامون کی لاش کو ہیکل اعظم کی ڈیوڑھی کی راہداری میں پڑا دیکھ کر پجاریوں میں کہرام مچ گیا۔ وہ اِدھر اُدھر بدحواسی میں دوڑنے لگے۔ ملکہ اور فرعون اخناتون کو کاہن اعظم کی موت کی خبر ملی تو وہ خود اُس کی موت کا افسوس کرنے ہیکل میں آئے۔ حامون کی لاش عبرت کا منظر پیش کر رہی تھی۔ سارا جسم نیلا پڑ گیا تھا۔ جسم آبلوں سے ڈھکا ہوا تھا جو ایک ایک کر کے پھٹ رہے تھے اور ان میں سے زہریلا سبز پانی بہتا تھا۔ فرعون اخناتون نے اسی وقت کاہن اعظم کی موت کی تحقیقات کا حکم دے دیا۔ سپہ سالار عشمون اور شاہی طبیب زوناش بھی موقع پر موجود تھے۔ زوناش سے رجوع کرتے ہوئے فرعون اخناتون نے کہا۔

"زوناش! ہمیں ایسے لگتا ہے کہ کاہن اعظم کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

زوناش کو تو پتہ تھا کہ ایسی بات نہیں ہے اور حامون پر اس کا طلسم اُلٹا پڑ گیا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہ طلسمی پتلے کے ہاتھوں ہلاک ہوا ہو۔ مگر وہ اس راز کو ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے فرعون اخناتون کے شک کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ربہ فرعون! آپ نے بجا فرمایا۔ حامون کو کسی دشمن نے زہر دیا ہے۔"

فرعون نے سپہ سالار عشمون کی طرف دیکھا اور کہا۔ "عشمون! ہم چاہتے ہیں کہ

حامون کے قاتل کو فوراً گرفتار کر کے ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔"

سپہ سالار عشمون نے کہا۔ "ربہ فرعون! حامون کے قاتل کو ہم بہت جلد گرفتار کر کے آپ کو پیش کر دیں گے۔ آپ خاطر جمع رکھیں۔"

کاہن اعظم حامون کا کوئی قاتل تو تھا نہیں جسے پکڑ کر سپہ سالار عشمون فرعون کے دربار میں پیش کرتا لیکن قاتل کو پیش کرنا بھی ضروری تھا۔ قاتل پکڑے نہ جانے کی صورت میں سپہ سالار کو اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے کا خطرہ تھا۔ اُس نے شاہی طبیب زوناش سے مشورہ کیا۔ زوناش کہنے لگا۔

"اس مشکل کا حل بڑا آسان ہے۔ کسی ایسے آدمی کو پکڑ کر فرعون کے سامنے بطور حامون کے قاتل کے پیش کر دو جو گونگا ہو اور بول نہ سکتا ہو۔ تمہارا فرض بھی پورا ہو جائے گا اور حامون کی موت کا راز بھی نہیں کھلے گا۔"

سپہ سالار عشمون کو یہ تجویز پسند آئی۔ ایک ہفتے تک عشمون نے فرعون اخناتون پر یہ ظاہر کیا کہ وہ بڑی سرگرمی سے حامون کے قاتل کی تلاش میں لگا ہے۔ آٹھویں روز اُس نے غلاموں کی منڈی میں سے ایک گونگے قرطاجنی غلام کو گرفتار کیا اور اُسے زنجیروں میں جکڑ کر فرعون کے دربار میں یہ کہہ کر پیش کر دیا کہ یہی حامون کا قاتل ہے اور اسی نے اپنی کسی پرانی دشمنی کا بدلہ لینے کی غرض سے حامون کو زہر دے کر ہلاک کیا ہے۔ فرعون اخناتون طبعاً رحم دل واقع ہوا تھا لیکن رعایا کے آگے عبرت کا نمونہ پیش کرنے اور قانون کے تقاضے پورے کرنے کے واسطے کاہن اعظم کے قاتل کو سزا دینا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ فرعون اخناتون نے بادلِ نخواستہ اُس کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ بے چارہ بے گناہ غلام حلق سے غوں غاں کی آواز نکال کر بہتیرا رو پیٹ کر یہ کہنے کی کوشش کرتا رہا کہ وہ بے گناہ ہے اور اُس نے کسی کو قتل نہیں کیا لیکن اُس کی غوں غاں کسی کی سمجھ میں نہ آئی اور اُسی روز اُسے موت کی سزا دے دی گئی۔

ایک بے گناہ گونگے غلام کو سزا دلوا کر سپہ سالار عشمون نے اپنا عہدہ تو بچا لیا تھا اور فرعون اخناتون کو بھی مطمئن کر دیا تھا لیکن وہ خود اس پریشانی میں مبتلا ہو گیا تھا کہ کاہن اعظم حامون کی موت کیونکر واقع ہوئی۔ دوسری طرف شاہی طبیب زوناش بھی کچھ کم فکرمند نہیں تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ حامون کی موت اس کا طلسم اُلٹا پڑنے سے ہوئی ہے اور

اُسے یقین تھا کہ حامون کو اس کے طلسمی پتلے نے ہی ہلاک کیا ہے۔ جب اُس نے اپنے اس خدشے کا عشمون سے ذکر کیا تو عشمون بھی مزید پریشان ہوگیا۔ کہنے لگا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ حامون کو اُس کے طلسمی پتلے نے ہلاک کیا ہے؟"

زوناش بولا۔ "تو پھر اور کون ہوسکتا ہے؟ ہم تو یہ اُمید لگائے بیٹھے تھے کہ حامون کا طلسمی پتلا فرعون کو قتل کر دے گا لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا۔ فرعون کی بجائے الٹا حامون موت کے منہ میں چلا گیا۔ یقین کرو یہ کارستانی طلسمی پتلے ہی کی ہے۔"

سپہ سالار عشمون نے اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "فرعون کے قتل کی سازش میں ہم دونوں بھی شامل تھے۔ اس طلسمی پتلے کی وجہ سے ہم پر بھی کوئی آفت نہ آجائے۔"

زوناش کو فکر ضرور لگی تھی لیکن بظاہر ہنس کر بولا۔ "طلسمی پتلے کو کیا پتہ کہ ہم بھی اس خونی سازش میں شریک تھے۔ اور پھر طلسمی پتلا تو حامون کی موت کے ساتھ ہی غائب ہو گیا ہوگا۔"

اس قسم کی گفتگو کے بعد سپہ سالار اور شاہی طبیب دونوں اپنی اپنی جگہ پر مطمئن ہوگئے کہ انہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ لیکن شاہی طبیب زوناش کو یہ فکر ضرور لگی تھی کہ اگر فرعون اخناتون کو کسی ذرائع سے یہ معلوم ہوگیا کہ حامون نے اسے قتل کرنے کی سازش کی تھی کہ اس سازش میں شاہی طبیب اور سپہ سالار بھی شریک تھے تو ان دونوں کی گردنیں اُڑا دی جائیں گی۔ جب زوناش نے اس خطرے کا ذکر سپہ سالار سے کیا تو وہ کہنے لگا۔

"تمہارے خدشات بے جا نہیں ہیں۔ ایسا ہوسکتا ہے۔"

اس پر شاہی طبیب بولا۔ "یہ خطرہ صرف ایک ہی صورت میں ٹل سکتا ہے کہ فرعون اخناتون کو ہلاک کرنے کی کوشش جاری رکھی جائے اور اُسے قتل کر کے تم فرعون کا تاج پہن کر تخت شاہی پر بیٹھ جاؤ۔ اس طرح ہمارا راز بھی نہیں کھلے گا اور مصر کی حکومت ہم ہمارے ہاتھ آجائے گی۔ پھر ہم اپنے دیوتاؤں کا قدیم مذہب بھی واپس لے آئیں گے اور اخناتون نے جو ہماری جاگیریں ضبط کر رکھی ہیں وہ بھی ہمیں واپس مل جائیں گی۔ ہیکل اعظم کی رونقیں بھی پلٹ آئیں گی اور اخناتون نے ہمارے دیوتاؤں کے بت توڑ کر ہمارے مذہب کی جو توہین کی ہے اس کا ازالہ بھی ہو جائے گا۔ رعایا اور فوج اس بات سے ناخوش ہے کہ اخناتون نے ان کے دیوتاؤں کی پوجا سے منع کر کے انہیں سورج کی پوجا پر

زبردستی مجبور کر رکھا ہے۔ جب تم فرعون بن کر بیٹھو گے اور پرانے مذہب کو دوبارہ زندہ کرنے کا اعلان کرو گے تو رعایا اور فوج تمہارے ساتھ ہوگی۔"

سپہ سالار عشمون کے تخت شاہی پر براجمان ہونے کے لئے یہ دلیل ناقابل تردید تھی۔ اس نے تصور ہی تصور میں اپنے آپ کو فرعون کا تاج سر پر رکھے تخت شاہی پر بیٹھے دیکھا اور اس کی گردن تن گئی۔ اُس نے کہا۔

"زوناش! اپنے دیرینہ مذہب کو پھر سے واپس لانے اور دیوتاؤں کی خوشنودی کے واسطے اس بے دین فرعون اخناتون کو قتل کرنا ضروری ہوگیا ہے بلکہ یہ ہمارا مذہبی فرض ہے کہ ہم اپنے دیوتاؤں اور اپنی عبادت گاہوں کے دشمن فرعون سے رعایا کو نجات دلائیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایسا کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ حامون کا جادو بھی نہیں چل سکا۔ ہم اخناتون کو زہر دے کر بھی ہلاک نہیں کر سکتے کیونکہ فرعون کے پسندیدہ محافظ خاص طاغوت بغیر جانچ پڑتال کے کوئی شے بھی اسے کھانے نہیں دیتا۔ ان حالات میں ہم اخناتون کو کیسے اپنے راستے سے ہٹا سکتے ہیں؟"

شاہی طبیب زوناش بولا۔ "کوئی نہ کوئی راستہ نکل آئے گا۔ فی الحال ہمیں خاموش رہنا چاہئے۔"

کہنے کو تو زوناش شاہی طبیب نے سپہ سالار کو خاموش رہنے کے لئے کہہ دیا مگر اندر سے زوناش نے فرعون اخناتون کو ہلاک کروانے کی تدبیروں پر غور کرنا شروع کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اخناتون کے والد فرعون ہوتپ سے دیوتا اسیرس اور ہیکل کے نام پر جو جاگیریں حاصل کر رکھی تھیں اور جہاں سے شاہی طبیب کو بے پناہ آمدنی ہوتی تھی اور جو شاہی طبیب زوناش کی بہت بڑی جائیدادیں تھیں انہیں فرعون اخناتون نے تخت نشین ہوتے ہی ضبط کرلیا تھا اور زوناش اپنی تمام جائیدادوں سے محروم ہوگیا تھا جس کا اُسے بے حد رنج تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اگر وہ سپہ سالار عشمون کے ساتھ مل کر فرعون اخناتون کو قتل کروا دے اور سپہ سالار عشمون خود تخت شاہی پر فرعون بن کر براجمان ہو جائے تو اُس کی ضبط شدہ ساری جاگیریں اُسے واپس مل جائیں گی۔ یہی وجہ تھی کہ زوناش نے اخناتون کو ہلاک کرنے کے لئے حامون کو زہر بھی خود ہی مہیا کیا تھا۔ زوناش کے پاس ہر قسم کے تیز زہر موجود تھے۔ اخناتون کے محافظ خاص طاغوت کی سخت نگرانی کے باعث وہ

اخناتون کو اس کے کھانے پینے کی اشیاء میں زہر ملا کر اُسے ہلاک کرنے سے قاصر تھا۔ چنانچہ وہ اس سوچ میں رہنے لگا کہ اخناتون سے چھٹکارا حاصل کرنے اور سپہ سالار عثمون کو بطور فرعون دیکھنے کے لئے کون سا متبادل طریقہ ہوسکتا ہے۔

شاہی طبیب زوناش چالاک دماغ اور سازشی طبیعت کا آدمی تھا۔ اپنی تمام تر عیاری اور مکاری کے باوجود زوناش فرعون اخناتون کو ہلاک کروانے کی کوئی ایسی تدبیر نہ سوچ سکا جس پر عمل کرنے سے فرعون بھی مر جائے اور خود زوناش کو بھی کوئی گزند نہ پہنچے۔ اُسے یہ ڈر بھی لگ رہا تھا کہ کہیں حامون کاہن کا بنایا ہوا طلسمی پتلا سورج دیوتا کے حکم سے فرعون اخناتون کی زندگی کی حفاظت پر مامور نہ کر دیا گیا ہو اور وہ زوناش کو بھی ہلاک نہ کر ڈالے۔ کیونکہ یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ کاہن اعظم حامون کے طلسم سے بنایا ہوا طلسمی پتلا اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی بجائے الٹا حامون کو مار ڈالے۔ اس کا صاف مطلب یہی تھا کہ اخناتون جس سورج دیوتا کی پرستش کرتا ہے وہ اس کی زندگی کی حفاظت کر رہا ہے۔ یہ سوچ کر اُس نے اخناتون کو قتل کرنے کا خیال کچھ دیر کے لئے ملتوی کر دیا۔

1380 قبل مسیح، فرعون اخناتون کے عہد کے عروج کا زمانہ تھا۔

اخناتون نرم دل، امن پسند اور شاعر مزاج فرعون تھا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں وہ مفکر بھی تھا۔ وہ گہرے سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ سورج ہی کرۂ ارض پر تمام تر حیاتِ ارضی کا منبع ہے۔ اس لئے اگر پوجا کی جانی چاہئے تو صرف سورج ہی پوجا کے لائق ہے باقی تمام دیوی دیوتا اس لائق نہیں کہ ان کی پرستش کی جائے۔ چنانچہ اُس نے مصر کے تمام معبدوں میں سے دیوی دیوتاؤں کے بت تڑوا دیئے تھے اور ہر معبد میں ایک دیوار پر سورج کی شکل کا سونے کا ایک سنہرا تھال لگوا دیا تھا جو طلوع ہوتے سورج کی علامت تھا اور حکم دے دیا تھا کہ معبدوں میں لوگ صرف سورج دیوتا ہی کی پوجا کریں اور پوجا کرتے وقت اس کے آگے سر جھکانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اس زمانے میں بہت بڑا فکری انقلاب تھا جس کے لئے انسانی ذہن ابھی تیار نہیں تھا۔ لیکن لوگ فرعون کے حکم کے خلاف نہیں جا سکتے تھے کیونکہ وہ فرعون کو سورج کا بیٹا تصور کرتے تھے۔ لیکن لوگ صدیوں سے مختلف دیوتاؤں کی پوجا کرتے چلے آ رہے تھے اس لئے انہیں اپنے دیوتاؤں کے بتوں کے توڑ دیئے جانے اور معبدوں سے انہیں نکال دیئے جانے کا بے حد

ملال اور صدمہ تھا مگر وہ فرعون کے حکم کے خلاف بغاوت بھی نہیں کر سکتے تھے۔

فلسفہ تاریخ کے مفکرین لکھتے ہیں کہ فرعون اخناتون ایک انقلابی مفکر ضرور تھا اور اُس نے کرۂ ارض پر حیات کی توانائی کا وہ نکتہ پا لیا تھا جسے تاریخ میں بہت آگے چل کر علم طبیعات کے بتدریج عمل میں ظاہر ہونا تھا۔ لیکن اخناتون اس حقیقت تک نہ پہنچ سکا تھا کہ جس دور میں وہ اس قسم کی بہت بڑی ذہنی تبدیلی لا رہا ہے، اس دور کا انسان ابھی اسے قبول کرنے کے لئے پختہ نہیں ہوا تھا۔ یہ اپنے وقت سے پہلے لایا جانے والا فکری انقلاب تھا جسے کسی نے بھی قبول نہ کیا مگر اس کے خلاف آواز اٹھانے کی بھی کسی میں جرأت نہ ہوئی۔ لیکن غلط موسم میں بویا ہوا صحیح بیج بار آور نہ ہو سکا اور اس کا انجام وہی ہوا جو فطرت کے عمل کے مطابق ہونا چاہئے تھا۔ اخناتون اگر صرف اپنے اسی انقلابی فکر تک ہی محدود رہتا تو شاید کچھ دیر اور زندہ رہ جاتا۔ لیکن وہ امن پسند بھی تھا۔ یہ وہ اصول ہے جو اس زمانے میں ایک بہت بڑی سلطنت کی حکمرانی کرنے والے شہنشاہ (فرعون) کو اس کے تخت و تاج سے محروم کر سکتا تھا۔

فراعنہ مصر کی سلطنت مشرق وسطیٰ میں دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ فرعونوں کے مفتوحہ علاقے بے شمار تھے جہاں سے ہر سال مصر کی مرکزی حکومت کو خراج وصول ہوتا تھا۔ ان مفتوحہ صوبوں میں فرعونوں نے اپنے گورنر مقرر کر رکھے تھے جو ان صوبوں کے نظم و نسق کے ذمہ دار تھے اور ان کی ذمہ داری تھی کہ صوبوں سے خراج وصول کر کے ہر سال باقاعدگی سے مصر پہنچاتے رہیں۔ مصر اس زمانے میں ایک خوشحال ملک سمجھا جاتا تھا اور آس پاس کے ممالک کی حریص نظریں اس پر لگی رہتی تھیں۔ ایک بار ایسا ہوا کہ مصر کے ایک مفتوحہ صوبے پر بابل کے حامی قبائل نے حملہ کر دیا۔ صوبے کا گورنر قبائل کی فوج کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اُس نے فرعون اخناتون کو مزید فوج بھیجنے کے لئے پیغام بھجوایا۔ اخناتون نے فوج بھجوانے کی بجائے گورنر کو یہ جوابی پیغام بھیجوایا۔

"میرا مذہب مجھے جنگ و جدل نہیں سکھاتا۔ میں محض زمین کے کسی خاص ٹکڑے پر قبضہ کرنے کے واسطے انسانوں کا خون بہانے کے خلاف ہوں۔ میں تمہیں بھی تلقین کرتا ہوں کہ تم بھی خونریزی مت کرنا اور دشمن کے ساتھ اُس کی شرائط پر امن کا معاہدہ کر لو۔"

یہ پیغام گورنر کو ملا تو وہ پریشان ہو گیا۔ لیکن فرعون کے حکم کے مطابق اُس نے بابل

کے حمایتی حملہ آور قبائل کی شرائط پر ان سے صلح کر لی اور اس کے نتیجے میں آدھا صوبہ دشمن کے پاس چلا گیا۔ اس صوبے کی رعایا نے اس قسم کا فرعون پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جب ان پر یہ حقیقت کھلی کہ جس فرعون نے ان کے علاقے پر قبضہ کر رکھا ہے وہ ایک شاعر اور کمزور مزاج صلح پسند فرعون ہے تو انہوں نے خراج دینے سے انکار کر دیا اور بغاوت کر دی جس کے نتیجے میں وہ صوبہ سلطنت مصر کے تسلط سے آزاد ہو گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے مقبوضہ صوبوں میں بھی بغاوت کی لہر دوڑ گئی اور جگہ جگہ لوگ آزادی اور خود مختاری کے حق میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔

سپہ سالار عشمون اس صورت حال کو برداشت نہ کر سکا اور اُس نے کسی نہ کسی طرح فرعون اخناتون سے ان بغاوتوں کو بزور شمشیر دبانے کی اجازت لے لی اور ہر طرف فوج روانہ کر دی جس نے مفتوحہ صوبوں پر سلطنت مصر کی حاکمیت پھر سے بحال کر دی۔ لیکن یہ تسلط بڑا ڈھیلا ڈھالا تھا۔ اس دوران شاعر مزاج درویش صفت فرعون اخناتون ایسی نظمیں تخلیق کرنے میں مصروف رہا جنہیں آگے چل کر قدیم مصری ادب کا انمول اور کلاسیکل ورثہ بننا تھا۔

یہاں ہم انقلابی فکر کے حامل نوجوان فرعون اخناتون کی ایک طویل نظم کا ایک اقتباس درج کرتے ہیں۔ اقتباس ہم نے مشہور امریکی دانشور اور نامور تاریخ دان ول ڈیوراں کی کتاب ''سٹوری آف سولائزیشن'' کی پہلی جلد کے صفحہ 195 میں سے ترجمہ کر کے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

''موت مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے میرے سامنے کھڑی ہے۔
مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے مجھے ایک طویل بیماری کے بعد شفا نصیب ہو رہی ہے۔
جیسے ایک لمبی بیماری سے نجات پانے کے بعد صحت یاب مریض ایک خوشنما باغ میں جا رہا ہو۔
موت میرے لئے سب سے قیمتی عطر کی خوشبو کا ایک جھونکا ہے۔
جیسے ایک مسافر کھلے بادبان کے نیچے بیٹھا کشتی میں سفر کرنے والا ہو۔
موت میرے لئے ایسے ہی ہے جیسے کوئی جنگجو سپاہی ایک طویل عرصے تک میدان جنگ میں رہنے کے بعد واپس اپنے گھر لوٹ رہا ہو۔

موت میرے لئے ایسی ہی ہے جیسے کوئی غلام ایک طویل مدت تک دشمن کی قید میں رہنے کے بعد اپنے بال بچوں کے پاس واپس جا رہا ہو۔
موت آج میرے سامنے ہے۔
جیسے کنول کے پھولوں کی خوشبو۔
جیسے کوئی آدمی ابدی سرور و انبساط کے کنارے بیٹھا ہو۔
موت آج میرے سامنے ہے۔
جیسے کوئی ہجر نصیب عاشق ایک لمبی جدائی کے بعد اپنی محبوبہ کا دیدار کر رہا ہو۔''

فرعون اخناتون کی ایک اور نظم کا اقتباس ملاحظہ ہو۔ یہ نظم اخناتون نے آج سے تقریباً پونے چار ہزار سال پہلے طلوع آفتاب کی توصیف میں لکھی تھی۔ یہ نظم ول ڈیوراں کی مذکورہ کتاب کے صفحہ 107 پر درج ہے۔

''اے آفتاب!
مشرقی اُفق پر تیرا طلوع کس قدر حسین ہے۔
اے منبع حیات!
جب تو مشرق میں طلوع ہوتا ہے تو زمین کو اپنی زرخیز روشنی سے بھر دیتا ہے۔
''اے آفتاب!
تو عظیم ہے۔ تیری درخشانی عظیم ہے اور تو زمین پر سب سے بلند مقام رکھتا ہے۔
کرۂ رض کے روز و شب تیرے نقوشِ قدم ہیں جن کو زمین پر رکھ کر تو سفر کرتا ہے۔
جب تو مغرب میں چھپ جاتا ہے تو زمین تاریک ہو جاتی ہے...... موت کی طرح۔
جب تو دوبارہ طلوع ہوتا ہے تو زمین ایک بار پھر روشن ہو جاتی ہے۔
زندگی سے معمور ہو جاتی ہے۔
تم تاریکی کو بھگا دیتے ہو۔
تمہاری سنہری روشن کرنیں تمہاری آمد کا اعلان کرتی تمہارے آگے آگے چلتی ہیں۔
تمہاری روشن کرنیں باغوں میں پھول پودوں کی اور کھیتوں میں فصلوں کو نشوونما عطا کرتی ہیں۔
اے آفتاب!

اپنے طلوع وغروب کے ساتھ تم زمین کو ہزار رنگ عطا کرتے ہو۔
مشرقی اُفق پر تیرا طلوع کس قدر حسین ہے۔"

مصر کی عظیم سلطنت پر فرعون اخناتون کی گرفت اتنی مضبوط نہیں تھی۔ تاہم فراعنہ مصر کے روایتی دبدبے کی ہیبت ابھی تک قائم تھی اور اسی کے بل بوتے پر اخناتون کی حکمرانی گرتی پڑتی چلی جا رہی تھی۔ ہیکل کے کاہن اعظم حامون کی موت کے بعد اس کی گدی اس کے نائب ماطو نے سنبھال لی تھی۔ اخناتون کی مذہبی اصلاحات سے کاہن ماطو بھی متاثر ہوا تھا اور اس نے ہیکل اعظم کے نام پر دریائے نیل کے کنارے جو زرخیز زمین اپنے قبضے میں کر رکھی تھی وہ بھی بحق سرکار ضبط کر لی گئی تھی۔ اور وہ بھی یہ اُمید لگائے بیٹھا تھا کہ کب فرعون اخناتون کی حکومت کا خاتمہ ہو اور قدیم دیوتاؤں کا مذہب پھر سے رائج ہو اور اس کی زرخیز زمین بھی واپس اس کے قبضے میں آئے۔

پجاری ماطو کو پہلے سے یہ سن گن مل چکی تھی کہ کاہن اعظم حامون کو اپنی جاگیریں چھن جانے کا صدمہ ہے اور وہ سپہ سالار عشمون کے ساتھ مل کر فرعون اخناتون کو اپنے راستے سے ہٹانے کی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے۔ چنانچہ حامون کی موت کے بعد خود کاہن اعظم کی گدی سنبھالنے کے ساتھ ہی وہ بھی سپہ سالار عشمون کے ساتھ مل گیا۔

٭......٭

دوسری طرف طاغوت راہ زنی کے پیشے کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دینے اور فرعون اخناتون کا محافظ خاص مقرر کئے جانے کے بعد پوری تندہی سے شاہی محل میں اپنی خدمات انجام دے رہا تھا جبکہ لائیکا کی موت کی خبر ملنے کے بعد شعبان ہمیشہ کے لئے سلطنت مصر کو خیرباد کہہ کر ایک قافلے میں شامل ہو کر ملک بابل کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

اُس زمانے میں ملک بابل سلطنت مصر کے بعد وادئ دجلہ وفرات کی سب سے بڑی اور سب سے طاقتور حکومت تھی۔ بخت نصر بابل کا مطلق العنان حکمران تھا جو جابر اور جنگجو بادشاہ تھا۔ بابل کی مصر کے ساتھ شروع ہی سے دشمنی چلی آ رہی تھی۔ اس ملک کا نام بھی بابل تھا اور اس کے دارالحکومت کا نام بھی بابل تھا۔ بابل اس زمانے کا ایک خوشحال، ترقی یافتہ اور خوبصورت شہر تھا۔ اس شہر کو سحر وطلسم کی دنیا، خوابوں کی ملکہ اور عروس البلاد کے حسین ناموں سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس نے بابل شہر کی آبادی ساٹھ لاکھ بیان کی ہے۔ وہ دیوار جس نے بابل شہر کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا 80 فٹ چوڑی تھی۔ اس پر بیک وقت آٹھ گھوڑے دوش بدوش چل سکتے تھے۔ اندرونی دیوار میں ہر 55 گز کے فاصلے پر چوکیداروں کے پہرے کے لئے 28 فٹ اونچا میدار بنایا گیا تھا۔ یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس کے مطابق دیوار کا محیط 20 میل تھا۔ اس شہر کی کھدائی کے بعد بابل کے بادشاہ بخت نصر کا ایک کتبہ ملا ہے جس پر لکھا ہے۔

"میں نے یہ دیوار بیرونی حملہ آوروں سے بابل کو محفوظ رکھنے کے لئے بنوائی۔ دیوار میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مورچے اور مورچے کے سامنے بلند حفاظتی دیوار تعمیر کرائی۔ اس میں کئی دروازے لگوائے جن کے کواڑ پیتل اور تانبے کے ہیں۔"

شعبان جس قافلے کے ساتھ سفر کر رہا تھا، وہ مصر سے چل کر سنگلاخ وادیوں اور لق و دق صحراؤں میں سفر کرتا بابل سے پچاس فرسنگ کے فاصلے پر پہنچا تو قافلے لوٹنے والے

ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے حملہ کر دیا۔ لوٹ مار شروع ہو گئی۔ قافلے میں بھگدڑ مچ گئی۔ جس کا جدھر منہ اٹھا ادھر دوڑ پڑا۔ ڈاکوؤں نے مال و دولت لوٹا، جوان عورتوں اور جوان مردوں کو قیدی بنایا اور بابل کی طرف روپوش ہو گئے۔ جیسا کہ اس زمانے میں رواج تھا بابل میں بھی کنیزوں اور غلاموں کے خرید و فروخت کی منڈی لگتی تھی جہاں اغوا کی ہوئی حسین عورتوں اور جوان مردوں کو فروخت کیا جاتا تھا۔ قافلے میں جن جوان مردوں کو غلام بنایا گیا تھا ان میں شعبان بھی تھا۔ بابل کے سب سے بڑے چوک میں بہت بڑا مجمع لگا تھا۔ ایک اُونچے چبوترے پر کنیزوں اور غلاموں کو باری باری لایا جاتا تھا، امیر کبیر دولت مند لوگ کنیزوں اور غلاموں کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھتے، جو کنیز اور غلام پسند آ جاتا اس کی قیمت چکا کر خرید لیا جاتا۔

چبوترے پر ایک طرف حسین جوان عورتیں کھڑی تھیں دوسری طرف غلام کھڑے تھے جن کے ہاتھ رسیوں سے پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ ان میں شعبان بھی تھا۔ شہر بابل کا ایک متمول سوداگر شیوان بھی موجود تھا جسے ایک صحت مند نوجوان غلام کی ضرورت تھی جو اُس کے پھل دار باغات کی حفاظت کر سکے۔ سب سے پہلے ایک کنیز کو لایا گیا۔ وہ نیم عریاں لباس میں شرمائی اور سہمی ہوئی تھی۔ ڈاکوؤں کا سردار کنیز کو گھما پھرا کر دکھا رہا تھا کہ دیکھو یہ حسین اور جوان ہے۔ اسے کوئی بیماری نہیں۔ یہ ابھی کنواری ہے۔ خریدار بڑھ کر کنیز کے جسم کو ٹٹول کر اپنی تسلی کر رہے تھے۔ کنیز کی بولی لگائی گئی۔ اگر کنیز حسین اور جوان ہوتی تو وہاں موجود دولت مند امیر کبیر لوگ بڑھ چڑھ کر بولی دیتے۔ جس کی بولی سب سے زیادہ ہوتی وہ کنیز کو خرید کر لے جاتا۔

عورت کے بعد ایک غلام کو لایا جاتا۔ آخر شعبان کی بھی باری آ گئی۔ شعبان قیدی غلاموں میں سب سے زیادہ خوش شکل اور صحت مند تھا۔ سوداگر شیوان کو پسند آ گیا چنانچہ اُس نے سب سے بڑھ کر بولی دے کر اُسے خرید لیا۔

شیوان کا شمار بابل کے متمول سوداگروں میں ہوتا تھا۔ دریا کنارے اس کا چھوٹا سا محل تھا۔ سوداگر شیوان کی بابل کے شاہی دربار تک پہنچ تھی اور وہ اکثر شاہی تقریبات میں شریک ہوتا تھا۔ اُس نے شعبان سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ وہ کون ہے اور کہاں پیدا ہوا تھا'' صرف اُس نے اُس کا نام پوچھا اور اپنے باغات کی حفاظت پر مامور کر

دیا۔ شعبان نے بھی اپنے آپ کو راضی بہ رضا کر لیا تھا۔ وہ زندگی کے سخت اور کٹھن نشیب و فراز میں سے گزر چکا تھا۔ اُس نے دُکھ بہت جھیلے تھے اور خوشی بہت کم اُس کے حصے میں آئی تھی۔ اب اُسے نہ زمانے سے کوئی شکایت تھی نہ زمانے سے کوئی گلہ تھا۔ وہ ہر حال میں خوش اور مطمئن رہنا سیکھ گیا تھا۔ چنانچہ وہ یکسوئی سے سوداگر شیوان کے باغات کی چوکیداری کرنے لگا۔

وقت گزرتا گیا۔ سوداگر شیوان بھی شعبان کا بہت خیال رکھتا تھا اور اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شعبان پوری دیانت داری اور وفاداری سے اپنے فرائض ادا کر رہا تھا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ سوداگر شیوان کھجوروں کے ایک بہت وسیع و عریض نخلستان میں جو اس کی ملکیت تھا سیر کر رہا تھا کہ اُسے ایک سانپ نے ڈس لیا۔ دیکھتے دیکھتے اُس کی حالت غیر ہونے لگی۔ نوکروں نے اُسے فوراً محل میں پہنچا دیا۔ شہر کا سب سے بڑا طبیب فوراً پہنچ گیا مگر شیوان کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ شعبان کو پتہ چلا تو وہ فوراً محل پہنچا اور دیکھا کہ شیوان پر غنودگی طاری تھی اور وہ بے ہوش ہو رہا تھا۔ شعبان نے اسی وقت کچھ جڑی بوٹیاں منگوا کر انہیں کوٹ کر جہاں سانپ نے کاٹا تھا وہاں اس کا لیپ کر دیا۔

شہر والے طبیب نے شعبان سے کہا۔ ''برخوردار! ان جڑی بوٹیوں سے اب کچھ نہیں ہو گا۔ سانپ سے حد زہریلا تھا اور زہر اپنا کام کر چکا ہے۔''

شعبان نے اُسے کوئی جواب نہ دیا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد نیم بے ہوش شیوان کے حلق میں کسی عرق کے قطرے ٹپکاتا رہا۔ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ سوداگر شیوان نے آنکھیں کھول دیں اور ہوش میں آ گیا۔ شعبان نے جڑی بوٹیوں کا پہلے والا لیپ اتار کر دوسرا لیپ کر دیا۔ تین چار بار لیپ بدلنے سے سارا زہر اُس کے جسم سے خارج ہو گیا اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ جب سوداگر شیوان دو ایک دن میں پوری طرح صحت مند ہو گیا تو اُس نے شعبان سے پوچھا کہ اس نے اتنا کامیاب طریقہ علاج کہاں سے سیکھا ہے؟ تب شعبان نے اُسے بتایا کہ وہ مصر کے ایک مشہور طبیب کا بیٹا ہے اور یہ طریقہ علاج اُس نے اپنے باپ سے سیکھا ہے۔ سوداگر شیوان نے شعبان کو انعام و اکرام دیا اور بولا۔

''میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی تم سے درخواست بھی کرتا ہوں کہ تم میرے

پاس میرے محل میں میرے دوست بن کر رہو۔"

شعبان کو بھی بابل میں رہنے کے لئے کوئی جگہ چاہئے تھی جہاں رہ کر وہ اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی لائحہ عمل تیار کر سکے۔ اپنے وطن مصر جانے کا خیال اُس نے ذہن سے نکال دیا تھا۔ وہاں اُس کا اب تھا بھی کون؟ شاہی خاندان اُس کی جان کا دشمن تھا اور فرعون ہوتپ کو زہر دینے کے جرم میں اُسے موت کی سزا سنائی جا چکی تھی۔ اگرچہ یہ جرم اُس نے نہیں کیا تھا لیکن حالات اور واقعات نے ایسی شکل اختیار کر لی تھی کہ اُس کا جرم ثابت ہو گیا تھا اور عیار شاہی طبیب زوناش نے اپنی مکاری اور سازش سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ جس شیشی میں سے شعبان نے اخناتون کو دوائی پلائی تھی زہر اسی شیشی میں تھا۔ چنانچہ شاہی فوج کے سپہ سالار عشمون نے جو شاہی طبیب زوناش کے ساتھ ملا ہوا تھا اور فرعون کو ہلاک کروانا چاہتا تھا، شعبان کی موت کا حکم صادر کر دیا تھا۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ بے گناہ شعبان فرعون کی قید سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

وقت کی گردشوں اور زمانے کی ٹھوکروں اور مصیبتوں نے اُسے سخت دل بنانے کی بجائے اُس کے دل میں ایک گداز پیدا کر دیا تھا۔ زندگی کے عیش و آرام کی خواہشات سے وہ بے نیاز ہو گیا تھا اور اُس کی طبیعت درویشی کی طرف مائل ہو گئی تھی۔ وہ ایک طبیب کی حیثیت سے خلقِ خدا کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ شہر بابل میں کوئی جھونپڑی بنا لے گا۔ جنگل سے جڑی بوٹیاں چن کر لائے گا۔ ان سے دوائیاں بنائے گا اور لوگوں کا مفت علاج کرے گا۔ لیکن تقدیر نے اس کے لئے کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا۔

سوداگر شیوان کو سانپ کے زہر سے شفایاب ہوئے ایک مہینہ ہی گزرا تھا کہ شاہ بابل بخت نصر کے شاہی خاندان کی ایک شہزادی کو کسی زہریلے سانپ نے ڈس لیا۔ اس شہزادی کا نام فلورا تھا اور وہ شاہ بابل کی ایک رومن بیوی کے بطن سے تھی جو فلورا کی پیدائش کے وقت انتقال کر گئی تھی۔ فلورا محل کی شہزادیوں میں سب سے زیادہ حسین اور نازک اندام تھی۔ اس روز وہ اپنی کنیزوں کے ساتھ شاہی محل کے پائیں باغ میں چہل قدمی کر رہی تھی کہ جھاڑی میں سے اچانک ایک سیاہ پھن دار سانپ نکلا اور آناً فاناً شہزادی فلورا کو ڈس کر غائب ہو گیا۔ یہ سانپ اس قدر زہریلا تھا کہ شہزادی کی حالت چند ثانیوں میں ہی غیر ہو گئی۔ محل میں شور مچ گیا۔ شہزادی کو فوراً اس کی خواب گاہ میں لے جا کر لٹا دیا گیا۔

شاہی طبیب فوراً پہنچ گئے اور سانپ کے کاٹے کا علاج کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہو گئے۔ مگر شہزادی کی حالت سنبھل نہیں رہی تھی۔ سارے بابل شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ شہزادی فلورا کو سانپ نے ڈس لیا ہے اور اس کی حالت خراب ہے۔ سوداگر شیوان کو جب پتہ چلا تو اُس نے شعبان کو ساتھ لیا اور شاہی محل میں پہنچ گیا۔ شہزادی فلورا بستر پر بے ہوش پڑی تھی۔ بادشاہ بخت نصر خود وہاں موجود تھا۔ سوداگر شیوان باریابی کی اجازت لے کر شعبان کے ساتھ شہزادی کی خواب گاہ میں بادشاہ کے حضور حاضر ہوا اور شعبان کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"شاہِ معظم! یہ نوجوان ایک طبیب کا فرزند ہے اور اس کے پاس سانپ کے کاٹے کا تیر بہدف علاج ہے۔ جب مجھے ایک زہریلے سانپ نے کاٹا تھا تو میں اسی کے علاج سے شفایاب ہوا تھا۔"

بادشاہ بخت نصر نے شعبان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہماری شہزادی کا فوری طور پر علاج کرو۔ اور اس کو موت کے منہ سے بچا لو۔ ہم تمہیں منہ مانگا انعام دیں گے۔"

شعبان نے جھک کر بے ہوش شہزادی کے بند پپوٹوں کو باری باری کھول کر دیکھا۔ سمجھ گیا کہ زہر کا اثر ابھی دل تک نہیں پہنچا۔ وہ سانپ کاٹے کی خاص دوائی والا عرق گھر سے اپنے ساتھ لے کر چلا تھا۔ اُس نے اُسی وقت دوائی کے چند قطرے شہزادی فلورا کے حلق میں ٹپکائے۔ تھوڑی دیر بعد شہزادی کو ہوش آ گیا۔ شاہی طبیب حیران ہوئے جبکہ بخت نصر بہت خوش ہوا کہ اس کی چہیتی شہزادی کی جان بچ گئی۔

شہزادی کو ہوش ضرور آ گیا تھا مگر ابھی اس میں بات کرنے کی سکت نہیں تھی۔ شعبان کے چھ روز تک علاج کے بعد شہزادی فلورا پھر سے صحت مند ہو گئی۔ شاہ بابل بخت نصر نے ایک روز شعبان کو اپنے ایوانِ خاص میں بلوا بھیجا۔ بخت نصر سونے کی تاروں والا لمبا چغہ پہنے دیوان پر دراز تھا، اُس کے سر پر جو گوشہ ٹوپی تھی جس میں یمن کے قیمتی موتیوں اور مالدیپ کی کانوں سے نکلنے والے ہیروں کی لڑیاں چمک رہی تھیں۔ اُس کے پہلو میں بخت نصر کی ملکہ شاہی پوشاک میں بیٹھی تھی۔ ملکہ کی پوشاک میں عقیق و نیلم کے پھول بنا کر ٹانکے ہوئے تھے۔ اُس کے سر پر ایک جڑاؤ تاج تھا جس میں زمرد کا مور پنکھ سجا ہوا تھا۔ ملکہ کے ساتھ شہزادی فلورا بیٹھی تھی۔ شہزادی فلورا کا لباس ملک شام اور ملک عرب کے قیمتی

ریشم کا تھا۔ پاؤں میں سرخ مخمل کے جوتے تھے جن پر نیلے اور سرخ موتیوں سے کڑھائی کی ہوئی تھی۔ مصری شیشے کے بڑے بڑے گول چراغ دانوں میں سے نکلتی پُرسکون روشنی میں شہزادی فلورا کا دلکش خدوخال والا سرخ و سپید چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ شعبان کو تخت نصر کے ایوان میں پیش کیا گیا تو اُس نے جھک کر شاہ بابل، ملکہ بابل اور شہزادی فلورا کی تعظیم کی اور دونوں ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑا رہا۔

بخت نصر نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ شعبان سامنے رکھی آبنوس کی طاؤس کی پشت والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ بخت نصر کہنے لگا۔ ''ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تم نے ہماری شہزادی کی جان بچالی تو ہم تمہیں منہ مانگا انعام دیں گے۔ تمہاری دوا سے شہزادی فلورا کی جان بچ گئی ہے۔ تم بلا جھجک جو مانگنا چاہو مانگ سکتے ہو۔ ہم اپنا وعدہ پورا کریں گے۔''

شعبان نے ادب سے جواب دیا۔ ''شہنشاہ! میرا انعام یہی بہت ہے کہ میری دوا سے شہزادی صاحبہ کی جان بچ گئی۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔''

بخت نصر کہنے لگا۔ ''یہ ہماری شان کے خلاف ہے کہ ہم اپنا وعدہ پورا نہ کریں۔ تمہارا ہم پر حق بنتا ہے، ہم تمہارا حق نہیں رکھیں گے۔ اگر تم پسند کرو تو ہم تمہیں اپنے دربار میں سب سے اونچے درجے کا مقام دینے کو تیار ہیں۔ تم ہمارے اعلیٰ ترین امرا کی صف میں بیٹھو گے۔''

شعبان نے جواب دیا۔

''شہنشاہ! یہ سب میرے پاس تھا۔ لیکن میں اسے چھوڑ چکا ہوں۔''

اس جواب پر بخت نصر کو تردّد ہوا کہ یہ نوجوان کس دربار کے رُتبے کی بات کرتا ہے۔ اُس نے پوچھا۔ ''تمہارے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا شمار کسی بادشاہ کے امرا میں ہوتا رہا ہے۔ تم کس ملک کے بادشاہ کے دربار سے وابستہ رہے ہو ذرا کھول کر بیان کرو۔ کیا تم ملک مصر کے رہنے والے ہو؟''

''جی ہاں۔'' شعبان کے منہ سے نکل گیا۔

اب شعبان کو احساس ہوا کہ اُس نے یہ بات کہہ کر سخت حماقت کی ہے۔ کیونکہ اُس کا تعلق فرعونِ مصر کے دربار سے رہ چکا تھا اور مصر کے ساتھ بابل کی پرانی دشمنی چلی آتی تھی۔ بخت نصر کی بھنوئیں سکڑ گئیں۔ اُس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ شعبان بولا۔

''لیکن عالی جاہ! میرا تعلق فرعونِ مصر کے دربار سے صرف اتنا تھا کہ فرعونِ مصر کی ایک کنیز میرے علاج سے ٹھیک ہوگئی تھی اور شاہی دربار میں میری تعظیم کی جاتی تھی۔''

بخت نصر مسکرایا۔ اُس نے ایوان کے طلائی پائے پر رکھا ہوا ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ ''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ فراعنہ مصر سے ہماری دشمنی ضرور ہے مگر تم سے کوئی دشمنی نہیں۔ تم ہمارے محسن ہو۔ اگر تم پسند کرو تو ہم بابل میں تمہارے لئے ایک عالی شان مکان بنوائے دیتے ہیں جہاں تم اپنا دواخانہ اور مطب کھول کر بیماروں کا علاج کر سکتے ہو۔ ہم تمہیں بابل کی شہریت کے حقوق بھی عطا کر دیں گے۔ کیا تمہیں منظور ہے؟''

بخت نصر کے جاہ وجلال کے آگے شعبان کو انکار کی جرأت نہ ہوئی۔ ویسے اُس کی آرزو بھی یہی تھی کہ اب باقی کی عمر اس اجنبی ملک میں لوگوں کی خدمت گزاری میں بسر کر دی جائے۔ اُس نے کہا۔

''بندہ شہنشاہ کی اس عنایت کا تہہ دل سے شکر گزار ہے۔ خاکسار بھی یہی چاہتا ہے کہ بیماروں کی خدمت کی جائے۔ انہیں شفایاب کیا جائے۔''

شہنشاہ بخت نصر کے حکم سے دریائے فرات کے کنارے ایک کشادہ حویلی نما مکان شعبان کو دے دیا گیا جس کے صحن میں باغیچہ تھا اور باغیچے میں کٹی ہوئی سیپیوں کو جوڑ کر بنایا گیا گول فوارہ تھا۔ مکان کے فرش قالینوں سے ڈھکے ہوئے تھے اور ہر کمرے میں چھت کے ساتھ زیتون کے چراغ دانوں والے سنہری فانوس لٹکے ہوئے تھے۔ شعبان کے استعمال کے واسطے دو گھوڑوں والی ایک بگھی بھی اصطبل میں موجود تھی۔ خدمت کے لئے نوکر چاکر اور دو کنیزیں بھی مکان میں پہلے سے موجود تھیں۔ شعبان کو عیش و آرام سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اُس کا دل بیماروں کی خدمت سے معمور تھا۔ اُس کے دل میں صرف ایک ہی جذبہ تھا کہ انسانوں اور خاص طور پر بیماروں کی خدمت کی جائے۔ روپے پیسے کا شعبان کو کوئی لالچ نہیں تھا۔ اُس نے مکان کے دو کمروں کو مطب میں تبدیل کر دیا۔ ایک کمرے میں دواخانہ بنا لیا۔ آس پاس کے جنگلوں اور صحراؤں میں سے قسم قسم کی جڑی بوٹیاں لا کر ان کی دوائیں تیار کیں اور مریضوں کا علاج کرنے لگا۔ وہ بڑی محنت اور لگن سے دوائیں تیار کرتا۔ اُس کی دواؤں میں اثر تھا۔ مریض ان کے استعمال سے شفایاب ہو جاتا تھا۔

بابل شہر میں شعبان کی بڑی شہرت ہوگئی۔ لوگ دُور دُور کے دیہات سے بھی مریض کو لاتے اور شعبان کے علاج سے مریض شفایاب ہو کر جاتے۔ اس کے باوجود شعبان ہفتے میں دو بار اپنی بگھی میں بیٹھ کر دواؤں کا چمڑے کا بکس ساتھ لے کر دُور دراز کے دیہات میں نکل جاتا اور ایسے مریضوں کا ان کے گھروں میں جا کر علاج کرتا جن کے لواحقین دُشوار گزار صحرائی سفر طے کر کے اپنے مریضوں کو بابل شہر میں نہیں لا سکتے تھے۔ شعبان ایسے مریضوں سے کوئی معاوضہ نہیں لیتا تھا۔ اپنے شہر والے مطب میں بھی وہ غریب اور نادار مریضوں کا علاج مفت کرتا تھا لیکن امیر کبیر اور دولت مند مریضوں سے پورا معاوضہ وصول کرتا جس کا ایک حصہ وہ اپنے گھریلو اخراجات کے لئے رکھتا اور باقی غریب مریضوں میں تقسیم کر دیتا۔ اس دوران شعبان کو ایک سوڈانی غلام مل گیا تھا جو اُس کی خدمت گزاری کرتا تھا۔ اُس کا نام باطو تھا۔ باطو درمیانے قد کا مضبوط جسم والا حبشی تھا۔ شعبان نے اُسے ایک خطرناک بیماری سے نجات دلائی تھی اور وہ شعبان کا فدائی بن گیا تھا۔ شعبان گھر پر ہو یا سفر میں، باطو محافظ خاص کے طور پر اس کے ہمراہ رہتا تھا۔ باطو کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ شعبان نے اس کو رہنے کے واسطے اپنی حویلی میں ایک کمرہ دے رکھا تھا۔ باطو بڑی جانفشانی سے اپنے مالک شعبان کی حفاظت کرتا۔ اگرچہ شعبان نے اسے منع کر رکھا تھا لیکن باطو باہر سے آنے والے کسی اجنبی سے جو شعبان سے ملنے کے لئے آتا، بڑی پوچھ گچھ کرتا اور اگر اُسے ذرا بھی شبہ پڑتا تو اس کی تلاشی سے بھی دریغ نہ کرتا کہ کہیں اُس نے اپنے لباس میں کوئی خنجر نہ چھپا رکھا ہو۔

شہزادی فلورا کی مکمل صحت یابی کی خوشی میں شاہی محل کے علاوہ سارے بابل شہر میں جشن منایا گیا۔ شاہی محلات مشعلوں اور فانوسوں کی روشنی میں جگمگانے لگے۔ بخت نصر نے امرا اور وزراء اور شہر کے معززین کو شاہی محل میں شاندار دعوت دی۔ شعبان کو بھی بلایا گیا۔ شعبان سرخ اور نیلے ریشمی لباس میں ملبوس اپنے غلام باطو کے ہمراہ بگھی میں سوار ہو کر شاہی محل پہنچ گیا۔ شاہ بابل بخت نصر نے شعبان کو صف اول کے امرا کے ساتھ بٹھایا اور خود اس سے مصافحہ کیا۔ ملکہ بابل اور شہزادی فلورا تخت شاہی پر زرق برق لباس پہنے بیٹھی تھیں۔ فلورا کے حسین چہرے پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ شعبان کو فلورا اسی طرح اچھی لگ رہی تھی جیسے وہ کسی گلستان میں تازہ کھلے ہوئے گلاب کو دیکھ رہا ہو۔ اس کے سوا شعبان کے

ں فلورا کے بارے میں دوسرا کوئی خیال نہیں تھا۔ شعبان نے محسوس کیا کہ شہزادی فلورا
ی نظریں چرا کر اُس کو گہری نگاہ سے دیکھ لیتی ہے۔ وہ یہی سمجھ سکتا تھا کہ اُس نے
ی کو موت کے منہ سے بچایا ہے اسی واسطے اُسے شعبان سے عقیدت ہو گئی ہو گی۔
مجھنا بھی یہی چاہئے تھا ورنہ کہاں شاہ بابل کی چہیتی شہزادی اور کہاں شعبان۔
اہی ضیافت رات بھر جاری رہی۔ اگلے روز شعبان دیر تک سویا رہا۔ اب ایسا ہوتا کہ
ں ایک آدھ بار شہزادی فلورا شعبان کو شاہی محل میں بلوا لیتی۔ کبھی کہتی کہ دن کو سو کر
ہوں تو سر میں درد محسوس ہوتا ہے۔ کبھی پیروں میں درد کی شکایت کرتی۔ شعبان اُسے
تا کہ یہ سانپ کے زہر کا اثر ہے جو آہستہ آہستہ زائل ہو رہا ہے۔ کیونکہ سانپ بڑا
یلا تھا۔ وہ ہر بار کوئی نہ کوئی دوا اپنے ساتھ لے جاتا جو شہزادی کو پلا دی جاتی۔ اس
ن شعبان نے محسوس کیا کہ شہزادی فلورا اُس کی جانب کبھی کبھی ایسی نظروں سے بھی
ہے جن میں عقیدت کے علاوہ محبت کے جذبات کی بھی جھلک نمایاں ہے۔ لیکن اُس
اس خیال کو فوراً اپنے ذہن سے یہ سوچ کر نکال دیا کہ یہ اس کا وہم یا خوش فہمی بھی ہو
ہے۔ اس کی حیثیت اتنی نہیں ہے کہ ایک باجبروت بادشاہ کی بیٹی کے دل میں اُس
لئے اس قسم کے جذبات پیدا ہوں۔ کبھی کبھی شہزادی اُسے بلوا بھیجتی تو وہ مریضوں کی
یت کا بہانہ بنا کر خود شاہی محل جانے کی بجائے دوائی بھجوا دیتا۔ شہزادی بھی زیادہ
ر نہ کرتی۔

ایک روز شعبان معمول کے مطابق مریضوں کو دیکھنے کے بعد اپنے کمرے میں دیوان
دراز آرام کر رہا تھا کہ اُس کا غلام باطو اندر آیا اور کہنے لگا۔

"مالک! ایک عورت اپنا علاج کروانے آئی ہے۔"

شعبان بہت تھک چکا تھا۔ اُس نے پوچھا۔

"عورت زیادہ بیمار تو نہیں ہے؟"

غلام باطو نے کہا۔

"اُس کا چہرہ جالی دار نقاب میں چھپا ہوا ہے۔ میں نے غور سے نہیں دیکھا۔ ویسے وہ
پاؤں پر چل کر آئی ہے۔"

شعبان بولا۔

"اُسے کہو کہ شام کے وقت آئے۔ اس وقت میں آرام کر رہا ہوں۔"

غلام باطو یہ پیغام لے کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ واپس آیا اور کہنے لگا۔

"مالک! وہ کہتی ہے میں بہت بیمار ہوں۔ مجھے اسی وقت دیکھ لیجئے۔ اور......"

غلام باطو نے اپنی عبا کی جیب میں سے ایک سنہری زنجیر والا چاندی کا لاکٹ نکال کر شعبان کو دکھایا اور کہا۔ "کہتی ہے میرے پاس علاج کے لئے پیسے نہیں ہیں۔ یہ لاکٹ ہی ہے۔ یہ لے لیجئے۔"

لاکٹ کو دیکھتے ہی شعبان ایک دم چونک گیا۔ یہ وہ لاکٹ تھا جو اُس نے اپنی نوجوانی کے زمانے میں مصر کی سب سے حسین طوائف برقہ کو تحفے میں دیا تھا اور جس کو شعبان دیوانہ وار پیار کرتا تھا لیکن جس نے شعبان کی ساری جمع پونجی یہاں تک کہ اس کے مکان کا ملکیت نامہ بھی حاصل کر لینے کے بعد شعبان کو اپنے حبشی غلاموں کی مدد سے دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیا تھا۔ ان غلاموں نے شعبان کو بری طرح پیٹا تھا اور اُسے موسلا دھار بارش میں برقہ طوائف کے مکان کے سامنے پھینک دیا تھا۔

شعبان نے لاکٹ باطو سے لے لیا اور اُٹھ کر حویلی کے دروازے کی طرف تیز قدموں سے بڑھا۔ حویلی کے دروازے پر پائیں باغ کے برآمدے میں ایک دراز قد دبلی پتلی عورت کھڑی تھی جس نے سیاہ عبا پہن رکھی تھی اور چہرے پر جالی دار نقاب پڑا تھا۔ شعبان اُس کے سامنے آیا تو عورت نے نحیف آواز میں کہا۔

"میں برقہ ہوں۔"

شعبان نے آہستہ سے اُس کے چہرے کا نقاب اُلٹ دیا۔ یہ برقہ ہی تھی۔ مگر یہ وہ برقہ نہیں تھی جس کے حسن کا شہرہ سارے مصر بلکہ ملک شام تک پہنچ چکا تھا اور جس کی ایک جھلک دیکھنے اور اس کے رقص سے لطف اندوز ہونے کی خاطر ملک شام اور ملک فارس تک کے سوداگر آیا کرتے تھے اور اس پر زر و جواہر لٹاتے تھے اور برقہ پھر بھی انہیں خاطر میں نہ لاتی تھی۔ شعبان کے سامنے اب ایک ایسی برقہ کھڑی تھی جس کے رخساروں کی سرخی بیماریوں نے دیمک کی طرح چاٹ کر زردی میں بدل دی تھی۔ آنکھوں میں سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ رخساروں کی ہڈیاں باہر کو نکل آئی تھیں اور جلد پر جگہ جگہ چھائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ نہ وہ حسن تھا نہ وہ جوانی تھی نہ وہ پرستار ہی تھے کہ جو اس کی ایک ادا پر اس

زمینوں میں زر و جواہر کے ڈھیر لگا دیتے تھے۔ اس وقت شعبان کے سامنے ایک بیمار، نحیف اور قریب المرگ عورت کھڑی تھی۔ برقہ نے کہا۔

"میں مرنا نہیں چاہتی۔ مجھے موت سے بچا لو......" اُس کی اندر کو دھنسی ہوئی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

شعبان نے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ برقہ کو اپنی خواب گاہ میں لے آیا۔ اُسے ہاتھی دانت کی کرسی پر بٹھایا، خود کرسی کھینچ کر اُس کے سامنے بیٹھ گیا اور بولا۔ "اپنے بازو دکھاؤ۔"

برقہ نے اپنے بازوؤں پر سے سیاہ لبادہ ہٹا دیا۔ یہ وہ بازو تھے جن کی دودھیا سپیدی اور مخملیں گداز پن کبھی سنگ مرمر اور سنبل و ریحاں کو شرماتا تھا اور جن کی ایک جھلک دیکھنے کی خاطر مصر و شام کے عیاش دولت مند سوداگروں نے اپنی جاگیریں اور حویلیاں قربان کر دیں۔ زر و جواہرات کی بوریوں کے منہ کھول دیئے تھے۔ اب وہی بازو درخت کی اُٹھی کٹی شاخ کی طرح برقہ کے کندھوں پر لٹک رہے تھے۔ گوشت نسواری رنگت اختیار کر کے ڈھلک گیا تھا۔ کہنیوں کی ہڈیاں نظر آنے لگی تھیں۔ قدرت برقہ سے اپنے اصولوں کی خلاف ورزی کا انتقام لے رہی تھی۔ شعبان زیادہ دیر تک ان بازوؤں کو نہ دیکھ سکا۔ اُس نے لبادے کا پلو ان کے اوپر کر دیا اور کرسی سے ٹیک لگا کر کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

اُسے برقہ کی کمزور آواز سنائی دی۔

"میں تم سے زندگی کی بھیک مانگنے آئی ہوں۔"

شعبان نے نظریں اُٹھا کر برقہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ "برقہ! مجھے افسوس ہے۔ میں تمہیں زندگی نہیں دے سکتا۔ لیکن تم پر تمہاری موت کو آسان کر سکتا ہوں، تمہیں ایک اذیت ناک موت مرنے سے بچا سکتا ہوں۔"

برقہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اُس نے آنسوؤں بھری آواز میں کہا۔ "میں نے گناہ کئے۔ رب اسیرس نے مجھ پر اس کا عذاب نازل کیا ہے۔ میرے لئے موت ہی میرا علاج ہے لیکن میں مرنا نہیں چاہتی۔ مجھے موت سے ڈر لگتا ہے۔"

شعبان نے کہا۔ "کاش یہ خیال تمہیں اس وقت آ جاتا جب تم غرورِ حسن کے نشے میں رنگ رلیوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اگر اُس وقت ایک لمحے کے لئے بھی تمہیں احساس ہو جاتا

کہ ایک دن تمہیں یہ سب کچھ چھوڑ کر دنیا سے خالی ہاتھ جانا پڑے گا تو شاید آج تمہاری یہ حالت نہ ہوتی۔ شاید تمہارا اتنا عبرتناک انجام نہ ہوتا۔ مگر تم نے ایک پل کے لئے بھی ایسا کبھی نہ سوچا۔ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ میں تمہارے لئے صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ تم پر شدید جسمانی درد کی شکل میں جو عذاب نازل ہونے والا ہے اس کی شدت کو کم کر دوں۔"

برقہ نے اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں میں چھپا کر سر نیچے کر لیا اور سسکیاں بھرنے لگی۔ رونے سے جب اُس کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا تو اُس نے سر اٹھا کر ریشمی رومال سے اپنے آنسو پونچھے اور بولی۔

"شعبان! میں نے تمہارے ساتھ جو زیادتیاں کی ہیں کم از کم تم مجھے ضرور معاف کر دو۔"

شعبان نے برقہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کہا۔

"برقہ! میں سمجھتا ہوں کہ تم نے میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ میرے ساتھ جو کچھ بھی ہوا وہ میرے اعمال کا قدرتی نتیجہ تھا۔ پھر بھی اگر تم ایسا سمجھتی ہو تو میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ مجھے اپنا سینہ کھول کر دکھاؤ۔"

برقہ نے اپنی قبا کے سامنے کے بند کھول کر کپڑا ہٹا دیا۔ شعبان نے دیکھا کہ برقہ کے سینے کا رنگ سیاہی مائل ہو گیا تھا اور جلد پر چھوٹی چھوٹی گلٹیاں نکلنا شروع ہو گئی تھیں۔ شعبان کو ایک طبیب کی حیثیت سے معلوم تھا کہ بہت جلد یہ گلٹیاں پھٹ جائیں گی اور برقہ پر شدید درد کے ناقابل برداشت دورے پڑنے لگیں گے۔ لیکن شعبان کے پاس برقہ کے درد کی شدت کو کم کرنے کی دوا موجود تھی۔ اور یہی برقہ کے ناقابل علاج مرض کا عارضی علاج تھا۔ برقہ کے جسم اور اس کی آنکھوں کے حلقوں کو دیکھ کر شعبان سمجھ گیا تھا کہ وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گی۔ اب وہ یہ چاہتا تھا کہ برقہ جتنی دیر زندہ رہے وہ اس کے عذاب کی شدت کو اس حد تک ضرور کم کر دے کہ جسے برقہ برداشت کر سکے۔

شعبان نے برقہ کا علاج شروع کر دیا۔

اس کا علاج صرف اتنا تھا کہ برقہ کی آنے والی جسمانی اذیت کو کم کر کے اس کے لئے قابل برداشت بنا دیا جائے۔ اس کے علاوہ برقہ کے مرض کا کوئی علاج نہیں تھا۔ شعبان نے بابل شہر کے مغرب میں تقریباً پچاس ساٹھ میل کے فاصلے پر ایک سرسبز نخلستان خرید کر

یہاں رہنے کے لئے ایک سادہ اور پُرسکون مکان بنوا لیا تھا۔ یہاں وہ بابل شہر کے پُرہجوم اور شور و غل والے ماحول سے نکل کر کچھ دن کے لئے آرام کر لیا کرتا تھا۔ کچی پکی اینٹوں کا بنا ہوا یہ مکان صرف تین مختصر سے کمروں پر مشتمل تھا جو کھجور کے سایہ دار جھنڈوں میں گھرا ہوا تھا۔ مکان کے سامنے ایک باغ تھا جس میں لیموں، نارنگی اور انجیر کے درخت لگے تھے۔ اپنے وطن مصر کی یاد میں اُس نے باغ میں ایک تالاب بنوا کر اس میں کنول کے پھولوں کی بیلیں اُگا دی تھیں۔ ان بیلوں پر جب پھول آتے تو تالاب کی سطح کنول کے سفید پھولوں سے ڈھک جاتی۔ صحرا کی تیز ہوا میں کنول کے پھول دائیں بائیں جھولنے لگتے تو شعبان کو دریائے نیل کے کنارے اُگے ہوئے کنول کے پھولوں کی یاد آ جاتی جہاں وہ اپنی پہلی محبت مانا کے ساتھ بچپن میں کھیلا کرتا تھا۔

شعبان برقہ کو اس مکان میں لے آیا تاکہ برقہ سکون سے اپنی زندگی کے آخری ایام بسر کر سکے اور وہ اس کا علاج بھی کر سکے۔

اپنے غلام باطو کو بھی وہ ساتھ ہی لایا تھا۔ اس نخلستانی مکان میں تین کنیزیں پہلے سے رہتی تھیں۔ ایک کنیز کھانا وغیرہ پکاتی اور گھر میں صفائی وغیرہ کا خیال رکھتی تھی۔ دوسری دو کنیزوں کو شعبان نے برقہ کی دیکھ بھال پر مامور کر دیا۔ یہ کنیزیں روزانہ صبح برقہ کو ایک خاص جڑی بوٹی کے پتوں والے نیم گرم پانی سے غسل کرواتیں۔ پھر اُس کے جسم پر ایک خاص روغن کی مالش کرتیں۔ شعبان دن میں تین بار برقہ کو اپنے ہاتھ سے دوا پلاتا جو نیلے عرق کی شکل میں تھی۔ اس دوا کے اثر سے برقہ پر ہر وقت ایک نیم غنودگی سی طاری رہتی۔ شعبان یہی چاہتا تھا۔ برقہ کے مرض کا علاج بھی یہی تھا۔ جب ایک مہینہ گزر گیا تو برقہ کے جسم کی گلٹیوں کے منہ بن گئے۔

برقہ نے ایک روز شعبان سے کہا۔

"میرے جسم میں چوبیس گھنٹے ہلکا ہلکا درد رہنے لگا ہے۔"

شعبان کو معلوم تھا کہ برقہ کے جسم پر نکلی ہوئی گلٹیوں کے پک جانے سے اس پر شدید درد کے دورے پڑنا شروع ہو گئے ہیں۔ لیکن شعبان کی دواؤں کی وجہ سے درد کی شدت اتنی کم ہو گئی ہے کہ برقہ کو صرف ہلکا ہلکا درد ہی محسوس ہوتا ہے۔ شعبان نے کہا۔

"بہت جلد یہ درد ختم ہو جائے گا۔ میں تمہیں ایسی دوائیں دے رہا ہوں جن کی وجہ

سے آہستہ آہستہ تمہارا مرض جاتا رہے گا اور تمہارا جسم صاف ہو جائے گا اور تم صحت مند ہو جاؤ گی۔"

شعبان نے اب برقہ کے ساتھ مثبت رویہ اختیار کرلیا ہوا تھا اس خیال سے کہ شاید اس کے جسم میں ایسی قوت مدافعت بیدار ہو جائے جو سچ مچ اس کے مرض کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔ اگر چہ ایسا ہونا کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ لیکن شعبان جانتا تھا کہ کبھی کبھی معجزے بھی ہو جایا کرتے ہیں۔

برقہ کے علاج اور اس کی دیکھ بھال کے علاوہ شعبان اس کا دل بہلانے کی بھی کوشش کیا کرتا تھا۔ مکان کے عقب میں نخلستان میں ایک جگہ کھجور کے درختوں کے سائے میں ٹھنڈے شفاف پانی کا چشمہ بہتا تھا۔ شعبان برقہ کو ساتھ لے کر آتا اور اس چشمے کے کنارے بیٹھ جاتا۔ اُسے بھی اپنے پاس بٹھا لیتا اور اس سے دنیا بھر کی باتیں کرتا۔ اپنے سفر و سیاحت کی جھوٹی سچی دلچسپ کہانیاں اور واقعات سناتا۔ اس طرح برقہ کا دل بہل جاتا اور وہ اس سے اپنی کمزور آواز میں پرانے بھولے بسرے دنوں کی باتیں کرتی۔ کبھی مسکراتی، کبھی اُس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ شعبان دن میں دو بار برقہ کے جسم کا معائنہ کرتا اور اسے حوصلہ دیتا کہ اس کا مرض دن بدن ٹھیک ہو رہا ہے۔ اگر چہ وہ جھوٹ بولتا تھا لیکن برقہ کے روز بروز بڑھتے ہوئے مرض کو دیکھ کر یہ جھوٹ بولنا ضروری ہو گیا تھا۔ برقہ کہتی۔

"اگر میری بیماری ختم ہو رہی ہے تو میرا جسم ہر وقت درد کیوں کرتا رہتا ہے؟"

شعبان کہتا۔ "یہ درد زیادہ تو نہیں ہے نا؟"

برقہ جواب دیتی۔ "نہیں، زیادہ نہیں ہے۔ مگر یہ ختم کیوں نہیں ہوتا؟"

شعبان اس کی تسلی کے لئے کہتا۔ "بہت جلد یہ درد ختم ہو جائے گا۔" اور اس کے ساتھ ہی ساتھ شعبان درد کم کر دینے والی دوا میں تھوڑا اضافہ کر دیتا۔ اس طرح چند ہی دنوں میں برقہ نے محسوس کیا کہ اس کا درد جاتا رہا ہے۔ وہ بڑی خوش ہوئی۔ لیکن درد اپنی جگہ پر موجود تھا۔ جسم کے اندر ہی اندر اذیت ناک درد کی لہریں طوفان کی طرح اُٹھ اُٹھ کر برقہ کے جسم سے ٹکرا رہی تھیں لیکن شعبان کی دوا کی وجہ سے برقہ کو اس کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ ایک طبیب کی حیثیت سے شعبان کو بخوبی علم تھا کہ برقہ کی زندگی کے چند ایام ہی باقی رہ

گئے ہیں۔ درد نہ ہونے کی وجہ سے اب برقہ کو چلنے پھرنے میں بھی زیادہ دقت نہیں ہوتی تھی۔ ایک روز وہ شعبان کے پاس چشمے کے کنارے بیٹھی جوانی کے رنگین اور پُرمسرت زمانے کو یاد کر رہی تھی کہ اُس نے شعبان کا ہاتھ اپنے کمزور ہاتھوں میں لے لیا۔ اُس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ کہنے لگی۔

"شعبان! تم جتنا مجھ سے ہمدردی کا سلوک کرتے ہو مجھے اتنی ہی ندامت محسوس ہوتی ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ جو جو زیادتیاں کی ہیں، مجھے معاف کر دینا۔"

شعبان کو محسوس ہوا کہ یہ وہ نہیں بول رہی اُس کی رُوح بول رہی ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کا آخری وقت آ گیا ہے۔

اگلے روز اُس نے برقہ کے جسم کا معائنہ کیا تو دیکھا کہ اس کے جسم کے پھوڑے پھنسیاں گہرے سرخ رنگ کی ہو رہی ہیں۔ اُس کا دل کانپ گیا۔ اپنی بداعمالیوں سے گناہوں کی جو آگ برقہ نے اپنے جسم میں بھری تھی اس کا آتش فشاں اب پھٹنے ہی والا تھا اور برقہ کی عبرت ناک موت کو صرف چند گھنٹے ہی رہ گئے تھے۔ اس وقت رات کا پہلا پہر شروع ہو چکا تھا۔

برقہ بستر پر دراز تھی۔ شعبان اس کے قریب ہی بیٹھا اسے تھوڑی تھوڑی دیر بعد خواب آور دوا کا ایک قطرہ پلا دیتا تھا لیکن یہ دوا اس پر اثر نہیں کر رہی تھی۔ اس پر اب کوئی دوا کارگر نہیں ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ درد کی شدت کم کر دینے والی دوا نے بھی جواب دے دیا اور برقہ درد سے تڑپنے لگی۔ اُس کا لاغر بدن بستر پر سے اُٹھ اُٹھ کر گرتا۔ شعبان کے لئے اُسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اس دوران برقہ کے جسم کا آتش فشاں پھٹ پڑا۔ اُس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ شعبان نے اُس کی نبض دیکھی۔

برقہ مر چکی تھی......!

دوسرے دن طلوع آفتاب کے وقت برقہ کو نخلستان میں ایک جگہ کھجور کے درختوں کے سائے میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اس وقت آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور بوندا باندی ہو رہی تھی۔ شعبان کا غلام باطواس کے قریب ہی سر جھکائے کھڑا تھا۔ شعبان نے برقہ کی قبر پر کنول کے پھولوں کا ہار رکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسی روز شعبان

بابل واپس آ گیا۔

اپنے مکان پر آنے کے بعد وہ مریضوں کے علاج معالجے میں مصروف ہو گیا۔ برقہ کے عبرت ناک انجام کے خیال سے اُس کا دل اُداس تھا۔ لیکن قانونِ قدرت اٹل ہے۔ جو اس قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے اس کا قدرتی انجام یہی ہوتا ہے۔ اپنے بابل والے مکان پر آئے اُسے دو دن گزرے تھے کہ رات کے پہلے پہر وہ مریضوں سے فراغت پانے کے بعد کھانا کھا کر اپنی خواب گاہ میں لیٹا ہی تھا کہ غلام باطو نے آ کر خبر دی کہ شاہی محل کی ایک خدمت گزار بوڑھی کنیز اس سے ملنے آئی ہے۔ شعبان نے کہا۔

''اسے دیوان خانے میں بٹھاؤ۔ میں آ رہا ہوں۔''

شعبان نے سوچا کہ رات کے وقت شاہی محل کی خدمت گار کنیز کیسے آئی ہے؟ وہ جلدی سے کپڑے بدل کر دیوان خانے میں آیا تو خدمت گار کنیز دیوان پر بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ شعبان اسے پہچانتا تھا، وہ شاہ بابل بخت نصر کی بیٹی فلورا کی کنیز خاص تھی۔ شعبان سمجھ گیا کہ وہ ضرور شہزادی کا کوئی پیغام لے کر آئی ہو گی۔ شعبان نے اُس کی خیریت دریافت کی اور پوچھا کہ رات کے وقت کیسے آنا ہوا؟ کنیز کا نام آہوتی تھا اور یہ شہزادی فلورا کی راز دار کنیز تھی۔ کنیز آہوتی نے کہا۔

''شہزادی فلورا نے تمہیں یاد کیا ہے۔ تمہیں اسی وقت میرے ساتھ جانا ہو گا۔''

شعبان نے پوچھا۔ ''شہزادی صاحبہ خیریت سے ہیں نا؟''

''ہاں۔'' کنیز آہوتی نے جواب دیا۔ ''شہزادی بالکل خیریت سے ہیں۔ انہوں نے تمہیں بلایا ہے اور سواری بھیجی ہے۔ تمہیں اسی وقت چلنا ہو گا۔''

شعبان کا دل برقہ کے خیال سے بوجھل تھا وہ اس وقت جانا نہیں چاہتا تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے کہا۔

''شہزادی صاحبہ کا حکم میں کیسے ٹال سکتا ہوں؟''

کنیز آہوتی یہ سن کر اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے کی طرف بڑھی۔ شعبان نے غلام باطو کو کچھ ہدایات دیں اور کنیز کے پیچھے پیچھے حویلی کے صحن میں آ گیا۔ صحن میں بڑے دروازے کے پاس ایک بگھی نما رتھ کھڑا تھا۔ اس کے آگے چار گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ شعبان کنیز کے ساتھ رتھ میں بیٹھ گیا اور رتھ شعبان کی حویلی سے نکل کر ایک طرف

چل پڑا۔

بہت جلد شعبان کو محسوس ہو گیا کہ رتھ شاہی محل کی طرف نہیں جا رہا اور اس کا رُخ صحرا کی طرف ہے۔ اُس نے کنیز سے پوچھا۔

''کیا شہزادی صاحبہ اپنے گرمائی محل میں ہیں؟''

کنیز نے کوئی جواب نہ دیا۔ شعبان نے اس کے بعد مزید کچھ پوچھنا مناسب خیال نہ کیا۔ چاروں گھوڑے رتھ کو لئے تیزی سے صحرا میں چلے جا رہے تھے۔ آسمان پر چاند نکلا ہوا تھا جس کی چاندنی صحرا میں دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ ایک سنگلاخ وادی اور کچھ صحرائی ٹیلوں میں سے گزرنے کے بعد شعبان کو کچھ فاصلے پر روشنی جھلملاتی دکھائی دی۔ رتھ اسی روشنی کی سمت جا رہا تھا۔ قریب پہنچ کر شعبان نے دیکھا کہ یہ ایک نخلستان ہے جہاں ایک شاہی خیمہ نصب ہے۔ خیمے کے باہر ایک جانب آگ کا الاؤ روشن ہے۔ شاہی خیمے کے دروازے پر پردہ گرا ہوا ہے۔ کنیز آہوتی نے رتھ پر سے اترتے ہوئے شعبان سے کہا۔

''میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ۔''

شعبان اُس کے پیچھے چل پڑا۔ خیمے کے دروازے پر کنیز رُک گئی۔ اُس نے پلٹ کر شعبان سے کہا۔ ''یہاں ٹھہر جاؤ!''

شعبان رُک گیا۔ کنیز خیمے کا پردہ اٹھا کر اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد کنیز واپس آئی اور بولی۔ ''آ جاؤ۔ شہزادی صاحبہ تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔''

شعبان کو خیمے کے اندر چھوڑ کر کنیز آہوتی واپس چلی گئی۔ خیمے کی اندرونی آرائش قابل دید تھی۔ خیمے کی چاروں دیواریں ریشمی پردوں نے ڈھکی ہوئی تھیں۔ چھت کے ساتھ زیتون کے تیل سے جلنے والا چراغ دان روشن تھا۔ فرش پر ایرانی اور بابلی قالین بچھے ہوئے تھے اور وسط میں سنہری پایوں والی شاندار کرسیاں پڑی تھیں۔ شہزادی فلورا شب خوابی کے لباس میں دیوان پر نیم دراز تھی۔ شعبان نے شہزادی کو آداب کیا، خیریت دریافت کی اور کہا۔

''آپ کے حکم کے مطابق میں حاضر ہو گیا ہوں۔''

شہزادی فلورا نے اپنے قریب رکھی ہوئی کرسی پر اشارہ کر کے کہا۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

شعبان کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ سوچ کر اُسے تعجب ہو رہا تھا کہ شہزادی بیمار بھی نہیں ہے۔ پھر رات کے وقت اس نے اسے اپنے نخلستانی خیمہ خاص میں کس مقصد کے لئے بلایا ہے؟ چند لمحوں کے لئے خاموشی چھائی رہی۔ شعبان کے دل میں ہر طرح کے خیال آ رہے تھے۔ کبھی اُسے خیال آتا کہ شہزادی کو شاید کوئی پیچیدہ زنانہ مرض لاحق ہو گیا ہے جس کی خاطر اسے بلایا ہے۔ کبھی خیال آتا کہ شاید شہزادی شفایاب ہونے کی خوشی میں بطور انعام اسے کوئی درباری عہدہ عطا کروانے والی ہے۔ خیمے کی فضا میں ملک شام اور عرب کے عطریات کی اعلیٰ ترین خواب انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ چاندنی رات بیکراں صحرائی وسعت میں جیسے دم بخود تھی۔ سوائے رباب کے دھیمے دھیمے سُروں کی آوازوں کے باہر کوئی آواز نہیں تھی۔ یہ رباب کی آواز کچھ فاصلے پر لگے ہوئے غلاموں کے خیمے میں سے آ رہی تھی جہاں شاید ملک حبشہ کا کوئی غلام اپنے وطن کی یاد میں رباب کے تاروں کو چھیڑ رہا تھا۔

شہزادی فلورا نے خاموشی کے طلسم کو توڑتے ہوئے کہا۔

''شعبان! میں نے تمہیں ایک خاص مقصد کے لئے یہاں بلایا ہے۔''

شعبان کے کان کھڑے ہو گئے۔ شہزادی بولی۔

''سب سے پہلے تو میں تم سے دیوتا اسیرس کے نام پر قسم لینا چاہتی ہوں کہ جو کچھ میں تمہیں کہوں گی تم اس کا ذکر کسی کے آگے نہیں کرو گے۔ کیا تم دیوتا اسیرس کو حاضر جان کر یہ قسم کھانے کو تیار ہو؟''

شعبان نے سوچا کہ شہزادی اس سے اپنے کسی راز کی پردہ داری ہی چاہتی ہے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ شعبان انکار کر کے خوامخواہ شاہ بابل کی بیٹی کی دشمنی مول لیتا۔ اس نے کہا۔

''اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو میں آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوں۔''

شہزادی فلورا نے اپنی پیشانی پر آئی ہوئی سیاہ بالوں کی ایک زلف کو نازک ہاتھوں کی انگلیوں سے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔ تمہارے جواب سے مجھے دلی مسرت ہوئی ہے۔''

کچھ دیر کے لئے شہزادی خاموش ہو گئی۔ خیمے میں ایک بار پھر وہی گمبھیر مگر رومانوی خاموشی چھا گئی۔ شعبان سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ پھر شہزادی نے کہا۔ ''کیا تمہارے

پاس کوئی ایسا زہر ہے جس کے کھلانے سے دشمن کی موت تو واقع ہو جائے مگر یہ ظاہر نہ ہو کہ اُسے زہر دیا گیا ہے بلکہ یہ ظاہر ہو کہ وہ شخص اپنی طبعی موت مرا ہے؟''

شعبان سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔ یہ خوبصورت معصوم صورت شہزادی بھی اس کے ذریعے اپنے کسی دشمن کو قتل کروانے کی فکر میں تھی۔ وہ بدنصیب کون ہو سکتا تھا؟ شعبان یہ سوچ رہا تھا کہ شہزادی فلورا دیوان پر سے اٹھ کر قالین پر ٹہلنے لگی۔ اس کے چہرے سے ایسے لگ رہا تھا کہ شہزادی شش و پنج میں ہے کہ اپنے دل کا راز شعبان پر ظاہر کرے یا نہ کرے۔ آخر وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئی۔ اُس نے شعبان کے سامنے مسئلے کو اس طرح پیش کرنے کا فیصلہ کیا کہ جس سے یہ ظاہر ہی نہ ہو کہ شہزادی کی نیت کیا ہے اور اس کا وہ دشمن کون ہے جسے وہ زہر دے کر اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہے۔ کہنے لگی۔

''بات اصل میں یہ ہے کہ بادشاہ کی ایک چہیتی ملکہ نے ملک سیام کی دو بلیاں پال رکھی ہیں۔ وہ ان بلیوں کو اپنی خواب گاہ میں رکھتی ہے اور رات کو اپنے ساتھ لے کر سوتی ہے۔ اس ملکہ کی خواب گاہ میری خواب گاہ کے بالکل ساتھ ملی ہوئی ہے۔ آدھی رات کے بعد یہ بلیاں روزانہ رونا شروع کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے میری راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہے۔ میں ان بلیوں کو زہر دے کر ہلاک کرنا چاہتی ہوں لیکن ساتھ ہی یہ بھی چاہتی ہوں کہ کسی کو خبر تک نہ ہو کہ بلیوں کو زہر دیا گیا ہے کیونکہ میں ملکہ سے بلیوں کے رونے کی کئی بار شکایت کر چکی ہوں لیکن ملکہ کا کہنا ہے کہ اسے بلیوں کے رونے کی آواز اچھی لگتی ہے۔ لہٰذا اگر بلیوں کی موت کے بعد یہ پتہ چل گیا کہ انہیں زہر دیا گیا ہے تو ملکہ ضرور یہ شک کرے گی کہ زہر میں نے ہی دیا ہے اور وہ میری دشمن بن جائے گی۔ میں اس کی دشمنی سے بچنا چاہتی ہوں۔''

شعبان بڑے غور سے شہزادی فلورا کی من گھڑت کہانی کو سن رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ شہزادی اس سے اصل بات چھپا رہی ہے۔ اس نے کہا۔

''شہزادی! میرے پاس ایک خاص زہر موجود ہے جو کسی کو کھلا دیا جائے تو یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ اس شخص یا جانور کی موت زہر خورانی سے ہوئی ہے۔ لیکن اس میں میری ایک مجبوری ہے۔''

''وہ مجبوری کیا ہے؟'' شہزادی فلورا کے ماتھے پر بل پڑ گیا۔

شعبان بولا۔ ”بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس زہر کا تقاضا ہے کہ اس کو کھلانے کے بارہ گھنٹے بعد میں اس جانور کا معائنہ کروں اور معلوم کروں کہ زہر جسم کے اندر اثر کر رہا ہے یا نہیں۔ یہ زہر ایک خاص قسم کا ہے جو چھ سات جڑی بوٹیوں کو ملانے کے بعد تیار کیا جاتا ہے اور چونکہ اس کی علامتیں ظاہر نہیں ہوتیں اس لئے خود مجھے زہر کھانے والے شخص یا جانور کا معائنہ کرنا پڑتا ہے تاکہ معلوم کر سکوں کہ زہر کہیں بے اثر تو نہیں ہو گیا۔ اور اگر بے اثر ہو گیا ہو تو اس کی ایک اور خوراک کھانے والے کے جسم کے اندر پہنچائی جائے۔ اگر ایسا ممکن ہے کہ بلیوں کو زہر دینے کے بارہ گھنٹے بعد میں ان کا معائنہ کر سکوں تو میں آج ہی اس خاص زہر کا سفوف آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا اور آپ اسے دودھ یا حلوے میں ملا کر بلیوں کو کھلا سکتی ہے۔“

شہزادی فلورا کو محسوس ہوا کہ شعبان کو اصل بات بتانی ہی پڑے گی۔ ورنہ کام نہیں بنے گا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ معاملہ ایک خونی سازش کا تھا جس میں شعبان کو ہمراز بنانا ضروری ہو گیا تھا۔ شعبان کی مدد کے بغیر شہزادی اپنی سازش میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ صورت حال کے ہر پہلو پر غور و فکر کرنے کے بعد شہزادی فلورا اسی نتیجے پر پہنچی کہ اگر اس کا راز کھل بھی جاتا ہے تو وہ یہ کہہ کر آسانی سے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کر سکتی ہے کہ یہ سازش خود شعبان نے اپنے طور پر تیار کی تھی۔ وہ شاہی محل کی شہزادی اور خاص طور پر شاہ بابل کی چہیتی شہزادی تھی۔ اس کے بیان پر کسی کو اعتراض نہیں ہو گا۔ اس کے باوجود شہزادی، شعبان سے بابل کے سب سے بڑے دیوتا ملوخ کی قسم لینا ضروری سمجھتی تھی۔ چنانچہ اُس نے رازداری سے کہا۔

”شعبان! اب تک میں نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے اس میں سچائی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اب میں تم سے اصل حقیقت بیان کروں گی۔ لیکن حقیقت بیان کرنے سے پہلے میں دیوتا ملوخ کے نام پر تم سے قسم لینا چاہتی ہوں کہ جو راز میں تمہیں بتانے چلی ہوں وہ تم صرف اور صرف اپنے سینے میں محفوظ رکھو گے۔ کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟“

شعبان سمجھ گیا کہ شہزادی کسی محلاتی سازش میں ملوث ہے اور اسی سلسلے میں اپنے کسی دشمن کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہے۔ جہاں تک بابل کے دیوتا ملوخ کی قسم اٹھانے کا معاملہ تھا، شعبان کا دیوی دیوتاؤں پر سے عقیدہ اٹھ چکا تھا۔ محض تجسس کی خاطر کہ دیکھئے

ں شاہ بابل کی بیٹی کا ایسا کون سا دشمن ہے جس کو وہ اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہے اُس نے فوراً جواب دیا۔

”شہزادی صاحبہ! میں ویسے بھی آپ کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن اگر آپ سمجھتی ہیں کہ میرے لئے دیوتا ملوخ کی قسم اٹھانا ضروری ہے تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔ میں بابل کے عظیم دیوتا ملوخ کو حاضر جان کر قسم اٹھاتا ہوں کہ آپ کے راز کو اپنے سینے میں محفوظ رکھوں گا۔“

شہزادی فلورا کے چہرے پر خوشی اور اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اُسے یقین نہیں تھا کہ شعبان اتنی جلدی اس کام کے لئے راضی ہو جائے گا۔ کہنے لگی۔

”شعبان! اگر میں تمہارے تعاون سے اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تو وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں زر و جواہر سے مالا مال کر دوں گی۔ تمہاری ہر خواہش کو پورا کروں گی۔“

شعبان دل میں ہنسا۔ اُس نے شاہی محلات میں اس قسم کی باتیں بہت سنی تھیں۔ کہنے لگا ”شہزادی! مجھے مال و دولت کی خواہش نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہو گی اگر میں آپ کے کسی کام آ سکوں۔ یہ خوشی ہی میرا انعام ہو گا۔“

شہزادی دیوان پر سنبھل کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔ ”شعبان! بادشاہ بخت نصر کی میں واحد اولاد ہوں۔ بادشاہ کی وفات کے بعد اصولی طور پر میں ہی تخت و تاج کی مالک ہوں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔“

شہزادی ایک پل کے لئے خاموش ہو گئی۔ شعبان نے پوچھا۔ ”وہ کیسے؟“

شہزادی نے کہا۔ ”وہ ایسے کہ بادشاہ بخت نصر یعنی میرے باپ نے ایک اور شادی کر لی تھی جس میں سے اس کا ایک لڑکا ہے۔ اس کا نام چلکاش ہے۔ چلکاش کی ماں اشکالی قبیلے کے سردار کی بیٹی تھی۔ اشکالی حسن و جمال میں چاند کو شرماتی تھی۔ ایک دفعہ میرا باپ بادشاہ بخت نصر شکار کے لئے گیا تو اس کی نگاہ اشکالی پر پڑ گئی۔ وہ اس پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا اور اسے اپنے ساتھ شاہی محل میں لے جانا چاہا تاکہ اشکالی کو بھی دوسری عورتوں کی طرح اپنے حرم میں شامل کر لے۔ لیکن اشکالی کا باپ اپنے قبیلے کا سردار بھی تھا اور اس علاقے میں ملوخ دیوتا کے معبد کا پروہت بھی تھا۔ اُس نے بادشاہ سے کہا کہ

اشکالی، ملوخ دیوتا کی خاص دیوداسی ہے۔ دیوتا ملوخ کی اجازت کے بغیر وہ اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ بادشاہ نے کہا۔ میں اشکالی سے بیاہ کر کے اسے ملکہ بنا کر رکھوں گا۔ اشکالی کے پروہت باپ نے کہا۔ اس کے لئے دیوتا ملوخ سے اجازت لینی پڑے گی۔ اگر آپ دیوتا ملوخ کی خاص دیوداسی کو اس کی اجازت کے بغیر لے گئے تو آپ کو دیوتا ملوخ کی بد دُعا لگے گی۔ بادشاہ اشکالی پر بری طرح فدا ہو چکا تھا۔ اُس نے اشکالی کے باپ سے کہا۔ دیوتا ملوخ سے کس طرح اجازت لی جائے؟ اشکالی کا باپ بولا۔ اس کے لئے دیوتا پر دس بکرے قربان کر کے ایک رسم ادا کی جائے۔ اس کے بعد دیوتا ملوخ سے اجازت طلب کی جائے۔ بادشاہ نے کہا۔ میں اس کے لئے تیار ہوں۔ اسی روز رات کے وقت ملوخ دیوتا پر دس بکروں کی قربانی دی گئی۔ آدھی رات تک معبد میں دیوتا کے بت کے آگے پوجا پاٹھ کی رسومات ادا ہوتی رہیں۔ آدھی رات کے بعد جب تمام رسومات پوری ہو گئیں تو اشکالی کے باپ نے مراقبے میں جا کر دیوتا ملوخ سے اجازت طلب کی۔ بادشاہ بخت نصر اپنے وزیروں کے ساتھ اسی مندر میں موجود تھا۔ مراقبہ پورا ہو جانے پر اشکالی کے باپ نے آنکھیں کھول کر بادشاہ کی طرف نگاہیں اٹھائیں اور کہا۔ اے بادشاہ! دیوتاؤں کا دیوتا ملوخ ایک شرط پر اشکالی کا بیاہ تم سے کرنے پر راضی ہوا ہے۔ بادشاہ نے شرط پوچھی تو اشکالی کے باپ نے کہا۔ دیوتا ملوخ نے شرط لگائی ہے کہ شادی کے بعد اگر اشکالی کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا تو تمہارے بعد وہی بابل کے تخت پر بیٹھے گا۔ بادشاہ نے شرط تسلیم کر لی۔ اشکالی کے باپ نے دیوتا ملوخ کے بت کے آگے بادشاہ سے قسم لی کہ وہ اپنے عہد پر قائم رہے گا اور اگر اس نے اشکالی کے بطن سے پیدا ہونے والے لڑکے کو اپنے بعد تخت کا وارث نہ بنایا تو اس کی سلطنت پر دیوتا اپنا عذاب نازل کرے گا۔ شاہ بابل اگرچہ بڑا ظالم حکمران تھا مگر وہ دیوتا ملوخ کا پجاری تھا اور اس کے عذاب سے ڈرتا تھا۔ اس نے ملوخ کے بت کے سامنے قسم کھائی کہ وہ اپنے عہد پر قائم رہے گا اور دیوتا ملوخ کی شرط کی تعمیل کرے گا۔ چنانچہ میرے باپ شاہ بابل نے اشکالی سے شادی کر لی اور اس کے لئے دریا کنارے ایک الگ محل بنوا دیا جہاں وہ رہنے لگی۔ شادی کے دو سال بعد اشکالی کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ بادشاہ نے دیوتا ملوخ سے کئے گئے پیمان کے مطابق اشکالی کے بیٹے کے ولی عہد ہونے کا شاہی فرمان جاری کر دیا اور فرمان پر شاہی مہر ثبت کر دی۔

لڑکے کا نام قبیلے کے نام پر شہزادہ چلاکاش رکھا گیا۔ چلاکاش کے پیدا ہونے کے بعد میرا بابل کی ملکہ بننے کا خواب ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اگر چلاکاش کی جگہ کوئی لڑکی پیدا ہوتی تو میرا باپ مجھے ہی تخت بابل کا وارث بناتا مگر اب وہ دیوتا ملوخ سے کئے گئے وعدے کا پابند ہے اور کسی صورت میں بھی دیوتا ملوخ کی دشمنی مول نہیں لے سکتا۔ باپ کے بعد بابل کے تخت پر ملکہ بن کر بیٹھنے کا میرا خواب ضرور منتشر ہو گیا ہے لیکن میں نے اپنے دل میں عہد کر لیا ہے کہ چاہے کچھ ہو جائے اپنے باپ کی وفات کے بعد میں ہی بابل کے تخت پر بیٹھوں گی۔ مگر اس کے لئے مجھے تمہاری مدد درکار ہے۔ اسی لئے میں نے تمہیں اس وقت بلایا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ ولی عہد چلاکاش کو آہستہ آہستہ اثر کرنے والا زہر دے کر ہلاک کر دیا جائے اور شاہی طبیب بھی چلاکاش کے بدن میں اس زہر کا سراغ نہ لگا سکے۔''

شعبان نے کہا۔ ''شہزادی صاحبہ! اس صورت میں دیوتا ملوخ کا عذاب آپ پر بھی نازل ہو سکتا ہے۔ کیا آپ اس کے عذاب سے نہیں ڈرتیں؟''

شہزادی فلورا کہنے لگی۔ ''میں دیوتاؤں پر یقین رکھتی ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی یقین ہے کہ دیوتا لوگ انسانوں کے کام میں دخل دینے کے مجاز نہیں ہیں اور وہ انسانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی دیوتاؤں کے عذاب کا کوئی خیال دل میں نہ لاؤ۔ کیونکہ مٹی اور پتھر کے یہ بت انسان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تمہارا عقیدہ کیا کہتا ہے؟''

اس دوران شعبان نے سوچ لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہوگا اور اسے کیا کرنا چاہئے۔ اُس نے شہزادی کو جواب دیا۔ ''میں بھی آپ کی طرح دیوی دیوتاؤں کو مختارِ کل نہیں سمجھتا۔ میرا بھی یہ عقیدہ ہے کہ پتھر کے یہ بت انسان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

یہ جواب سن کر شہزادی مطمئن ہو گئی۔ کہنے لگی۔ ''شعبان! اگر تم نے میرا کام کر دیا تو میں تمہیں اتنی دولت دوں گی کہ پھر تمہیں مریضوں پر سر کھپانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ تم ساری زندگی بلکہ تمہاری آنے والی نسلیں بھی عیش و آرام کی زندگی بسر کر سکیں گی۔''

شعبان خاموشی سے شہزادی کی گفتگو سنتا رہا۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد شہزادی نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''ایک اور بات کی وضاحت میں ضروری سمجھتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ تم ایک بار پھر اس معاملے پر اچھی طرح سوچ لو۔ اگر کسی وجہ

سے تم نے اپنا ارادہ بدل لیا تو تمہیں اس کا اختیار ہے۔ مجھے اس خانہ بدوش ملکہ اشکالی کے بیٹے چلکاش کو ہر حالت میں قتل کروانا ہے۔ میں اُسے قتل کروانے کا کوئی دوسرا طریقہ سوچ لوں گی۔ لیکن اس صورت میں تمہیں مجھے یقین دلانا ہوگا کہ تم میرے اس خونی راز کو ہمیشہ کے لئے اپنے سینے میں دفن کرلو گے۔ میں تمہیں کل کے دن کی مہلت دیتی ہوں۔ مزید غور کرلو۔ کل رات میں تمہیں لانے کے لئے شاہی رتھ بھیجوں گی۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

شعبان کو مزید غور وفکر کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس نے جو کچھ کرنا تھا اس کے متعلق سوچ لیا تھا۔ وہ شہزادی سے اجازت لے کر اپنی حویلی پر واپس آ گیا۔ دوسرا دن گزر گیا۔ جب رات ذرا گہری ہوئی تو شہزادی فلورا کا بگھی نما رتھ اُسے لینے کے لئے پہنچ گیا۔ شعبان اس میں سوار ہو کر شہزادی فلورا کے نخلستانی خیمے میں اس کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ شہزادی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے شعبان کو دیکھتے ہی پوچھا۔

"پھر کیا فیصلہ کیا تم نے؟"

شعبان بولا۔ "میں اپنے فیصلے پر قائم ہوں شہزادی صاحبہ۔ آپ جیسے کہیں گی میں ویسے ہی کروں گا۔"

شہزادی بڑی خوش ہوئی۔ بولی۔ "مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔ اب مجھے بتاؤ کہ تمہارا طریقہ کار کیا ہوگا اور مخصوص زہر تیار کرنے میں تمہیں کتنے دن لگ جائیں گے؟"

شعبان نے کہا۔ "میں ایک دن میں زہر تیار کرلوں گا۔"

"ٹھیک ہے......" شہزادی بولی۔ "زہر تمہیں مجھے لا کر دینا ہوگا۔ میں اپنی ایک رازدار کنیز کی مدد سے یہ زہر جس طرح تم کہو گے ولی عہد چلکاش کو کھلا دوں گی۔ تم نے بتایا تھا کہ زہر کھلانے کے دو دن بعد ولی عہد کا معائنہ کرنا ضروری ہوگا۔ یہ کام تمہیں از خود کرنا پڑے گا، میں بیچ میں نہیں آنا چاہتی۔ میں تمہیں ولی عہد چلکاش کی ماں اشکالی کے شاہی محل کا پتہ بتا دوں گی۔ تم کسی بہانے اُس کے محل میں جاؤ گے اور ولی عہد کو دیکھ کر مجھے بتاؤ گے کہ تمہارا زہر اثر کر رہا ہے یا نہیں...... یہ کام تمہیں بڑی رازداری سے کرنا ہوگا۔ کیا تم ایسا کرسکو گے؟"

شعبان نے کہا۔ "میں طبیب ہوں۔ کسی بھی بہانے میں ملکہ اشکالی کے محل میں داخل ہونے کے بعد ولی عہد چلکاش کا معائنہ کرسکوں گا۔ میرے لئے اُسے ایک نظر دیکھنا ہی

ی ہوگا۔ مجھے ولی عہد چلکاش کا حلیہ اور عمر بتا دیں۔"

شہزادی بولی۔ "اشکالی کے بیٹے اور ولی عہد چلکاش کی عمر اس وقت چار اور پانچ برس ے درمیان ہے۔ اس کا رنگ گورا اور آنکھوں کا رنگ نسواری ہے......"

"ٹھیک ہے۔" شعبان نے کہا۔ "میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔"

اس کے بعد شہزادی نے شعبان کو خانہ بدوش ملکہ اشکالی کے شاہی محل کا پورا محل وقوع ا اور بولی۔ "مگر ایک بات کا خیال رکھنا۔ ولی عہد چلکاش کی ماں اشکالی کو ایک لمحے کے ے بھی شک نہیں گزرنا چاہئے کہ تم کیا مقصد لے کر اس کے محل میں آئے ہو۔ شاہِ بابل ت نصر کے اس فرمان کے بعد کہ ملکہ اشکالی کا بیٹا شہزادہ چلکاش اس کے بعد سلطنت ل کا وارث ہوگا، شہزادے چلکاش کی سخت حفاظت کی جاتی ہے۔ اسے محل کی چار دیواری ے باہر ایک پل کے لئے بھی نہیں نکالا جاتا۔"

شعبان بولا۔ "اس کی آپ فکر نہ کریں۔ میں طبیب ہوں، میرے پاس ملکہ اشکالی کے ل میں داخل ہونے اور شہزادے چلکاش پر ایک نظر ڈالنے کے کئی طریقے ہیں۔"

شہزادی کہنے لگی۔ "مگر تمہیں بے حد احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ بے احتیاطی کی صورت ما نہ صرف تمہاری بلکہ میری جان بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

شعبان نے کہا۔ "میں اس کا خیال رکھوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

شہزادی بولی۔ "میں چاہتی ہوں کہ تم کل اسی وقت مجھے زہر لا کر دے دو۔ کیا تم دن ما یہ زہر تیار کرسکو گے؟"

شعبان نے کہا۔ "ضرور تیار کرلوں گا۔ ساری جڑی بوٹیاں میرے پاس پہلے سے جود ہیں، صرف انہیں کوٹ کر ان کا سفوف ہی بنانا ہے۔ میں کل اسی وقت یہ زہریلا ف لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔"

شعبان واپس چلا گیا۔

دوسرے دن اُس نے دو جڑی بوٹیاں چھانٹ کر نکالیں اور انہیں کوٹ کر ان کا سفوف ار کر لیا۔ اگلی رات کو وعدے کے مطابق شعبان یہ سفوف چاندی کی ایک چھوٹی ڈبیا میں ل کر شہزادی فلورا کے خیمے میں پہنچ گیا، اُ ۔ ڈبیا دے کر کہا۔

"شہزادی! اس ڈبیا میں وہ زہریلا سفوف ہے جس کے کھانے سے ولی عہد خاموشی

سے ہمیشہ کی نیند سو جائے گا۔ اس سفوف کی صرف ایک چٹکی کافی ہو گی جسے تمہاری کنیز خاص ولی عہد کو پانی یا دودھ میں ملا کر پلا دے گی۔ سفوف کھلانے کے دو دن بعد میں خود کسی بہانے ولی عہد کے محل میں جا کر اسے دیکھ آؤں گا اور آپ کو خود آ کر بتاؤں گا کہ زہر اثر کر رہا ہے یا نہیں جس کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ زہر ہر حالت میں اپنا اثر دکھائے گا۔ باقی کا زہر آپ اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیجئے گا۔ ہو سکتا ہے بعد میں بھی آپ کو اس کی ضرورت پڑ جائے۔"

شہزادی مسکرا دی۔ کہنے لگی۔ "تم شاہی محلات کے اسرار و رموز سے بخوبی واقف لگتے ہو۔" یہ کہہ کر شہزادی نے چاندی کی ڈبیا کو کھول کر دیکھا، اس میں سفید رنگ کا ایک سفوف بھرا ہوا تھا۔ شہزادی اُسے سونگھنے کے لئے ڈبیا اپنی ناک کے پاس لے جانے لگی تو شعبان نے اس کا ہاتھ تھام کر وہیں روک دیا اور بولا۔

"یہ کیا کرنے لگی ہیں۔ اگر آپ نے اسے سونگھا تو یہ زہر آپ کے جسم میں بھی داخل ہو جائے گا۔"

شہزادی کا رنگ اُڑ گیا۔ اُس نے جلدی سے اپنا ہاتھ نیچے کر لیا اور ڈبیا بند کر دی۔
شعبان نے کہا۔ "ڈبیا کو زیادہ دیر کھلا بھی نہ رکھیے گا۔ ضرورت کے وقت اس میں سے صرف چٹکی بھر سفوف نکال کر اسے کاغذ میں لپیٹ کر اپنی کنیز خاص کو دے دیجئے گا۔ اس کے بعد آپ کا کام ہو جائے گا۔"

شہزادی نے پوچھا۔ "اب یہ بتاؤ کہ زہر کھلانے کے بعد کتنے دنوں میں ولی عہد چلکاش کا کام تمام ہو جائے گا؟"

شعبان بولا۔ "زہر نے چونکہ آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھانا ہے اس وجہ سے کم از کم چار دن ضرور لگ جائیں گے۔ پانچویں دن ولی عہد چلکاش کی موت واقع ہو جائے گی۔"

شہزادی نے زہر کی ڈبیا اپنے خاص صندوق میں چھپا کر رکھ لی اور اپنے گلے سے ہیرے جواہرات والا قیمتی ہار اتار کر شعبان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میری طرف سے یہ پیشگی تحفہ قبول کرو۔"

شعبان ایک لمحے کے لئے ہچکچایا، پھر کچھ سوچ کر اُس نے ہار لے لیا اور بولا۔ "میں شہزادی صاحبہ کی اس فیاضی پر شکر گزار ہوں۔"

شہزادی فلورا کہنے لگی۔ "یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اصلی انعام تمہیں بے پناہ زر و جواہر کی ل میں ولی عہد کی موت کے بعد ملے گا۔"
شعبان نے سر کو ذرا سا جھکا کر شہزادی کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ "اب مجھے اجازت یجئے۔ جس روز آپ کی کنیز ولی عہد کو زہر کی خوراک کھلانے میں کامیاب ہو جائے مجھے اری بھیج کر بلوا لیجئے گا تاکہ آپ کی زبانی ولی عہد کو زہر دینے کی تصدیق ہو جائے اور میں ں کے دو دن بعد ولی عہد کا معائنہ کر سکوں۔"
تمام ضروری باتیں شہزادی کے گوش گزار کر کے شعبان اپنی حویلی میں واپس آ گیا۔ زادی کا دیا ہوا قیمتی ہار اُس نے لکڑی کے ایک صندوق میں سنبھال کر رکھ لیا۔
شہزادی فلورا نے سارے معاملات پہلے ہی سے ٹھیک کر رکھے تھے۔ اُسے صرف کسی یے طبیب کا انتظار تھا جو اُسے بتدریج اثر کرنے والا قاتل زہر لا کر دے اور وہ اس پر روسہ بھی کر سکے۔ اس کا یہ کام شعبان نے کر دیا تھا۔ چنانچہ زہر کی ڈبیا ملتے ہی شہزادی ے اپنی ایک خاص رازدار کنیز کو بلا کر ڈبیا میں سے چٹکی بھر زہریلا سفوف کاغذ میں لپیٹ کر یا اور اُسے خونی مہم پر ملکہ اشکالی کے محل کی طرف روانہ کر دیا۔ یہ رازدار کنیز پروگرام کے ابق پہلے سے شہزادے چلکاش کو دودھ پلانے کی خدمت پر مامور کر دی گئی تھی۔ چنانچہ ں نے اسی روز موقع پا کر شہزادے چلکاش کے دودھ میں زہریلا سفوف ملا کر پلا دیا۔ گلے روز شام ڈھلتے ہی شہزادی فلورا کا غلام بگھی لے کر شعبان کو بلانے آ گیا۔ شعبان سمجھ یا کہ شہزادی فلورا نے اپنا کام کر دیا ہے۔
شہزادی اپنی خواب گاہ میں شعبان کی منتظر تھی۔ کہنے لگی۔ "میری کنیز نے ولی عہد کاش کو تمہارے زہریلے سفوف کی خوراک پلا دی ہے۔ کیا اتنی خوراک ولی عہد کو ختم کر ینے کے لئے کافی ہو گی یا اسے مزید ایک خوراک دینی پڑے گی؟"
شعبان نے جواب دیا۔ "شہزادی صاحبہ! میں پہلے بھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ ایک کمسن زادے کو ہلاک کرنے کے واسطے اس خاص زہر کی ایک ہی خوراک کافی ہے۔ اب میں ک دن چھوڑ کر پرسوں ملکہ اشکالی کے محل میں کسی طریقے سے جا کر ولی عہد کو دیکھ آؤں اس کی شکل دیکھ کر ہی مجھے پتہ چل جائے گا کہ زہر اثر کر رہا ہے یا نہیں۔"
شہزادی بولی۔ "یہ پتہ کرنے کے فوراً بعد تم میرے پاس آ جانا ہے اور مجھے یہ خوشخبری

سناتا کہ زہر نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا ہے۔"

"بے فکر رہیں۔" شعبان نے شہزادی کو تسلی دی۔ "میرا یہ خاص زہر مجھے دھوکا نہیں دے گا۔ ولی عہد ایک ہفتے کے اندر اندر موت کی نیند سو جائے گا۔"

شہزادی نے پوچھا۔ "مگر تم اشکالی کے محل میں کیسے جاؤ گے؟ وہاں تو کسی اجنبی کو پر مارنے کی جرأت نہیں۔"

شعبان بولا۔ "آپ اس بارے میں اطمینان رکھیں۔ میں نے محل میں داخل ہونے کا سارا انتظام کر لیا ہوا ہے۔"

ایک دن چھوڑ کر شعبان ولی عہد چلکاش کی والدہ ملکہ اشکالی کے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اپنے خاص سیاہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس نے شہزادی فلورا کا دیا ہوا قیمتی ہیرے جواہرات کا ہار اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔

ملکہ اشکالی کے محل کے باہر بڑے سخت حفاظتی انتظامات کیے گئے تھے۔ جگہ جگہ نیزہ بردار چاق و چوبند سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ محل کے صدر دروازے پر بھی سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ شعبان گھوڑے سے اتر کر ان سپاہیوں کے پاس گیا۔ اسے وہیں روک دیا گیا۔ ان کے سالار نے شعبان سے پوچھا۔

"کون ہو تم؟ اور منہ اُٹھائے کدھر چلے آتے ہو؟"

شعبان نے کہا۔ "میرا نام شعبان ہے۔ میں شاہ بابل کا شاہی طبیب خاص ہوں۔ میں ملکہ اشکالی کے نام بادشاہ کا ایک خاص پیغام لے کر آیا ہوں۔"

افسر سپاہی نے شعبان کو سر سے پاؤں تک گھور کر دیکھا اور کہا۔

"کیا نام بتایا ہے تم نے؟"

"شعبان۔"

"تم یہیں ٹھہرو، میں ملکہ صاحبہ کو اطلاع کرتا ہوں۔ اگر انہوں نے اجازت دی تو تمہیں محل میں پہنچا دیا جائے گا۔"

یہ کہہ کر وہ افسر سپاہی خود محل کے گولڈن دروازے میں سے اندر چلا گیا۔ شعبان باہر محل کے صدر دروازے پر انتظار کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ملکہ نے اُسے اندر نہ بلایا تو پھر اسے کوئی دوسری ترکیب سوچنی پڑے گی۔ اتنے میں افسر سپاہی واپس آتا دکھائی دیا۔

ان نے بے تاب ہو کر اُس سے پوچھا۔

"کیا ملکہ صاحبہ نے باریابی کی اجازت دے دی ہے؟"

افسر سپاہی بولا۔ "ہاں...... میرے ساتھ آؤ۔"

افسر سپاہی شعبان کو لے کر ولی عہد شہزادے چلکاش کی ماں ملکہ اشکالی کی خدمت میں ر ہو گیا۔ ملکہ اشکالی نے ایک بھرپور نگاہ شعبان پر ڈالی اور افسر سپاہی سے کہا۔

"تم جا سکتے ہو۔"

افسر سپاہی کورنش بجا لا کر چلا گیا۔ ملکہ اشکالی بڑی گہری نظروں سے شعبان کو دیکھ رہی ۔ شعبان ابھی تک احتراماً کھڑا تھا۔ اشکالی نے دیوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ۔

"بیٹھ جاؤ۔"

شعبان بیٹھ گیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"میرا نام شعبان ہے۔" شعبان نے بڑی متانت سے جواب دیا۔

اشکالی بولی۔ "میں نے تمہیں پہلے شاہی محل میں کبھی نہیں دیکھا۔ کیا پیغام لائے ہو شاہ ل کا؟"

شعبان نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "میں شاہ بابل کا کوئی پیغام لے کر نہیں آیا۔"

یہ سن کر ولی عہد چلکاش کی ماں ملکہ اشکالی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تو پھر تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟ کون ہو تم؟ جلدی بتاؤ۔ ورنہ میں سپاہیوں کو بلا کر یں گرفتار کراتی ہوں۔"

شعبان کا چہرہ اور سنجیدہ ہو گیا۔ اُس نے کہا۔ "ملکہ صاحبہ! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں پ پر نازل ہونے والی ایک بہت بڑی مصیبت سے آپ کو آگاہ کرنے آیا ہوں۔"

ملکہ اشکالی شعبان کا منہ تکنے لگی۔ "یہ کیسی باتیں کر رہے ہو تم؟ کون ہو تم؟"

شعبان نے کہا۔ "ملکہ صاحبہ! میں آپ کے شہر بابل کا مشہور طبیب شعبان ہوں۔ دریا کنارے میری حویلی ہے جو مجھے بادشاہ بخت نصر نے اپنی چہیتی شہزادی فلورا کی زندگی انے کی خوشی میں عطا کی تھی۔"

ملکہ اشکالی کہنے لگی۔ ''اب سمجھ گئی، تم وہی طبیب ہو جس نے شہزادی فلورا کے سانپ
کے کاٹے کا علاج کیا تھا۔''

''جی ہاں ملکہ صاحبہ!'' شعبان بولا۔ ''اور اب میں آپ کے بیٹے ولی عہد شہزادے
چلکاش کو اُس زہریلے سانپ سے بچانے آیا ہوں جو آپ کے بیٹے کی طرف بڑھ رہا ہے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' ملکہ اشکالی نے پریشان ہو کر کہا۔

شعبان نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں ذرا
بھر بھی جھوٹ کی آمیزش نہیں ہے ملکہ صاحبہ! آپ کے اکلوتے بیٹے کے خلاف ایک بہت
بڑی خونی سازش تیار ہو چکی ہے۔''

ملکہ اشکالی کا رنگ اُڑ گیا۔ کہنے لگی۔ ''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میرے ولی عہد بیٹے
خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے؟''

شعبان نے کہا۔ ''مجھے اس لئے پتہ ہے کہ اس سازش میں، میں خود بھی شریک ہوں
اگر اس میں شریک نہ ہوتا تو مجھے اس سازش کا کبھی علم نہ ہوتا اور آپ کا بیٹا اور تخت بابل
وارث شہزادہ چلکاش اب تک موت کی نیند سو گیا ہوتا۔''

ملکہ اشکالی کا دل دہل گیا۔ گھبرا کر بولی۔ ''دیوتا میرے بیٹے پر رحم کریں۔ وہ کون
شخص ہے جو میرے اکلوتے بیٹے کی جان کا دشمن ہو گیا ہے۔ وہ کیوں ایک ماں کی
اجاڑنا چاہتا ہے؟'' ملکہ اشکالی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

شعبان نے کہا۔ ''اگر آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ کسی کے آگے میرا نام نہیں لیں گی
میں آپ کو آپ کے دشمن کا نام بتائے دیتا ہوں۔''

ملکہ اشکالی بولی۔ ''مجھے اس کا نام بتاؤ۔ میں وعدہ کرتی ہوں، دیوتا ملوخ کی قسم کھا
کہتی ہوں کہ تمہارا نام کسی کو نہیں بتاؤں گی۔''

شعبان نے کہا۔ ''تو سنیئے! آپ کے بیٹے کی جان کی دشمن شہزادی فلورا ہے۔ وہ آ
کے بیٹے چلکاش کی اس لئے جان لینا چاہتی ہے کہ شاہ بابل بخت نصر نے اسے
فرمان کے ذریعے بابل کی سلطنت کا وارث بنا دیا ہے۔ جبکہ شہزادی فلورا یہ سمجھتی ہے
بادشاہ کی وفات کے بعد تخت پر صرف اس کا حق ہے کیونکہ اس کی رگوں میں شاہی
گردش کر رہا ہے جبکہ آپ ایک خانہ بدوش قبیلے کے سردار کی بیٹی ہیں۔ پس شہزادی

آپ کے بیٹے کو قتل کروا کر اس کی جگہ خود تخت بابل پر بیٹھنا چاہتی ہے۔''

ملکہ اشکالی کا تعلق حقیقتاً شاہی خاندان سے نہیں تھا۔ وہ ایک خانہ بدوش قبیلے کے سردار
کی بیٹی تھی جس کے حسن کا گرویدہ ہو کر شاہ بابل نے اس سے شادی کر لی تھی اور دیوتا
ملوخ کے بت کے سامنے کئے گئے وعدے کے مطابق اُس نے ملکہ اشکالی کی پہلی اولادِ
زرینہ کے اپنے ولی عہد ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ ملکہ اشکالی اب ملکہ ہی نہیں تھی، اپنے
اکلوتے بیٹے کی ماں بھی تھی۔ پھر بھی اُس نے اپنے دل کا شک دُور کرنے کے خیال سے
شعبان سے پوچھا۔

''اگر تم بھی اس خونی سازش میں شامل ہو تو پھر مجھے اس سازش سے آگاہ کرنے کیوں
آ گئے؟''

شعبان بولا۔

''اس لئے کہ شہزادی فلورا نے آپ کے بیٹے کو ہلاک کرنے کے واسطے مجھ سے زہر لیا
تھا اور مجھے انعام و اکرام کا لالچ دے کر کہا تھا کہ میں شہزادی کو کوئی ایسا زہر لا کر دوں جو وہ
اپنی خاص کنیز کے ذریعے آپ کے بیٹے کو دودھ میں ملا کر پلا دے اور اس کے اثر سے ولی
عہد چلکاش کی موت واقع ہو جائے۔ کیا آپ کے بیٹے کو دودھ پلانے پر کوئی ایسی کنیز
مامور ہے جسے شہزادی فلورا نے آپ کے پاس بھجوایا ہو؟''

''ہاں۔'' ملکہ اشکالی بولی۔ ''ایک کنیز ہے۔ سامی اس کا نام ہے۔ وہ روزانہ صبح شام
میرے بیٹے کو آ کر نہلاتی دُھلاتی ہے اور دُودھ پلاتی ہے۔''

شعبان نے پوچھا۔ ''وہ کل بھی آئی تھی؟''

''ہاں آئی تھی۔'' ملکہ اشکالی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کل اُس نے شہزادے چلکاش کو دودھ پلایا تھا؟'' شعبان نے پوچھا۔

اشکالی نے جواب دیا۔ ''ہاں۔ کل بھی اس نے دودھ پلایا تھا۔''

شعبان بولا۔ ''اس دودھ میں زہر ملا ہوا تھا۔''

ملکہ اشکالی کی بری حالت ہو گئی۔ اُس کا دل بیٹھ گیا۔ وہ بے ہوش ہونے والی تھی کہ
شعبان نے فوراً کہا۔ ''لیکن وہ زہر نہیں تھا۔ شہزادی فلورا نے مجھ سے زہر سمجھ کر ہی وہ
سفوف لیا تھا لیکن میں نے زہر کی جگہ ایک بے ضرر جڑی بوٹی کا سفوف بنا کر دے دیا تھا۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کا بیٹا ابھی تک زندہ ہے اور میں یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے یہ انسانی ہمدردی کے طور پر کیا ہے۔ ویسے بھی میں کسی کے خونِ ناحق سے اپنے ہاتھ آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔"

ملکہ اشکالی جلدی سے اُٹھی اور تقریباً دوڑتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد واپس آئی تو اُس نے اپنے اکلوتے بیٹے اور تخت بابل کے وارث ولی عہد چلکاش کو گود میں اٹھا رکھا تھا۔ یہ اڑھائی تین سال کا سنہری بالوں والا معصوم بچہ ماں کے ساتھ لگ کر سو رہا تھا۔ ملکہ اشکالی نے بچے کو دیوان پر لٹا دیا اور اس کے سر پر اپنا ایک ہاتھ اس طرح رکھ دیا جیسے اپنے لختِ جگر کو دنیا کی ہر آفت سے بچا لینا چاہتی ہو۔ اشکالی اس لمحے ماما کی سچی تصویر معلوم ہو رہی تھی۔ اُس نے عاجزانہ نظروں سے شعبان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اپنی جان دے دوں گی مگر اپنے جگر کے ٹکڑے پر آنچ نہ آنے دوں گی۔"

شعبان نے کہا۔ "میری بہن، تمہارا یہ جذبہ ایک قدرتی امر ہے۔ لیکن میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر تم اپنے بچے کو لے کر اس محل میں بلکہ سلطنت بابل کی سرزمین میں کسی جگہ بھی رہیں تو شہزادی فلورا اسے قتل کروا دے گی۔ یہ بات شہزادی فلورا نے صاف صاف مجھے کہہ دی تھی کہ اگر میں نے تمہارے بیٹے کو زہر دینے سے انکار کر دیا تو وہ اسے کسی دوسرے طریقے سے قتل کروا دے گی۔ وہ اس قتل کا فیصلہ کر چکی ہے اور یہ تم بھی جانتی ہو کہ وہ بڑی آسانی سے ایسا کر سکتی ہے۔"

ملکہ اشکالی نے بچے کو دیوان پر سے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور بولی۔ "میں ایسے شاہی محل پر ہزار بار لعنت بھیجتی ہوں جو مجھ سے میرے بیٹے کی قربانی کا طلب گار ہے۔"

شعبان نے پوچھا۔ "مگر تم کہاں جاؤ گی؟ سرزمین بابل میں تو تم کسی بھی جگہ محفوظ نہیں ہو گی۔ اگر تم واپس اپنے قبیلے کے لوگوں میں جاؤ گی تو شہزادی فلورا کے قاتل غلام تمہارے بیٹے کی جان لینے وہاں بھی پہنچ جائیں گے۔"

اشکالی کے چہرے پر پریشانی کے اثرات زیادہ نمایاں ہو گئے تھے۔ کہنے لگی۔ "میں فلک جوڑیا چلی جاؤں گی جو شام اور اُردن کے درمیان ہے۔ وہاں پر بابل کے بادشاہ کی حکومت نہیں ہے۔ وہاں صحرا میں ہمارے خانہ بدوشوں کا ایک قبیلہ مدت سے آباد ہے۔ ان

کے ساتھ رہ کر میں محفوظ ہوں گی اور کسی کو میرے وہاں جانے کی خبر بھی نہیں مل سکے گی۔"

شعبان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ قیمتی ہار نکالا جو شہزادی فلورا نے اُسے دیا تھا۔ کہنے لگا۔ "یہ ہار شہزادی فلورا نے مجھے بطور تحفہ دیا تھا۔ یہ اپنے پاس رکھ لو۔ تمہارے کام آئے گا۔ ایک بھائی کی طرف سے اسے تحفہ سمجھ کر قبول کر لو۔"

اشکالی ہار لیتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ مگر شعبان نے اسے ہار قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ پھر اُس نے کہا۔

"تمہارے لئے لازم ہے کہ اپنے بچے کو لے کر جتنی جلدی اس محل سے نکل سکو نکل جاؤ۔ پیچھے سب معاملات میں سنبھال لوں گا۔ اور ہاں، ہمارے درمیان جو باتیں ہوئی ہیں اس کی کسی تیسرے کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہئے۔ اسی میں ہم دونوں کی بھلائی ہے۔"

ملکہ اشکالی اپنے بچے کو سینے سے لگائے اُداس چہرہ لئے بیٹھی تھی۔ کہنے لگی۔ "کسی سے ذکر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

اس کے بعد شعبان وہاں سے چلا آیا۔ رات کو حسب وعدہ وہ شہزادی فلورا سے ملنے گیا۔ شہزادی اپنے شاہی خیمے کی خواب گاہ میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ شعبان کو دیکھتے ہی اُس نے پوچھا۔ "کیا خبر لائے ہو؟"

شعبان نے بڑے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔ "ہر کام طے شدہ منصوبے کے مطابق ہو رہا ہے۔ میں ایک سوچی سمجھی تدبیر کے مطابق ملکہ اشکالی کے محل میں پہنچ گیا تھا۔ میں نے تمہارے دشمن ولی عہد شہزادے چلکاش کو بڑے قریب سے دیکھا ہے۔ وہ بظاہر بالکل صحت مند لگ رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی سوجن آ چکی ہے جس کا اندازہ ایک طبیب ہی لگا سکتا ہے اور یہ میرے زہر کا اثر ہے۔"

"وہ کتنی دیر بعد مر جائے گا؟ کیا اسے تھوڑا سا زہر اور کھلا دوں؟ میں اسے جلدی سے جلدی مرا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں۔"

شعبان نے سوچا کیا ایک عورت دنیاوی جاہ و حشمت اور عیش و آرام کی خاطر اتنی ظالم بھی ہو سکتی ہے کہ وہ ایک ماں کے شیر خوار بچے کو زہر دے کر ہلاک کر ڈالے؟ اُس نے شہزادی فلورا سے کہا۔

"اُسے مزید زہر دینے کی ضرورت نہیں ہے شہزادی صاحبہ! جتنی مقدار میں، میں نے

زہر دیا ہے اسے ہلاک کرنے کے لئے اتنی مقدار بہت ہے۔ کل کا دن گزر جانے دیجئے۔ پرسوں آپ خوشخبری سنیں گی کہ ملکہ اشکالی کا بیٹا شہزادہ چلکاش اچانک انتقال کر گیا ہے۔ بڑے سے بڑا طبیب بھی یہ پتہ نہ چلا سکے گا کہ اس کی موت زہر کھانے سے ہوئی ہے۔''

شہزادی فلورا نے پہلی بار انتہائی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شعبان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوم لیا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ کہنے لگی۔

''میں تمہارے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کروں گی۔ پرسوں ولی عہد کی موت کی خبر سنتے ہی میرا ایک خاص غلام زر و جواہرات کا صندوق لے کر تمہاری حویلی میں پہنچ جائے گا۔ تم اپنی حویلی میں ہی رہنا۔''

شعبان نے کہا۔ ''میں اپنی حویلی میں ہی رہوں گا۔''

دوسری جانب ملکہ اشکالی نے خفیہ طور پر بیٹے کو ساتھ لے کر شاہی محل سے فرار ہونے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے بیٹے شہزادے چلکاش کو ہر وقت اپنے سینے سے لگائے رکھنے لگی۔ شعبان نے اُس کے آگے جس بھیانک حقیقت کا انکشاف کیا تھا اس پر اشکالی کو یقین آ گیا تھا لیکن وہ اپنی تسلی کے لئے اس بات کی تصدیق چاہتی تھی کہ بقول شعبان کے اس کے بیٹے کو جو سفوف دودھ میں ڈال کر پلایا گیا ہے اس میں زہر نہیں تھا۔ ملکہ اشکالی نے بچے کی علالت کا بہانہ بنا کر شاہی طبیب کو اپنے محل میں بلایا اور اپنے بیٹے کو دکھا کر بولی۔

''صبح سے یہ چپ چپ سا ہے۔ روتا بھی نہیں ہے۔ اس کا جسم بھی تپ رہا ہے۔ ذرا دیکھیں اسے کوئی مرض تو نہیں ہو گیا؟''

شاہی طبیب نے اپنے طور پر شہزادے چلکاش کا معائنہ کیا، اس کی دونوں آنکھوں کے پپوٹے اٹھا کر آنکھوں کے ڈیلوں کو غور سے دیکھا، نبض دیکھی۔ پھر کہنے لگا۔

''ملکہ عالیہ! شہزادہ بالکل تندرست ہے۔ اسے کچھ نہیں ہوا۔ اس کے بدن کی حرارت بھی معمول کے مطابق ہے۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

تب ملکہ اشکالی نے حرفِ مطلب زبان پر لاتے ہوئے کہا۔

''مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے بچے کے خون میں کوئی زہریلا مادہ نہ پیدا ہو گیا ہو۔''

شاہی طبیب بولا۔ ''یہ خیال آپ کو کیسے آ گیا؟''

کالی نے کہا۔

''یں ماں ہوں۔ بیٹے کے چپ رہنے سے گھبرا گئی۔ طرح طرح کے خیال دل میں لگے۔ کیا آپ میرے بیٹے کے خون کا باقاعدہ معائنہ کر کے مجھے بتا سکتے ہیں؟ اس ح سے میری تسلی ہو جائے گی۔''

بوڑھا شاہی طبیب بولا۔

''ملکہ عالیہ! اس کے لئے مجھے شہزادے کے جسم سے خون کے چند ایک قطرے نکال کر ساتھ مطب میں لے جانے ہوں گے۔ کیا آپ اس پر راضی ہیں؟ ویسے بچے کو ی سوئی کی چبھن ہی محسوس ہو گی۔ اس سے زیادہ اسے تکلیف نہیں ہو گی۔''

ملکہ اشکالی نے کہا۔ ''میں اپنے بچے کے خون کا ایک بار معائنہ ضرور کروانا چاہتی ں۔ آپ اس کے خون کا نمونہ لے جا سکتے ہیں۔''

شاہی طبیب بولا۔ ''اس کام کے واسطے مجھے اپنے مطب سے شیشے کا پیالہ اور خاص نشتر کر لانا ہو گا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ابھی یہ چیزیں جا کر لے آتا ہوں۔''

ملکہ اشکالی کی اجازت پا کر شاہی طبیب اسی وقت اپنے مطب کی طرف چل دیا جو شاہی محل میں ہی واقع تھا۔ کچھ دیر بعد وہ یہ ضروری چیزیں لئے اپنی پالکی میں سوار ہو کر واپس آ گیا۔ شہزادہ چلکاش گہری نیند سو رہا تھا۔ شاہی طبیب نے نشتر نکال کر شہزادے کی یک انگلی اپنے ہاتھ میں پکڑ لی۔ ملکہ اشکالی نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ شاہی طبیب نے تر کی تیز نوک شہزادے کی انگلی کی پور میں ذرا سی چبھوئی۔ معصوم شہزادہ نیند سے بیدار ہو کر رونے لگا۔ شاہی طبیب نے اس کی انگلی کو دبا کر اس میں سے خون کے تین چار قطرے یشے کے شفاف پیالے میں گرائے۔ پیالے پر ڈھکن چڑھا کر اسے اپنی صندوقچی میں بند کیا اور بولا۔

''میں شہزادے کے خون کا پوری طرح سے معائنہ کر کے کل آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔''

شاہی طبیب چلا گیا۔ شاہی طبیب کو ملکہ اشکالی کے محل میں آتے اور شہزادے کی اُنگلی ے خون کا نمونہ لے جاتے شہزادی فلورا کی خاص جاسوس کنیز نے چھپ کر دیکھ لیا تھا۔ اس نے ایک دن پہلے شعبان کو بھی محل میں آتے اور ملکہ اشکالی کے ساتھ دیر تک باتیں

کرتے دیکھ لیا تھا۔ اس کنیز خاص کو شعبان کے آنے پر کوئی حیرانی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ شہزادے کو دیئے گئے زہر کے اثرات کا جائزہ لینے شعبان ایک دن بعد محل میں آئے گا۔ لیکن جس بات پر اُسے تشویش ہوئی وہ یہ تھی کہ شاہی طبیب ولی عہد شہزادے کے خون کا نمونہ اپنے ساتھ کیوں لے گیا ہے۔

کنیز خاص اسی لمحے کسی بہانے ملکہ اشکالی کے محل سے نکل کر شہزادی فلورا کے پاس پہنچ گئی۔ اُسے ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ شہزادی فلورا اس دوران اپنے نخلستانی خیمے سے اٹھ کر شاہی محل میں واپس آ چکی تھی۔ اُس نے کنیز کی زبانی جب سنا کہ شاہی طبیب ملکہ اشکالی کے محل میں ولی عہد کے علاج معالجے کو گیا تھا اور آتی دفعہ ولی عہد کے خون کا نمونہ اپنے ساتھ لے گیا ہے تو وہ اُلجھن میں پڑ گئی کہ قصہ کیا ہے۔ اُس نے سر درد کے بہانے شاہی طبیب کو اپنے محل میں بلوایا۔ جب شاہی طبیب اُس کی نبض دیکھ کر سر درد کے لئے ایک دوا تجویز کر چکا تو شہزادی فلورا نے اُس سے باتوں باتوں میں پوچھا۔

"آپ ملکہ اشکالی کے ہاں گئے تھے۔ نصیب دشمناں آپ کی طبیعت ناساز ہے کیا؟"

شاہی طبیب نے کہا۔ "ملکہ صاحبہ تو تندرست ہیں۔ ان کے بیٹے شہزادہ چلکاش کی طبیعت ناساز تھی۔ اُسے دیکھنے چلا گیا تھا۔"

"کیا ہوا ہے اُسے؟" شہزادی فلورا نے پوچھا۔

شاہی طبیب نے جواب دیا۔ "ملکہ اشکالی کو وہم ہو گیا تھا کہ شہزادے کو بخار ہے اور چہرہ سوج گیا ہے۔ لیکن اسے کوئی عارضہ نہیں تھا لیکن ملکہ کے اصرار پر میں شہزادے کے خون کے چند قطرے لے آیا ہوں۔"

"وہ کیوں بھلا؟" شہزادی نے دوسرا سوال کیا۔

شاہی طبیب کہنے لگا۔ "ملکہ اشکالی اپنا یہ وہم دور کرنا چاہتی ہیں کہ کہیں ان کے بیٹے کے خون میں کوئی زہریلا مادہ تو نہیں ہے۔"

شہزادی فلورا ایک دم چونک گئی۔ لیکن اُس نے شاہی طبیب پر کچھ ظاہر نہ ہونے دیا۔ کہنے لگی۔ "دیوتا ملوخ ولی عہد کی حفاظت فرمائیں۔ پھر آپ نے معلوم کیا؟"

"جی ہاں۔" طبیب بولا۔ "میں نے ولی عہد کے خون کا بڑے غور سے معائنہ کیا ہے۔ اس کے خون میں کسی قسم کا کوئی زہریلا مادہ نہیں ہے۔"

شہزادی فلورا کو فکر لگا تھا کہ کہیں اس کے دیئے ہوئے زہر کا کوئی سراغ نہ مل جائے۔ ین شاہی طبیب کے جواب سے وہ مطمئن ہو گئی۔ اسی روز شاہی طبیب ملکہ اشکالی کے محل ں بھی گیا اور اُسے تسلی دی کہ ولی عہد شہزادے کے خون میں کسی قسم کے زہریلے مادے کا راغ نہیں ملا اور شہزادے کی صحت بالکل صحیح ہے۔

شاہی طبیب کی اس تشخیص سے ملکہ اشکالی کو یقین ہو گیا کہ شعبان نے جھوٹ نہیں بولا ا اور اُس نے زہر کی جگہ شہزادے کو کھلانے کے لئے بے ضرر جڑی بوٹی کا سفوف بنا کر دیا ا۔ اُسے شعبان کے اس انکشاف پر بھی پختہ یقین تھا کہ شہزادی فلورا اُس کے بیٹے ولی ہد چلکاش کو قتل کروانا چاہتی ہے۔ لیکن یہ قتل وہ اس طریقے سے کروانا چاہتی ہے کہ کسی کو بہ تک نہ پڑے کہ اُسے قتل کروایا گیا ہے۔ وگرنہ بابل کے اس نامور طبیب شعبان کو کیا رورت پڑی تھی کہ وہ ملکہ اشکالی کے محل میں آ کر اُس سے ایسی بات کرتا۔ اس کی سچائی کا یک ثبوت ملکہ اشکالی کو یوں بھی مل چکا تھا کہ اس روز کنیز نے اصرار کر کے شہزادے کو اپنے ھ سے دودھ پلایا تھا اور اسے دودھ پلانے اپنے کمرے میں لے گئی تھی۔

ملکہ اشکالی کو جب پورا یقین ہو گیا کہ محل میں اس کے اکلوتے کمسن بیٹے کی جان کو خطرہ ہے اور اگر وہ کچھ دن اور وہاں رہی تو اس کے لختِ جگر کو قتل کر دیا جائے گا تو اُس نے محل ے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ محل سے اس طرح فرار ہونا چاہتی تھی کہ کسی کو کانوں کان ر نہ ہو۔ وہ اس راز میں محل کی کسی کنیز یا غلام کو شریک کرنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے تی تھی۔ یہ اس کے بیٹے کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ پورے بابل شہر میں صرف عبان ہی ایک ایسا آدمی تھا جس پر وہ بھروسہ کر سکتی تھی۔ اشکالی اب ملکہ نہیں تھی، وہ ایک ں تھی۔ مامتا کی ماری ماں کو اور تو کچھ نہ سوجھا چنانچہ جس دن شاہی طبیب نے اُسے بتایا لہ ولی عہد کے خون میں کسی قسم کے زہریلے مادے کا سراغ نہیں ملا، اسی رات کو اشکالی ے ایک تھیلے میں کچھ کپڑے رکھے، شہزادے چلکاش کو گود میں اٹھایا اور رات کے دھیرے میں اپنے محل سے نکل کر شعبان کی حویلی میں پہنچ گئی۔ شعبان آدھی رات کو ملکہ شکالی کو دیکھ کر حیران ہوا۔ ملکہ اشکالی نے کہا۔

"میں محل کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ میں اپنے قبیلے میں اپنے باپ کے س نہیں جاؤں گی۔ وہاں بادشاہ کے آدمی مجھے تلاش کر لیں گے۔ میں یہاں سے دور

ایک گمنام جگہ پر جانا چاہتی ہوں جہاں ہمیں کوئی تلاش نہ کر سکے۔ لیکن اتنا دُشوار سفر اکیلی طے نہیں کر سکتی۔ تم یا تو خود میرے ساتھ چلو یا کوئی ایسا بھروسے کا آدمی میرے ساتھ کر دو جو مجھے میری منزل تک پہنچا دے۔"

شعبان بولا۔ "میرا تمہارے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔ میں اپنے غلام باطو کو تمہارے ساتھ کر دیتا ہوں۔ وہ تمہیں تمہاری منزل تک پہنچا دے گا۔ یہ میرا انتہائی وفادار اور قابل اعتبار غلام ہے۔"

اسی وقت شعبان نے اپنے غلام باطو کو بیدار کیا، اُسے ساری بات سمجھائی اور ملکہ اشکالی اور اس کے کمسن بیٹے چلکاش کو اس کے ساتھ کر دیا......!

۞......۞

یہ کیسے ممکن تھا کہ ملکہ اشکالی محل سے غائب ہو جائے اور کسی کو خبر نہ ہو۔ اگلے ہی روز
ادی فلورا کی کنیز خاص دودھ پلانے کے وقت پر محل میں گئی تو معلوم ہوا کہ وہاں نہ ملکہ
الی ہے اور نہ اس کا بیٹا ہی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں سب کو علم ہو گیا کہ ملکہ اشکالی ولی عہد
ساتھ محل سے غائب ہو گئی ہیں...... بادشاہ بخت نصر تک یہ خبر پہنچی تو اس نے اسی لمحے
ج کے دستے ملکہ اور ولی عہد کی تلاش میں صحرا میں چاروں طرف دوڑا دیئے لیکن شعبان
وفادار غلام راتوں رات صحرا میں منزلیں طے کرتا ان کی پہنچ سے دُور نکل چکا تھا۔

ملکہ اور ولی عہد چلکاش کے فرار کی خبر بجلی بن کر شہزادی فلورا پر گری۔ ایک لحاظ سے
ے خوش ہونا چاہئے تھا کہ ولی عہد خود بخود اس کے راستے سے ہٹ گیا ہے۔ لیکن ولی
د کا فرار ہونا کافی نہیں تھا، اسے قتل کرنا ضروری تھا۔ زندہ رہنے کی صورت میں وہ کسی
ی وقت واپس آ کر تخت بابل کا دعویدار بن سکتا تھا۔ اسی دوران شعبان کی حویلی میں کام
رنے والی ایک کنیز نے جو پہلے شہزادی فلورا کی کنیز رہ چکی تھی، شہزادی فلورا کو آ کر خبر دی
ہ فرار کی رات ملکہ اشکالی اپنے بیٹے کے ساتھ شعبان کے پاس حویلی میں آئی تھی اور
عبان نے ان دونوں کو اپنے غلام باطو کے ہمراہ بھگا دیا ہے۔ یہ خبر سن کر شہزادی فلورا
ئے میں آ گئی۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ شعبان خود ملکہ اور ولی عہد کے فرار کی سازش
ملوث ہے اور اس نے شہزادی فلورا کے آگے ولی عہد کو زہر دینے کا ڈھونگ رچایا تھا۔
زادی فلورا کا چہرہ غصے اور انتقام کی آگ سے سرخ ہو گیا۔ وہ شعبان سے اُس کی اس
عہدی کا پورا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ اسی لمحے شہزادی فلورا نے شعبان کی کنیز کو ساتھ لیا اور
پنے باپ بادشاہ بخت نصر کے محل میں پہنچ گئی اور کنیز کی گواہی دے کر یہ بات کھول کر
ان کر دی کہ ملکہ اشکالی اور ولی عہد شہزادے کو طبیب شعبان نے اغوا کرنے کے بعد کسی
کر چھپا دیا ہے۔ شاہ بابل آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے اسی وقت حکم دیا کہ شعبان طبیب کو

فوراً حاضر کیا جائے۔ میں اپنے ہاتھوں سے اس کی گردن اُڑانا چاہتا ہوں۔ اس کی یہ جرأت کہ شاہ بابل کی ملکہ کو اغوا کرنے کی جسارت کرے؟

اسی لمحے گھوڑ سوار سپاہی گھوڑے دوڑاتے شعبان کی حویلی میں پہنچے اور اسے زنجیروں سے جکڑ کر شاہی محل میں شاہ بابل کے سامنے لے آئی۔ اس دوران بادشاہ کے وزیر نے اُسے سمجھایا کہ اگر اس نے شعبان کو قتل کر دیا تو یہ کبھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ اس نے ملکہ اور ولی عہد کو کس جگہ چھپایا ہوا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اسے قید میں ڈال کر پوچھ گچھ کی جائے اور پتہ چلایا جائے کہ ملکہ اور ولی عہد کس جگہ پر ہیں۔ جب وہ دونوں برآمد ہو جائیں تب بے شک شعبان طبیب کے جسم کے ٹکڑے اُڑا دیئے جائیں۔ بادشاہ بخت نصر کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ اُس نے تلوار نیام میں کر لی اور شعبان سے پوچھا۔

"اگر تم سچ سچ بتا دو کہ ملکہ اشکالی اور ولی عہد شہزادے کو اغوا کرنے کے بعد تم نے کہاں چھپا رکھا ہے تو میں تمہاری جان بخشی کر دوں گا۔ اگر تم نے نہ بتایا یا جھوٹ بولا تو میں اپنے ہاتھ سے تمہاری گردن اڑا دوں گا۔"

شعبان سمجھ گیا کہ کسی نے مخبری کر دی ہے اور راز کھل چکا ہے۔ اب حقیقت بتا دینی چاہیئے۔ چنانچہ اُس نے بادشاہ سے کہا۔

"بادشاہ سلامت! میں نے ملکہ عالیہ اور ولی عہد کو اغوا نہیں کیا۔ میں ایسی جرأت کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ملکہ صاحبہ اپنے بیٹے ولی عہد چلکاش کو لے کر خود میری حویلی میں رات کے وقت آئی تھیں۔ ان کے قبیلے کا ایک آدمی میری حویلی میں میرا غلام تھا۔ وہ اسے ساتھ لے کر شہر سے راتوں رات نکل جانا چاہتی تھیں۔ جب میں نے محل چھوڑنے کی وجہ پوچھی تو ملکہ عالیہ کہنے لگیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ شاہی محل میں میرے بیٹے ولی عہد شہزادے کے خلاف قتل کی سازش ہو رہی ہے۔ چنانچہ میں اپنے بیٹے کی جان بچا کر یہاں سے نکل جانا چاہتی ہوں۔"

اس وقت شہزادی فلورا بھی محل میں موجود تھی۔ یہ سوچ کر وہ سخت پریشان تھی کہ کہیں شعبان بادشاہ بخت نصر کو یہ نہ بتا دے کہ یہ سازش شہزادی فلورا نے بنائی تھی اور اس نے شعبان سے زہر بھی طلب کیا تھا۔

شاہ بابل نے شعبان سے پوچھا۔ "تم نے ہماری ملکہ سے یہ نہیں پوچھا کہ ولی عہد کی

جان لینے کی سازش کون کر رہا ہے؟"

شہزادی فلورا دم بخود سی ہو کر شعبان کو دیکھنے لگی کہ کہیں وہ اس کا نام نہ لے دے مگر شعبان نے اس کا نام نہیں لیا۔ کہنے لگا۔ "بادشاہ سلامت! ملکہ صاحبہ نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ کون ولی عہد کے خلاف سازش کر رہا ہے۔ انہوں نے اپنے قبیلے کے آدمی کو جو میرا غلام تھا، ساتھ لیا اور ولی عہد شہزادے کو گود میں لئے حویلی سے نکل گئیں۔ اس کے سوا مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔"

بادشاہ بخت نصر نے گرج کر پوچھا۔ "تم نے اسی وقت ہمیں خبر کیوں نہیں دی کہ ملکہ اشکالی محل سے فرار ہو گئی ہے؟"

اس کا شعبان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ بادشاہ بخت نصر کے حکم سے اسی لمحے شعبان کو قید میں ڈال دیا گیا۔ ایک ہفتے تک اس سے پوچھ گچھ ہوتی رہی۔ اس پر تشدد بھی کیا گیا لیکن شہزادی فلورا کا نام شعبان کی زبان پر نہ آیا۔ اُس نے خود اذیتیں برداشت کیں لیکن شہزادی کو کسی مصیبت میں مبتلا نہ کیا۔

مگر بخت نصر شعبان کی اس غلطی کو کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا کہ اُس نے ملکہ اشکالی کے فرار کی بروقت اطلاع نہیں دی۔ اُس نے شعبان کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ شعبان کے قتل کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ ایک دن داروغہ جیل نے اُسے یہ خوشخبری سنائی کہ اُس کی موت کی سزا عمر قید میں تبدیل کر دی گئی ہے۔ داروغہ جیل نے یہ بھی بتایا کہ شہزادی فلورا کی سفارش پر اس کی موت کی سزا عمر قید میں تبدیل ہوئی ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ شہزادی فلورا نے ایسا کیوں کیا ہے۔ شعبان نے اُسے قتل کی سازش میں ملوث ہونے سے بچا کر شہزادی پر جو احسان کیا تھا اس نے اس احسان کا بدلہ چکایا ہے۔

اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ جس مجرم کو عمر قید کی سزا سنائی جاتی تھی اسے ملک بابل سے دور بحر مردار کی ساحلی بے آب و گیاہ پہاڑیوں میں واقع ایک جیل میں پہنچا دیا جاتا تھا۔ وہاں قیدیوں سے ہر قسم کی مشقت لی جاتی تھی اور ان کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ یہ جیل ایک سنگین قلعے کے اندر تھی جس کی چار دیواری میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پہرے داروں کی چوکیاں بنی ہوئی تھیں جہاں مسلح سپاہیوں کا ہر وقت پہرا لگا رہتا تھا۔ قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑ کر مشقت کے واسطے قلعے سے باہر لے جایا

جاتا تھا۔ مسلح سپاہی ان کی نگرانی کرتے تھے۔ یہ سارا علاقہ سلطنت بابل میں شامل تھا۔ اس کے مغرب میں آج کا ملک اردن اور شمال مشرق میں آج کا ملک ایران تھا جس پر ایک آتش پرست بادشاہ کی حکومت تھی۔ ایران کا نام اس زمانے میں فارس تھا۔ بابل کے بعد فارس ایک بڑی وسیع اور طاقت ور سلطنت تھی۔ جنوب میں آج کا ملک اسرائیل یا فلسطین تھا جسے بخت نصر نے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ وہاں سے ہزاروں یہودیوں کو قیدی بنا کر بابل لے آیا تھا۔ ان میں سے کچھ یہودیوں کو جنہیں شاہ بابل خطرناک سمجھتا تھا اور کسی وجہ سے انہیں فی الحال قتل نہیں کرنا چاہتا تھا، اس نے اسی بحر مردار والے قلعے میں قید کر دیا تھا۔ ان یہودیوں میں عورتیں، بچے اور بوڑھے بھی تھے۔ ان یہودی قیدیوں کو دوسرے قیدیوں سے الگ قلعے کے اندر ہی ایک طرف چھوٹی چھوٹی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں رکھا گیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ شاہ بابل یہودیوں کو ایک سازشی اور غلیظ قوم سمجھتا تھا۔ ان یہودیوں کے مردوں کے علاوہ ان کی عورتوں سے بھی مشقت لی جاتی تھی۔

مشقت میں درختوں کو کاٹنا، پہاڑیوں میں سے سرخ اور سیاہ پتھروں کو کاٹنا اور دوسری قسم کی مشقتیں شامل تھیں۔ یہ سب عمر قیدی مل کر پہاڑیوں کے پتھر کاٹتے، درخت کاٹتے اور دوسری مشقت کرتے تھے۔ مگر مشقت کے دوران ان کی سخت نگرانی کی جاتی تھی اور انہیں ایک دوسرے سے بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ عورتیں اور مرد ساتھ ساتھ مشقت کرتے۔ کسی مرد کو کسی عورت سے بھی بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اگر کسی مرد کو کسی عورت سے بات کرتے دیکھا جاتا تو نگرانی پر مامور سپاہی دونوں کو چمڑے کے ہنٹروں سے مار مار کر ادھ موا کر دیتے۔

شعبان بھی دوسرے آدمیوں کے ساتھ درختوں اور پہاڑیوں میں سے پتھر کاٹتا۔ وہ خاموشی اور صبر کے ساتھ یہ اذیت برداشت کر رہا تھا۔ وہ راضی بہ رضا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر اچھے دن نہیں رہے تو برے دن بھی نہیں رہیں گے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ قیدی مشقت کر رہے تھے۔ سپاہی تلواریں ہاتھوں میں لئے ان کی نگرانی کر رہے تھے کہ اچانک جھاڑیوں میں سے ایک سانپ نکلا اور اُس نے ایک سپاہی کو ڈس لیا۔ اُس کی چیخ سن کر دوسرے سپاہی اُس کی مدد کو آئے۔ سانپ غائب ہو گیا مگر سپاہی کی حالت خراب ہونا

شروع ہو گئی۔ اتفاق سے شعبان قریب ہی ایک درخت کاٹ رہا تھا۔ وہ رہ نہ سکا۔ دوڑ کر سپاہی کے پاس آیا اور اس کی پنڈلی کی دونوں جانب رسیاں کس کر باندھ دیں اور دوسرے سپاہی سے خنجر لے کر جہاں سانپ نے کاٹا تھا وہاں چیرا لگا کر دبا دبا کر سانپ کے زہر کو خون میں سے خارج کر دیا۔

اس عمل سے سپاہی کو ہوش آنے لگا۔ جیل کا داروغہ بھی وہاں پہنچ گیا۔ اُس کو جب معلوم ہوا کہ شعبان کے علاج سے اس کے سپاہی کی جان بچ گئی ہے تو اُس نے شعبان سے پوچھا۔ ”تم کیا کام کرتے تھے؟“

شعبان نے کہا۔ ”میں طبیب ہوں اور مجھے سانپ کے کاٹے کا علاج کرنا آتا ہے۔ ابھی اس شخص کے خون میں زہر کا اثر باقی ہے۔ اسے مزید علاج کی ضرورت ہے۔“

داروغہ جیل کے حکم سے سپاہی کو اس کی کوٹھڑی میں پہنچا دیا گیا۔ شعبان نے کہا۔ ”میں کچھ جڑی بوٹیاں تلاش کر کے اس کی دوا بنا کر اسے پلانا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد یہ سپاہی بالکل تندرست ہو جائے گا۔ ورنہ خطرہ ہے کہ جو زہر اس کے خون میں سرایت کر چکا ہے اس کے اثر سے اس کا آدھا جسم مُردہ ہو جائے گا۔“

داروغے نے دو سپاہی شعبان کی نگرانی پر مقرر کئے اور شعبان ان بنجر پہاڑیوں میں خاص قسم کی جڑی بوٹیوں کو تلاش کرنے لگا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد اُسے اپنے مطلب کی جڑی بوٹیاں مل گئیں۔ وہ انہیں لے کر سپاہیوں کی نگرانی میں اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ انہیں چھان پھٹک کر پتھروں سے کوٹ کر ان کا سفوف بنایا اور نیم بے ہوش سپاہی کو وہ سفوف پانی میں گھول کر پلا دیا۔ دو دن کے بعد سپاہی بالکل تندرست ہو گیا۔ داروغہ جیل نے شعبان سے کہا۔

”میں تمہیں اتنی رعایت دیتا ہوں کہ تم پتھر کاٹنے کی بجائے کوٹھڑی میں رہ کر جنگلی بوٹیوں سے دوائیں تیار کرو۔ اور اگر کوئی سپاہی یا قیدی بیمار ہو جائے تو اس کا علاج کر دیا کرو۔ مگر تم قیدی ہی تصور کئے جاؤ گے اور تمہیں اکیلے قلعے کی چار دیواری سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہو گی۔“

شعبان کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ ویسے بھی اسے خوشی ہوئی کہ اب وہ بیمار انسانوں کی خدمت کر سکے گا۔ ایک ہفتہ پورا اُس نے اِردگرد کی پہاڑیوں میں گھوم پھر کر مختلف قسم کی

جڑی بوٹیاں اکٹھی کر لیں۔ اس دوران مسلح سپاہی اس کے ساتھ ساتھ اس کی نگرانی کرتے رہے۔ ان جڑی بوٹیوں سے شعبان نے مختلف قسم کی دوائیں تیار کر کے رکھ لیں۔

بحر مردار کے اس علاقے کی آب و ہوا ایسی تھی کہ آدمی کو کئی امراض لاحق ہو جاتے تھے۔ ان میں قیدی اور سپاہی سبھی شامل تھے۔ اگر کوئی سپاہی کسی عارضے میں مبتلا ہوتا تو داروغہ جیل کے حکم سے اسے فوراً شعبان کی کوٹھڑی میں علاج کے لئے پہنچا دیا جاتا۔ لیکن اگر کوئی قیدی بیمار ہوتا تو اس کی بالکل پرواہ نہ کی جاتی اور اسے مرنے کے لئے ایک طرف ڈال دیا جاتا۔

شعبان کو ایک طبیب اور ایک انسان کی حیثیت سے یہ ظلم گوارا نہیں تھا۔ چنانچہ اُس نے داروغہ جیل سے کہا کہ بعض امراض ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کا علاج نہ کیا جائے تو وہ دوسروں کو بھی لگ جاتے ہیں۔ یہ سن کر داروغہ جیل پریشان ہوا۔ اُس کو مجبوراً یہ فیصلہ دینا پڑا کہ شعبان بیمار قیدیوں کا بھی علاج کر سکتا ہے۔ قلعے کے جیل خانے کی حالت یہ تھی کہ ایک تو قیدیوں کو ناقص خوراک دی جاتی تھی۔ دوسرے ان سے سخت مشقت لی جاتی تھی۔ تیسرے اس علاقے کی آب و ہوا صحت کے لئے مضر تھی جس کی وجہ سے قیدی اکثر کسی نہ کسی مرض میں مبتلا ہو جاتے اور انہیں شعبان کی کوٹھڑی میں علاج کے لئے لایا جاتا۔ شعبان بڑی توجہ سے ان کا علاج کر کے انہیں تندرست کر دیتا اور داروغہ جیل کو یہ بھی کہہ دیتا کہ ان کی مشقت کچھ دنوں کے لئے کم کر دیں اور خوراک بھی ذرا بہتر دیں۔ تندرست ہونے کے بعد بے شک ان سے پوری مشقت لی جائے۔ داروغہ جیل شعبان کی ہدایات پر عمل کرنے پر مجبور تھا۔

اکثر قیدی پتھر کاٹتے وقت زخمی بھی ہو جاتے تھے۔ پہلے ان کو کوئی نہیں پوچھتا تھا۔ اب شعبان خود جائے مشقت پر ان کے پاس جاتا اور ان کے زخموں کی مرہم پٹی کرتا۔ داروغہ جیل کو اس بات سے اطمینان بھی تھا کہ زخمی اور بیمار قیدی صحت مند ہو کر پہلے سے زیادہ تندہی سے مشقت کرتے ہیں اور وہ کٹے ہوئے درختوں اور تراشے ہوئے پتھروں کی پوری مقدار وہاں سے بابل بھجوا دیتا ہے۔ یہ کٹے ہوئے درخت اور پتھر شہر بابل کی سڑکیں بنانے اور عمارتیں بنانے میں کام آتے تھے۔ شعبان کے علاج معالجے سے کوئی قیدی زیادہ دن بیمار نہیں رہتا تھا۔ وہ جلد صحت یاب ہو کر دوبارہ مشقت پر لگ جاتا تھا اور اس سے داروغہ

ں کی کارکردگی کو شاہی محل میں سراہا جاتا تھا۔ چنانچہ اُس نے شعبان کو مزید رعایتیں دے تھیں لیکن اسے ابھی قلعے کی چار دیواری سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔

عمر قید کی سزا بھگتنے والے ان مظلوم قیدیوں میں طبیب کی حیثیت سے تھوڑی بہت ادی کی زندگی حاصل کرنے سے پہلے جب شعبان بھی ان لوگوں کے ساتھ عام قیدیوں طرح درخت کاٹتا اور پتھر توڑتا تھا تو ایک لڑکی اُس سے کچھ فاصلے پر مشقت میں روف نظر آیا کرتی تھی۔ فاصلہ اتنا تھا کہ وہ اُسے اچھی طرح سے نہیں دیکھ سکتا تھا، اُسے رے ہی نظر آتی تھی۔ لڑکی دُبلی پتلی تھی اور جوان معلوم ہوتی تھی۔ شعبان کی طرح اُس ایک پیر میں بھی زنجیر بندھی ہوئی تھی۔ کچھ اور قیدی عورتیں بھی وہاں مشقت کر رہی تی تھیں لیکن یہ لڑکی اپنی گوری رنگت کی وجہ سے ان میں نمایاں نظر آتی تھی۔ ایک سپاہی ر ہاتھ میں پکڑے گشت لگاتا اُس کے پاس آ کر رُک جاتا تھا۔ تھوڑی دیر اُسے تکتا رہتا، بھی کبھی ہاتھ بڑھا کر اُس کے جسم کو سہلاتا تو وہ اس کا ہاتھ جھٹک دیتی اور سپاہی ایک قہہ لگا کر آگے نکل جاتا تھا۔

لڑکی کا یہ انداز خودداری شعبان کو اچھا لگتا تھا جو اس لڑکی نے قید اور بے بسی کی حالت ں زندہ رکھا ہوا تھا۔

قیدیوں کے قلعے میں طبیب کی حیثیت اختیار کر لینے کے بعد ایک دن شعبان اپنی کوٹھڑی کے آگے زمین پر بیٹھا جڑی بوٹیوں کی چھانٹ پھٹک کر رہا تھا کہ ایک ادھیڑ عمر ی عورت ایک لڑکی کو اٹھا کر لائی جو بے ہوش تھی اور اس کے ماتھے سے خون جاری تھا۔ س نے لڑکی کو زمین پر لٹا دیا اور بولی۔

"یہ پتھر توڑتے ہوئے کھائی میں گر پڑی ہے۔ اس کے ماتھے پر سخت چوٹ لگی ہے۔ اس وقت بے ہوش ہے۔"

شعبان جلدی سے کوٹھڑی میں سے ایک مرہم نکال لایا۔ لڑکی کے ماتھے سے بہنے لے خون کو صاف کر کے زخم پر مرہم لگا دی۔ اس کی نبض دیکھی، نبض کی رفتار سست تھی۔ ئے میں ایک سپاہی بھی وہاں آ گیا۔ آتے ہی بولا۔

"یہ بہانے باز قیدی لڑکی ہے۔ اسے کوئی دوا پلا کر ہوش میں لاؤ۔ میں اسے واپس کام لگانا چاہتا ہوں۔"

شعبان نے کہا۔ ''لڑکی کی چوٹ گہری ہے۔ اس کی نبض بھی دھیمی چل رہی ہے۔ اسے کم از کم دو تین دن آرام کی ضرورت ہے۔''

اکھڑ مزاج سنگدل سپاہی نے شعبان کو مارنے کے لئے اپنا ہنٹر والا ہاتھ اوپر اٹھایا تو شعبان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹک دیا۔ شور کی آوازیں سن کر داروغہ جیل وہاں آ گیا۔

''کیا بات ہے؟ کیا کر رہے ہو؟'' اُس نے شعبان سے مخاطب ہو کر درشت لہجے میں پوچھا۔

جو عورت لڑکی کو لائی تھی، اُس نے کہا۔ ''یہ بے چاری کھائی میں گر پڑی تھی۔ چوٹ لگنے سے بے ہوش ہو گئی ہے۔ یہ سپاہی اسے زبردستی واپس مشقت پر لے جانا چاہتا ہے۔''

داروغے نے شعبان سے استفسار کیا تو اُس نے کہا۔ ''یہ سپاہی زبردستی کر رہا ہے۔ لڑکی کو گہری چوٹ لگی ہے۔ یہ بے ہوش ہے۔ میں نے زخم پر دوا لگا دی ہے۔ مگر اسے ابھی ہوش نہیں آیا۔ اسے باقاعدہ علاج کی ضرورت ہے۔''

''کتنی دیر علاج کرو گے اس کا؟'' داروغے نے شعبان سے پوچھا۔

شعبان نے جواب میں کہا۔ ''ہوش آنے کے بعد کم از کم دو تین دن تک اسے دوا پلانی ہو گی۔ ورنہ زخم میں ایسے جراثیم پیدا ہو جائیں گے جو دوسرے قیدیوں اور سپاہیوں کو بھی بیمار کر دیں گے۔''

ایسا شعبان نے محض بے چاری زخمی لڑکی کو کچھ روز تک آرام دلانے کی خاطر کہا تھا۔

داروغہ جراثیم کے نام سے ڈر گیا۔ بولا۔

''ہم قیدی کو زیادہ دن تک چار پائی پر نہیں دیکھ سکتے۔ تم جلدی سے جلدی اس کا علاج کر کے اسے ٹھیک کر دو۔''

''میں کوشش کروں گا۔'' شعبان نے جواب دیا۔

داروغہ دوسرے سپاہی کو ساتھ لے کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد شعبان نے ایک بوتل میں سے دوائی کے چند قطرے لڑکی کے حلق میں ٹپکائے۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی کو ہوش آ گیا۔ اُس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھول کر شعبان کو اور پھر جو عورت اسے اپنے ساتھ لائی تھی، اس کی طرف دیکھا اور کمزور آواز میں عورت سے عبرانی زبان میں پوچھا۔

''مجھے کیا ہو گیا تھا؟''

ادھیڑ عمر عورت نے عبرانی زبان میں ہی جواب دیا۔ ''تم پتھر توڑتے توڑتے اچانک کھائی میں گر پڑی تھیں۔ میں تمہیں اٹھا کر قیدیوں کے طبیب کے پاس لے آئی ہوں۔ گھبراؤ نہیں۔ تم بہت جلد اچھی ہو جاؤ گی۔''

عبرانی زبان سے شعبان نے اندازہ لگایا کہ لڑکی اور ادھیڑ عمر عورت دونوں قیدی عورتیں یہودی ہیں۔ شعبان نے اپنے وطن مصر میں ایک استاد سے عبرانی زبان سیکھ لی تھی اور وہ بڑی روانی سے عبرانی زبان بول اور سمجھ سکتا تھا۔

اب شعبان نے لڑکی کو ذرا غور سے دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ یہ وہی گوری رنگت والی دُبلی پتلی لڑکی ہے جو کچھ روز پہلے اس سے تھوڑے فاصلے پر پتھر وغیرہ توڑا کرتی تھی۔

شعبان نے لڑکی سے عبرانی زبان میں اس کا نام پوچھا تو لڑکی نے ذرا حیران ہو کر کہا۔

''کیا تم عبرانی جانتے ہو؟ کیا تم بھی یہودی ہو؟''

شعبان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں، میں یہودی نہیں ہوں۔ میرا تعلق مصر سے ہے اور میں نے یہ زبان بچپن میں اپنے ایک استاد سے سیکھی تھی۔''

لڑکی کے چہرے پر بڑی معصوم مسکراہٹ تھی۔ لڑکی بڑی حسین تھی اس کے خدوخال حسین تھے۔ قید میں رہ کر بھی لڑکی کے چہرے کی معصومیت اور حسن بہت حد تک قائم تھا۔

شعبان نے کہا۔ ''میرا نام شعبان ہے۔ میں بھی تمہاری طرح یہاں عمر قید کی سزا بھگت رہا ہوں۔ لیکن چونکہ میں ایک طبیب بھی ہوں اس لئے مجھے کچھ دنوں سے سہولتیں مل گئی ہیں۔ تمہارا کیا نام ہے؟''

لڑکی نے اپنے پتلے گلابی ہونٹوں پر آہستہ سے زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''میرا نام ناؤمی ہے۔''

اتنا کہہ کر اُس نے نقاہت سے آنکھیں بند کر لیں۔ شعبان نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''آرام کرو...... تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

پھر اُس نے ادھیڑ عمر عورت کی مدد سے ناؤمی کو کوٹھڑی کے دروازے کی ایک جانب کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی چھت کے نیچے چار پائی پر لٹا دیا۔ کھجور کی شاخوں کے چھپر پر انگور کی جنگلی بیل چڑھی ہوئی تھی جس کی ٹہنیوں میں سے سرخ رنگ کے انگوروں کے خوشے

لٹک رہے تھے۔ ادھیڑ عمر عورت چارپائی کے پاس ہی چوکی پر بیٹھ گئی اور آہستہ آہستہ ناؤمی کا ہاتھ سہلانے لگی۔ شعبان کوٹھڑی میں سے ایک اور دوا نکال کر لے آیا اور اس دوا کے بھی چند قطرے ناؤمی کا منہ کھول کر اسے پلا دیئے۔ کہنے لگا۔

"اس دوائی سے اسے نیند آجائے گی۔ اسے آرام کی سخت ضرورت ہے۔"

یہ کہہ کر شعبان اس عورت کے قریب ہی دوسری چوکی پر بیٹھ گیا اور سوکھی ہوئی جڑی بوٹیوں کو چھانٹ کر الگ الگ کرنے لگا۔ اُس نے عورت سے پوچھا۔

"کیا تم بھی یہاں سزا کاٹ رہی ہو؟"

عورت بولی۔ "ہاں...... مجھے بھی عمر قید کی سزا ہوئی ہے۔"

"یہ لڑکی تمہاری کوئی رشتے دار ہے؟"

شعبان کے اس سوال پر عورت نے کہا۔ "میں ناؤمی کی رشتے کی خالہ ہوں۔ ہم جوڈیا کے یہودی ہیں۔ ناؤمی جوڈیا کے ایک متمول سوداگر کی اکلوتی بیٹی ہے۔ جب بابل کی فوج نے جوڈیا پر حملہ کیا تو قتل عام شروع کر دیا۔ بابلی سپاہی تلواریں لے کر ہماری حویلی میں گھس آئے۔ اس وقت گھر میں ہم سب سہمے بیٹھے تھے۔ سپاہیوں کو دیکھ کر وہاں افراتفری مچ گئی۔ دیکھتے دیکھتے سپاہیوں نے ناؤمی کی ماں اور اس کے باپ کو قتل کر دیا۔ میں ناؤمی کو لے کر ایک کوٹھڑی کی طرف دوڑ پڑی۔ کوٹھڑی میں ایک خفیہ راستہ تھا جو حویلی کے پیچھے ایک جنگل میں جا کر نکلتا تھا۔ میں ناؤمی کو لے کر خفیہ سرنگ میں سے گزر کر جنگل میں نکل آئی اور وہاں ایک ٹیلے کی کھوہ میں ہم دونوں دو دن تک چھپی رہیں۔ دو دن کے بعد ہم کھوہ میں سے باہر نکل کر اپنی حویلی کی طرف آئیں تو گلیوں اور بازاروں میں یہودی مرد، عورتوں اور بچوں کی لاشیں ہی لاشیں پڑی تھیں۔ ہم اپنی حویلی میں گئیں تو وہاں ناؤمی اپنے ماں باپ کی لاشوں سے لپٹ کر دیر تک روتی رہی۔ میں بھی روتی رہی۔ اتنے میں تین چار بابلی سپاہی اندر آگئے۔ انہوں نے ہم دونوں کو پکڑا اور گھسیٹ کر باہر لے آئے۔ ہمیں ایک چھکڑے میں ڈال دیا جس میں پہلے سے کئی عورتیں اور مرد بے بسی کی حالت میں سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ اس قسم کے دس بارہ چھکڑے یہودی قیدی عورتوں اور مردوں سے بھرے ہوئے تھے۔ بابل کی فوج کا ایک گھوڑ سوار دستہ ان چھکڑوں کو ساتھ لے کر ملک بابل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان چھکڑوں کو خچر کھینچ رہے تھے۔ صحرا میں چھ دن اور چھ راتوں

ی تکلیف دہ مسافت کے بعد ہم قیدیوں کو اس قلعے میں لایا گیا۔ یہاں کچھ قیدی عورتیں اور مرد اتار دیئے گئے اور باقی قیدیوں کو لے کر فوجی آگے ملک بابل کی طرف چل دیئے۔ جن قیدی عورتوں اور مردوں کو اتارا گیا جس میں، میں اور ناؤمی بھی تھیں۔ اس بات کو ایک سال کی مدت گزر چکی ہے۔ تب سے ہم اس قلعے کے عقوبت خانے میں عذاب کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ ہم دونوں کی داستان ہے۔"

شعبان بڑے غور سے اس مظلوم عورت کی کہانی سنتا رہا۔ جب اس نے اپنی داستان ختم کی تو اس نے آہستہ سے پوچھا۔ "کیا کبھی تم نے یہاں سے فرار ہونے کے بارے میں نہیں سوچا؟"

ادھیڑ عمر عورت کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ پریشان نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور بولی۔ "ایسا خیال بھول کر بھی دل میں نہ لانا۔ صرف موت ہی ہمیں اس عقوبت خانے سے نجات دلا سکتی ہے۔ ہمارے یہاں قید ہونے کے بعد صرف ایک قیدی مرد نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ وہ فوراً ہی پکڑا گیا۔ ہم سب کے سامنے اس بدنصیب قیدی کو بکرے کی طرح زمین پر دو سپاہیوں نے لٹا دیا اور زندہ حالت میں قیدی کی کھال اتارنی شروع کر دی۔ قیدی کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ مگر ظالم سپاہی خنجروں سے چیر چیر کر اس کے بدن کی کھال اتارتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ گردن تک بدنصیب قیدی کی کھال اتر گئی۔ صرف اس کا سر اور گردن پر کھال باقی رہ گئی۔ اس کی لال لال کھال کے بغیر جسم خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ پھر انہوں نے خنجر کی نوک سے اُس کی آنکھیں نکال کر پھینک دیں۔ آخر میں اس کی گردن کاٹ کر الگ کر دی اور لاش اس قلعے کے دروازے پر لٹکا دی جہاں وہ ایک مہینے تک لٹکتی رہی۔"

بدقسمت قیدی کے عبرت ناک انجام کے واقعات سننے کے باوجود شعبان نے اس عقوبت خانے سے فرار کے منصوبے پر غور کرنا شروع کر دیا۔ لیکن اُس نے ناؤمی کی خالہ سے اس کا بالکل ذکر نہ کیا۔ اُس نے فرار کے تمام پہلوؤں پر سوچا، تمام امکانات اور خدشات پر غور کیا۔ پکڑے جانے کا امکان ہر منصوبے میں موجود تھا لیکن اس موت کے قلعے میں شعبان کے لئے اب مزید زندہ رہنا بھی ممکن نہیں تھا۔ اس کی اہم ترین وجہ ناؤمی تھی۔ نہ جانے کیوں ناؤمی کو دیکھنے اور اس کی تیمارداری کرنے کے بعد شعبان نے دل

میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس معصوم صورت بے گناہ لڑکی کو ظالم بابلی سپاہیوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑے گا۔ یہ انسانی ہمدردی کا جذبہ بھی ہو سکتا تھا اور نادمی کے لئے محبت کا جذبہ بھی ہو سکتا تھا جو اس بھولی بھالی حسین لڑکی سے ملنے کے بعد شعبان کے دل میں خودرو پودے کی طرح پیدا ہو گیا تھا۔

تین چار دن کے علاج کے بعد نادمی تندرست ہو گئی۔ لیکن شعبان نے اسے مشقت سے بچانے کی خاطر قلعے کے داروغے سے کہہ دیا کہ اس لڑکی سے کم از کم دو ماہ تک کوئی مشقت نہ لی جائے ورنہ اس کی بیماری پھر ظاہر ہو جائے گی اور اس کی بیماری کے متعدی جراثیم سارے قلعے کے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ چنانچہ داروغہ قلعہ کے حکم سے نادمی کو قلعے میں ایک الگ کوٹھڑی میں رکھا گیا جہاں شعبان ہر روز اس کی تیمارداری کے بہانے اس کے پاس جانے لگا۔

نادمی کی خالہ بھی اس کے ساتھ ہی کوٹھڑی میں رہتی تھی۔ اب شعبان وہاں سے فرار کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ سب سے پہلے اُس نے قلعے کے اندر نگرانی کرنے والے بابلی سپاہیوں کے معمولات کا جائزہ لیا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ سپاہی ہر لمحے قلعے کے بڑے اور چھوٹے دروازے کی نگرانی کرتے ہیں۔ دن کو ایک دستہ پہرہ دیتا ہے اور رات کو دوسرا دستہ پہرے پر آ جاتا ہے۔ قلعے کے بُرجوں پر بھی اسی طرح سپاہیوں کا چوبیس گھنٹے پہرہ لگا رہتا ہے۔ اگرچہ شعبان سے کسی قسم کی مشقت نہیں لی جاتی تھی لیکن اُسے بھی قلعے سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس قلعے سے کچھ فاصلے پر بحر مردار کے کنارے تھوڑی سی زمین پر اناج اُگتا تھا اور انجیر اور زیتون کے باغ تھے۔ وہاں ایک گاؤں تھا جس کے لوگ وہاں کی زمین کاشت کرتے، مویشی پالتے اور پھل دار باغات کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ قیدی قلعے کے لئے اسی گاؤں سے ہر پندرہ دن کے بعد اناج وغیرہ کی رسد آتی تھی۔

یہ رسد اونٹوں پر لاد کر لائی جاتی تھی۔ اس وقت قلعے کا ایک چھوٹا عقبی دروازہ کھول دیا جاتا تھا۔ رسد لانے والے دیہاتی بدو اسی دروازے کے باہر میلے کچیلے تمبو، قناتیں لگا کر تین یوم تک اپنے اونٹوں کے پاس قیام کرتے۔ اس دوران وہ قلعے کے اندر سپاہیوں کی کوٹھڑیوں کی صفائی بھی کرتے۔ ان کے مٹکوں میں قریبی چشمے سے پانی لا کر بھرتے، ان کے میلے کپڑے دھوتے اور پھر اناج وغیرہ کے تھوڑے بہت پیسے لے کر اونٹوں پر سوار ہو

را اپنے گاؤں کی طرف چل پڑتے۔

اس دوران قلعے کا وہ عقبی دروازہ جس میں سے اناج کی بوریاں اور سبزیاں اندر لائی تی تھیں، کھلا رہتا تھا۔ دو سپاہی چوبیس گھنٹے وہاں پہرے پر بھی رہتے تھے۔ لیکن رسد نے والے دیہاتیوں کی چوبیس گھنٹے آمد و رفت کی وجہ سے پہرہ اتنا سخت نہیں تھا۔ سپاہی ت میں کسی وقت اِدھر اُدھر بھی ہو جاتے تھے یا وہیں پڑ کر سو بھی جاتے تھے۔ اس کا شاہدہ خاص طور پر شعبان نے کیا تھا۔

شعبان کو محسوس ہوا کہ صرف یہی ایک راستہ فرار کا ہے۔ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ نانچہ شعبان نے اس منصوبے پر عملدرآمد شروع کر دیا۔ اُس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ قلعے کا روغہ وبائی جراثیموں سے پھیلنے والی بیماری سے بہت ڈرتا ہے۔ چنانچہ ایک روز اُس نے روغہ جیل سے کہا۔

"بحر مردار کے گاؤں سے جو دیہاتی بدو رسد لے کر آتے ہیں، اس بات کا امکان ہے لہ وہ اپنے ساتھ صحرائی بیماریوں کے جراثیم بھی لاتے ہوں گے۔"

داروغہ جیل پریشان ہو گیا۔ کہنے لگا۔ "مگر آج تک تو قلعے میں کسی کو ایسی کوئی بیماری یں لگی۔ یہ لوگ تو مدت سے رسد لا رہے ہیں۔"

شعبان نے کہا۔ "آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ لیکن میں ایک طبیب ہوں۔ میں نے ایک طبیب کی حیثیت سے اکثر قیدیوں کی آنکھوں اور چہروں پر ایسی بیماریوں کے رات دیکھے ہیں جو بعض صحرائی جرثوموں کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہیں۔"

داروغہ جیل مزید پریشان ہو کر بولا۔ "تو پھر اس کا کیا سدباب ہو سکتا ہے؟"

شعبان نے کہا۔ "اس کا ایک ہی علاج ہے کہ جب بحر مردار کے بدو اناج وغیرہ لے ر یہاں آئیں تو ہر روز ان کا معائنہ ہوتا رہے۔ اگر کسی میں کسی بیماری کے آثار موجود ں تو اس کا قلعے میں داخلہ فوراً بند کر دیا جائے۔"

داروغہ بولا۔ "یہ کام تو پھر تم ہی کر سکتے ہو۔"

"میں یہ خدمت انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔" شعبان نے جواب دیا۔

چنانچہ داروغہ جیل کی طرف سے شعبان کی ڈیوٹی لگا دی گئی کہ اس دفعہ جب باہر سے دو آئے تو وہ خود صحرائی بدوؤں کا معائنہ کرے گا اور جب تک وہ لوگ قلعے کے دروازے

پر قیام پذیر رہیں گے، ہر روز ان کا معائنہ کرتا رہے گا۔

شعبان کے منصوبے کا پہلا مرحلہ بخیر و خوبی طے ہو گیا تھا۔ چنانچہ کچھ روز بعد جب گاؤں کے بدوؤں کا قافلہ اونٹوں پر اناج، پنیر اور خشک راشن لا کر قلعے کے عقبی دروازے پر پہنچا تو ان لوگوں کو وہیں روک دیا گیا۔ داروغہ جیل شعبان کو خود لے کر وہاں پہنچ گیا اور اپنے سامنے شعبان سے ان تمام بدوؤں کا معائنہ کروایا۔ معائنہ کے بعد شعبان نے داروغہ جیل سے کہا۔

''فی الحال تو کسی بدو میں کسی صحرائی وبا کے آثار نظر نہیں آ رہے۔ لیکن ان کا روزانہ معائنہ ضروری ہے۔''

داروغہ بولا۔ ''میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم دن اور رات میں کسی بھی وقت یہاں آ کر ان لوگوں کا معائنہ کر سکتے ہو۔''

اُس نے قلعے کے عقبی دروازے پر پہرہ دینے والے سپاہیوں کو بھی شعبان کی چہرہ شناسی کرا دی اور انہیں تاکید کر دی کہ طبیب شعبان کو دن اور رات میں کسی بھی وقت قلعے سے جانے آنے سے نہ روکا جائے۔ اب شعبان ہر روز دن میں تین چار مرتبہ قلعے کے عقبی دروازے میں سے نکل کر باہر بدوؤں کے خیموں میں جا کر ان کا معائنہ کرتا۔ کسی کسی وقت رات کو بھی چلا جاتا تاکہ رات کے وقت وہاں سے فرار ہونے کے امکانات کا جائزہ لیا جا سکے۔

صحرائی گاؤں کے یہ بدو جو رسد لے کر آتے تھے بت پرست تھے۔ وہ اپنے اپنے بت لمبے چغوں کی جیب میں ڈال کر ساتھ لاتے تھے اور رات کے وقت ان کو سامنے رکھ کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ ان لوگوں میں ادھیڑ عمر کا ایک بدو بھی تھا جس کے سر کے بال گھنگھریالے اور سفیدی مائل تھے مگر جسم مضبوط تھا اور جفاکش لگتا تھا۔ ایک رات شعبان ان لوگوں کے معائنے کے بہانے وہاں آیا تو اس نے دیکھا کہ دوسرے بدو تو اپنے اپنے چھوٹے چھوٹے عجیب الخلقت بت سامنے رکھے ان کی پوجا کر رہے تھے لیکن یہ ادھیڑ عمر آدمی سب سے الگ ہو کر بیٹھا تھا، وہ کسی بت کی پوجا نہیں کر رہا تھا۔

شعبان نے اُس سے پوچھا۔ ''تم کسی بت کی پوجا کیوں نہیں کر رہے؟''

اُس آدمی نے عبرانی زبان میں جواب دیا۔ ''میں یہودی ہوں۔ میں بتوں کی پوجا

نہیں کرتا۔''

شعبان کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح کوند گیا۔ وہ اُس کے پاس بیٹھ گیا اور اس سے پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

اُس یہودی نے جواب دیا۔ ''میرا نام مرقش ہے۔ میں اپنے مالک کے باغ کی باغبانی کرتا ہوں اور زیتون کے تیل کے کپے لے کر یہاں آتا ہوں۔''

شعبان نے مرقش کے دل میں اپنے یہودی بھائی بہنوں کے لئے ہمدردی کے جذبے کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور کہا۔

''میں یہودی نہیں ہوں۔ میں مصر کا رہنے والا طبیب ہوں۔ لیکن قلعے میں جو یہودی عورتیں، مرد اور بچے قید ہیں ان کی حالت زار مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ ان کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔''

ادھیڑ عمر مرقش کچھ دیر چپ رہا، پھر صحرائی آسمان پر چمکنے والے ستاروں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''خداوند یہوہ کی یہی مرضی ہے۔ بنی اسرائیل پر جو عذاب نازل ہوا ہے اس کے دن جلد ختم ہو جائیں گے اور ہیکل سلیمانی پھر سے آباد ہو جائے گا۔''

شعبان نے کہا۔ ''ہاں، تم بھی ٹھیک کہتے ہو۔ تمہاری قوم پر آسمان کی طرف سے یہ عذاب نازل ہوا ہے۔ عذاب کے یہ دن ختم ضرور ہوں گے۔''

کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد شعبان کہنے لگا۔ ''ویسے تو بنی اسرائیل کے بھی مرد عورتیں جو اس قلعے میں قید ہیں مصیبت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن ایک لڑکی کی حالت ان سب سے زیادہ قابل رحم ہے۔ وہ جوڈیا کے ایک متمول سوداگر کی بیٹی ہے۔ سنگ دل بابلی سپاہیوں نے جوڈیا میں قتل عام کے بعد اس کے ماں باپ کو قتل کر دیا اور اسے قیدی بنا کر یہاں لے آئے۔ وہ ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہے کہ اگر وہ زیادہ دیر اس قلعے میں رہی تو زندہ نہیں بچے گی۔''

جوڈیا کا نام سن کر مرقش ذرا سا چونکا۔ کہنے لگا۔ ''میں بھی جوڈیا کا رہنے والا ہوں۔ وہ لڑکی تو پھر میری ہم وطن بیٹی ہوئی۔ کیا نام ہے اس کا؟''

''ناؤمی۔'' شعبان نے کہا۔

''کیا مرض ہو گیا ہے اسے؟'' مرقش نے پوچھا۔

شعبان بولا۔ ”اس قلعے میں قید رہنے اور مشقت کرنے سے اس کو سانس کی بیماری لگ گئی ہے۔ اگر وہ زیادہ دن یہاں رہی تو دوسری قیدی عورتیں تو شاید زندہ رہ جائیں مگر ناؤمی مر جائے گی۔ میں کم از کم اس لڑکی کی زندگی ضرور بچانا چاہتا ہوں۔“

”مگر میں اور تم کیا کر سکتے ہیں؟“

شعبان نے کہا۔ ”اگر تم تھوڑی سی ہمت کرو تو ہم اسے یہاں سے نکال کر لے جا سکتے ہیں۔ صرف اسی صورت میں اس لڑکی کی زندگی بچ سکتی ہے۔“

مرقش نے منہ اٹھا کر شعبان کی طرف دیکھا۔ کہنے لگا۔ ”لیکن میں کیا کر سکتا ہوں؟“

شعبان نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ”وہ میں تمہیں بتا دوں گا۔ لیکن ابھی تم اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ یہ بات نکل گئی تو قلعے کے بابلی سپاہی ناؤمی کے ساتھ میری گردن بھی اڑا دیں گے۔ کیونکہ میں بھی ان لوگوں کی قید میں ہوں۔“

مرقش سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ ”تم فکر نہ کرو۔ میں اس راز کو اپنے تک ہی رکھوں گا۔ ہرگز ہرگز کسی سے اس کا ذکر نہیں کروں گا۔“

”مرقش! مجھے تم سے یہی امید تھی۔“ شعبان نے خوش ہو کر مرقش کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ ”اب میں چلتا ہوں۔ ابھی تم دو روز یہاں ہو۔ میں کل رات پھر آؤں گا۔“

یہ کہہ کر شعبان وہاں سے اٹھ کر آ گیا۔

اگلے روز وہ ناؤمی کو دیکھنے اس کی کوٹھڑی میں گیا تو اس کی خالہ بھی وہاں پر موجود تھی۔ ناؤمی کی حالت پہلے سے کافی بہتر ہو گئی تھی لیکن قید کی زندگی نے اس کے چہرے کی دلکشی اس سے چھین لی تھی۔ ناؤمی کو شعبان نے کسی وقت بھی مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ نظریں جھکائے اداس رہتی تھی۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر شعبان کے دل پر بڑا اثر ہوتا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں اُس نے قلعے سے فرار کا ذکر چھیڑ دیا۔ ناؤمی نے اچانک آنکھیں اٹھا کر شعبان کی طرف اس انداز سے دیکھا جیسے کسی کھڑکی میں سے تازہ ہوا کا جھونکا اسے چھو گیا ہو۔ خالہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

ناؤمی کو معلوم تھا کہ اس قلعے سے فرار ناممکن ہے۔ جو فرار ہوتا ہے، پکڑا جاتا ہے اور پکڑے جانے کے بعد اس کا جو عبرت ناک انجام ہوتا ہے ناؤمی اس سے بھی واقف تھی۔ اس نے اپنی نظریں دوسری طرف پھیر لیں۔ شعبان نے رازداری سے کہا۔

”یہ درست ہے کہ اس قلعے سے فرار ناممکن ہے۔ لیکن اگر عقلمندی اور سوجھ بوجھ سے کام لیا جائے تو یہ ناممکن بھی نہیں ہے۔“

ناؤمی کچھ نہ بولی۔ خالہ نے کہا۔ ”یہ سب دل کو بہلانے والی باتیں ہیں بیٹا۔ اب تو مر کر ہی یہاں سے چھٹکارا نصیب ہو گا۔“ اس کے ساتھ ہی ادھیڑ عمر خالہ چادر سے اپنی آنکھوں میں بے اختیار آنے والے آنسو پونچھنے لگی۔

تب شعبان نے انہیں جوڈیا کے یہودی مرقش کے بارے میں بتایا کہ اس کی مدد سے ہم یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں اور اُس نے ساری بات بیان کر دی اور کہا۔

”مرقش بھی جوڈیا کا باشندہ ہے اور بحر مردار کے گاؤں میں زیتون اور انجیر کے باغات کے مالک کے ہاں کام کرتا ہے اور رسد لے کر قافلے کے ساتھ آتا ہے۔“

خالہ بولی۔ ”اس کا کیا اعتبار۔ اگر اس نے کسی سے اس کا ذکر کر دیا تو ہم سب بے موت مارے جائیں گے۔“

”مرقش ایسا آدمی نہیں ہے، تمہارا ہم مذہب ہے، ہم وطن ہے۔ پختہ عمر کا ذمہ دار اور عقل والا آدمی ہے۔ وہ ہماری مدد کرنے پر تیار ہو گیا ہے۔“

خالہ تو اسی طرح چپ رہی، ناؤمی نے سر اٹھا کر شعبان کی طرف نگاہ کی اور پوچھا۔ ”وہ کیا کر سکتا ہے؟“

شعبان بولا۔ ”وہ وہی کچھ کرے گا جو میں اُسے کہوں گا۔ ساری منصوبہ بندی میری ہو گی۔ اُسے صرف منصوبے کے مطابق عمل کرنا ہو گا۔“

ناؤمی اور خالہ دونوں خاموش رہیں۔ کسی نے مزید کوئی بات نہ کی۔ دراصل ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ اس قید خانے سے نجات کسی زندہ انسان کے بس میں نہیں ہے۔ شعبان اس حقیقت سے واقف تھا لیکن وہ ان دونوں عورتوں کو وہاں سے اپنے ساتھ لے کر نکل جانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ کہنے لگا۔

”کہنے کی ضرورت تو نہیں۔ لیکن احتیاط کے طور پر میں کہوں گا کہ کسی کو اس راز کی بھنک نہیں پڑنی چاہئے۔ میں نے تم لوگوں کو ساتھ لے کر یہاں سے فرار کا فیصلہ کر لیا ہوا ہے۔ لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم پکڑے نہیں جائیں گے۔ مجھے ایک طبیب ہونے کی وجہ سے یہاں جو تھوڑی بہت آزادی ملی ہوئی ہے میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھاؤں گا۔“

شعبان اس رات بھی قافلے کے بدوؤں کے معائنے کے بہانے قلعے کے عقبی دروازے سے نکل کر ان کے خیموں میں گیا۔ کچھ بدوؤں کو دیکھنے کے بعد وہ مرقش کے پاس بھی گیا جو ایک اونٹ کے کجاوے سے ٹیک لگائے ٹانگیں پھیلائے آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ شعبان نے کہا۔

''سو رہے ہو مرقش؟''

مرقش نے آنکھیں کھول دیں، ٹانگیں اکٹھی کرتے ہوئے بولا۔ ''ہم غلاموں کا کوئی سونے اور جاگنے کا وقت نہیں ہوتا۔ ہر وقت جاگ بھی رہے ہوتے ہیں اور سو بھی رہے ہوتے ہیں۔''

شعبان نے اُسے بتایا کہ اُس نے ناؤمی اور اس کی خالہ سے بات کر لی ہے۔ اور وہ یہاں سے فرار ہونے پر راضی ہو گئی ہیں۔ مرقش نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُنگلی سے زمین پر لکیریں ڈالتے ہوئے بولا۔

''انہیں معلوم ہے اگر پکڑے گئے تو کیا انجام ہو گا؟''

''ہاں۔'' شعبان نے جواب دیا۔ ''انہیں سب معلوم ہے۔ لیکن وہ کہتی ہیں کہ اس عقوبت گاہ میں رہ کر روز روز مرنے سے بہتر ہے کہ اگر مرنا ہی ہے تو کیوں نہ ایک بار یہاں سے فرار کی کوشش کی جائے۔''

''پھر تم نے کیا سوچا ہے؟'' مرقش نے سر اٹھا کر شعبان سے پوچھا۔

شعبان بولا۔ ''ہم آدھی رات کے بعد یہاں سے فرار ہوں گے۔''

مرقش بولا۔ ''قلعے کے دروازے پر پہریداروں کا کیا ہو گا؟ وہ تو تمہیں اسی وقت گرفتار کر لیں گے۔''

شعبان نے کہا۔ ''ان کی تم فکر نہ کرو۔ انہیں عارضی طور پر ٹھکانے لگانے کا انتظام میں نے سوچ لیا ہے۔''

مرقش کہنے لگا۔ ''صبح ہونے تک قلعہ والوں کو ہمارے فرار کا علم ہو جائے گا۔ ہم اونٹوں پر سفر کر رہے ہوں گے۔ بابلی سپاہیوں کے تیز رفتار گھوڑے ہمیں راستے میں ہی پکڑ لیں گے۔''

شعبان نے کہا۔ ''ہم اونٹوں پر سفر نہیں کریں گے۔''

''تو کیا پیدل جائیں گے؟'' مرقش نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

شعبان بولا۔ ''ہم بابلی سپاہیوں کے برق رفتار گھوڑوں پر فرار ہوں گے۔''

مرقش نے اس پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ برق رفتار گھوڑے کہاں سے لیں گے؟''

شعبان اُسے سمجھانے لگا۔ ''قلعے کے اس عقبی دروازے کی ڈیوڑھی میں پہریدار سپاہیوں کے گھوڑوں کا اصطبل ہے جہاں ہر وقت چار پانچ تازہ دم گھوڑے موجود رہتے ہیں۔ ہم وہ گھوڑے استعمال کریں گے۔ یہ ساری باتیں تم مجھ پر چھوڑ دو، تم مجھے صرف ایک بات کا جواب دو۔''

''پوچھو۔'' مرقش نے بے نیازی سے کہا۔

شعبان بولا۔ ''کیا یہ بات تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے ساتھ فرار ہو کر تم کتنی بڑی مصیبت اپنے سر لے رہے ہو؟ تمہیں صرف اپنا گاؤں ہی ہمیشہ کے لئے نہیں چھوڑنا پڑے گا بلکہ اگر پکڑے گئے تو ہمارے ساتھ تمہیں بھی اذیت ناک موت مارا جائے گا۔''

مرقش نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ کہنے لگا۔ ''اپنی ہم مذہب بیٹی کو ظالم دشمنوں کی قید سے رہا کروانے کے لئے ایک بار تو کیا میں ہزار بار اپنی جان قربان کر سکتا ہوں۔''

شعبان اس بوڑھے یہودی کے اس جذبے سے بڑا متاثر ہوا۔ اس وقت اسے احساس ہوا کہ یہ درماندہ قوم اس قدر بے دریغ قتل عام اور جلاوطنی کی صعوبتیں اٹھانے کے بعد بھی اب تک کیسے زندہ ہے۔

اس نے بوڑھے مرقش کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور کہا۔ ''مرقش! اب مجھے یقین ہے کہ ہم اس قید خانے کے عذاب سے نجات حاصل کر لیں گے۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارا قافلہ کس دن رسد لے کر آئے گا؟''

مرقش بولا۔ ''وہی پندرہ یوم کے بعد۔''

شعبان نے کہا۔ ''اس بار یہ سوچ کر آنا کہ یہاں سے تم اپنے گاؤں اور اپنے انجیر زیتون کے باغات میں واپس نہیں جاؤ گے۔''

مرقش ہنس دیا۔ کہنے لگا۔ ''میں یہ سوچ کر آؤں گا۔''

شعبان نے اپنے منصوبے کی پیش رفت سے ناؤمی اور اُس کی خالہ کو بھی آگاہ کر دیا۔

ان دونوں پر مایوسی کا اس قدر غلبہ تھا کہ انہوں نے آگے سے کوئی جواب نہ دیا، بس خاموش رہیں۔ لیکن شعبان نے اپنا کام شروع کر دیا۔ شعبان کو رات کے وقت بھی قلعے کی چاردیواری کے اندر گھومنے پھرنے کی اجازت تھی۔ ایک رات وہ ٹہلتے ٹہلتے قلعے کے اس عقبی دروازے کی طرف نکل گیا جس دروازے سے پندرہ یوم کے بعد قلعے میں سامانِ خورد و نوش آتا تھا۔ عقبی دروازہ بند تھا اور اندر ڈیوڑھی میں تین چار سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ وہ شعبان کو جانتے تھے کہ یہ طبیب ہے اور اس کے بارے میں داروغہ قلعہ نے حکم دے رکھا ہے کہ اسے قلعے کے اندر چلنے پھرنے سے نہ روکا جائے۔ اس رات شعبان کے کندھے سے ایک چھوٹی چھاگل لٹک رہی تھی جس میں عام طور پر گھومتے پھرتے وقت پانی رکھا جاتا تھا تاکہ اگر کسی مریض کو ضرورت پڑے تو وہ اسے پانی پلا سکے۔

شعبان نے اس زمانے کے رواج کے مطابق ڈیوڑھی میں پہرہ دینے والے سپاہیوں کو سلام کیا اور ان کے احساسِ فرض کی تعریف کی کہ رات کے وقت جب دوسرے سپاہی سو رہے ہیں، وہ پہرے پر کھڑے ہیں۔ ان میں سے ایک سپاہی نے کہا۔

''یہ ہمارا فرض ہے۔''

شعبان نے ایک بار ان کے اس جذبے کی تعریف کی۔ کندھے سے چھاگل اُتارتے ہوئے کہا۔ ''میں نے آج ایک خاص خوشبودار شربت تیار کیا تھا۔ کیا تم اسے پیو گے؟''

شعبان نے ایک چھوٹے کٹورے میں چھاگل میں سے شربت ڈال کر ایک سپاہی کو دیا۔ سپاہی ایک ہی گھونٹ میں اسے پی گیا۔ کہنے لگا۔

''اس میں صحرائی گلاب کے پھولوں کی خوشبو ہے۔''

شعبان بولا۔ ''میں طبیب ہوں اور عطار بھی ہوں۔ یہ سرخ گلابوں کے عرق کا شربت ہے جو روح اور جسم دونوں کو فرحت بخشتا ہے۔''

شعبان نے باری باری باقی سپاہیوں کو بھی شربت پلایا۔ قریب ہی اصطبل تھا جس کے باہر مشعل روشن تھی۔ اندر گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ شعبان سپاہیوں کو سلام کر کے واپس جانے لگا تو اُس نے جاتے ہوئے گھوڑوں کو گن لیا۔ یہ پانچ گھوڑے تھے جن پر زین وغیرہ کسی ہوئی تھی۔ یہ گھوڑے کسی ہنگامی حالت کے مقابلے کے لئے ہر وقت تیار رکھے جاتے تھے۔ شعبان اب رسد لانے والے قافلے کے انتظار میں دن گننے لگا۔ اس دوران

وہ ایک رات چھوڑ کر بظاہر یونہی قلعے کے اندر گھومتے پھرتے قلعے کے عقبی دروازے کے محافظوں کے پاس ضرور جاتا اور انہیں ہر روز اپنی چھاگل میں سے نئے نئے پھولوں کی خوشبوؤں والے شربت ضرور پلاتا۔

آخر وہ دن آن پہنچا جس کی دوپہر کو سامانِ خورد و نوش لے کر بحر مردار والے گاؤں کے قافلے کو آنا تھا۔ قافلہ دوپہر کے وقت پہنچا اور سامان اتارتے اور انہیں قلعے میں رکھواتے شام ہو گئی۔ حسب معمول قافلے والوں نے قلعے کے عقبی دروازے کے باہر کچھ فاصلے پر اپنے خیمے لگا لئے تھے اور الاؤ روشن کر کے گوشت وغیرہ بھونا جانے لگا تھا۔

شعبان نے داروغہ قلعہ کو اطلاع کر دی کہ وہ قافلے والوں کے طبی معائنے کو جا رہا ہے کہ کہیں ان میں سے کوئی بدو کسی صحرائی مرض میں مبتلا تو نہیں ہے۔ یہ تو ایک بہانہ تھا۔ مقصد مرقش سے ملنا تھا۔ لیکن سب سے پہلے شعبان نے سارے قافلے والوں کا معائنہ کیا۔ آخر میں مرقش کا معائنہ کیا اور اس کے پاس ٹھنڈی ریت پر وہیں بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا کیونکہ اس وقت قافلے والوں میں ایک بدو ان کے قریب ہی بیٹھا مشعل کی روشنی میں رسّی کا ایک گچھا کھول رہا تھا۔ جب وہ رسّی کو پوری طرح سے کھولنے کے بعد اُٹھ کر دوسرے خیمے کی طرف چلا گیا تو شعبان نے مرقش سے پوچھا۔

''کیا تم تیار ہو کر آئے ہو؟''

''کیسی تیاری؟'' مرقش نے اُلٹا سوال کر دیا۔

شعبان بولا۔ ''مقصد میرا یہ تھا کہ کیا تم فرار کے لئے تیار ہو کر آئے ہو؟ کیونکہ میں نے تو پوری تیاری کر لی ہوئی ہے۔''

مرقش نے اپنے سر پر بندھا ہوا صافہ اتار کر دوبارہ باندھتے ہوئے کہا۔ ''تیار ہو کر آیا ہوں۔'' پھر شعبان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''کیا ہماری بیٹی ناؤمی اور اس کی خالہ بھی اس فرار کے لئے تیار ہو گئی ہیں؟''

''کیوں نہیں ہوں گی۔'' شعبان نے جواب دیا۔ ''وہ تو پہلے دن سے اس دن کا انتظار کر رہی ہیں۔''

مرقش اسی طرح اپنے اُونٹ کے کجاوے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ یہ کجاوہ بیٹھے ہوئے جگالی کرتے اونٹ کے پہلو سے لگا ہوا تھا۔ کہنے لگا۔

"ہم یہاں صرف چار دن قیام کریں گے۔ آج کا دن گزر گیا ہے۔ ترسوں کی رات تیاری میں گزر جائے گی۔ ہمارے پاس صرف کل یا پھر پرسوں کی رات ہے۔ ہمیں ان دو راتوں میں سے فرار کے واسطے ایک رات کو چن لینا ہوگا۔"

شعبان بولا۔ "میں چاہتا ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے ہم یہاں سے نکل چلیں۔ جب ہر بات طے ہے تو پھر ہمیں مزید انتظار میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

"پھر کیا خیال ہے؟" مرقش نے قریبی خیمے کی طرف جہاں الاؤ کے گرد کچھ لوگ بیٹھے تھے، گردن موڑ کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

شعبان بولا۔ "ہم کل رات یہاں سے نکل چلیں گے۔"

مرقش کی نظریں روشن الاؤ کے گرد بیٹھے ہوئے بدوؤں پر جمی تھیں جو پیٹ بھر کر بھنا ہوا گوشت کھانے کے بعد اب دف بجا کر کوئی صحرائی لوک گیت گا رہے تھے۔ شعبان نے پوچھا۔ "یہ لوگ رات کو کس وقت سو جاتے ہیں؟"

مرقش بولا۔ "آدھی رات ہونے سے ذرا پہلے سو جاتے ہیں اور بے سدھ ہو کر سوتے ہیں۔ کیونکہ یہ جی بھر کر شراب پی لیتے ہیں۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔" شعبان بولا۔ پھر ایک سوکھی ٹہنی سے ریت پر لکیر ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔ "ہماری منزل جوڈیا ہوگی۔ میں آگے صحرائی راستوں سے ناواقف ہوں۔ کیا تمہیں ان صحرائی راستوں کا کوئی علم ہے؟"

مرقش بولا۔ "میری ساری عمر ان صحراؤں میں دربدری کرتے گزری ہے۔ میں جانتا ہوں یہاں سے کون سا راستہ جوڈیا شہر کی طرف جاتا ہے اور اُس راستے سے بھی واقف ہوں جو خفیہ بھی ہے اور جس کی مسافت بھی کم ہے۔ راستے میں صرف ایک دریا اور ایک سنگلاخ پہاڑی وادی طے کرنی پڑتی ہے۔"

شعبان نے پوچھا۔ "تمہارا کیا اندازہ ہے، اگر ہم صحرا میں تیز دوڑنے والے گھوڑوں پر سفر کریں تو ہمیں جوڈیا تک پہنچتے پہنچتے کتنے دن لگ جائیں گے؟"

مرقش نے تھوڑی دیر سوچا، انگلیوں پر کچھ گنا اور بولا۔ "صحرا میں گھوڑے چوبیس گھنٹے نہیں دوڑیں گے۔ دن کے وقت صحرا آگ کی طرح تپ رہا ہوتا ہے۔ ہمیں رات کے

وقت سفر کرنا پڑے گا۔ دن کے وقت ہم کسی جگہ چھپ جائیں گے۔ لیکن میں تمہیں ایسے راستے سے لے جاؤں گا جس راستے پر قافلے سفر نہیں کرتے۔ یہ دُشوار گزار ہے۔ اس راستے پر تعاقب کرنے والے سپاہیوں کے آنے کا خطرہ بہت کم ہوگا۔ پھر بھی ہمیں سات راتوں کا سفر ضرور طے کرنا پڑے گا۔ ہمیں سات دنوں کی خشک خوراک اور خاص طور پر پانی ضرور ساتھ رکھنا پڑے گا۔ خشک گوشت کا انتظام ہو جائے گا۔ ہمارے پاس خشک گوشت بھاری مقدار میں موجود رہتا ہے۔ پانی کی کچھ چھاگلیں بھی میں رات کو ایک جگہ چھپا کر الگ رکھ لوں گا۔"

شعبان نے کہا۔ "میں آدھی رات کے بعد ناؤمی اور اس کی خالہ کو لے کر اس عقبی دروازے سے نکلوں گا۔ ہم تین گھوڑوں پر سوار ہوں گے۔ چوتھا خالی گھوڑا تمہارے واسطے ہمارے ساتھ ہوگا۔ تم ہمیں کس جگہ ملو گے؟"

مرقش جہاں بیٹھا تھا، وہاں سے بائیں جانب کھجور کے جھنڈ ستاروں کی روشنی میں دُھندلے دُھندلے دکھائی دے رہے تھے۔ اُس نے ان درختوں کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔ "میں کھجوروں کے اس جھنڈ کے نیچے تمہارا انتظار کروں گا۔ لیکن تمہیں دیر نہیں کرنی ہوگی۔ کیونکہ ہمارے پاس وقت کم ہوگا اور خطرہ بھی ہوگا کہ کوئی جاگ پڑے۔"

"بس تم تیار رہنا۔ ہم دیر نہیں کریں گے۔ اب میں جاتا ہوں۔ کل آدھی رات کے بعد ملاقات ہوگی۔"

اتنا کہہ کر شعبان اٹھنے لگا تو مرقش نے اس کا بازو تھام لیا اور پوچھا۔

"میں اب بھی رات کے وقت پہرہ دینے والے سپاہیوں کی طرف سے پریشان ہوں۔ مجھے بتاؤ تم انہیں کس طرح اپنے راستے سے ہٹاؤ گے؟ تم اکیلے ان تین چار پیشہ ور سپاہیوں کو قتل نہیں کر سکو گے۔"

شعبان نے آہستہ سے کہا۔ "میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں انہیں ان کی جان لئے بغیر ٹھکانے لگا دوں گا۔ بے فکر رہو۔"

پھر شعبان اُٹھ کر قلعے کے عقبی دروازے کی طرف چل دیا۔

ناؤمی اور اُس کی خالہ کو شعبان نے پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔ وہ دونوں اپنی کوٹھڑیوں میں جاگ رہی تھیں۔ یہ عام قیدیوں کی کوٹھڑی نہیں تھی۔ داروغہ جیل نے شعبان کی ہدایت

پر ان دونوں کو قلعے کی ایک الگ کوٹھڑی میں منتقل کر دیا تھا جس کی کھڑکی پچھلی جانب کھلتی تھی۔ خالہ نے اس رات کھڑکی کی اندر والی چٹخنی نہیں لگائی تھی۔ وہ دونوں جاگ رہی تھیں۔ دونوں سہمی ہوئی تھیں۔ پکڑے جانے کا خوف ان دونوں پر غالب تھا۔ ناؤمی زیادہ خوفزدہ تھی۔ اُس رات چاند نہیں نکلا ہوا تھا۔ صحرا میں چاند نہ بھی نکلا ہوا ہو تب بھی ستاروں کی چمک میں صحرا میں ہلکی ہلکی روشنی رہتی ہے۔

رات کے دوسرے پہر شعبان حسبِ عادت معمول کی گشت پر کوٹھڑی سے نکل آیا۔ دو چار سپاہیوں نے جو پہرہ دے رہے تھے، اُسے دیکھا مگر وہ جانتے تھے کہ یہ طبیب داروغہ قلعہ کا خاص آدمی ہے اور یہ اس لئے رات کو گشت لگاتا ہے کہ کسی کوٹھڑی میں کوئی قیدی بیمار تو نہیں یا درد سے چلا تو نہیں رہا؟ شعبان نے بھی ان سپاہیوں سے سلام دُعا لی اور بظاہر بے نیازی سے آگے چل دیا۔ پانی کی چھاگل اُس کے کاندھے سے لٹک رہی تھی۔ آج اس چھاگل میں جو شربت تھا اس میں بڑی سریع الاثر بے ہوشی کی دوا ملی ہوئی تھی۔

چلتے چلتے شعبان مڑ کر ایک دیوار کے عقب میں آیا تو دیوار کے ساتھ لگ گیا اور تاروں کی دھندلی روشنی میں پیچھے کی طرف دیکھا۔ پیچھے کوئی محافظ سپاہی نہیں تھا۔ شعبان تیز تیز قدم اٹھاتا پچاس ساٹھ قدم آگے چلا اور پھر دیوار میں بنی ہوئی ایک کھڑکی کے پاس آ کر رک گیا۔

یہ ناؤمی اور خالہ کی کوٹھڑی کی عقبی کھڑکی تھی۔ اُس نے کھڑکی پر آہستہ سے تین بار دستک دی۔ خالہ نے کھڑکی کھول دی۔ شعبان نے سرگوشی میں کہا۔

''جلدی سے باہر آ جائیں۔''

دونوں پہلے سے تیار بیٹھی تھیں۔ پہلے خالہ اور بعد میں ناؤمی کھڑکی میں سے باہر نکل آئیں۔ شعبان نے سرگوشی میں کہا۔

''سب ٹھیک ہے۔ میرے پیچھے پیچھے آنا۔ ایک دوسرے سے بات نہیں کرنی۔ کھانسی آئے تو اسے روک لینا۔''

شعبان آگے چلا تو ناؤمی اور خالہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑیں۔

شعبان نے پہلے سے راستے کا تعین کر رکھا تھا۔ کوٹھڑیوں کی عقبی دیوار اور قلعے کی دیوار کے درمیان تنگ سا راستہ بنا ہوا تھا۔ وہ تینوں اس راستے میں سے گزر رہے تھے۔ وہاں

اندھیرا تھا۔ جب قلعے کا عقبی چھوٹا دروازہ چند قدموں کے فاصلے پر رہ گیا تو شعبان نے سرگوشی میں خالہ سے کہا۔

''میرے آنے تک تم لوگ اسی جگہ چھپے رہو بالکل خاموش رہنا۔ مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ گھبرانا نہیں۔''

دونوں سہمی ہوئی خوفزدہ عورتوں کو قلعے کی دیوار کے نیچے چھوڑ کر شعبان قلعے کے عقبی دروازے کی طرف بڑھا۔ اب وہ بے فکر ہو کر چلنے لگا۔ چلتے چلتے دروازے کی ڈیوڑھی میں آ گیا۔ وہاں تینوں محافظ سپاہی پہرے پر کھڑے تھے۔ شعبان نے معمول کے مطابق انہیں سلام کیا اور بولا۔

''سب ٹھیک ہے نا؟''

ایک سپاہی نے جواب دیا۔ ''سب ٹھیک ہے۔''

شعبان نے چھاگل میں سے شربت کٹوری میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''آج میں آپ کے لئے جو شربت لایا ہوں اس میں گل مہر کے سرخ پھولوں کی خوشبو شامل ہے۔ ذرا پی کے دیکھو۔''

چونکہ شعبان کا یہ معمول تھا کہ رات کو گشت پر آتے ہوئے وہ ان محافظ سپاہیوں کو ٹھنڈے خوشبودار شربت ضرور پلاتا تھا، یہ معمول اُس نے اپنے منصوبے کے مطابق چند روز سے بنا لیا تھا۔ سپاہی خوشی خوشی شربت پی گئے۔ بے ہوشی کی دوا بڑی جلدی اثر کرنے والی تھی۔ چنانچہ شربت پینے کے چند ہی ثانیوں کے بعد تینوں سپاہی کھڑے کھڑے دھڑام سے باری باری زمین پر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ جب شعبان نے پوری تسلی کر لی کہ سپاہی بے ہوش ہو چکے ہیں تو وہ دوڑ کر پیچھے ناؤمی اور خالہ کے پاس گیا اور بولا۔

''جلدی سے آ جاؤ۔''

دروازے کی ڈیوڑھی میں آ کر اُس نے دونوں سہمی ہوئی عورتوں کو ایک طرف کھڑا کیا اور خود اصطبل میں سے باری باری چار گھوڑے نکالے۔ ناؤمی اور خالہ کو الگ الگ گھوڑوں پر بٹھایا، خود ایک الگ گھوڑے پر سوار ہوا اور چوتھے گھوڑے کی باگ تھام کر گھوڑوں کو قدم قدم اپنے پیچھے چلاتا قلعے کے دروازے سے باہر نکل آیا۔ باہر نکلتے ہی اُس نے کھجور کے اس جھنڈ کی طرف رُخ کر لیا جہاں مرقس نے اُسے آنے کے لئے کہا تھا۔ یہ جھنڈ ستاروں

کی روشنی میں دُور سے ایک تاریک ٹیلے کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ قافلے کے لوگ اپنے اپنے خیموں کے اندر اور باہر بے سدھ ہو کر گہری نیند سو رہے تھے۔ الاؤ کی آگ بجھ چکی تھی۔ اُونٹ گردنیں نیچی کئے بیٹھے خاموشی سے جگالی کر رہے تھے۔ کبھی کبھی کسی اُونٹ کے بلبلانے کی آواز صحرائی رات کے سکوت کو مرتعش کر کے خاموش ہو جاتی تھی۔ کھجوروں کے جھنڈ کے نیچے مرقش انتظار کر رہا تھا۔

ان لوگوں کے گھوڑے قریب آئے تو وہ جھنڈ میں سے باہر نکل آیا۔ تب شعبان کو خیال آیا کہ وہ سفر میں کھانے کے واسطے خشک خوراک اپنے ساتھ نہیں لایا۔ مرقش بولا۔

''فکر کی بات نہیں۔ میرے پاس اتنی خوراک ہے کہ ہمیں راستے میں کام آ سکے۔ پانی کی دو بڑی چھاگلیں بھی میں نے بھر کر رکھ لی ہیں۔''

شعبان نے کہا۔''اب ہمارا یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں۔ میں نے محافظ سپاہیوں کو بے ہوشی کی دوا پلا کر بے ہوش ضرور کر دیا ہے لیکن قلعے کا کوئی دوسرا سپاہی گشت لگاتا وہاں آ سکتا ہے۔''

مرقش نے گھوڑے پر پانی کی چھاگلیں اور خشک گوشت کا تھیلا لٹکا دیا۔ خود بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اس کا رُخ جنوب مغرب کی طرف کر کے ایڑ لگائی اور اس کی باگیں ڈھیلی کر دیں۔ ناؤمی، خالہ اور شعبان نے بھی اپنے گھوڑے مرقش کے پیچھے لگائے اور یہ چاروں سوار تاروں بھری صحرائی رات کی دُھندلی دُھندلی روشنی میں گھوڑے دوڑاتے دُور سے دُور ہوتے چلے گئے......!

ان لوگوں کی منزل جوڈیا نام کا شہر تھا جس پر بخت نصر کی فوجوں کا قبضہ تھا۔ مرقش ان کی راہ نمائی کر رہا تھا۔ وہ انہیں صحرا اور سنگلاخ اور ریتلے میدانوں کے ایسے راستوں سے لے کر جا رہا تھا جو عام تجارتی قافلوں کے راستوں سے ہٹ کر تھے اور جہاں ان کے پکڑے جانے کا امکان نہیں تھا۔ وہ راتوں کو سفر کرتے اور دن کے وقت جب صحرا کی ریت اور سنگلاخ ٹیلوں کے پتھر انگاروں کی طرح گرم ہو جاتے تو وہ کوئی سائے دار جگہ تلاش کر کے وہاں الاؤ روشن کر کے خشک گوشت بھون کر کھاتے، چھاگلوں میں سے ناپ تول کر پانی پیتے اور دن بھر آرام کرتے۔

اسی طرح سفر کرتے انہیں جب گیارہ راتیں گزر گئیں تو ایک روز صبح کی روشنی میں

انہیں دُور سے نسواری رنگ کا ایک پہاڑی سلسلہ دکھائی دیا جو شمال مغرب سے جنوب کی طرف پھیلتا چلا گیا تھا۔ مرقش نے گھوڑے کو روک کر کہا۔

''رب موسیٰ کی قسم! میں تمہیں صحیح منزل پر لے آیا ہوں۔ ان پہاڑیوں کی طرف دیکھو۔ ان کی دوسری طرف بنی اسرائیل کی مقدس سرزمین کنعان ہے جہاں رب یہواہ کا شہر جوڈیا آباد ہے جو کبھی میرا وطن تھا۔''

شعبان نے کہا۔''جوڈیا پر بابلی فوجوں کا قبضہ ہے۔ وہاں پر بخت نصر کا صوبے دار حکومت کرتا ہے۔ ہم وہاں جاتے ہی پکڑ لئے جائیں گے۔''

ناؤمی نے کہا۔''جوڈیا میرا شہر ہے۔ میرا وطن ہے۔ وہاں ہماری حویلی میں میرے ماں باپ کی لاشیں بے گور و کفن پڑی ہیں۔ میں وہاں ضرور جاؤں گی۔''

ناؤمی کی خالہ نے ناؤمی کے جذبات کی تائید کی۔ شعبان ناؤمی کے جذبات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اُس نے مرقش سے پوچھا۔

''تم کیا مشورہ دیتے ہو؟''

مرقش خود یہودی تھا۔ کہنے لگا۔''ناؤمی بیٹی کی خواہش کو ہم جھٹلا نہیں سکتے۔ ہم اسے لے کر اس کی حویلی میں ضرور جائیں گے۔ لیکن بھیس بدل کر جائیں گے۔''

شعبان بولا۔''لیکن ہمیں بے حد احتیاط سے کام لینا ہوگا۔''

انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور کنعان کی پہاڑیوں کی طرف سفر شروع کر دیا۔

جب سورج کی تپش ناقابل برداشت ہو گئی تو ببول کے درختوں کے ایک جھنڈ میں انہوں نے گھوڑوں کو چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا اور خود درختوں کی چھدری چھاؤں میں آرام کرنے لگے۔ مرقش نے آگ کا الاؤ روشن کر دیا۔ کچھ خشک گوشت بھون کر سب میں تقسیم کیا اور تھوڑی ہی دیر بعد سوائے شعبان کے باقی سب وہیں سونے کے لئے پڑ گئے۔ ساری رات سفر کرتے گزری تھی۔ وہ گہری نیند سو گئے۔ پھر شعبان پر بھی غنودگی طاری ہونے لگی اور وہ بھی سو گیا......!

سورج غروب ہونے کے کچھ ہی دیر بعد سب سے پہلے مرقش کی آنکھ کھلی۔ اُس نے دوسروں کو جگایا۔ سب نے مل کر تھوڑا بہت کھایا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کی منزل اب ان سے زیادہ دُور نہیں تھی۔ رات آدھی گزری تو وہ پہاڑیوں کے دامن میں آ گئے تھے۔ مرقش ان پہاڑی راستوں سے واقف تھا۔ گھوڑے اب قدم قدم چل رہے تھے۔ یہ سنگلاخ، بے آب و گیاہ پہاڑیاں تھیں۔ وہ بے شمار گھاٹیوں اور کھائیوں اور درّوں میں سے گزرتے چلے گئے۔ باقی کی رات بھی ان پہاڑیوں میں سے گزرتے گزر گئی۔ جب صبح کی روشنی پھیلی تو وہ کنعان کی وادی میں پہنچ چکے تھے۔ ان کے سامنے حدِ نظر تک پھیلی ہوئی وادی تھی جہاں کہیں سبزہ اور درخت تھے اور کہیں زرد ریت طلوع ہوتے سورج کی کرنوں میں شیشے کی طرح چمک رہی تھی۔ وادی کنعان کو طے کرنے کے بعد وہ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو اس کی دوسری جانب انہیں جوڈیا شہر کے مینار اور گنبد دکھائی دیئے۔ ناؤمی کی آنکھوں میں اپنے وطن کے در و بام کو دیکھ کر آنسو آ گئے۔ اُس کی خالہ کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔ اُس نے دونوں بازو شہر کی طرف پھیلاتے ہوئے کہا۔

''رب بنی اسرائیل! ہماری خطائیں معاف کر دے۔ ہمیں پھر سے ہمارا وطن عطا کر۔''

اُس نے ناؤمی کو اپنے گلے لگا لیا۔ شعبان نے مرقش سے کہا۔

''ہمیں دن کے وقت شہر میں داخل ہونے کا خطرہ مول نہیں لینا ہو گا۔ ناؤمی اپنے ماں باپ کی لاشوں کو حویلی سے اٹھا کر پورے مذہبی احترام سے دفن کرنا چاہتی ہے۔ اسے ساتھ لے کر ان کی حویلی میں جانا بھی ضروری ہے۔''

مرقش بولا۔ ''میں جوڈیا کا رہنے والا ہوں۔ شہر کے گرد و نواح کے چپے چپے سے واقف ہوں۔ شہر کے عقب میں ایک پہاڑی جنگل ہے۔ ان پہاڑوں میں کئی قدرتی غار ہیں۔ ہم

دن کے وقت وہاں چھپے رہیں گے۔ جب رات ہو جائے گی تو لباس بدل کر ناؤمی اور اس کی خالہ کو ساتھ لے کر اس کی حویلی میں جانے اور وہاں سے اس کے ماں باپ کی لاشیں لانے کی کوشش کریں گے۔ اگر وہ لاشیں اب تک وہاں پڑی ہوں گی تو چیل کوؤوں نے ان کا گوشت کھا لیا ہو گا۔ صرف ہڈیوں کے ڈھانچے ہی رہ گئے ہوں گے۔''

شعبان نے ساری بات ناؤمی اور اس کی خالہ کو سمجھا دی۔ چنانچہ دن کی روشنی میں وہ پہاڑ کے ایک کھوہ میں چھپے رہے۔ جب رات پڑ گئی اور اندھیرا گہرا ہو گیا تو مرقش انہیں لے کر پہاڑ پر سے اُتر آیا۔ وہ پہاڑ کی ڈھال لئے دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا شہر کے عقب میں آ گیا جہاں چھوٹے چھوٹے درختوں کا ایک جنگل تھا جو پہاڑی ڈھلان کے ساتھ اوپر تک چلا گیا تھا۔ مرقش انہیں ایک پہاڑی غار کے پاس لے آیا۔ یہاں انہوں نے گھوڑوں کو باہر باندھ دیا اور غار کے اندر بیٹھ گئے۔ شعبان کے دل میں ایک خیال آ گیا۔ اُس نے مرقش سے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ ہمیں رات کی بجائے دن کے وقت شہر میں داخل ہونا چاہئے۔ رات کے وقت شہر میں بابلی سپاہی ضرور گشت لگاتے ہوں گے۔ انہوں نے ہمیں دیکھ لیا تو اگرچہ ہم نے بھیس بدلا ہوا ہو گا لیکن ان کے دل میں خواہ مخواہ شک پیدا ہو گا کہ رات کے اندھیرے میں ہم شہر میں کس لئے گھوم پھر رہے ہیں۔''

ناؤمی کی خالہ بولی۔ ''دن کے وقت تو ہم ضرور پکڑے جائیں گے۔''

شعبان بولا۔ ''ہم اپنا حلیہ بابل کے لوگوں جیسا بنا لیں گے۔ اپنے کرتوں کی لمبی آستینیں آدھی کاٹ لیں گے۔ بابل کے لوگ نیم آستین والے کرتے پہنتے ہیں۔ اور ناؤمی اور خالہ بابل کی عورتوں کی طرح اپنے بالوں کے جوڑے بنا کر انہیں اوپر کو اٹھا لیں گی۔''

مرقش کو یہ مشورہ مناسب معلوم ہوا۔ شعبان کہنے لگا۔ ''دن کے وقت شہر میں بابل کے مرد اور عورتیں بھی چل پھر رہی ہوں گی۔ ہماری طرف کسی کا دھیان نہیں جائے گا۔''

جب یہ طے ہو گیا کہ وہ دن کے وقت شہر میں داخل ہوں گے تو باقی کی رات انہوں نے پہاڑی غار میں ہی بسر کی۔ جب دن نکل آیا تو مرقش اور شعبان نے اپنے لمبی آستینوں والے کرتوں کے بازو آگے سے کاٹ کر ان کی آستینوں کو آدھا کر دیا۔ اپنی عباؤں کو بابل کے لوگوں کی عباؤں کی طرح کمر بند کھول کر پھیلا دیا۔ ناؤمی اور اس کی خالہ نے اپنے

بالوں کو لپیٹ کر اپنے سروں کے اوپر اونچا کر کے جوڑا بنا دیا۔ بابل کی عورتیں اسی طرح اپنے بالوں کا جوڑا بنایا کرتی تھیں۔ مرقش نے چلنے سے پہلے سب کو اور خاص طور پر ناؤمی اور خالہ کو سمجھا دیا کہ وہ بازار میں چلتے ہوئے عبرانی زبان میں بات نہیں کریں گی بلکہ مصری یا بابلی زبان میں ایک دوسرے سے بولیں گی۔ یہ دونوں زبانیں اس زمانے میں وادی دجلہ و فرات میں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی تھیں۔ عبرانی زبان صرف یہودی بولتے تھے۔ عبرانی زبان بولنے سے ان دونوں کا یہودی ہونا ظاہر ہوگا اور بابل کے لوگ یہودیوں کو منحوس سمجھتے تھے اور انہیں جہاں دیکھتے تھے قتل کر دیتے تھے۔

اپنے حلیے اہل بابل کی وضع کے بنانے کے بعد یہ چاروں پہاڑی غار سے نکلے اور جوڑیا شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ شہر کے دروازے کو دیکھ کر ناؤمی کا دل غمگین ہو گیا۔ اُسے وہ دن یاد آ گئے جب وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بگھی نما رتھ میں سوار ہو کر اس دروازے میں سے گزرا کرتی تھی۔ شہر کے دروازے پر بابل کے سپاہی اسلحہ بند ہو کر کھڑے تھے اور ہر آتے جاتے کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ ذرا کسی پر شک گزرتا تو اسے روک کر اس سے پوچھ گچھ شروع کر دیتے۔

شعبان، ناؤمی، اس کی خالہ اور مرقش کے لباس اور وضع قطع چونکہ بالکل بابل والوں کی تھی اس لئے انہیں کسی نے نہ روکا اور وہ شہر کے دروازے میں سے گزر گئے۔ شہر کی اکثر عمارتیں اور مکان جل چکے تھے۔ کچھ ڈھے گئے تھے۔ کچھ کے ڈھانچے باقی تھے۔ جو مکان اور عمارتیں بچ گئی تھیں ان پر بابل کے لوگوں نے قبضہ کر لیا ہوا تھا۔ بازاروں میں زیادہ تر بابل اور ملک شام کے لوگ چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ مصری وضع قطع کے لوگ خال خال ہی کہیں نظر آ جاتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فراعنہ مصر کے ساتھ بابل کے بادشاہوں کی شروع ہی سے دشمنی چلی آتی تھی۔

ناؤمی انہیں مختلف بازاروں میں سے گزارتی ہوئی اپنے محلے میں لے آئی جہاں ان کی پرانی حویلی تھی۔ حویلی کا آدھا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر داخل ہو گئے۔ ناؤمی اور اس کی خالہ دوڑ کر صحن میں اس جگہ گئیں جہاں انہوں نے ناؤمی کے ماں باپ کو قتل ہوتے دیکھا تھا۔ صحن ویرانی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ صحن کے وسط میں فوارے کا گول تالاب خشک ہو چکا تھا۔ جگہ جگہ فرش پر گھاس اُگ رہی تھی۔ کوٹھڑیوں کے دروازے کھلے تھے۔ مکان کا قیمتی

سامان لوگ لوٹ کر لے گئے تھے۔ صرف ٹوٹی پھوٹی چیزیں صحن اور برآمدوں میں بکھری پڑی تھیں۔ ناؤمی نے سب سے پہلے انسانی ہڈیوں کے دو ڈھانچوں کو دیکھا جو فوارے کے چبوترے کی دیوار کے پاس زمین پر پڑے تھے۔ ناؤمی ان ڈھانچوں سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگی۔ مرقش نے حویلی کا آدھا کھلا ہوا دروازہ بند کر دیا تھا تاکہ باہر سے گزرنے والوں کی اندر نگاہ نہ پڑے۔ وہ بھی انسانی ڈھانچوں کے پاس آ گیا۔ ناؤمی کی خالہ اسے اپنے سینے سے لگائے صبر کی تلقین کر رہی تھی۔ خود اس کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے۔ شعبان نے ناؤمی کی خالہ سے پوچھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ یہی ناؤمی کے ماں باپ کی لاشوں کے ڈھانچے ہیں؟"

خالہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "ہاں...... مجھے یقین ہے یہ ڈھانچے ناؤمی کے ماں باپ ہی کے ہیں۔ میں نے انہیں اسی جگہ قتل ہو کر گرتے دیکھا تھا۔"

شعبان نے مرقش کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "ہمیں جتنی جلدی ہو سکے ان ڈھانچوں کی ہڈیاں الگ الگ کپڑوں میں لپیٹ کر لے جانی چاہئیں۔ اگر کوئی بابلی سپاہی اندر آ گیا تو اسے یقین ہو جائے گا کہ ہم یہودی ہیں۔"

مرقش نے اسی لمحے ایک جگہ صحن میں پڑی چادر اٹھا کر اسے پھاڑ کر دو ٹکڑے کیا، پھر منہ ہی منہ میں توریت یا زبور کے کلمات پڑھتے ہوئے انسانی ڈھانچوں کو سمیٹنے لگا۔ دونوں ڈھانچوں کی ہڈیوں کو اس نے بڑی احتیاط سے الگ الگ کپڑوں میں باندھ کر ان کی دو گٹھڑیاں بنائیں۔ ایک گٹھڑی کو سر پر رکھا، دوسری کو بغل میں دبایا اور ناؤمی سے کہا۔ "بیٹی! یہاں زیادہ دیر رُکنا مناسب نہیں۔ آ جاؤ اور صبر کرو۔ رب موسیٰ کی یہی رضا تھی۔"

شعبان نے مرقش سے پوچھا۔ "قبرستان یہاں سے کتنی دُور اور کس طرف ہے؟"

تب ناؤمی کہنے لگی۔ "ہمیں ان میتوں کی ہڈیاں دفن کرنے کے واسطے کسی قبرستان میں نہیں جانا۔"

مرقش بولا۔ "تو کیا انہیں یہاں صحن میں ہی دفن کریں گے؟"

ناؤمی نے کہا۔ "اس حویلی کے نیچے ایک تہہ خانہ ہے جہاں میرے دادا اور دادی دفن ہیں۔ میں اپنے ماں باپ کی ہڈیوں کو ان کے پہلو میں دفن کروں گی۔"

شعبان بولا۔ "تو پھر ہمیں جلدی سے نیچے لے چلو۔ اگر کوئی بابلی سپاہی آ گیا تو یہ سب

کچھ نہ صرف دھرا رہ جائے گا بلکہ ہم پکڑے بھی جائیں گے۔"

ناؤمی انہیں لے کر ایک کوٹھڑی کے خفیہ زینے میں سے اتر کر نیچے تہہ خانے میں آ گئی۔ یہاں پہلے سے دو قبریں بنی ہوئی تھیں۔ ناؤمی نے قبروں کے تعویذ چومے اور شعبان سے کہا۔ "یہ میرے دادا اور دادی کے مدفن ہیں۔"

ناؤمی کے ماں باپ کی بچی کھچی ہڈیوں کو قبروں کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ ناؤمی، اس کی خالہ اور مرقش نے قبروں کے پاس کھڑے ہو کر اپنی مقدس کتاب کے کچھ کلمات دہرائے، قبروں کو باری باری بوسہ دیا۔ یہ تینوں یہودی تھے۔ شعبان ایک طرف کھڑا یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ اس کے کان باہر کی جانب لگے ہوئے تھے اسے یہ خطرہ تھا کہ اوپر حویلی میں بابل کے فوجی گشت کرتے آ نہ جائیں۔

تدفین کی سادہ سی رسومات ادا کرنے کے بعد یہ لوگ حویلی سے نکلے اور جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے ہو کر واپس اپنی خفیہ پہاڑی پناہ گاہ میں آ گئے۔ شعبان نے مرقش اور ناؤمی کی خالہ سے پوچھا۔

"اب آپ لوگوں کا کیا منصوبہ ہے؟ میرا مطلب ہے کہ آپ لوگ کہاں جائیں گے یا جانا چاہتے ہیں؟ آپ جہاں جانا چاہیں گے میں آپ کو وہاں پہنچانے کے بعد اپنی منزل کی طرف جاؤں گا۔"

مرقش نے پوچھا۔ "تمہاری منزل کون سی ہے شعبان؟"

شعبان ذرا سا مسکرایا۔ کہنے لگا۔ "میں جہاں بھی جا کر ٹھہروں گا وہی میری منزل ہو گی۔ میری تم فکر نہ کرو۔ تم لوگ اپنی بات کرو۔"

پھر اس نے براہِ راست ناؤمی سے مخاطب ہو کر اس سے یہی سوال کیا۔ وہ اداس آواز میں بولی۔ "یروشلم میں میری ایک سہیلی ہیکل سلیمانی کے کلیہ بردار کی بیٹی ہے۔ میں اس کے پاس جاؤں گی اور باقی عمر ہیکل سلیمانی میں عبادت گزاری میں بسر کروں گی۔"

شعبان نے ناؤمی کی خالہ سے دریافت کیا کہ وہ کہاں جانا پسند کرے گی۔ ادھیڑ عمر عورت نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"میں بھی ناؤمی کے ساتھ ہی ہیکل سلیمانی میں جاؤں گی۔ عمر کے جو چند ایک سال باقی رہ گئے ہیں، وہیں عبادت کرنے اور زائرین کی خدمت کرنے میں گزارنا پسند کروں گی۔"

تب شعبان نے مرقش کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ "مرقش! یروشلم یہاں سے کتنے فاصلے پر ہو گا؟"

مرقش بولا۔ "یروشلم یہاں سے جنوب کی طرف تین راتوں کا سفر ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ بخت نصر کی فوجوں نے یروشلم کو بھی تاخت و تاراج کیا ہو گا اور ہیکل سلیمانی کا خزانہ لوٹ کر لے گئی ہوں گی۔ وہاں جانا بیکار ہے۔"

ناؤمی کہنے لگی۔ "خواہ کچھ بھی ہو، میں یروشلم ضرور جاؤں گی۔ مجھے یقین ہے میری راہبہ سہیلی ہیکل سلیمانی کے معبد میں ضرور موجود ہو گی۔"

ناؤمی کی خالہ نے بھی جب ناؤمی کے خیال کی تائید کی تو شعبان نے مرقش سے کہا۔ "مرقش! تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

مرقش بولا۔ "میرا اپنا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں تم لوگوں کے ساتھ ہوں۔ دنیا میں اکیلا ہوں۔ تم لوگوں کو یروشلم پہنچا کر جس طرف چاہے نکل جاؤں گا۔"

اس کے بعد انہوں نے یروشلم کی طرف کوچ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اسی رات کو یہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر یروشلم کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ تین راتوں کا سفر بڑا کٹھن تھا۔ انہیں ریتلے میدانوں اور صحراؤں کے علاوہ سخت پتھریلے میدانوں سے بھی گزرنا پڑا۔ کئی سنگلاخ ٹیلوں کو بھی عبور کیا۔ تیسری رات کے پچھلے پہر انہیں صبح کاذب کی پھیکی روشنی میں دور سے یروشلم شہر کی چار دیواری کے دو برج دکھائی دیے۔

سورج کے نکلتے نکلتے وہ شہر کے قرب و جوار میں پہنچ گئے۔ انہوں نے ایک ٹیلے میں قیام کیا اور کچھ ہی دیر بعد یروشلم شہر کی طرف چل دیے۔ گو وہ اہل بابل کے لباس میں تھے اس لئے انہیں پکڑے جانے کا زیادہ ڈر نہیں تھا۔ پھر بھی شعبان نے انہیں محتاط رہنے اور عبرانی زبان نہ بولنے کی ہدایت کر دی تھی۔ یروشلم شہر کی فصیل کے بڑے دروازے کی ڈیوڑھی میں بابلی فوج کے سپاہی موجود تھے۔ مرقش آہستہ سے کہنے لگا۔

"میرا خیال غلط نہیں تھا۔ بخت نصر کی فوج یہاں بھی موجود ہے۔ انہوں نے شہر کو برباد کر دیا ہو گا۔"

یروشلم کے بازار کھنڈر بنے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں کوئی مکان سلامت تھا، باقی راکھ کا ڈھیر بن چکے تھے۔ شہر کے بچے کھچے مکانوں اور دکانوں پر بابلی لوگوں نے قبضہ کر

رکھا تھا۔ شعبان اور مرقش آگے آگے چل رہے تھے۔ ناؤمی اور اس کی خالہ ان کے پیچھے پیچھے آرہی تھیں۔ ناؤمی اس سے پہلے کئی بار یروشلم آچکی تھی۔ مرقش کو بھی ہیکل سلیمانی کا محل وقوع معلوم تھا۔ جب وہ ایک ٹیلے کی ڈھلان اُترے تو انہیں آگے بائیں جانب ہیکل سلیمانی کے معبد کا گنبد دکھائی نہ دیا۔ مرقش خشک آواز میں بولا۔

"میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ بابلیوں نے مقدس ہیکل کو تباہ کر دیا ہے۔"

قریب پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ جہاں ہیکل سلیمانی ہوا کرتا تھا وہاں ہر طرف تباہی اور بربادی کا منظر تھا۔ ہیکل کی دیواریں گری پڑی تھیں۔ بابلی ہیکل کے سونے چاندی کے دروازے اُکھاڑ کر لے گئے تھے۔ ناؤمی کا دل غم سے بوجھل ہو گیا۔ اس نے اپنا سر ادھیڑ عمر خالہ کے کندھے کے ساتھ لگا لیا اور آنسوؤں بھری آواز میں بولی۔

"خالہ! آج بنی اسرائیل کا سہاگ اُجڑ گیا۔ اس کے بچے یتیم ہو گئے۔ مائیں بیوہ ہو گئیں۔ آہ! رب داؤد نے ہمیں بھلا دیا۔"

دونوں عورتیں ایک دوسرے کے گلے لگ کر آنسو بہانے لگیں۔ مرقش کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ شعبان خاموش کھڑا ہیکل سلیمانی کے عبرت انگیز کھنڈروں کو تک رہا تھا۔ اُس نے اپنی چھوٹی عمر میں ہی بڑی بڑی قوموں کو تباہ و برباد ہوتے، سلطنتوں کے تخت اُلٹتے اور بڑے بڑے فرعونوں کی گردنیں کٹتی دیکھی تھیں۔ یہ منظر بھی ان عبرت ناک مناظر میں سے ایک عبرت انگیز منظر تھا۔ ملبے کے ڈھیروں اور ہیکل کے ٹوٹے پھوٹے سنگ مرمر اور سنگ سبز کے پتھروں میں سے گزرتے ہوئے انہیں جگہ جگہ انسانی لاشوں کے پنجر بکھرے دکھائی دیئے۔ یہ انسانی پنجر یروشلم کی تیز دھوپ میں سیاہ پڑ چکے تھے۔ مرقش درد بھرے لہجے میں کہنے لگا۔

"آہ! یہ بنی اسرائیل کے بیٹے بیٹیوں کی ہڈیوں کے پنجر ہیں جنہیں بابلیوں نے بے دریغ قتل کر ڈالا۔ رب سلیمانؑ کا بابل پر قہر نازل ہوگا۔"

ہیکل سلیمانی کی تباہی و بربادی کی نشانی صرف ایک دیوار باقی رہ گئی تھی جو ہیکل کی عقبی دیوار تھی۔ ناؤمی، اس کی خالہ اور مرقش بے اختیار اُس دیوار کی طرف بڑھے۔ انہوں نے دونوں بازو دیوار پر رکھ کر اپنے سر دیوار کے ساتھ لگا دیئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ شعبان قریب کھڑا یہ دردناک منظر خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

ناؤمی، اُس کی خالہ اور مرقش دیوار کے ساتھ چہرے لگا کر رو رہے تھے اور بنی اسرائیل کی تباہی پر اہل بابل کے حق میں بددعائیں کر رہے تھے۔ یہی وہ دیوار ہے جو بعد میں یروشلم کی دیوارِ گریہ کے نام سے مشہور ہوئی اور جس کے ساتھ لگ کر بنی اسرائیل کی راندہ اور مغضوب قوم صدیوں تک آنسو بہاتی رہی۔

جب ان لوگوں کے دل کا غبار ہلکا ہوا تو شعبان نے ان کے قریب جا کر کہا۔

"قوموں پر مصیبت کا وقت آیا ہی کرتا ہے۔ اگر وہ دن نہیں رہے تو یہ دن بھی نہیں رہیں گے۔ اب ہمیں آگے کی فکر کرنی چاہئے۔ کیونکہ اگر کسی بابلی سپاہی نے تمہیں ہیکل کی دیوار کے ساتھ لگ کر روتے دیکھ لیا تو ہم پر ایک نئی مصیبت آجائے گی۔ ہمیں یہاں سے چل دینا چاہئے۔"

ناؤمی اور اس کی خالہ بڑی دل گرفتہ تھیں۔ مرقش نے ان سے پوچھا کہ اب ان کا کیا ارادہ ہے؟ وہ دیوارِ گریہ سے ہٹ کر ملبے کے ایک ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے۔ ناؤمی کہنے لگی۔ "میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میری سہیلی کامطی ابھی زندہ ہے۔"

مرقش اور شعبان خاموش رہے۔ ناؤمی کی خالہ نے کہا۔ "بیٹی! بابل کی فوج نے ہیکل کے کسی راہب، کسی راہبہ کو زندہ نہیں چھوڑا ہوگا۔ اور فرض کر لیا اگر وہ زندہ بھی ہوگی تو تم اسے کہاں تلاش کرتی پھرو گی؟"

ناؤمی نے جواب دیا۔ "مجھے یاد ہے، یہاں سے مغرب کی جانب ایک گاؤں ہے جہاں میری سہیلی کامطی کی ایک رشتہ دار رہا کرتی تھی۔ میں اس کے پاس جاؤں گی۔ میری سہیلی کسی نہ کسی طریقے سے ضرور وہاں پہنچ چکی ہوں گی۔"

شعبان نے پوچھا۔ "وہ گاؤں یہاں سے کتنی دُور ہوگا؟ اور کیا تمہیں اس گاؤں کا راستہ معلوم ہے؟"

ناؤمی بولی۔ "گاؤں زیادہ دور نہیں ہے۔ اور مجھے اس کا راستہ معلوم ہے۔"

مرقش نے شعبان سے کہا۔ "میرا خیال ہے ہمیں ناؤمی کی خواہش کے مطابق اس کی سہیلی کے گاؤں جا کر معلوم کر لینا چاہئے کہ وہ زندہ ہے یا نہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

شعبان بولا۔ "میں تم لوگوں کے ساتھ ہوں۔"

چنانچہ وہ رات کو ناؤمی کی سہیلی کامطی کے گاؤں کی طرف چل پڑے۔ وہ اپنے

گھوڑوں کو قدم قدم چلا رہے تھے کیونکہ ناؤمی ستاروں کی روشنی میں راستہ دیکھ دیکھ کر انہیں بتا رہی تھی کہ اب کس طرف جانا ہے۔ یوں سفر کرتے ہوئے ساری رات گزر گئی۔ صبح کے وقت انہیں دُور کھجوروں کے جھنڈ کے پاس ایک گاؤں کے مکانوں کی دیواریں نظر پڑیں۔ ناؤمی نے خوش ہو کر کہا۔

"یہی کاملی کی رشتے دار عورت کا گاؤں ہے۔"

یہ گاؤں چند ایک بدو لوگوں کے گھرانوں پر مشتمل تھا۔ یہ سارے کے سارے یہودی تھے۔ چونکہ اس سارے ملک پر بابلیوں کا قبضہ تھا اس لئے یہ لوگ ڈرے ڈرے سے تھے۔ گھوڑ سواروں کو گاؤں کی طرف آتے دیکھ کر یہ لوگ خوفزدہ ہو کر گھروں سے نکل کر قریب کے ٹیلوں میں جا کر چھپ گئے۔ وہ سمجھے کہ بابل کی فوج کے سپاہی آ گئے ہیں اور وہ ان کا قتل عام شروع کر دیں گے۔

جس وقت ناؤمی، مرقش اور شعبان وغیرہ گاؤں میں داخل ہوئے تو ہر طرف ہُو کا عالم طاری تھا۔ سارے مکان خالی پڑے تھے۔ لوگ اپنے بال بچوں کو لے کر فرار ہو چکے تھے۔ ناؤمی اپنی سہیلی کے گھر کو پہچان کر اس میں داخل ہو گئی۔ اس مکان کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔ صحن خالی پڑا تھا۔ ناؤمی نے کاملی کا نام لے کر اُسے آواز دی تو ایک بوڑھی عورت کوٹھڑی میں سے نکل آئی۔ ناؤمی نے اُسے پہچان لیا۔ یہ اس کی سہیلی کاملی کی رشتے دار خاتون تھی۔ اس بوڑھی عورت نے ناؤمی کو دیکھا تو بے اختیار ہو کر اُسے گلے لگا لیا۔ دونوں ایک دوسرے سے گلے لگ کر کچھ دیر آنسو بہاتی رہیں۔ شعبان، مرقش اور ناؤمی کی خالہ وہیں ایک ٹوٹے پھوٹے تخت پر بیٹھ گئے تھے۔ جب دونوں عورتوں کے دل کا غبار رونے سے ہلکا ہوا تو ناؤمی نے بوڑھی خاتون سے پوچھا۔

"اماں! کاملی کہاں ہے؟"

بوڑھی خاتون نے اس سوال کے جواب میں جو داستان سنائی، اس کا لب لباب یہ تھا کہ بخت نصر کی فوجوں نے جب یروشلم پر چڑھائی کی تو شہر کو فتح کرنے کے بعد مکانوں کو آگ لگا دی۔ گلی کوچوں میں لوگوں کا بے دریغ قتل عام شروع کر دیا اور ہیکل مقدس کو تباہ و برباد کر دیا اور ہیکل کے سارے زر و جواہر لوٹ کر لے گئے۔ ہیکل مقدس کے تمام مرد راہبوں کو تہ تیغ کر دیا۔ راہباؤں میں سے بھی کسی کو زندہ نہیں چھوڑا۔ تمہاری سہیلی کاملی

جان بچانے کے لئے قربان گاہ کے نیچے چھپی ہوئی تھی۔ اس وقت فوجوں کا سپہ سالار خود ہیکل مقدس کی تباہی و بربادی کی نگرانی کر رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر کاملی پر پڑ گئی۔ اُس نے اسے باہر نکلوایا تو کاملی دہشت کے مارے کانپ رہی تھی۔ خدا جانے کاملی کی کون سی ادا اُسے پسند آ گئی کہ اُس نے کاملی کا چہرہ ہاتھ سے اوپر اٹھا کر پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"کاملی۔" کاملی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

سپہ سالار نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ کاملی کو بحفاظت اس کے خیمے میں پہنچا دیا جائے۔ بوڑھی خاتون آگے کہنے لگی۔

"اس کے بعد بابلی فوجوں کا سپہ سالار کاملی کو اپنے ساتھ جوڈیا لے گیا۔ کاملی تب سے بابلی سپہ سالار کے حرم خاص میں ہے اور وہاں بڑی خوش ہے۔ وہ مہینے میں ایک دو بار مجھ سے ملنے ضرور آتی ہے اور میرے لئے قسم قسم کے تحفے لاتی ہے۔ تم بڑے موقع پر آئی ہو۔" بوڑھی خاتون نے ناؤمی سے کہا۔ "تمہاری سہیلی کاملی کے یہاں آنے کے یہی دن ہیں۔ شاید وہ کل نہیں تو پرسوں مجھ سے ملنے آ جائے۔ تم اب میرے پاس ہی ٹھہرو۔"

اب ایسا اتفاق ہوا کہ ناؤمی کی سہیلی کاملی اگلے روز ہی پہنچ گئی۔ گھر میں اپنی سہیلی ناؤمی کو دیکھ کر اُس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ اُس نے ناؤمی کو گلے لگا لیا اور اس سے ناؤمی کے ماں باپ کی خیریت دریافت کی۔ ناؤمی کی آنکھیں بھر آئیں۔ کہنے لگی۔

"بخت نصر نے جوڈیا کو برباد کر دیا۔ شہر کے مکانوں اور معبدوں کو آگ لگا دی۔ وہ ہماری حویلی میں بھی گھس آئے اور میرے دیکھتے دیکھتے میرے ماں باپ کو قتل کر دیا۔ اگر خالہ مجھے لے کر نہ بھاگتیں تو میں بھی قتل ہو گئی ہوتی۔"

کاملی نے دلی رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "ناؤمی! جوڈیا اور یروشلم میں بنی اسرائیل کا کوئی خاندان ایسا نہیں بچا جس کے افراد قتل نہ ہوئے ہوں۔ تمہارے ماں باپ کے مرنے کا مجھے دُکھ ہوا ہے۔ لیکن تم خوش قسمت ہو کہ رب داؤد نے تمہیں بچا لیا۔"

ناؤمی دل گیر ہو کر بولی۔ "ماں باپ کی موت کے بعد میرا جی اب زندہ رہنے کو نہیں چاہتا۔ میں یہاں تمہیں ملنے کے لئے آ گئی تھی۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ اگر تم بھی نہ ملیں تو کسی دریا میں کود کر اپنی زندگی ختم کر لوں گی۔"

کاملی نے ناؤمی کو اپنے ساتھ لگا لیا اور کہنے لگی۔ ''نہیں نہیں ناؤمی، ایسا سوچنا ٹھیک نہیں۔ ہیکل مقدس کی تباہی پر بنی اسرائیل کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ لیکن تمہیں زندہ رہنا ہوگا۔ ہیکل مقدس کی تباہی و بربادی کے بعد میں نے بھی پہاڑی سے کود کر جان دے ڈالنے کا سوچا تھا مگر رب داؤدؑ کو یہ منظور نہیں تھا۔ سپہ سالار قرطاس مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔ رب داؤدؑ کی یہی مرضی تھی۔ میں نے اس کی مرضی کے آگے سر جھکا دیا۔ اب میں قرطاس کے پاس بڑی خوش ہوں۔ وہ میرا بڑا خیال رکھتا ہے۔ اس نے مجھے ہر طرح کی آزادی دے رکھی ہے۔ اب تم بھی میرے ساتھ جاؤ گی اور میرے ساتھ جوڈیا کے شاہی محل میں رہو گی۔''

ناؤمی نے جواب دیا۔ ''جن لوگوں نے ہیکل مقدس کی بے حرمتی کی ہے اور بنی اسرائیل کے مردوں، عورتوں، بچوں کو اور میرے ماں باپ کو قتل کیا ہے، میں ان کے ساتھ کیسے رہ سکتی ہوں؟''

کاملی نے ناؤمی کا ماتھا چوم کر کہا۔ ''تم مجھ سے زیادہ ہیکل مقدس کی حرمت کرنے والوں میں سے نہیں ہو۔ میں تو ہیکل مقدس کی راہبہ تھی لیکن مجھے رب داؤدؑ نے بشارت دے کر کہا کہ خداوند کی یہی رضا تھی کہ بنی اسرائیل کو اس کے گناہوں کی سزا ملے۔ چنانچہ میں نے رب داؤدؑ کی رضا کے آگے سر جھکا دیا۔ تمہیں بھی راضی بہ رضا ہو جانا چاہئے۔ مجھے یہ بھی بشارت ملی ہے کہ بہت جلد بنی اسرائیل کی مصیبتوں کے دن کٹ جائیں گے اور ایک بار پھر ہیکل سلیمانی آباد ہوگا۔ اس کی لٹی ہوئی دولت و حرمت اسے واپس مل جائے گی۔ اس لئے تمہیں ایسی باتیں دل سے نکال دینی چاہئیں۔ میں تمہارا انکار نہیں سنوں گی۔ میں دو دن کے بعد واپس جوڈیا جا رہی ہوں اور تم میرے ساتھ چلو گی۔''

پھر کاملی نے ناؤمی کی خالہ سے بھی کچھ باتیں کیں اور شعبان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''یہ خوش شکل جوان کون ہے؟ اس کے چہرے سے شاہی وقار کی مشابہت ٹپکتی ہے۔''

شعبان، کاملی کی نگاہ تیز اور اس کی ذہانت سے بڑا متاثر ہوا۔ اس نے خود ہی جواب دیا اور کہنے لگا۔

''میرا نام شعبان ہے۔ میں مصر کا طبیب شاہی بھی رہ چکا ہوں۔ ایک ناکردہ گناہ کی پاداش میں فرعون نے مجھے دیس نکالا دے دیا۔ میں بابل میں آ گیا لیکن شاہی محلات کی

سازش کا شکار ہوا اور مجھے بابل سے سینکڑوں میل دور ایک قلعے میں قید کر دیا گیا۔''

اس کے بعد ناؤمی نے داستان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اسی قلعے میں، میں بھی اپنی خالہ کے ساتھ قید و بند کے دن گزار رہی تھی۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ شعبان سے ملاقات ہو گئی۔ میں بیمار ہو گئی تھی۔ شعبان نے میرا علاج بھی کیا اور مجھے اور خالہ کو وہاں سے نکال کر لے آیا۔''

جب کاملی کو شعبان کے بارے میں یہ پتہ چلا کہ وہ طبیب ہے اور اس کے علاج سے ناؤمی بھی صحت یاب ہو گئی تھی تو اُس نے شعبان سے کہا۔

''میں چاہتی ہوں کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ سپہ سالار قرطاس کے سر میں مستقل درد رہتا ہے۔ شاہی طبیب کے علاوہ شام اور مصر کے طبیبوں سے بھی علاج کروایا مگر کسی کے علاج سے فائدہ نہیں ہوا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم میرے ساتھ چل کر اس کا علاج کرو۔ شاید تمہارے علاج سے سپہ سالار قرطاس کو سر درد کی بیماری سے نجات مل جائے۔''

سپہ سالار کی بیماری کا ذکر چھیڑ کر کاملی نے شعبان کے اندر کے طبیب کو اور اس کے انسانی ہمدردی کے جذبات کو بیدار کر دیا تھا۔ اُس نے کہا۔

''میں تمہارے ساتھ ضرور چلوں گا اور قرطاس کا علاج کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے علاج سے اس کا دائمی مرض دُور ہو جائے گا۔''

جب ناؤمی کی خالہ اور مرقش کو بھی ساتھ چلنے کو کہا گیا تو خالہ نے کہا۔ ''میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ یہیں اس گھر میں رہوں گی۔''

مرقش کہنے لگا۔ ''میں اپنے وطن قرطاجنہ واپس جاؤں گا۔ میں اس جلا وطنی کی زندگی سے تنگ آ چکا ہوں۔''

چنانچہ شعبان ناؤمی اور اس کی سہیلی کاملی کے ساتھ دو دن کے بعد جوڈیا کی جانب روانہ ہو گیا۔ دورانِ سفر شعبان نے ناؤمی اور خاص طور پر کاملی کو سمجھا دیا کہ سپہ سالار قرطاس کو ہرگز یہ معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ میں فرعونِ مصر کا شاہی طبیب بھی رہ چکا ہوں۔ اس طرح وہ مجھے شک کی نگاہ سے دیکھے گا اور بہت ممکن ہے کہ مجھ سے علاج کروانے کی بجائے وہ مجھے گرفتار کر کے زندان میں ڈال دے۔ کیونکہ بابل اور مصر کی دشمنی آج کل شدت اختیار کر چکی ہے۔

''لیکن قرطاس کو یہ تو بتانا پڑے گا کہ تمہارا تعلق کس ملک سے ہے۔'' کاملی نے کہا۔
شعبان بولا۔ ''تم بے شک کہہ دینا کہ میرا تعلق مصر سے ہے اور فرعون نے دشمنی کی بنا پر مجھے جلاوطن کر دیا تھا جو ایک حقیقت بھی ہے۔''

صحرا میں تین راتوں کا سفر طے کرنے کے بعد یہ لوگ جوڈیا پہنچ گئے۔ سپہ سالار قرطاس کا محل آرائش اور زیبائش میں فراعنہ مصر کے محلات کی یاد تازہ کرتا تھا۔ اگلے روز کاملی شعبان کو سپہ سالار قرطاس کے ایوانِ خاص میں لے گئی۔ پختہ عمر کا سپہ سالار قرطاس ایک دیوان پر نیم دراز تھا۔ ماتھے پر پٹی بندھی تھی۔ وہ عام ڈھیلے ڈھالے لباس میں تھا۔ دو کنیزیں اُس کی تیمارداری کر رہی تھیں۔

کاملی کو دیکھ کر اُس نے کنیزوں کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ کاملی کی طرف مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھایا۔ کاملی آگے بڑھی اور جھک کر اُس نے قرطاس کا ہاتھ چوم لیا۔ قرطاس شعبان کی طرف دیکھ کر بولا۔

''یہ نوجوان کون ہے؟''

کاملی بولی۔ ''یہ رشتے میں میرا خالہ زاد ہے۔ چھ سات برس سے مصر کے دارالحکومت تھیبز میں طبابت کرتا رہا ہے۔ ایک ناکردہ گناہ کی پاداش میں فرعونِ مصر نے اسے مصر سے جلاوطن کر دیا ہے۔''

سپہ سالار قرطاس کی تیز رس نگاہیں شعبان کے چہرے پر جمی تھیں۔ کہنے لگا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

شعبان نے بڑے ادب سے جواب دیا۔ ''میرا نام شعبان ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد ملک شام سے نقل مکانی کر کے مصر میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ میرا باپ بھی طبیب تھا۔ میں نے یہ فن اپنے والد سے ورثے میں پایا ہے۔''

کاملی نے کہا۔ ''میں نے شعبان سے آپ کی بیماری کا تذکرہ کیا تو کہنے لگا میں کوشش کروں گا کہ بابل کا عظیم سپہ سالار میرے علاج سے شفایاب ہو جائے۔''

شعبان بولا۔

''سپہ سالار اعظم اگر اجازت دیں تو میں آپ کے مرض کی تشخیص کرنا چاہوں گا۔''

سپہ سالار قرطاس نے شعبان کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم نے پہلے

کبھی ایسے سر درد کا علاج کیا ہے جس کی وجہ معلوم نہ ہو؟''

شعبان بولا۔ ''جناب عالی! میرے نزدیک کوئی انسانی مرض ایسا نہیں ہے جس کی کوئی وجہ نہ ہو۔ اس وجہ کو دریافت کرنا طبیب کا کام ہے۔''

سپہ سالار نے اپنے قریب پڑی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شعبان سے کہا۔

''یہاں بیٹھ جاؤ!''

شعبان خاموشی کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا۔ کاملی دیوان کی پائنتی پر بیٹھی تھی اور سپہ سالار کے پاؤں دبا رہی تھی۔

سپہ سالار قرطاس نے باری باری اپنی دونوں کنپٹیوں پر اُنگلی لگا کر کہا۔ ''درد اس طرف سے اٹھتا ہے اور دوسری طرف لہروں کی شکل میں جاتا ہے اور واپس اسی جگہ آ جاتا ہے۔''

شعبان نے سپہ سالار کے ماتھے، کنپٹیوں اور کھوپڑی کے عقبی حصے کو ٹٹول کر دیکھا۔ کان کے نیچے اُنگلی سے ایک خاص رگ کو دباتے ہوئے پوچھا۔

''درد کچھ کم ہوا؟''

''نہیں۔'' سپہ سالار قرطاس نے جواب دیا۔

اسی طرح شعبان نے سر کے اردگرد تین چار جگہوں کو انگلی سے دبا کر یہی سوال دہرایا۔ سپہ سالار کا ایک ہی جواب تھا کہ اس کے درد میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ شعبان کرسی پر بیٹھ گیا۔ سپہ سالار نے پوچھا۔

''کیا تشخیص کی تم نے؟''

شعبان بولا۔ ''جناب عالی! میں آپ کے واسطے ایک خاص دوائی تیار کروں گا۔ یہ دوا آپ کو پندرہ یوم تک دن میں تین بار میں خود پلاؤں گا۔ اس کے بعد ایک بار پھر آپ کا معائنہ کروں گا۔ اس کے بعد ہی کچھ کہہ سکوں گا کہ آپ کا مرض کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہو سکتا ہے۔''

سپہ سالار نے شعبان کو دوا تیار کرنے کی اجازت دے دی اور اُسے خاص مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا اور اس کے مطب کے واسطے الگ کمرہ بھی دے دیا تھا۔ شعبان دو دن تک جوڈیا کے قرب و جوار کے صحرائی جنگل میں خاص قسم کی جڑی بوٹیاں تیار کرتا رہا۔ جب اُسے اپنی مرضی کی بوٹیاں مل گئیں تو مطب میں آ کر ان کی دوائی تیار کرنی شروع کر دی۔

ایک دن وہ دوائی کا محلول تیار کرنے کے بعد اسے باریک کپڑے میں سے گزار کر شیشے کی بوتل میں ڈال رہا تھا کہ کاملی آ گئی۔ شعبان اپنے کام میں لگا رہا۔

کاملی اُس کے قریب بیٹھ گئی۔ اُس نے پوچھا۔ ''شعبان! تمہارا کیا خیال ہے، اس دوائی سے قرطاس کی بیماری دُور ہو جائے گی؟''

شعبان بولا۔ ''مجھے پوری اُمید ہے کہ یہ بڑی کارگر دوا ہے۔ اس کے استعمال سے قرطاس کا سر درد جاتا رہے گا۔''

کاملی نے خوش ہو کر کہا۔ ''اگر قرطاس اچھا ہو گیا تو تمہیں بہت انعام و اکرام سے نوازے گا اور میری بھی عزت و توقیر میں اضافہ ہو گا۔''

شعبان بوتل پر ڈھکن چڑھاتے ہوئے بولا۔ ''میں نے کبھی کسی مریض کا علاج انعام و اکرام کے لالچ میں نہیں کیا۔ مریض کو صحت یاب کرنا میرا فرض ہے۔ ہاں اگر میرے اچھا کر دینے سے تمہاری عزت و توقیر بڑھے گی تو اس سے مجھے خوشی ہو گی۔''

دوائی تیار ہو گئی تو شعبان نے باقاعدگی سے سپہ سالار قرطاس کا علاج شروع کر دیا۔ وہ دن میں تین مرتبہ اپنے ہاتھ سے قرطاس کو دوا پلاتا۔ وہ پندرہ دن اُسے دوا پلاتا رہا۔ سولہویں دن سپہ سالار قرطاس نے محسوس کیا کہ اس کے سر کا درد کم ہونا شروع ہو گیا ہے۔ پہلے چوبیس گھنٹے سر درد کرتا تھا۔ لیکن اب درد میں وقفے آنا شروع ہو گئے تھے۔ سپہ سالار بڑا خوش ہوا۔ اُس نے شعبان کو خاص طور پر بلوا کر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''میں ایک عرصے سے اس موذی مرض میں مبتلا ہوں۔ تمام شاہی طبیبوں نے علاج کیا مگر کسی کی دوا سے مجھے آرام نہیں ملا۔ لیکن تمہاری دوا نے مجھے بے حد سکون دیا ہے اور لگتا ہے کہ میں اس مرض سے جلد نجات حاصل کر لوں گا۔''

شعبان نے کہا۔

''مجھے پورا یقین ہے کہ میرے علاج سے آپ کی بیماری جاتی رہے گی۔''

سپہ سالار بولا۔ ''اگر مجھے صحت مل گئی تو میں تمہیں نہ صرف منہ مانگا انعام دوں گا بلکہ تمہیں بطور طبیب خاص ہمیشہ کے لئے اپنے پاس رکھ لوں گا۔''

شعبان نے کہا۔ ''جناب عالی! مجھے انعام کا لالچ نہیں ہے۔ آپ صحت یاب ہو جائیں، بس یہی میرے لئے سب سے بڑا انعام ہے۔''

سپہ سالار قرطاس، شعبان کے اس جذبہ ایثار سے بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا۔

''تم ایک اچھے طبیب ہی نہیں، ایک اچھے انسان بھی ہو۔''

شعبان بولا۔ ''میں یہ دوائی ترک نہیں کرنا چاہتا۔ صرف دن میں تین بار کی بجائے میں آپ کو صرف ایک بار پلایا کروں گا۔''

مزید دس پندرہ دنوں تک شعبان سپہ سالار کو اپنی تیار کی ہوئی دوا دن میں صرف ایک بار پلاتا رہا۔ اس کے بعد دوائی نے اپنا پورا اثر دکھایا اور سپہ سالار کا سر درد بالکل ختم ہو گیا۔

اس خوشی میں سپہ سالار نے اپنے محل میں اپنی صحت یابی کا جشن منایا اور شعبان کو ریشمی پوشاک کا جوڑا اور زمرد کا جڑاؤ کنٹھا بطورِ خاص عطا کیا۔ اس کے علاوہ سپہ سالار نے شعبان کو جوڈیا کے گورنر یعنی بخت نصر کی طرف سے متعین صوبے دار سے بھی ملوایا اور شعبان کی بہت تعریف کی۔ صوبے دار بڑی توجہ سے سپہ سالار کی زبانی شعبان کی تعریف سنتا رہا۔ شعبان ادب سے ہاتھ سینے پر باندھے کھڑا تھا۔

بابلی صوبے دار نے شعبان کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''تم مصر کے دارالحکومت میں کتنی دیر طبابت کرتے رہے ہو؟''

شعبان دل میں ذرا چونکا کہ آخر بابل کے اس صوبے دار کو یہ سوال پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن وہ ذرا نہ گھبرایا۔ بڑے سکون اور وقار کے ساتھ سر کو ذرا سا جھکا کر بولا۔

''جب سے ہوش سنبھالا اپنے والد کے ساتھ کام کرنا شروع کیا۔ والد کی وفات کے بعد خود اس کی گدی پر بیٹھ کر بیماروں کی خدمت کرتا رہا ہوں۔''

جوڈیا کے بابلی گورنر نے پوچھا۔ ''تم نے مصر کیوں چھوڑ دیا؟ وہ تو تمہارا وطن تھا۔''

شعبان نے جھوٹ بولنے کی بجائے صاف صاف کہہ دیا۔ ''میرے علاج سے شاہی محل کے ایک شہزادے کو ایک کہنہ مرض سے نجات ملی تو محل کا شاہی طبیب میرا دشمن بن گیا۔ اُس نے سازش کر کے مجھ پر الزام لگایا کہ میں فرعون کے خلاف کوئی سازش کر رہا ہوں۔ فرعون شاہی طبیب کی باتوں میں آ گیا۔ وہ مجھے قتل کروانا چاہتا تھا لیکن میں نے ایک شہزادے کو اس کی بیماری سے نجات دلائی تھی چنانچہ فرعون نے میری موت کی سزا کو ملک بدری کی سزا میں تبدیل کر دیا اور میں یہاں آ گیا۔''

بابلی صوبے دار نے اس کے بعد شعبان سے کوئی سوال نہ کیا اور اسے جانے کی

اجازت دے دی۔ شعبان نے جھک کر صوبے دار کی تعظیم کی اور سپہ سالار کے ہمراہ صوبے دار کے محل سے چلا آیا۔ شعبان نے سپہ سالار قرطاس سے پوچھا۔

"عالی منصب صوبے دار نے مجھ سے یہ کیوں پوچھا تھا کہ میں مصر میں کب تک طبابت کا کام کرتا رہا ہوں؟ اور یہ کہ مجھے مصر سے کیوں نکلنا پڑا تھا؟"

سپہ سالار کہنے لگا۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ فراعنہ مصر سے ہماری سخت دشمنی ہے۔ بلکہ شہنشاہ بخت نصر نے تو مصر کے خلاف جنگ کی تیاریوں کا بھی حکم دے رکھا ہے۔ یہاں جوڈیا میں میری خاص نگرانی میں بابلی سپاہیوں کو جنگی مشقیں بھی کروائی جا رہی ہیں۔ کل میرے ساتھ چلنا، میں تمہیں اپنے سپاہیوں کی جنگی مشقیں دکھاؤں گا۔"

شعبان کو جنگی مشقیں دیکھنے کا کوئی شوق نہیں تھا لیکن سپہ سالار کے آگے وہ انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ دوسرے دن وہ سپہ سالار کے ساتھ اُس کے خاص جنگی رتھ میں سوار ہو کر شہر سے باہر ایک میدان میں آ گیا جہاں بابلی سپاہیوں کے چاق و چوبند دستے تیار کھڑے تھے۔ سپہ سالار قرطاس کے پہنچتے ہی جنگ کی مشقیں شروع ہو گئیں۔ سپاہیوں کا ایک دستہ دشمن کے سپاہیوں کا دستہ بن گیا، ایک دستہ بابل کے سپاہیوں کا تھا۔ دونوں میں دیکھتے دیکھتے فرضی جنگ شروع ہو گئی۔ تلواریں ڈھالوں اور تلواروں سے ٹکرانے لگیں۔ سپہ سالار ایک اونچے تخت پر بیٹھا اپنے سپاہیوں کو بلند آواز میں ہدایات دیتا جا رہا تھا۔ دُھوپ میں تلواریں چمک رہی تھیں۔ یہ فرضی جنگ اصلی میدانِ جنگ کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ شعبان بڑی دلچسپی سے جنگ کی یہ مشقیں دیکھ رہا تھا۔ اُس نے خاص طور پر اس بات کا مشاہدہ کیا کہ بابل کے سپاہیوں کی تلوار بازی سے فرضی دشمن کے سپاہیوں کی تلواریں کچھ دیر تک دشمن کا مقابلہ کرنے کے بعد ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ فرضی دشمن کے سبھی سپاہیوں کی تلواریں بابلی سپاہیوں کی تلواروں کی ضربوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور دشمن میدانِ جنگ سے بھاگنے لگا۔ بابل کے فوجی دستے نے اپنی فتح کا اعلان کر دیا اور میدان چھوڑ کر بھاگنے والے سپاہی بھی واپس آ گئے۔ جنگی مشق ختم ہو گئی تو شعبان نے محض اپنا تجسس دور کرنے کے واسطے سپہ سالار قرطاس سے پوچھا۔

"یہ کیسے ہو گیا کہ فرضی دشمن کے سارے سپاہیوں کی تلواریں ایک ایک کر کے ٹوٹتی چلی گئیں؟ کیا آپ نے جان بوجھ کر فرضی دشمن کے سپاہیوں کو کمزور تلواریں اور بابل کے

سپاہیوں کو اصلی تلواریں دے رکھی تھیں؟"

سپہ سالار شعبان کے سوال پر بڑا محظوظ ہوا۔ مسکرانے لگا۔ بولا۔

"دشمن مصریوں کا جو فوجی دستہ ہم نے بنایا تھا اس دستے کے ہر سپاہی کو ہم نے وہی تلوار دی تھی جو فراعنہ مصر کی فوج کے سپاہی استعمال کرتے ہیں۔ یہ تلواریں ہم نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے خاص طور پر چوری چھپے مصری فوج کی چھاؤنی سے منگوائی ہوئی ہیں۔ مصری فوج کے سپاہی جو تلواریں استعمال کرتے ہیں وہ کچے لوہے کی بنی ہوتی ہیں جبکہ ہماری بابل کی فوج کے سپاہی فولاد کی تلواریں استعمال کرتے ہیں جو ہم نے دوسری مضبوط دھاتوں کی آمیزش سے خاص طور پر اپنی فوج کے لئے تیار کروائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری تلوار کے تیسرے چوتھے وار پر مصری تلواریں دو ٹکڑے ہو جاتی ہیں۔ ہماری تلواریں مصریوں کی تلواروں کے مقابلے میں بہت مضبوط ہیں۔ اس دفعہ ہم نے ملک مصر پر چڑھائی کی تو تم دیکھو گے کہ ہم ایک ہی حملے میں مصری فوج کو تہ تیغ کر دیں گے۔"

شعبان نے بڑے اشتیاق کا اظہار کرتے ہوئے سپہ سالار قرطاس سے کہا۔

"کیا میں آپ کے سپاہیوں کی تلواریں دیکھ سکتا ہوں؟"

"کیوں نہیں۔" سپہ سالار نے جواب دیا۔

اُس نے اسی وقت ایک تلوار منگوا کر شعبان کو دکھائی۔ شعبان نے مصری سپاہیوں کی تلواریں بھی دیکھ رہی تھیں۔ بابل کے سپاہیوں کی یہ تلوار مصری سپاہیوں کی تلواروں سے وضع قطع میں مختلف نہیں تھی لیکن بابلی تلواروں کے مقابلے میں مصری تلواروں کا رنگ ضرور پھیکا تھا۔ سپہ سالار نے نیام میں سے اپنی تلوار نکال لی اور شعبان کو لے کر ایک چٹان کے پاس آ گیا۔ سب سے پہلے اُس نے اپنی تلوار سے چٹان پر بھرپور وار کیا۔ دس بارہ مرتبہ تلوار کو چٹان کے ساتھ پوری طاقت سے ٹکرانے کے بعد بھی تلوار کی دھار کند نہ ہوئی بلکہ چٹان پر گہرے نشان پڑ گئے۔ سپہ سالار قرطاس نے شعبان سے کہا۔

"اب تم اس مصری تلوار سے چٹان پر وار کرو۔"

شعبان نے پوری طاقت سے چٹان پر تلوار کا وار کیا تو پہلے وار سے ہی تلوار کند ہو گئی اور دوسرا وار کیا تو چٹان سے ٹکراتے ہی تلوار کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ شعبان نے سپہ سالار سے پوچھا۔

"آپ نے یہ فولاد کہاں سے حاصل کیا؟"

سپہ سالار کہنے لگا۔ "ہمارے ماہر اسلحہ سازوں نے یہ فولاد بابل کی زمین سے نکال کر اس میں دو ایک دُوسری دھاتوں کو ملا کر یہ تلواریں تیار کی ہیں۔"

شعبان نے سوال کیا۔ "مصریوں نے ایسی تلواریں کیوں نہیں بنائیں؟ کیا ان کی زمین سے ایسا فولاد نہیں نکلتا؟"

سپہ سالار ہنس کر بولا۔ "کیوں نہیں نکلتا؟ ضرور نکلتا ہے۔ بابل کی زمین اور مصر کی زمین میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن مصریوں کے پاس ہمارے جیسے لائق اسلحہ ساز نہیں ہیں۔ تم دیکھ لینا، ہم اس بار ان تلواروں کی مدد سے فرعون کی سلطنت کا تختہ اُلٹ دیں گے۔"

شعبان کو بابلی سپہ سالار کی یہ بات بری لگی۔ مصر کے فرعون نے اگرچہ شعبان کو جلا وطن کر دیا تھا لیکن مصر شعبان کا وطن تھا اور اسے اپنے وطن سے محبت تھی۔ اُس نے سپہ سالار قرطاس کے ساتھ اس موضوع پر کوئی بات نہ کی اور اس کے پہلو میں بیٹھ کر خاموشی سے جنگ کی مشقیں دیکھتا رہا۔ لیکن اس کا دماغ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

جس ملک میں اُس نے جنم لیا تھا، جس سرزمین کی مٹی نے اس کو پروان چڑھایا تھا، اس ملک کی طرف سے اب شعبان پر فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ اسے دشمن کی فوجوں سے تاخت و تاراج ہونے سے بچانے کی کوشش کرے۔ اگرچہ مصر واپس جانے میں شعبان کی جان کو خطرہ تھا لیکن شعبان نے مصر واپس جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس دوران بابل کی فوجوں نے نینوا پر چڑھائی کر کے اس کے دارالحکومت پر قبضہ کر لیا۔ اس فتح کی خوشی میں جوڈیا کے گورنر نے ایک جشن منایا۔ اس جشن میں مصر و شام کی رقاصاؤں نے ساری رات رقص کیا۔ کامطی اپنے ساتھ ناؤمی کو بھی جشن کی تقریبات میں لے آئی تھی۔ وہاں جوڈیا کے بابلی گورنر کی اُس پر نظر پڑ گئی۔ سپہ سالار قرطاس گورنر کے پہلو میں بیٹھا تھا۔ گورنر نے ناؤمی کی طرف اشارہ کر کے قرطاس سے پوچھا۔

"یہ کنیز کون ہے؟ میں نے اسے پہلے شاہی محل میں کبھی نہیں دیکھا۔"

قرطاس نے کہا۔ "یہ میری کنیز کامطی کی سہیلی ہے اور یروشلم کی رہنے والی ہے۔ اس کا نام ناؤمی ہے۔"

گورنر نے اسی لمحے ناؤمی کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ "ہم نے تمہیں اپنے لئے پسند کر لیا ہے۔ آج سے تم ہماری کنیز خاص بن کر ہمارے خاص محل میں رہو گی۔"

کامطی ناؤمی کے پاس ہی کھڑی تھی۔ ناؤمی نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ کامطی نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

"آپ کی اس عنایت خاص کا میں اپنی سہیلی کی طرف سے جتنی شکر گزاری کروں کم ہے۔ یہ میری سہیلی کی خوش نصیبی ہے کہ آپ نے اسے اپنے لئے چن لیا ہے۔"

گورنر نے اپنے گلے سے ہیرے جواہرات کا ہار اتار کر ناؤمی کے گلے میں ڈال دیا اور کامطی سے کہا۔ "ناؤمی کو ہمارے محل میں پہنچا دیا جائے۔"

ناؤمی کو بابل کے فوجیوں سے نفرت تھی۔ یہ لوگ اس کے ماں باپ اور اس کے قبیلے کے لوگوں کے قاتل تھے۔ اس کا جی چاہا کہ وہ بابلی گورنر کا دیا ہوا ہار اس کے منہ پر مار دے لیکن اس کو جرأت نہ ہوئی۔ اس کی ہمت نہ پڑی۔ کامطی ناؤمی کے جذبات کو سمجھتی تھی۔ وہ اُسے بازو سے کھینچتی ہوئی وہاں سے لے گئی۔

گورنر کے محل میں آ کر ناؤمی شاہی مسہری پر بیٹھ گئی اور چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ کامطی نے اس کے کندھے کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"ناؤمی! مجھے تیرے جذبات کا احساس ہے۔ میں ان جذبات کی قدر کرتی ہوں۔ جس طرح تم سوچ رہی ہو، میں بھی اسی طرح سوچتی ہوں۔ لیکن ہم مجبور ہیں، بے بس ہیں۔ سوائے حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لینے کے اور کچھ نہیں کر سکتیں۔"

ناؤمی نے تڑپ کر کہا۔ "میں اپنے دشمنوں سے، اپنے ماں باپ کے قاتلوں سے کیسے سمجھوتہ کر لوں؟ میں اپنی جان دے دُوں گی مگر اس محل میں نہیں رہوں گی۔"

کامطی نے ناؤمی کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

ناؤمی کو بہت جلد اس حقیقت کا احساس ہو گیا کہ کامطی ٹھیک کہتی تھی۔ قلعے کے قید خانے سے تو وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی مگر اس محل کے قید خانے سے فرار ناممکن تھا۔ وہ صبر کر کے بیٹھ گئی۔

دوسری طرف شعبان نے وہاں سے نکل جانے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ یروشلم سے مہینے میں ایک بار ملک فارس کو جانے والا قافلہ تجارتی سامان لے کر آتا تھا۔ وہ جوڈیا کی کارواں

سرائے میں ایک روز قیام کرنے کے بعد ملک فارس کی جانب روانہ ہو جاتا تھا۔ راستے میں وہ مصر کے دارالحکومت تھبز میں بھی دو ایک روز کے لئے رُکتا تھا۔ شعبان کا ارادہ تھا کہ وہ کسی کو بتائے بغیر بھیس بدل کر چپکے سے اس قافلے میں شامل ہو جائے گا اور اپنے وطن مصر پہنچ جائے گا۔

اب ایسا ہوا کہ جوڈیا کے گورنر کو اُس کے خاص جاسوس نے آ کر بتایا کہ شعبان نام کا طبیب جس نے سپہ سالار قرطاس کا علاج کیا تھا، فرعونِ مصر کا شاہی طبیب رہ چکا ہے اور فرعون نے اسے ہماری جاسوسی کرنے جوڈیا بھیج رکھا ہے۔ گورنر اس وقت اپنے خاص محل میں ناؤمی کے پہلو میں بیٹھا ناؤ نوشی میں مشغول تھا۔ جاسوس کی زبانی یہ خبر سن کر وہ آگ بگولا ہو گیا۔ کہنے لگا۔

''تمہاری اطلاع سچی ہے کیا؟''

جاسوسِ خاص نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''ربِ ملوخ کی قسم میں نے جو کچھ کہا حرف بہ حرف سچ ہے۔ یہ خبر مجھے انتہائی معتبر ذرائع سے ملی ہے۔ آپ اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔''

گورنر نے کہا۔''بس بس ...... مجھے اس کی تصدیق کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے پہلے ہی اس طبیب پر شک تھا۔ کل میں اس غدار مصری طبیب کو دربار میں بلا کر سب کے سامنے اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اُڑا دوں گا۔''

جاسوس چلا گیا۔ گورنر مے نوشی میں مشغول ہو گیا۔ وہ پہلے ہی نیم مدہوش تھا، کچھ دیر بعد وہ نشے میں پوری طرح مدہوش ہو کر پلنگ پر لیٹ گیا۔ ناؤمی نے جب دیکھا کہ گورنر اب صبح سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا تو اُس نے اپنے کمرے میں جا کر سیاہ لبادے میں اپنے منہ، سر اور جسم کو لپیٹا اور محل کے چور دروازے سے نکل کر شاہی مہمان خانے کی جانب چل پڑی۔ رات تاریک اور خاموش تھی۔ ناؤمی جوڈیا کی اندھیری گلیوں میں سے گزر کر شاہی مہمان خانے کے عقبی دروازے سے داخل ہو کر شعبان کی آرام گاہ کے دروازے پر پہنچ گئی۔ شعبان اس وقت سو رہا تھا۔

دروازے پر دستک کی آواز سے اُس کی آنکھ کھل گئی۔ حیران ہوا کہ آدھی رات کو اس کے پاس کون آیا ہے۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے ناؤمی کھڑی تھی۔ ناؤمی جلدی

سے اندر داخل ہو گئی۔ شعبان نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی ہے ورنہ ناؤمی کا یوں آدھی رات کو اس کے پاس آنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اس سے پہلے کہ شعبان اس سے کوئی سوال کرتا، ناؤمی ہاتھی دانت کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''تمہیں قتل کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے اس ملک سے نکل جاؤ۔ بس میں تمہیں یہی بتانے آئی تھی۔''

شعبان نے پوچھا۔''کس نے یہ فیصلہ کیا ہے اور کیوں کیا ہے؟''

ناؤمی نے کہا۔''گورنر کو اس کے کسی جاسوس نے تمہارے خلاف مخبری کی ہے کہ تم فرعون مصر کے شاہی طبیب ہو اور یہاں گورنر کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی سازش کر رہے ہو۔ بس اس سے زیادہ بتانے کا میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اپنی جان بچا کر یہاں سے کسی طرف نکل جاؤ۔''

یہ کہہ کر ناؤمی اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

شعبان اپنی جگہ پر بت بنا کھڑا رہا۔ لیکن فوراً اُس نے اپنے حواس کو سنبھالا اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ لکڑی کے صندوق میں سے ایک تلوار نکال کر اسے نیام سمیت کپڑے میں اپنے لمبے کرتے کے نیچے کمر کے ساتھ باندھ لیا۔ یہ اسی فولادی تلواروں میں سے ایک تلوار تھی جس نے مصری تلوار کو دو ٹکڑے کر دیا تھا اور جو بابل کی فوج میں سپاہیوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔ اس عہد کے کچھ سونے چاندی کے سکے بھی شعبان نے اپنے لمبے چولا نما کرتے کی جیب میں رکھ لئے اور خواب گاہ کے عقبی دروازے سے ہو کر مہمان خانے کے پائیں باغ میں آ گیا۔ باغ میں ایک دو جگہوں پر روغن کے لیمپ روشن تھے۔ شعبان ان کی روشنی سے اپنے آپ کو بچاتا نیم تاریک برآمدوں میں سے ہوتا ہوا باغ کے چھوٹے دروازے میں سے باہر نکل گیا۔ یہاں مہمان خانے کا اصطبل تھا جہاں ہر وقت چار پانچ گھوڑے تیاری کی حالت میں موجود رہتے تھے۔ وہ ایک گھوڑے کی باگ تھام کر اسے اصطبل سے باہر لے آیا۔

رات تاریک اور ساکت تھی۔ اصطبل سے باہر آتے ہی شعبان گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑے کا رُخ مشرق کی جانب سنگلاخ پہاڑیوں کی طرف پھیر دیا۔ اس بے آب و گیاہ

پہاڑی سلسلے کے پیچھے وہ صحرا تھے جنہیں پار کر کے شعبان نے اپنے وطن مصر کی سرحد میں داخل ہونا تھا۔

ملک جوڈیا کی سرحد سے نکلتے ہی شعبان نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر باگیں ڈھیلی کر دیں۔ گھوڑا تھوڑی ہی دیر میں ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ راتوں رات شعبان سنگلاخ پہاڑی سلسلے میں سے باہر نکل چکا تھا۔ مشرقی اُفق پر جب صبح کا اولین نور پھیلنے لگا تو شعبان ایک نخلستان میں آ کر گھوڑے سے اُتر پڑا، یہاں ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ اُس نے گھوڑے کو کھول دیا۔ چشمے کے پانی سے منہ ہاتھ دھویا اور وہیں ایک طرف آرام کرنے کو کھجوروں کے درختوں کی چھاؤں میں لیٹ گیا۔ ساری رات کا جاگا ہوا تھا، لیٹتے ہی اُسے نیند آ گئی۔

جب آنکھ کھلی تو سورج درختوں کے اوپر آ چکا تھا۔ گھوڑا ایک طرف گھاس وغیرہ چر رہا تھا۔

شعبان کو بھوک محسوس ہوئی۔ درختوں کے نیچے بہت سی کھجوریں گری پڑی تھیں۔ اُس نے کچھ کھجوریں اٹھا کر کپڑے میں ڈالیں اور چشمے کے پاس بیٹھ کر انہیں کھانے لگا۔ اچانک اُس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں ناؤمی نے اس کے آگے جھوٹ تو نہیں بولا؟ پھر اُسے اس خیال پر ہنسی آ گئی۔ اسے کیا ضرورت پڑی تھی اس قسم کی حرکت کرنے کی۔ ایک نہ ایک دن تو شعبان کے اس راز کا گورنر جوڈیا کو علم ہو ہی جاتا تھا کہ وہ فرعونِ مصر کا شاہی طبیب رہ چکا ہے اور مصر سے اہل بابل کی جانی دشمنی تھی۔ اس راز کے فاش ہو جانے کے بعد جوڈیا کا گورنر کیسے شعبان کو زندہ چھوڑ سکتا تھا۔

کھجوریں کھانے اور سونے سے شعبان تازہ دم ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنی کمر کے گرد لپٹی ہوئی تلوار اتار کر اس کو نیام میں سے نکالا اور غور سے دیکھنے لگا۔ دن کی روشنی میں فولادی تلوار چمک رہی تھی۔ اس کی دھار بھی بڑی تیز تھی اور انتہائی مضبوط فولاد کی بنی ہوئی تھی۔ اُس نے اُٹھ کر ایک درخت کی موٹی شاخ پر تلوار کا وار کیا تو درخت کی موٹی شاخ کٹ کر نیچے گر پڑی۔ شعبان نے تلوار کی دھار کو دیکھا، تلوار کی دھار پر ذرا سا بھی اثر نہیں پڑا تھا۔ اس کے بعد اُس نے ایک چٹانی پتھر پر تلوار کا وار کیا، پتھر دو ٹکڑے ہو گیا مگر تلوار کی دھار ویسی کی ویسی ہی رہی۔ شعبان سوچنے لگا کہ جس ملک کی فوج کے پاس اس قسم کی تلواریں ہوں اس کی فتح کو کون روک سکے گا؟

ساری دوپہر شعبان نے اسی نخلستان میں گزار دی۔

جب صحرا میں دُھوپ ڈھلنا شروع ہو گئی تو اُس نے تلوار کو کپڑے میں لپیٹ کر اپنی کمر کے ساتھ باندھا، گھوڑے پر زین کسی اور اس پر سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ آگے پھر ایک رات کا سفر تھا۔

اسی طرح راتوں کو سفر کرتے ہوئے چار راتوں میں شعبان ایک نہر کے کنارے پہنچ گیا جو زیتون، جنگلی انجیر اور کھجوروں کے درختوں کی چھاؤں میں بہتی ہوئی مشرق کی جانب چلی گئی تھی۔ شعبان اس نہر کو پہچانتا تھا۔ یہ نہر آگے جا کر دریائے نیل کے ساتھ مل جاتی تھی اور دریائے نیل مصر کے دارالحکومت تھیبز میں سے گزرتا تھا۔

دن بھر اُس نے نہر کے کنارے آرام کیا۔ گھوڑے کو بھی گھاس پتے چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ زمین پر گری ہوئی کچھ کھجوریں کھائیں، جنگلی انجیر کے درختوں پر سے انجیریں توڑ کر کھائیں اور سوچنے لگا کہ اُسے کس جانب سے مصر کے دارالحکومت میں داخل ہونا چاہئے۔ مصر میں داخل ہونے کے بعد اُس کا پکڑا جانا یقینی تھا لیکن شعبان چاہتا تھا کہ وہ براہِ راست اپنے بچپن کے دوست اور فرعون اخناتون کے خاص محافظ طاغوت کی اقامت گاہ پر جائے اور وہاں پکڑا جائے تا کہ پہلی فرصت میں اُس کی طاغوت سے ملاقات ہو سکے۔ اُس نے یہ سارا سفر طاغوت سے ملنے کی خاطر ہی طے کیا تھا۔

شعبان فراعنہ مصر کے شاہی محلات سے اچھی طرح واقف تھا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ طاغوت اخناتون کے محل کے سائے میں واقع ایک شاہی حویلی میں رہتا ہے۔ سیدھا اس حویلی تک پہنچنے کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ آگے چل کر دریائے نیل میں سفر کیا جائے۔ چنانچہ جب سورج غروب ہو گیا اور بے آب و گیاہ چٹانی ٹیلوں اور صحرا کی تپش ماند پڑ گئی تو شعبان گھوڑے پر سوار ہو کر نہر کے ساتھ ساتھ سفر کرنے لگا۔ رات کے پچھلے پہر وہ اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے نہر دریائے نیل میں شامل ہو جاتی تھی۔ یہاں ایک گھاٹ بنا ہوا تھا اور کچھ کشتیاں بھی کنارے پر بندھی ہوئی تھیں۔ اُس نے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ ایک کشتی کھول کر اس میں بیٹھ گیا اور چپوؤں کی مدد سے کشتی کو دریا کے بہاؤ پر ڈال دیا۔

جب سورج کی پہلی کرنوں نے اُفق مشرق سے جھانکا تو فرعونِ مصر کے محلات کے سنہری بُرج اور سنگ سرخ کی بارہ دریاں، فصیل شہر کے کنگورے جن پر تانبے کی چھوٹی برجیاں بنی ہوئی تھیں، ان کرنوں کی روشنی میں چمکنے لگیں۔ شعبان نے اپنے وطن کے در و

بام اور شاہی محلات کو دیکھا تو اس کا دل اپنے وطن کی محبت سے معمور ہو گیا۔ اُسے اس شہر میں گزارا ہوا اپنا بچپن، جوانی، شاہی محلات کی سازشوں سے ملوث شب و روز اور اپنی تمام پرانی محبتیں یاد آ گئیں۔ اس شہر نے شعبان کو بے مثال محبتیں بھی عطا کی تھیں اور ان محبتوں کا خون ہوتے بھی اس نے دیکھا تھا۔ اُسے سائنا یاد آ گئی جو اُس کی بچپن کی محبت تھی۔

دریائے نیل دارالحکومت تھیبز کی فصیل شہر اور شاہی محلات کے قریب سے گزرتا تھا۔ جیسے جیسے فصیل شہر اور شاہی محلات کی بارہ دریوں کا منظر قریب آ رہا تھا، شعبان کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ یہ اس خوف کی وجہ سے نہیں تھا کہ وہ اس شہر سے بھاگا ہوا مفرور قاتل ہے بلکہ اس کی وجہ اپنے وطن تھیبز سے شعبان کی محبت تھی۔

اتنے میں دو تین جنگی بجرے جن میں فوج کا ایک دستہ سوار تھا، اُس کے قریب سے گزرا۔ اس فوجی بجرے میں شاہی معبد کا ایک پروہت بھی سوار تھا۔ اُس نے شعبان کو پہچان لیا اور سپاہیوں سے کہا کہ وہ دیکھو، شاہی محل کا مفرور قاتل شعبان جا رہا ہے جس نے رب فرعون کو زہر دے کر ہلاک کیا تھا اور جسے سپہ سالار کے حکم سے موت کی سزا سنائی گئی تھی لیکن یہ بھاگ گیا تھا۔ مصری سپاہی اُسے گرفتار کرنے کے لئے اُس کی طرف بڑھے مگر شعبان نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ وہ از خود طاغوت کے پاس جا کر اُسے بابل والوں کی فولادی تلوار دکھانا چاہتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ سپاہیوں نے اُسے پکڑ لیا تو اس کی تلاشی لیتے وقت فولادی تلوار برآمد کر کے بہت ممکن ہے کہ اسے غائب کر دیں یا اسے سپہ سالار عشمون کو پیش کر دیں اور عشمون وہ تلوار غائب کر دے۔ کیونکہ بابل میں اپنے قیام کے دوران شعبان کے کانوں میں یہ بھنک پڑ چکی تھی کہ فرعونِ مصر کی فوج کا سپہ سالار بابل کے بادشاہ بخت نصر کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اُس نے بابل کے بادشاہ کو یہ شرط پیش کی ہے کہ اگر وہ اُسے مصر کی فتح کے بعد فرعون کی جگہ تخت شاہی پر بٹھا دے گا تو وہ مصر کو فتح کرنے میں اس کی مدد کرے گا۔

دریا میں چھلانگ لگاتے ہی شعبان نے ایک لمبی ڈبکی لگائی اور پانی کے اندر ہی اندر تیرتا ہوا فوجی بجرے سے دُور نکل گیا۔ جب اُس نے سانس لینے کے لئے سر پانی سے باہر نکال کر پیچھے دیکھا تو وہ خطرے کی حدود سے باہر نکل چکا تھا۔ اُس نے دوبارہ ڈبکی لگائی اور اس بار پانی کے اندر ہی اندر تیرتے ہوئے دریا کے دوسرے کنارے پر جا نکلا۔ دریا

سے نکلتے ہی وہ دریا کنارے پر واقع اپنے آبائی مکان کی طرف تیز تیز قدموں سے چلنے لگا۔ اُس کی بچپن کی محبت سائنا کا گھر اس کے اپنے گھر کے ساتھ ہی تھا۔ شعبان اپنے گھر میں جانے کی بجائے سائنا کے مکان کی طرف آ گیا۔

اس وقت تک دن کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔

سائنا کے مکان کے صحن کا دروازہ کھلا تھا۔ شعبان نے اندر جھانک کر دیکھا، صحن میں صرف ایک بکری بندھی ہوئی تھی۔ سارا صحن خالی تھا۔ سائنا کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ شعبان نے صحن میں داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر دیا اور ایک جگہ بیٹھ کر سوچنے لگا کہ سائنا کہیں یہ دنیا چھوڑ کر تو نہیں چلی گئی؟ اتنے میں صحن کا دروازہ کھلا اور سائنا داخل ہوئی۔ اُس نے شعبان کو تخت پوش پر بیٹھے دیکھا تو بت بن کر وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ شعبان اُٹھ کر اُس کی طرف بڑھا۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے تو شعبان نے دیکھا کہ سائنا پہلے سے کمزور اور دُبلی ہو گئی ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ سائنا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"تم مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے تھے؟ تم نے ذرا بھی نہ سوچا کہ تمہارے بغیر میں کیسے زندہ رہوں گی۔"

سائنا جذبات میں آ کر محبت کا بے اختیار اظہار کئے جا رہی تھی۔ مگر شعبان اس قسم کی جذباتیت سے ہمیشہ دُور رہا تھا۔ اُس نے سائنا کو اپنے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ باتیں بعد میں بھی ہو جائیں گی۔ اس وقت میں ایک مقصد کی وجہ سے تمہارے پاس آیا ہوں۔"

سائنا شعبان کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ اُسے دیکھے جا رہی تھی۔ کہنے لگی۔ "تم اتنا عرصہ کہاں رہے؟ کیا میں تمہیں یاد آئی تھی؟"

سائنا نے جیسے شعبان کا جملہ سنا ہی نہیں تھا۔ شعبان نے سائنا کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا۔

"ایک پل کے لئے چپ ہو کر میری بات غور سے سنو۔ جیسا کہ تمہیں معلوم ہی ہے کہ مجھ پر فرعون کو زہر دے کر ہلاک کرنے کا الزام لگایا گیا ہے جس کی پاداش میں مجھے موت کی سزا سنائی گئی تھی۔"

"ہاں ....." سائنا بولی۔ "مجھے معلوم ہے۔ لیکن تم فکر نہ کرو۔ اب میں تمہیں ایک ایسی جگہ چھپا دوں گی جہاں سوائے میرے تمہیں اور کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔"

شعبان کہنے لگا۔

"بس مجھے اس وقت کسی ایسے ہی خفیہ ٹھکانے کی ضرورت ہے۔ وہ کون سی جگہ ہے؟ جہاں بھی ہے مجھے فوراً وہاں لے چلو۔ فرعون کے سپاہی میرے پیچھے لگے ہیں۔"

یہ سن کر سائنا گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ کہنے لگی۔ "میرے ساتھ آ جاؤ۔"

مکان کا پچھلا دروازہ بھی تھا جو اخناتون کے باپ فرعون ہوتپ کے اہرام کے پہلو میں واقع شاہی قبرستان کی طرف جاتا تھا۔ سائنا شعبان کو ساتھ لے کر شاہی قبرستان کی طرف چل پڑی۔ شعبان نے پوچھا۔

"کیا تم نے یہ خفیہ کمین گاہ شاہی قبرستان میں کسی جگہ بنائی ہوئی ہے؟"

سائنا بولی۔ "جہاں بھی بنائی ہے، تھوڑی دیر بعد تم خود اسے دیکھ لو گے۔"

یہ کوئی خفیہ کمین گاہ نہیں تھی بلکہ ایک کچی چار دیواری تھی جس کے اوپر کھجور کی شاخوں کا چھپر پڑا تھا۔ یہ کوٹھڑی شاہی قبرستان کے عقب میں عام لوگوں کے قبرستان میں تھی جہاں ویرانی برس رہی تھی۔ اکثر قبریں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں جو باقی بچی تھیں ان کی حالت زار دیکھ کر سنگ دل سے سنگ دل آدمی کا دل بھی موت کے خوف سے لرز جاتا ہوگا۔ تاروں کی روشنی میں یہ آسیب زدہ قبرستان بھوتوں اور چڑیلوں کا مسکن لگتا تھا۔

کچی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر ایک چراغ نیم روشن تھا۔ اس کی روشنی میں شعبان نے دیکھا کہ ایک چارپائی بچھی ہے جس پر ایک ہڈیوں کا ڈھیر بوڑھا کمر کے گرد صرف ایک تہہ بند باندھے اکڑوں بیٹھا ہے۔ چراغ کی روشنی میں اس کی گنجی کھوپڑی چمک رہی تھی۔ سائنا نے کوٹھڑی میں داخل ہوتے ہی اُسے کہا۔

"بابا! تم اپنی کوٹھڑی میں چلے جاؤ۔ یہاں ہمارا ایک پرانا ملازم کچھ دن رہے گا۔"

ہڈیوں کے ڈھانچے نے حرکت کی، چارپائی سے اُٹھا۔ ایک ہاتھ بڑھا کر دیوار سے لگی ہوئی لاٹھی پکڑی اور خرخراتی آواز میں بولا۔

"بیٹی! مجھے میری کوٹھڑی تک چھوڑ آؤ۔"

معلوم ہوا کہ بوڑھا نابینا تھا۔ سائنا بوڑھے نابینا کو لے کر چلی گئی۔ شعبان چارپائی پر

بیٹھ گیا۔ کوٹھڑی میں حنوط کرنے والی لاشوں کے قوام کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ شعبان کو ایک لمحے کے لئے اس پر موت کی بو کا احساس ہوا۔ کچھ ہی دیر بعد سائنا واپس آ گئی۔ کہنے لگی۔

"یہ اس قبرستان کا بوڑھا گورکن ہے۔ اب کوئی کام نہیں کرتا۔ یہاں پڑا رہتا ہے۔ میں دن میں ایک بار آ کر اسے کھانا دے جاتی ہوں۔ یہ کبھی ہمارے گھر کا پرانا ملازم رہ چکا ہے۔ یہ نابینا ہے، تمہیں دیکھ نہیں سکے گا۔ ویسے بھی یہاں میرے سوا اس سے ملنے کوئی نہیں آتا۔ تم جتنے دن چاہو یہاں چھپے رہو۔ اس قبرستان میں اب لوگ دہشت کے مارے مُردوں کو بھی دفنانے نہیں آتے۔ میں تمہیں دونوں وقت آ کر کھانا دے جایا کروں گی۔"

سائنا تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد چلی گئی۔

دوپہر کے وقت شعبان کے لئے خمیری روٹیاں اور شہد ٹوکری میں رکھ کر لائی تو شعبان نے پوچھا۔

"شاہی محل کے سپاہی تو میرا پتہ کرنے تمہارے مکان پر نہیں آئے؟"

سائنا نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

"نہیں۔ اگر وہ آئے بھی تو تمہارے مکان میں آئیں گے جو خالی پڑا ہے۔ مجھ سے کسی نے پوچھا تو کہہ دوں گی شعبان تو عرصہ ہوا یہاں سے جا چکا ہے۔"

شعبان خاموشی سے روٹی کھانے لگا۔ سائنا کہنے لگی۔ "تم نے کیا سوچا ہے؟ ظاہر ہے اس ویرانے میں تم زیادہ دن پڑے نہیں رہ سکتے۔"

شعبان بولا۔ "میرا اپنے دوست طاغوت سے ملنا بہت ضروری ہے۔ خواہ میں اُسے اُس کے محل میں چوری چھپے ملوں یا اُسے کسی طرح یہاں بلوا لوں۔"

سائنا بولی۔ "اُس سے مل کر تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟ کیا وہ ربّ فرعون سے تمہاری جان بخشی کروا سکے گا؟"

"مجھے اُس سے اپنی جان بخشی نہیں کروانی۔" شعبان نے کہا۔ "مجھے اُس سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

سائنا کہنے لگی۔ "اگر تم کہو تو میں کسی طرح طاغوت سے جا کر ملتی ہوں اور اُسے یہاں آنے کے لئے کہتی ہوں۔"

شعبان نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر بولا۔ "نہیں، میں تمہیں اس معاملے میں

ملوث کر کے تمہارے لئے کوئی مصیبت کھڑی نہیں کرنا چاہتا۔''

''تو پھر کیا کرو گے؟'' سائنا نے پوچھا۔

شعبان خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔ صرف اتنا بولا۔ ''کچھ سوچ لوں گا۔''

کھانا کھانے کے بعد سائنا نے صراحی میں سے پیالے میں پانی ڈال کر اُسے پلایا۔ وہ خالی برتن ٹوکری میں رکھنے لگی۔ شعبان نے کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم بھی دن کی روشنی میں اس قبرستان میں نہ آیا کرو۔''

سائنا نے سر جھکا لیا۔ کہنے لگی۔ ''ٹھیک ہے۔ میں منہ اندھیرے آجایا کروں گی۔ تمہیں کھانا دے کر سورج نکلنے سے پہلے چلی جایا کروں گی۔''

شعبان دو دن تک قبرستان کی ویران کوٹھڑی میں بیٹھا یہی سوچتا رہا کہ وہ خود طاغوت سے ملنے اُس کے محل میں جائے یا سائنا کے ذریعے اُسے یہاں بلوائے؟ وہ اپنے ساتھ بابل کے سپاہیوں کی فولادی تلوار کا جو نمونہ لایا تھا وہ اُس نے چارپائی کے نیچے چھپا رکھا تھا۔ اس کا ذکر شعبان نے سائنا سے بھی نہیں کیا تھا۔ آخر وہ اسی فیصلے پر پہنچا کہ اگر وہ خود محل کی طرف گیا تو اس کا پکڑا جانا یقینی ہے اور جس مقصد کے لئے وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر مصر میں آیا ہے وہ مقصد پورا نہ ہو سکے گا۔ اگر طاغوت اس کی کوٹھڑی میں آکر ملے گا تو وہ اُسے فولادی تلوار دکھا کر ساری بات سمجھا سکے گا۔

چنانچہ اس سے اگلے دن منہ اندھیرے جب سائنا اُس کے لئے کھانا لے کر آئی تو شعبان نے اُس سے کہا۔

''کیا ایسا ممکن ہے کہ تم طاغوت کو جا کر میرا پیغام پہنچا دو اور تمہیں کوئی دیکھے بھی نہ؟''

سائنا تو اپنے بچپن کے محبوب شعبان کی خاطر جان بھی قربان کر سکتی تھی۔ کہنے لگی۔

''کیوں نہیں؟ طاغوت کے محل میں میری ایک سہیلی کی ماں کام کرتی ہے۔ میں اُس سے ملنے چلی جاؤں گی اور موقع پا کر طاغوت کو تمہارا پیغام پہنچا دوں گی۔ مجھ پر کوئی شک نہیں کرے گا۔''

شعبان کافی غور و فکر کے بعد سائنا کو طاغوت کے پاس بھیجنے پر راضی ہو گیا۔ کہنے لگا۔

''مگر تمہیں بے حد احتیاط سے کام لینا پڑے گا۔ یہ خیال رکھنا کہ اگر تم پر کسی کو ذرا سا بھی شک پڑ گیا تو میں پکڑا جاؤں گا اور پھر مجھے طاغوت بھی موت کے منہ سے نہیں بچا سکے

گا۔''

سائنا نے جواب میں کہا۔ ''مجھے تمہاری جان اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ میں کوئی قدم بغیر سوچے سمجھے نہیں اٹھاؤں گی۔ میں آج ہی شام اندھیرا ہو جانے کے بعد طاغوت کے محل میں اپنی سہیلی کی والدہ سے ملنے چلی جاؤں گی۔ وہاں پہنچ کر طاغوت سے ملنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ وہ شام کے وقت اپنے محل میں ہی ہوتا ہو گا۔''

''اور اگر وہ محل میں نہ ہوا تو؟'' شعبان نے پوچھا۔

سائنا بولی۔ ''تو میں کسی بہانے دوسرے دن بھی چلی جاؤں گی۔ تم بے فکر رہو۔ میں کسی نہ کسی طریقے سے طاغوت سے مل لوں گی۔''

''ٹھیک ہے......'' شعبان نے کہا۔ ''طاغوت سے مل کر اُسے یہ ٹھکانہ سمجھا دینا اور کہنا کہ مجھے جتنی جلدی ہو سکے رازداری کے ساتھ چھپ چھپا کر یہاں آ کر مل جائے۔ مجھے اُس سے بڑی اہم بات کرنی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ یہ سنتے ہی رات کے اندھیرے میں مجھ سے ملنے یہاں پہنچ جائے گا۔ ہاں، تم اس کے ساتھ ہرگز مت یہاں آنا۔ اُسے یہ جگہ بتا دینا اور بس۔''

''بہتر ہے۔'' سائنا نے آہستہ سے جواب دیا۔

اسی دن سورج غروب ہونے کے بعد سائنا اپنی سہیلی کی والدہ سے ملاقات کرنے طاغوت کے محل کی جانب چل پڑی۔ طاغوت کا محل فرعون کے شاہی محلات کے ساتھ ہی واقع تھا۔ وہاں فراعنہ مصر کے شاہی محلات کی طرح آنے جانے والوں کی اتنی سختی سے جانچ پڑتال نہیں کی جاتی تھی۔ ویسے بھی طاغوت اور دوسرے فوجی افسروں کی حویلیوں میں کام کرنے والی بوڑھی خادماؤں کی رشتے دار عورتیں اور ان کی بچیاں وغیرہ اُن سے ملنے آتی جاتی رہتی تھیں۔ لیکن سائنا کو اس بات کی خبر نہیں تھی کہ مصری فوج کا سپہ سالار عشمون، فرعون کو اپنے راستے سے ہٹانے کی فکر میں ہے۔ وہ شاہی طبیب زوناش کے ساتھ مل کر اخناتون فرعون کو قتل کرنے کا کوئی موقع تلاش کر رہا ہے۔ لیکن طاغوت جو فرعون اخناتون کا وفادار محافظ خاص ہے، اس کے ہوتے ہوئے ان دونوں کا اپنی سازش میں کامیاب ہونا ممکن دکھائی نہیں دے رہا۔ سپہ سالار عشمون فرعونِ مصر اخناتون کو قتل کروا کر خود مصر کے تخت پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ سپہ سالار عشمون نے طاغوت کے محل میں اپنے خاص

جاسوس چھوڑ رکھے تھے جو اُسے وہاں کی پل پل کی خبر لا کر دیتے تھے۔

سائنا محلاتی سازشوں کے اس جال سے بے خبر طاغوت کے محل میں پہنچ گئی۔ وہ اپنی سہیلی کی والدہ سے جا کر ملی جو اس وقت رسوئی میں کھانا پکانے والوں کی نگرانی کر رہی تھی۔ بوڑھی خادمہ سائنا کو دیکھ کر بڑی خوش ہوئی اور اُسے ساتھ لے کر ایک کمرے میں آ گئی۔ دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ باتوں ہی باتوں میں سائنا نے یہ معلوم کر لیا کہ طاغوت اس وقت محل میں نہیں ہے اور شاہی محل میں گیا ہوا ہے جہاں سے وہ رات کو دیر سے آئے گا۔ سائنا نے دوسری رات آنے کا فیصلہ کیا اور دوسری رات آنے کا بہانہ یہ نکالا اور بوڑھی خادمہ سے کہا۔

"اماں! میں نے تمہارے لئے ایک چادر بنائی ہے جس پر میں نے اپنے ہاتھ سے پھول کاڑھے ہیں۔ میں بھی کتنی بھلکڑ ہوں آتی دفعہ چادر لانا ہی بھول گئی۔ اب میں کل رات کو آؤں گی اور تمہارے لئے چادر اپنے ساتھ لاؤں گی۔"

جس وقت سائنا طاغوت کے محل سے نکلی، رات ہو چکی تھی اور شاہی محلات میں روشنیاں جھلملانے لگی تھیں۔ وہ طاغوت کے محل میں اپنی طرف سے بڑی احتیاط کے ساتھ داخل ہوئی تھی اور واپسی پر بھی وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ کسی کو اس پر شک نہیں گزرا اور کسی نے اُسے شک و شبے کی نظر سے نہیں دیکھا۔ لیکن یہ اُس کی بھول تھی۔ سائنا کو طاغوت کے محل میں داخل ہوتے سپہ سالار عشمون کے ایک جاسوس نے دیکھ لیا تھا اور جس وقت وہ واپس اپنے مکان کی طرف جا رہی تھی تو اس وقت بھی وہ جاسوس چھپ چھپ کر اُس کا پیچھا کر رہا تھا لیکن سائنا کو اس کی خبر نہیں تھی۔ سپہ سالار کا جاسوس سائنا کو اس کے گھر پہنچانے کے بعد کافی دیر تک وہیں بیٹھا رہا۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ وہ اس کے بعد کہیں اور نہیں جا رہی تو واپس سیدھا سپہ سالار عشمون کے پاس پہنچا اور اُسے جا کر بتایا کہ سائنا نام کی ایک عورت جو کسی زمانے میں شعبان کی محبوبہ رہ چکی ہے آج طاغوت کے محل میں آئی تھی اور بوڑھی خادمہ کے پاس کچھ دیر بیٹھ کر چلی گئی ہے۔

سپہ سالار شعبان کا نام سن کر چونکا، کہنے لگا۔ "کیا وہ اس سے پہلے بھی طاغوت کے محل میں کبھی آئی ہے؟"

جاسوس بولا۔ "میں نے اُسے اس سے پہلے وہاں کبھی نہیں دیکھا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ عورت شعبان کی محبوبہ ہی تھی؟" سپہ سالار نے پوچھا۔

جاسوس نے کہا۔

"جی ہاں۔ میں آج سے کچھ عرصہ پہلے جب شعبان رب فرعون کا طبیب خاص تھا، اس عورت کو شعبان کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتے دیکھ چکا ہوں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ عورت جس کا نام سائنا ہے اور جو ایک کوزہ گر کی بیٹی ہے، شعبان کی ہمسائی بھی ہے اور اس کی بچپن کی محبوبہ بھی ہے۔"

سپہ سالار سوچنے لگا۔ بولا۔ "مگر یہ عورت اتنی مدت بعد طاغوت کے ہاں کیوں آئی ہے؟ جبکہ طاغوت شعبان کا جگری دوست بھی ہے۔"

اُس نے جاسوس کو ہدایت کی۔ "اس عورت کی صبح شام بلکہ رات کو بھی نگرانی کرو اور مجھے آ کر بتاؤ کہ یہ گھر سے نکل کر کہاں کہاں جاتی ہے۔"

جاسوس تعظیم بجا لا کر چلا گیا۔

دوسری رات سائنا طاغوت سے ملنے دوبارہ آئی تو وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ اُس کا تعاقب کیا جا رہا ہے اور تعاقب کرنے والا سپہ سالار عشمون کا جاسوس ہے۔ اس رات طاغوت سے اُس کی ملاقات ہو گئی۔ اُس نے طاغوت کو بتایا کہ شعبان مصر میں واپس آ چکا ہے اور ابس سے مل کر کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔

شعبان کا سن کر طاغوت خوش ہوا مگر اُسے یہ فکر بھی لگی کہ شعبان پر فرعون کے قاتل ہونے کا الزام ہے اگر پکڑا گیا تو اسے وہ خود بھی موت کی سزا سے نہ بچا سکے گا۔ اُس نے سائنا سے پوچھا۔

"اُسے کسی نے دیکھا تو نہیں؟ وہ کہاں ہے؟"

سائنا نے اُسے بتایا کہ شعبان کو اُس نے غریبوں کے ویران قبرستان کی ایک کوٹھڑی میں چھپا دیا ہوا ہے اور اسے ابھی تک کسی نے نہیں دیکھا۔ طاغوت کچھ سوچ کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ میں کل رات کو اس سے ملنے جاؤں گا۔ اسے کہنا کہ ہرگز ہرگز وہاں سے باہر نہ نکلے۔"

سائنا نے کہا۔ "تم کل میرے گھر آ جانا۔ وہاں سے میں تمہیں خود اپنے ساتھ طاغوت کے پاس لے جاؤں گی۔"

طاغوت نے ہامی بھر لی۔ بولا۔

"میں کل آدھی رات کے بعد تمہارے پاس آ جاؤں گا۔"

سائنا جانے لگی تو طاغوت نے اُسے روک کر کہا۔ "اور سنو! تم میرے آنے تک طاغوت کے پاس ویران قبرستان میں بھی نہ جانا۔ ہوسکتا ہے تمہارا پیچھا کیا جا رہا ہو۔"

سائنا نے کہا۔ "میرا پیچھا کون کرسکتا ہے۔ محل میں یہاں سبھی مجھے جانتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ میں کبھی کبھی اپنی سہیلی کی ماں سے ملنے آ جاتی ہوں۔"

طاغوت نے جواب دیا۔ "یہاں کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ میں نے تمہیں جیسا کہا ہے تم ویسے ہی کرو۔ اب جاؤ اور میرے آنے تک گھر سے نکل کر کہیں نہ جانا۔"

سائنا واپس اپنے گھر کی طرف چل دی۔ سپہ سالار عشمون کا جاسوس اُس کا پیچھا کرتا اُس کے گھر تک گیا۔

رات کو وعدے کے مطابق طاغوت سائنا کے گھر آ گیا۔ طاغوت کو گھوڑے پر سوار آتا دیکھ کر جاسوس ہوشیار ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے دیکھا کہ طاغوت اور سائنا دونوں الگ الگ گھوڑوں پر سوار ایک طرف کو چل پڑے ہیں۔ جاسوس نے بھی کچھ فاصلہ رکھ کر اپنا گھوڑا ان کے پیچھے لگا دیا......!

✿......✿

ادھر قبرستان کی کوٹھڑی میں شعبان سخت اضطراب کی حالت میں تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ سائنا منہ اندھیرے اس کو طاغوت کی خبر دینے ضرور آئے گی لیکن جب وہ نہ آئی بلکہ اس کا کھانا لے کر بھی نہ آئی تو وہ پریشان ہو گیا کہ کہیں اس کا راز نہ کھل گیا ہو اور سائنا کو گرفتار نہ کر لیا گیا ہو۔

آدھی رات کو جب سائنا نے قبرستان کی کوٹھڑی پر آہستہ سے دستک دے کر اس کا نام لیا تو شعبان جاگ رہا تھا۔ اُس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ یہ دیکھ کر اُس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا کہ سائنا کے ساتھ اُس کا جگری دوست طاغوت بھی موجود تھا۔ دونوں دوست ایک دوسرے کے گلے لگ کر ملے۔ کوٹھڑی میں چراغ جل رہا تھا۔ وہ چارپائی پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ سائنا ایک طرف لکڑی کے تختے پر بیٹھ گئی۔ طاغوت کہنے لگا۔

"تم نے واپس آ کر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ لیکن تمہارے واپس آنے کی مجھے دلی خوشی بھی ہوئی ہے۔ تم اتنا عرصہ کہاں رہے؟"

شعبان بولا۔ "یہ ساری باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلے میں تمہیں وہ خاص بات بتانا چاہتا ہوں جس کی خاطر میں نے تمہیں یہاں بلایا ہے اور جس کی خاطر میں نے یہاں آ کر اپنی جان خطرے میں ڈالی ہے۔"

یہ کہہ کر شعبان نے چارپائی کے نیچے سے کپڑے میں لپٹی ہوئی اہل بابل کی فولادی تلوار نکال لی۔ طاغوت نے عجیب نظروں سے پہلے تلوار کو اور پھر شعبان کو دیکھا اور بولا۔

"یہ تلوار تم نے اتنی چھپا کر کس لئے رکھی ہوئی ہے؟"

شعبان نے تلوار طاغوت کو پکڑا دی اور کہا۔ "اسے غور سے دیکھو۔ تم بڑے اچھے شمشیر زن ہو۔ ذرا دیکھو، تمہیں مصر کی عام تلواروں اور اس تلوار میں کوئی فرق نظر آتا ہے؟ تم اپنی تلوار نکال کر اس سے اس کا موازنہ کرو۔"

طاغوت چراغ کی روشنی میں بڑے غور سے بابلی تلوار کو دیکھنے لگا۔ کہنے لگا۔

"یہ تلوار میری تلوار سے بہت مختلف ہے۔ اس کی دھات بھی اعلیٰ درجے کی لگتی ہے۔"

شعبان بولا۔ "یہ تلوار فولاد کی دھات میں کوئی دوسری دھات ملا کر بنائی گئی ہے۔"

"یہ تم نے کہاں سے لی تھی؟" طاغوت نے پوچھا۔

شعبان نے کہا۔ "یہ تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے اپنی تلوار نکالو۔"

طاغوت نے نیام میں سے اپنی تلوار نکال کر ہاتھ میں لے لی۔ بابلی تلوار شعبان نے اپنے ہاتھ میں پکڑ لی اور طاغوت سے کہا۔

"اس تلوار پر پوری طاقت سے وار کرو۔"

طاغوت نے پوری طاقت سے شعبان کی تلوار پر اپنی تلوار کا وار کیا۔ بابلی تلوار پر کوئی اثر نہ ہوا۔ شعبان نے کہا۔

"ایک بار پھر وار کرو۔ اور اس سے زیادہ طاقت کے ساتھ وار کرو۔"

طاغوت نے دوسری بار پہلے سے بھی زیادہ بھرپور طاقت سے وار کیا مگر شعبان کی تلوار پر کوئی اثر نہ ہوا۔ شعبان بولا۔

"اب وار کرتے چلے جاؤ۔"

طاغوت بار بار شعبان کی تلوار پر وار کرنے لگا۔ پھر ایسا ہوا کہ چوتھے پانچویں وار پر طاغوت کی تلوار دو ٹکڑے ہوگئی۔ طاغوت کے ہاتھ میں تلوار کا دستہ ہی رہ گیا مگر شعبان والی تلوار ویسی کی ویسی ہی رہی۔ طاغوت سخت حیران ہوا۔ اُس نے جلدی سے شعبان کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور اس کی دھار پر اُنگلی پھیری، اس پر ایک بھی دندانہ نہیں پڑا تھا۔ اُس نے انتہائی تعجب کے ساتھ شعبان سے پوچھا۔

"یہ تلوار تم نے کہاں سے حاصل کی ہے؟"

شعبان نے تلوار چارپائی پر رکھ دی اور بولا۔

"میں تمہیں یہی تماشہ دکھانے کے لئے یہاں آیا ہوں۔ یہ تلوار بابل کی فوج کے سپاہی کی تلوار ہے اور بابل کی ایک لاکھ فوج کے پاس یہی تلواریں ہیں جن کا مقابلہ ہماری مصری سپاہیوں کی تلواریں نہیں کر سکیں گی۔ ملک بابل کا بادشاہ بخت نصر ہمارے وطن مصر کا دشمن ہے۔ وہ مصر پر حملے کی تیاری کر رہا ہے اور اپنی فولادی تلواروں کے ساتھ وہ ہماری ساری

مصری سپاہ کو تہ تیغ کر دے گا اور مصر پر قبضہ کر لے گا۔"

طاغوت نے تلوار کپڑے میں لپیٹ کر شعبان کو واپس دی اور بولا۔

"شعبان! تم دشمن کا ایک بہت بڑا خفیہ راز لے آنے میں کامیاب ہوئے ہو۔ تم نے اپنے وطن اور تخت فرعون کی سلامتی کے لئے اتنا بڑا کام کیا ہے کہ مجھے یقین ہے کہ رب فرعون تمہاری سزا معاف کر دے گا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم یہ فولادی تلوار خود رب فرعون اخناتون کو پیش کرو۔"

شعبان ایک محب وطن اور بہادر آدمی تھا۔ وہ فرعون اخناتون سے ملاقات کرنے پر راضی ہوگیا۔ سائنا کہنے لگی۔

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ربّ فرعون تلوار بھی لے لے اور ایسی تلواروں کی تیاریوں کا حکم بھی صادر کر دے مگر شعبان کی سزا معاف نہ کرے۔"

طاغوت بولا۔ "میں جانتا ہوں ربّ فرعون احسان فراموش نہیں ہے۔ شعبان نے اس کے تخت و تاج کو بچانے کے لئے اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ وہ اس کی سزا ضرور معاف کر دے گا۔ اور پھر میں بھی شعبان کی سفارش کروں گا۔"

شعبان نے کہا۔ "مجھے اپنی جان کی فکر نہیں ہے۔ میں اپنے وطن کو دشمن کے ہاتھوں تباہ و برباد ہونے سے بچانا چاہتا ہوں۔ مجھے فرعون کے تخت و تاج کی بھی کوئی فکر نہیں ہے۔ میرا وطن دشمن کے ہاتھوں تباہ ہونے سے محفوظ رہے۔ بس مجھے صرف یہی چاہیئے۔"

طاغوت بولا۔ "ہم اہل بابل کی اس تلوار کو سامنے رکھ کر فولاد اور دوسری دھاتوں کی آمیزش سے اس سے دس گنا زیادہ مضبوط اور طاقتور تلواریں ڈھال کر اپنی فوجوں میں تقسیم کریں گے اور حملہ آور دشمن کو اپنی سرحدوں پر ہی کاٹ کر رکھ دیں گے۔"

شعبان نے کہا۔ "دیوتا آمون اور دیوتا اسیرس میرے وطن کی حفاظت کریں گے۔ مجھے یقین ہے۔"

طاغوت کچھ اور سوچ رہا تھا، کہنے لگا۔ "میں چاہتا ہوں کہ اہل بابل کی تلوار لے کر تم اسی وقت میرے ساتھ میری حویلی میں چلو۔ وہاں تمہارے آنے کی کسی کو خبر نہیں ہوگی۔ میں کل دن میں کسی وقت ربّ فرعون سے خلوت میں ملاقات کرنے کی کوشش کروں گا اور ساری بات اُس کے آگے بیان کروں گا۔ پھر میں تمہیں بھی وہاں بلوالوں گا۔ میں اس کام

میں تاخیر نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ میں تمہارے اتنے بڑے کارنامے اور تمہاری اتنی بڑی ملکی خدمت کے عوض رب فرعون سے تمہاری جاں بخشی کروا لوں گا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

سائنا کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ شعبان جان بوجھ کر موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ یہ بات سب کو معلوم تھی اور فرعون کو بھی یقین دلا دیا گیا تھا کہ شعبان نے فرعون ہوتپ کی دوا میں زہر ملا کر اس کی جان لی تھی۔ اخناتون، شعبان کی ملکی خدمت کے عوض اس کی جان بخشی بھی کر سکتا تھا۔ مگر سائنا کو اس کا امکان کم نظر آتا تھا۔ وہ شعبان کو طاغوت کے ساتھ جانے سے روکنا چاہتی تھی مگر جانتی تھی کہ اس کی کوئی نہیں سنے گا اور ایسا ہی ہوا۔ شعبان، طاغوت کے ساتھ جانے کو تیار ہو گیا۔

طاغوت نے بابل کی فولادی تلوار اپنے پاس رکھ لی تھی۔ جب وہ دونوں کوٹھڑی سے نکلنے لگے تو سائنا نے شعبان کو روک کر دبی زبان میں کہا۔

"مت جاؤ!"

مگر شعبان نے اُس کی بات سنی ان سنی کر دی اور طاغوت کے ساتھ کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔ سائنا بھی بوجھل دل کے ساتھ کوٹھڑی سے نکل آئی۔ وہ تینوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہیں قدم قدم چلاتے رات کی تاریکی میں قبرستان سے نکل گئے۔

ان تینوں کو کوٹھڑی سے باہر نکلتے دیکھ کر سپہ سالار عشمون کا جاسوس جلدی سے ایک طرف اندھیرے میں ایک قبر کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔ سپہ سالار کے جاسوس نے کوٹھڑی کے بند دروازے کے ساتھ لگ کر ان کی ساری باتیں سن لی تھیں اور دروازے کے سوراخ میں سے اہل بابل کی فولادی تلوار پر طاغوت کو بھرپور وار کرتے اور پھر طاغوت کی تلوار کے ٹوٹنے کا منظر بھی دیکھ لیا تھا۔

جب طاغوت اور شعبان قبرستان سے نکل گئے تو جاسوس جلدی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور سپہ سالار کے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ گھوڑے کو جتنی تیز دوڑا سکتا تھا دوڑا رہا تھا۔ وہ ایک بہت بڑی خبر سپہ سالار عشمون کے پاس لے جا رہا تھا۔ اس خبر کے انکشاف پر اُسے عشمون سے منہ مانگا انعام ملنے کا یقین تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں اس کا گھوڑا برق رفتاری سے ریتلے اور سنگلاخ راستے طے کر رہا تھا۔

جس وقت وہ محل میں پہنچا تو سپہ سالار عشمون سو رہا تھا۔ اُس نے اپنے خادموں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ یرقون (جو کہ سپہ سالار کے جاسوس کا نام تھا) اگر آدھی رات کو بھی ملنے آئے تو اسے جگا دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جاسوس یرقون جیسے ہی محل میں پہنچا، سپہ سالار کو اس کے کہنے پر جگا دیا گیا۔ عشمون نے جاسوس کو اپنی خواب گاہ میں بلا لیا۔

"کیا خبر لائے ہو؟ معلوم ہوتا ہے کوئی بہت بڑی خوشخبری ہے جو آدھی رات کے وقت آئے ہو۔"

جاسوس یرقون نے ادب سے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ہمارے آقا کا اقبال بلند ہو۔ میں ایک ایسی خبر جناب کے گوش گزار کرنے حاضر ہوا ہوں جسے سن کر آپ خوش ہو جائیں گے۔"

"باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔" عشمون بولا۔ "بتاؤ کیا خبر ہے؟"

"میرے آقا! شعبان اس وقت فرعون کے محافظ خاص طاغوت کی حویلی میں موجود ہے۔ آپ اگر چاہیں تو اسی لمحے اُسے زنجیروں میں جکڑ کر ربّ فرعون کی خدمت میں پیش کر کے سرخرو ہو سکتے ہیں۔"

سپہ سالار عشمون کے لئے یہ واقعی ایک بہت اہم خبر تھی۔ اُس نے خوش ہو کر اپنا جڑاؤ بازو بند اتار کر جاسوس یرقون کو بطور انعام دے دیا اور پوچھا۔

"پوری تفصیل سے بتاؤ۔ کیا وہ از خود طاغوت کے پاس آیا ہے؟"

سپہ سالار عشمون کو یہ تشویش بھی دامن گیر ہوئی کہ کہیں شعبان کو اس بات کا ثبوت تو نہیں مل گیا کہ فرعون کو ایک سازش کے تحت زہر دیا گیا تھا اور اس سازش میں شاہی طبیب زوناش کے ساتھ سپہ سالار عشمون بھی شریک تھا۔ تب جاسوس یرقون نے پورے واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے اور کہا کہ شعبان اپنے ساتھ بابل کے سپاہیوں کی ایک تلوار بھی لایا ہے جو فولاد کی بنی ہوئی ہے اور اس قدر مضبوط ہے کہ میرے سامنے اس نے دوسرے تیسرے وار پر ہی طاغوت کی تلوار کو دو ٹکڑے کر دیا تھا۔ شعبان نے طاغوت سے کہا تھا۔ بابل کی فوج کے ہر سپاہی کے پاس ایسی ہی فولاد کی تلوار موجود ہے جس کے مقابلے میں ہمارے مصری سپاہیوں کی تلواریں کچے بانس کی طرح ہیں۔ اور یہ کہ بابل کا بادشاہ مصر پر بہت جلد چڑھائی کرنے والا ہے اور اپنی فولادی تلواروں کی مدد سے بابل کی

فوج فرعون کی فوج کو کاٹ کر رکھ دے گی اور فرعون کے تخت پر بخت نصر قبضہ کر لے گا۔"

سپہ سالار عشمون بڑے غور سے جاسوس یرقون کا بیان سن رہا تھا۔ جاسوس ایک لمحے کے لئے خاموش ہوا تو عشمون بولا۔ "آگے بتاؤ۔"

جاسوس یرقون کہنے لگا۔ "شعبان نے طاغوت سے کہا کہ فرعون کی فوج اپنی کمزور دھات کی تلواروں کے ساتھ بابل کی فوج کی فولادی تلواروں کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ اس پر طاغوت نے شعبان کو یقین دلایا کہ ہم اپنے اسلحہ سازوں کو دن رات کام پر لگا کر بابلی تلواروں کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ طاقتور فولادی تلواریں تیار کروالیں گے اور بابل کی فوج کو ایسی شکست دیں گے کہ اس کا ایک بھی سپاہی زندہ نہیں بچے گا۔"

یہ سن کر سپہ سالار عشمون دونوں ہاتھ پشت پر رکھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ اُس نے سوچا، اگر ایسا ہو گیا تو اس کا فرعون بن کر تخت شاہی پر براجمان ہونے کا خواب ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ سپہ سالار عشمون شاہ بابل کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ اُس نے شاہ بابل بخت نصر سے طے کر رکھا تھا کہ جیسے ہی بابل کی فوج مصر پر حملہ کرے گی، وہ خفیہ طور پر قلعے اور فصیل شہر کے دونوں بڑے دروازے کھلوا دے گا جس کے بعد بابل کی فوج آسانی سے شہر میں داخل ہو کر مصر کے دارالحکومت پر قبضہ کر لے گی۔ غدار سپہ سالار عشمون نے شرط یہ رکھی تھی کہ مصر پر قبضے کے بعد فرعون اخناتون کو قتل کر کے عشمون کو نیا فرعون بنا دیا جائے گا۔ شاہ بابل نے اس کی یہ شرط منظور کر لی تھی۔

اب نئی صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ سپہ سالار عشمون سوچنے لگا کہ اگر طاغوت، شعبان کی لائی ہوئی بابل کے سپاہیوں کی فولادی تلوار فرعون مصر کو دکھا کر مصری فوج کے واسطے ایسی ہی فولادی تلواروں کی تیاری میں دن رات لگ جاتا ہے اور مصری فوج کو بھی بابل کے سپاہیوں والی مضبوط فولادی تلواریں بلکہ اس سے بھی زیادہ طاقت والی تلواریں مل جاتی ہیں تو بخت نصر کی سپاہ کی کامیابی کے امکانات تقریباً ختم ہو جائیں گے۔ کیونکہ مصری فوج کے پاس بخت نصر کی فوج کے سپاہیوں کی تلواروں کے مقابلے میں زیادہ طاقتور اور مضبوط تلواریں ہوں گی۔ پھر اگر سپہ سالار نے سازش کر کے خفیہ طور پر حملہ آور سپاہ کے لئے فصیل شہر کے دروازے کھلوا بھی دیئے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ مصری سپاہیوں کے پاس دشمن کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے زیادہ مضبوط اور طاقتور تلواریں اور

بڑے ہوں گے۔ بابل کی فوج فصیل شہر میں گھر جائے گی اور مصری سپاہی اسے کاٹ کر رکھ دیں گے اور عشمون کا فرعونِ مصر بننے کا خواب خاک میں مل جائے گا۔

شعبان کو گرفتار کروانے کا خیال ایک لمحے کے لئے عشمون کے دل سے نکل گیا تھا۔ اب وہ اس فکر میں پڑ گیا کہ کسی طریقے سے شعبان کی لائی ہوئی بابلی سپاہیوں کی فولادی تلوار کو اپنے قبضے میں کر کے اسے زمین میں دفن کر دیا جائے یا دریائے نیل میں پھینک دیا جائے تا کہ فرعون مصر کی سپاہ بخت نصر کی سپاہ کے مقابلے میں طاقت نہ پکڑ سکیں اور شکست کھا جائیں۔

جب جاسوس یرقون نے کہا کہ اگر حکم ہو تو وہ شعبان کا سر کاٹ کر لے آئے تو عشمون بولا۔ "نہیں، اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ شعبان بابل سے جو فولادی تلوار کا نمونہ لایا ہے اور جو اس وقت عشمون کی حویلی میں کسی جگہ چھپائی گئی ہے اسے کسی طرح حاصل کیا جائے۔"

جاسوس یرقون بولا۔ "میں اس کا سراغ لگا لوں گا اور بہت جلد اہل بابل کی فولادی تلوار آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔"

سپہ سالار عشمون بولا۔ "تم اس کی فکر نہ کرو۔ یہ کام میں خود کروں گا تم جاؤ اور میرے اگلے حکم کا انتظار کرو۔"

جاسوس یرقون کے جانے کے بعد سپہ سالار عشمون نے اپنی ایک خادمہ کو اسی وقت بلا کر کہا۔ "اسی وقت طاغوت کی حویلی میں جاؤ اور خادمہ جانی کو لے کر میرے پاس آؤ۔ یہ کام بڑی رازداری سے کرنا ہے، کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہئے۔"

عشمون کی خادمہ اسی لمحے رات کے اندھیرے میں سیاہ لبادہ اوڑھ کر طاغوت کی حویلی کی طرف چل پڑی۔ خادمہ حانی اس وقت سو رہی تھی۔ خادمہ نے اُسے جگا کر سپہ سالار عشمون کا پیغام دیا تو وہ فوراً اس کے ساتھ چل پڑی۔ سپہ سالار عشمون اپنی خواب گاہ میں اس کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ طاغوت کی یہ خادمہ جس کا نام حانی تھا، عشمون کی خاص جاسوسہ تھی جو اُسے طاغوت کی حویلی کے اسرار و رموز کی پل پل کی خبر لا کر دیتی تھی۔ حانی نے آ کر ادب سے سر جھکا کر سلام کیا تو عشمون بولا۔

"میری بات غور سے سنو۔ طاغوت کی حویلی میں اس کا دوست شعبان آ کر ٹھہرا ہے اور

اس نے طاغوت کو ایک خاص تلوار دی ہے۔ کیا تم اُس تلوار کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟"

جاسوس خادمہ حانی نے کہا۔ "مالک! میں نے وہ تلوار دیکھی بھی ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ طاغوت نے وہ تلوار کس جگہ چھپائی ہے۔"

سپہ سالار عشمون خوش ہو کر بولا۔ "بس تم اسی لمحے واپس حویلی میں جاؤ اور جیسے بھی ہو وہ تلوار لے کر میرے پاس آ جاؤ۔ مجھے اس تلوار کی اشد ضرورت ہے۔ جاؤ۔"

جاسوس حانی فوراً طاغوت کی حویلی میں واپس آ گئی۔

اس وقت حویلی کے سب لوگ گہری نیند سو رہے تھے۔ طاغوت نے بابل کی فولادی تلوار حویلی کی ایک ایسی کوٹھڑی میں چھپائی ہوئی تھی جہاں حویلی کا پرانا سامان پڑا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کوٹھڑی کی طرف کسی کا دھیان نہیں جائے گا۔ اس نے اپنے طور پر ٹھیک ہی سوچا تھا مگر اُسے کیا پتہ تھا کہ اس کے دشمنوں نے اس کے اردگرد جاسوسی کا جال بچھا رکھا ہے۔

جاسوس خادمہ حانی دبے پاؤں حویلی کی پرانی کاٹھ کباڑ والی کوٹھڑی کی طرف گئی۔ کوٹھڑی کے اندر جا کر اُس نے دروازہ بند کر دیا اور چراغ کی روشنی میں پرانی شکستہ چیزوں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ آخر اُسے ایک جگہ کاٹھ کباڑ کے ڈھیر کے نیچے کپڑے میں لپٹی ہوئی تلوار مل گئی۔ اُس نے تلوار کو اپنے لبادے کے اندر چھپایا اور اندھیرے میں چھپ کر چلتی سپہ سالار عشمون کے محل میں پہنچ گئی۔ عشمون اپنی خواب گاہ میں اُمید و بیم کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ جب جاسوسہ حانی نے آ کر اُسے تلوار پیش کی تو اُس کی باچھیں کھل گئیں۔ عشمون نے اسی وقت اپنی ایک قیمتی انگوٹھی اتار کر جاسوسہ حانی کو انعام میں دی اور کہا۔

"اب تم جاؤ۔ اور اپنی زبان بند رکھنا۔"

جاسوسہ حانی جھک کر تعظیم بجا لا کر رخصت ہو گئی۔ سپہ سالار عشمون نے تلوار کو نیام میں سے نکال کر دیکھا۔ وہ تلوار کی ساخت اور اس کی مضبوطی سے بے حد متاثر ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ بابل کی فوج اس قسم کی مضبوط فولادی تلواروں کے ساتھ مصر کی فوج کو ایک ہی دن میں شکست دے سکتی تھی۔ عشمون نے تلوار نیام میں ڈالی، اُسے کپڑے میں لپیٹا اور اپنی خواب گاہ کی ایک خفیہ جگہ پر چھپا دیا۔

جاسوسہ حانی نے حویلی میں پہنچنے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ کوٹھڑی میں جس جگہ سے

اُس نے سیاہ بابل کی فولادی تلوار نکال کر سپہ سالار کو دی تھی وہاں ایک عام تلوار نیام میں ڈال کر اُسے ویسے ہی سرخ رنگ کے مخملیں کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیا۔

دوسرے دن طاغوت نے اپنے دوست شعبان کو فرعون اخناتون کے دربار میں پیش کرنا تھا اور اُس کی بے مثال ملکی خدمت کو بیان کرنے کے بعد فرعون سے اُس کی جان بخشی کی درخواست کرنی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ شعبان نے بابل کے سیاہ کی فولادی تلوار لا کر سلطنت فرعون کی بقا کے لئے جو کارنامہ سرانجام دیا ہے اس کے عوض فرعون اخناتون ضرور شعبان کو معاف کر دے گا۔ چنانچہ طاغوت نے کوٹھڑی میں سے سرخ مخمل کے کپڑے میں لپٹی ہوئی تلوار کو نکال کر قیمتی لکڑی کے ایک منقش بکس میں بند کیا اور شعبان سے کہا۔

"مجھے یقین ہے تمہاری اس قومی اور ملکی خدمت کے عوض فرعون تمہارے اس جرم کو معاف کر دے گا جو حقیقت میں تم سے سرزد نہیں ہوا۔"

شعبان بولا۔

"تم زیادہ پُر اُمید ہو۔ لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ فرعون اخناتون مجھے معاف کر دے گا۔ دربار میں سپہ سالار عشمون اور شاہی طبیب زوناش بھی موجود ہوں گے جو ہمارے دشمن ہیں اور جنہوں نے میرے خلاف فرعون کے کان پہلے سے بھر رکھے ہوں گے۔"

طاغوت نے کہا۔ "میرا نہیں خیال کہ ہمارے دشمن اپنی سازش میں کامیاب ہوں گے۔"

شعبان بولا۔ "مجھے فرعون کا قاتل ثابت کرنے کی جو انہوں نے سازش کی تھی اس میں تو وہ کامیاب ہو گئے تھے۔ وہ اب بھی دربار میں میرے خلاف بولیں گے۔"

"وہ چاہے کچھ کر لیں۔" طاغوت نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ "میں فرعون اخناتون سے تمہاری جان بخشی کروا کر رہوں گا۔ مجھے پورا یقین ہے۔ چلو میرے ساتھ۔"

طاغوت نے اپنے غلام کو رتھ لانے کو کہا۔ تلوار والے بکس کو رتھ میں رکھا، خود رتھ کے گھوڑوں کی باگیں سنبھالیں، شعبان کو اپنے ساتھ لیا اور شاہی دربار کی طرف چل پڑا۔ محل جب تھوڑی دُور رہ گیا تو طاغوت نے شعبان سے کہا۔

"فولادی تلوار والا بکس تم اپنے پاس سنبھال کر رکھو گے اور دربار میں اسی وقت آؤ گے

جب میں تمہیں بلاؤں گا۔ سمجھ گئے؟“

”سمجھ گیا۔“ شعبان نے جواب دیا۔

جس وقت طاغوت دربار میں پہنچا تو دربار لگا ہوا تھا۔ سپہ سالار عثمون، شاہی حکیم زوناش اور دوسرے درباری اُمرا اور وزراء بھی موجود تھے۔ فرعون اخناتون تخت شاہی پر براجمان تھا۔ فرعون اس وقت کوئی شاہی فرمان لکھوا رہا تھا۔ طاغوت جھک کر آدابِ شاہی بجالایا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ شاہی فرمان لکھوانے کے بعد فرعون اخناتون نے نگاہ اٹھا کر طاغوت کی طرف دیکھا اور کہا۔

”طاغوت! کیا بات ہے؟ تم دو تین روز سے دربار میں دکھائی نہیں دیئے۔ کیا کسی خاص مہم پر گئے ہوئے تھے؟“

طاغوت کو بات کرنے کا موقع مل گیا۔ اُس نے جھک کر کہا۔ ”دیوتا فرعونِ مصر کا اقبال بلند کریں۔ یہ غلام ہمیشہ سلطنت مصر کی سربلندی کی خاطر ہی کسی مہم پر جاتا ہے۔“

فرعون نے زیرلب مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ”اس دفعہ کون سی مہم درپیش تھی؟ ہم جاننا چاہیں گے۔“

طاغوت نے ادب سے جواب دیا۔ ”فرزند شمس! میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جسے سن کر دشمنوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور دوستوں کے دل شادمان ہوں گے۔“

شاہی حکیم زوناش اور سپہ سالار عثمون نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ عثمون کو معلوم تھا کہ طاغوت جو خوشخبری سنانے چلا ہے وہ جھوٹی ثابت ہو گی اور یوں طاغوت سردربار فرعون کے آگے ذلیل ہو گا۔ فرعون نے کہا۔

”ہم وہ خبر سننے کے منتظر ہیں۔“

تب طاغوت نے پوری تفصیل سے فرعون کو بتایا کہ شاہ بابل بخت نصر کے شاہی آہن گر ایک ایسی تلوار ڈھالنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو اپنی کاٹ اور طاقت کے اعتبار سے سپاہِ مصر کی تلواروں سے بازی لے گئی ہے۔ وہ کہنے لگا۔

”آقا! یہ تلواریں فولاد کے ساتھ کچھ اور دھاتیں ملا کر بنائی گئی ہیں اور اس کے مقابلے میں ہماری فوج کی تلواریں لکڑی کی تلواریں ثابت ہوں گی۔ مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ وطن عزیز کا ایک سرفروش سپاہ بابل کی یہ فولادی تلوار اُڑا لانے میں کامیاب

ہو گیا ہے۔ ہم اس تلوار کو ڈھال کر یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ اس کی ساخت میں فولاد کے ساتھ کون کون سی دھاتیں استعمال کی گئی ہیں اور اس کے بعد خود یہ تلواریں تیار کر کے مصری فوج کے حوالے کر سکتے ہیں تاکہ ہماری فوج بابلی فوج کا مقابلہ کر سکے۔“

فرعون نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”اس سرفروش کو پیش کیا جائے۔ ہم اُسے انعام و اکرام سے نوازنا چاہتے ہیں۔“

طاغوت نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔ ”عظیم فرعونِ مصر! اس نوجوان نے سرزمین مصر اور سلطنت فراعنہ کے لئے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کے عوض میں اُس کی جان بخشی کی التجا کروں گا۔“

فرعون نے کہا۔ ”اگر اس کا وہ جرم ناقابل معافی ہوا جس میں اُسے موت کی سزا سنائی گئی تھی تو ہم اسے ضرور معاف کر دیں گے۔ لیکن اس نوجوان کو سپاہِ بابل کی تلوار کے ساتھ حاضر کیا جائے۔“

طاغوت نے دربار کی ایک جانب گردن موڑتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ ”میرے دوست! شمشیرِ بابل کے ساتھ فرعونِ مصر کے حضور حاضر ہو۔ شاہِ مصر نے تمہاری جان بخشی کا وعدہ کیا ہے۔“

اس آواز کے ساتھ ہی دربار کی ایک جانب ستونوں کا درمیان کا پردہ ہٹا اور شعبان نمودار ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں لکڑی کا لمبوترا بکس تھا۔ سپہ سالار عثمون نے مسکراتے ہوئے شاہی حکیم زوناش کی طرف دیکھا اور سرگوشی میں کہا۔

”ابھی تھوڑی دیر میں شعبان کو جو ذلت و رسوائی سردربار ملنے والی ہے اسے وہ ساری زندگی نہ بھلا سکے گا۔“

شاہی حکیم زوناش کو معلوم تھا کہ عثمون نے اصلی تلوار کی جگہ نقلی تلوار بکس میں رکھوا دی ہے۔ اس کے ہونٹوں پر بھی طنزیہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ شعبان کو دیکھ کر فرعون اخناتون کی پیشانی پر بل پڑ گئے کیونکہ اس کے سامنے وہ نوجوان لایا گیا تھا جس نے اس کے باپ کو زہر دے کر ہلاک کیا تھا اور جسے موت کی سزا سنائی گئی تھی اور جو جیل توڑ کر مفرور ہو گیا تھا۔ شہزادی ساہتی بھی دربار میں موجود تھی۔ وہ بھی شعبان کو دیکھ کر برافروختہ ہوئی۔ شعبان نے فرعون کے سامنے حاضر ہو کر ادب سے تعظیم پیش کی اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

شمشیرِ بابل والا لکڑی کا بکس اُس نے اپنے قریب ہی رکھ دیا تھا۔ فرعون خاموش رہا۔

طاغوت کہنے لگا۔ ''فرزند شمس! عظیم فرعونِ مصر! یہ ہے وہ نوجوان جس پر آپ کے والد فرعون ہوتپ کو ہلاک کرنے کی ناپاک سازش کا غلط الزام لگایا گیا تھا اور جو اپنی جان کی بازی لگا کر سپاہِ بابل کے اسلحہ خانے سے وہ خاص شمشیر اُڑا لایا ہے جس کے بغیر مصر کی افواج دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔''

فرعون نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ ''وہ خاص تلوار پیش کی جائے۔''

یہ حکم پاتے ہی شعبان نے بکس کھول کر سرخ کپڑے میں لپٹی ہوئی تلوار نکالی اور چند قدم چل کر اُسے فرعون کی خدمت میں پیش کیا۔ فرعون نے تلوار کو اپنے ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھا، پھر شعبان سے پوچھا۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ سپاہِ بابل کی اس فولادی تلوار کے مقابلے میں ہمارے سپاہیوں کی تلوار ناکارہ ثابت ہو گی؟''

شعبان نے کہا۔ ''عظیم فرعون! میں اسے ثابت کر کے دکھا سکتا ہوں۔''

فرعون نے کہا۔ ''تمہیں اس کی اجازت ہے۔''

شعبان نے درباریوں کی طرف نگاہ ڈالی اور کہا۔ ''دربار میں موجود کوئی سپاہی اپنی تلوار لے کر آ جائے۔''

یہ سن کر سپہ سالار عشمون، شعبان کے سامنے آ گیا اور فرعون سے مخاطب ہو کر بولا۔

''عظیم فرعونِ مصر! یہ شخص جھوٹا ہے۔ اس تلوار میں کوئی خاص خوبی نہیں ہے۔ بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ یہ تلوار ہماری سپاہ کی تلوار سے کم تر درجے کی ہے اور بے حد ناکارہ ہے۔''

یہ سن کر طاغوت نے کہا۔ ''عظیم فرعون! میں سپہ سالار عشمون کے دعویٰ کو ابھی جھوٹا ثابت کر سکتا ہوں۔ بابل کی تلوار مجھے مرحمت فرمائی جائے۔''

فرعون اخناتون نے شمشیرِ بابل جو کہ حقیقت میں نقلی تھی اور عام تلواروں سے بھی کچی دھات کی تھی، طاغوت کو دے دی۔ طاغوت نے تلوار بلند کی اور سپہ سالار عشمون سے کہا۔

''عشمون! اپنی تلوار کے ساتھ پوری طاقت سے مجھ پر حملہ کرو۔''

عشمون تو اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے اپنی تلوار نیام میں سے نکالی اور ہاتھ ہوا میں بلند کر کے پوری طاقت سے طاغوت کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار پر وار کیا۔ چونکہ

طاغوت والی تلوار اصلی شمشیرِ بابل نہیں تھی اس لئے پہلے ہی وار میں اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اہل دربار نے خوش ہو کر بے اختیار سلطنت فرعون کی سربلندی کا نعرہ بلند کیا۔ طاغوت حیران پریشان کھڑا اپنی تلوار کے ٹکڑوں کو تک رہا تھا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنی مضبوط تلوار کو عشمون کی عام مصری تلوار کا ایک ہی وار دو ٹکڑے کر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ حیرانی شعبان کو تھی۔ کیونکہ اُس نے اپنی آنکھوں کے سامنے بابل میں سپاہِ بابل کے سالارِ اعظم کو اس تلوار سے پتھر کو دو ٹکڑے کرتے دیکھا تھا۔ شعبان کو کیا خبر تھی کہ عشمون نے سازش کر کے اصلی فولادی تلوار کی جگہ کمزور ترین نقلی تلوار بکس میں رکھ دی ہے۔

عشمون نے فرعون اخناتون کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

''عظیم فرعون! سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے اس کا فرق ظاہر ہو گیا ہے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی ہے کہ آپ کے وفادار محافظ خاص طاغوت نے اپنے دیرینہ دوست شعبان کی جان بچانے کی خاطر آپ کو دھوکے میں رکھ کر ایک مذموم سازش کی تھی۔ ایک نقلی ناٹک رچایا تھا۔ جس کا پول آپ کے سامنے کھل گیا ہے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ شخص طاغوت بھی آپ کا خیر خواہ نہیں ہے اور شعبان کا یہ جرم تو پہلے ہی ثابت ہو چکا ہے کہ اس نے آپ کے والد فرعون ہوتپ کو زہر دے کر ہلاک کیا تھا۔ اصل حقیقت آپ کے سامنے ہے۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔''

فرعون اخناتون، عشمون کی تقریر سے بڑا متاثر ہوا۔ ویسے بھی اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ طاغوت نے شمشیرِ بابل کے بارے میں اُسے اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کی تھی اور ایک طرح سے اُسے دھوکہ دے کر شعبان کی جان بخشی کرانی چاہی تھی۔ چنانچہ اُس نے اسی وقت فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

''شعبان کو کل کا سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی پھانسی دے دی جائے اور طاغوت کو قید کر لیا جائے۔''

یہ فیصلہ شہزادی ساہتی نے بھی سنا اور اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ اُسے کیا خبر تھی کہ شعبان اُس کا اپنا بیٹا ہے جس کو اس نے اپنا گناہ چھپانے کے لئے پیدا ہوتے ہی دریا کی لہروں کے سپرد کر دیا تھا۔ بلکہ اُلٹا شہزادی ساہتی نے خوشی کا اظہار کیا کہ جس شخص نے اس کے باپ فرعون ہوتپ کی جان لی تھی اُسے کل صبح پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے گا۔

چنانچہ فرعون کے حکم کے فوراً بعد طاغوت کو زنجیریں ڈال کر قید خانے کی طرف اور شعبان کو زنجیروں میں ڈال کر پھانسی کی کوٹھڑی میں پہنچا دیا گیا۔ شعبان کو پھانسی کا حکم سنائے جانے کی خبر پر شاہی محل میں اگر کوئی عورت پریشان تھی تو وہ شہزادی ساہتی کی قدیم کنیز سوانا تھی۔ سوانا وہ خادمہ تھی جو اس وقت شہزادی ساہتی کے ساتھ تھی جب شہزادی ساہتی نے اپنی ناجائز اولاد شعبان کو ایک ٹوکری میں ڈال کر دریائے نیل کی لہروں کے سپرد کیا تھا۔ سوانا کو کسی طریقے سے علم ہو چکا تھا اور اس پر یہ راز کھل چکا تھا کہ شعبان ہی شہزادی ساہتی کا بیٹا ہے۔ لیکن اس نے یہ بات اس لئے شہزادی ساہتی پر ظاہر نہیں کی تھی کہ اس وقت شعبان جیل سے فرار ہو چکا تھا اور ساہتی کے آگے یہ راز کھولنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہی تھی۔ لیکن جب اس نے سنا کہ فرعون نے کل صبح شعبان کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دینے کا حکم دے دیا ہے تو وہ پریشان ہوگئی۔

اس وقت آدھی رات گزر چکی تھی۔

کنیز سوانا اسی لمحے سیاہ چادر اوڑھ کر شہزادی ساہتی کے محل میں پہنچ گئی۔ شہزادی ساہتی، جس کو عمر اور شراب نے موت کے قریب پہنچا رکھا تھا، اس وقت بھی ام الخبائث یعنی شراب سے جی بہلا رہی تھی۔ اپنی پرانی کنیز سوانا کو خواب گاہ میں دیکھ کر شہزادی ساہتی نے قدرے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''سوانا! خیر ہے، تم آدھی رات کو کیسے آئی ہو؟''

کنیز سوانا نے حسب عادت جھک کر شہزادی کو سلام کیا اور بولی۔ ''شہزادی صاحبہ! اگر خیریت ہوتی تو یہ کنیز رات کے وقت آپ کے شغل مے نوشی میں دخل دینے کی کبھی جرأت نہ کرتی۔ لیکن حالات کی سنگینی نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں آدھی رات کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو تمام حالات سے آگاہ کروں۔''

شہزادی ساہتی بڑی توجہ سے کنیز سوانا کی گفتگو سن رہی تھی۔ اُس کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ آخر سوانا اسے کیا بتانا چاہتی ہے۔ اس نے پوچھا۔

''سوانا! کھل کر بات کرو۔ آخر تم مجھے کن حالات سے آگاہ کرنا چاہتی ہو؟''

کنیز سوانا، شہزادی ساہتی کے قدموں میں بیٹھ گئی اور ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد اُس نے شہزادی ساہتی کی طرف چہرہ اُٹھا کر کہا۔

''شہزادی صاحبہ! آج سے پچیس تیس برس پہلے کی وہ رات یاد کریں جب بجلی چمک رہی تھی۔ بادل گرج رہے تھے اور طوفانِ بادو باراں کا سماں تھا اور آپ اپنے نومولود بچے کو سینے سے لگائے دریائے نیل کی طرف جا رہی تھیں۔ میں آپ کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ میرے ہاتھ میں ایک ٹوکری تھی جس میں مخمل کا گدیلا بچھا تھا۔ چھوٹے چھوٹے نرم تکیے رکھے ہوئے تھے اور ایک تھیلی میں قیمتی ہیرے جواہرات ڈال کر اسے ٹوکری کے گدیلے کے نیچے چھپا دیا گیا تھا تاکہ دریا کی لہروں پر تیرتے یہ بچہ جس کو ملے وہ ان جواہرات کو بیچ کر شایانِ شان طریقے سے بچے کی پرورش کر سکے۔''

شہزادی ساہتی کے چہرے پر ایسی کیفیت پیدا ہوگئی جیسے کسی نے اُس کے جگر کے ٹکڑے کر دیئے ہوں۔ اُس کو اپنے سارے گناہ یاد آ گئے۔ اُس نے بے اختیار ہو کر پیالے کی باقی ماندہ شراب حلق میں انڈیلی اور تلخ لہجے میں کنیز سے کہا۔

''تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ مجھے میرے گناہ کیوں یاد دلا رہی ہو؟''

کنیز سوانا بھی اب شہزادی ساہتی کی مانند بڑھاپے کی دہلیز پار کر چکی تھی اور شہزادی ساہتی بھی اس کا احترام کرتی تھی۔ سوانا نے کہا۔

''شہزادی صاحبہ! میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جس شعبان نام کے شخص کو آج صبح سورج نکلتے ہی پھانسی کے تختے پر لٹکایا جا رہا ہے، وہ آپ کا وہی بیٹا، وہی لختِ جگر ہے جس کو آپ نے ایک طوفانی رات میں دریا کی لہروں پر بہا دیا تھا۔''

یہ سننا تھا کہ شہزادی کے ہاتھ سے شراب کا پیالہ فرش پر گر کر چکنا چور ہوگیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کنیز کا منہ تکنے لگی۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''

کنیز سوانا بولی۔ ''شہزادی! میں پورے یقین کے ساتھ کہہ رہی ہوں۔ اس لئے کہ مجھے اس خاتون کی بیٹی نے یہ راز بتایا تھا جس نے آپ کے لختِ جگر کو اٹھا کر اس کی پرورش کی تھی اور پال پوس کر جوان کیا تھا۔''

شہزادی ساہتی نے کہا۔ ''میرے بیٹے کے شانے پر چاند گرہن کا گول نشان تھا۔ کیا تو نے وہ نشان دیکھا ہے؟''

کنیز سوانا کہنے لگی۔ ''شہزادی! میں نے اپنی آنکھوں سے شہزادے شعبان کے شانے

پر بائیں جانب چاند گرہن کا گول نشان دیکھا ہے۔ میں پوری تصدیق کے بعد آپ پر یہ راز افشا کر رہی ہوں۔ اگر یقین نہ آئے تو آپ قید خانے میں چل کر خود اپنی آنکھوں سے یہ نشان دیکھ سکتی ہیں۔"

شہزادی ساہتی جیسے سکتے میں آ گئی تھی۔ اتنی مدت کے بعد اُسے اپنا لختِ جگر ملا بھی تو اس حالت میں کہ اُس کی گردن میں پھانسی کا پھندا پڑا تھا۔ شہزادی ایک دم سے اُٹھی اور یہ کہتی ہوئی خواب گاہ کے دروازے کی طرف بڑھی۔

"میرے ساتھ آؤ!"

شہزادی ساہتی فرعونِ مصر کی بہن تھی۔ اُس کے لئے قید خانے میں کسی قیدی سے ملاقات کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ سوانا کو ساتھ لے کر اسی لمحے موت کی کوٹھڑی میں پہنچ گئی جہاں شعبان ننگے فرش پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا گہری سوچ میں گم تھا۔ اس کے دونوں پیروں میں زنجیریں پڑی ہوئی تھیں۔ شہزادی ساہتی کو اچانک قید خانے میں اپنے سامنے دیکھ کر شعبان ادب کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔ دیوار کے ساتھ لیمپ روشن تھا۔ شہزادی ایک دو پل شعبان کو گہری نظروں سے تکتی رہی۔ اپنی اولاد کو سامنے دیکھ کر شہزادی ساہتی کی ماتا بیدار ہو گئی تھی۔ اس کا خون اپنے جگر کو دیکھ کر جوش مار رہا تھا۔ اُس نے شعبان سے کہا۔

"میری طرف پیٹھ کر کے اپنا کرتہ اُوپر اُٹھاؤ۔"

یہ سنتے ہی شعبان بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔ یہ راز بہت پہلے سائنا کی زبانی شعبان کو معلوم ہو چکا تھا کہ شہزادی ساہتی اس کی ماں ہے اور اپنے گناہ کو چھپانے کی خاطر شہزادی نے اسے پیدا ہوتے ہی دریا کی لہروں پر بہا دیا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ شہزادی اُس کی پیٹھ پر سورج گرہن کا نشان دیکھنا چاہتی ہے کیونکہ یہی اس کے شہزادہ ہونے کا ثبوت تھا۔

شعبان نے شہزادی کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے منہ دوسری طرف کر کے قمیض اوپر اٹھا دی۔ شعبان کی پشت پر چاند گرہن کا مخصوص گول نشان موجود تھا۔ اسے دیکھتے ہی شہزادی ساہتی کا ماتا بھرا دل تڑپ اٹھا۔ اگرچہ شہزادی کا شاہی وقار اور شاہی محلات کی پرورش نے اُس کو جو آداب سکھائے تھے اس بات کے مانع تھے کہ شہزادی جذبات کے سارے بندھن توڑ دے لیکن اس کے سامنے بھی اس کا اپنا شاہی خون تھا۔ وہ ماں تھی اور اس کا گمشدہ بیٹا

اچانک اس کے سامنے ظاہر ہو گیا تھا۔ ماں کی ماتا نے دنیاوی ادب آداب کے سارے بندھن توڑ ڈالے اور شہزادی ساہتی نے چیخ مار کر شعبان کو اپنے سینے سے لگا لیا اور اُس کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ شعبان نے پہلی بار ماں کی محبت کو اپنی رگ و پے میں اترتے محسوس کیا۔ اُس کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

دونوں ماں بیٹا ایک دوسرے کے گلے لگ کر دیر تک آنسو بہاتے رہے۔ کنیز سوانا پاس کھڑی انہیں اشک آلود آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی کہ اتنی مدت کے بعد ماں کو اپنا بیٹا اور بیٹے کو اپنی ماں کی محبت مل گئی ہے۔ جب دونوں ماں بیٹے کے دل کا غبار ذرا ہلکا ہوا تو شہزادی ساہتی نے شعبان کو اپنے پاس بٹھا کر اس کی پیشانی کو چوما اور کہا۔

"بیٹا! تمہاری ماں نے تمہارے ساتھ جو ظلم کیا ہے اسے معاف کر دینا۔ اگر تم نے مجھے معاف نہ کیا تو دیوتا بھی مجھے معاف نہیں کریں گے اور میری رُوح میری موت کے بعد جہنم کی آگ میں جلتی رہے گی۔"

شعبان نے اپنی والدہ کے قدموں کو ہاتھ لگا کر اُس کے ہاتھوں کو چوما اور بولا۔

"مجھ سے معافی مانگ کر اپنے بیٹے کو گناہ گار نہ بناؤ میری عظیم ماں! تم نے جو کچھ کیا، تم سے جو کچھ بھی ہوا وہ تقدیر کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔"

شہزادی ساہتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ جذبات میں آ کر بولی۔ "مصر کے کسی فرعون میں اتنی طاقت نہیں کہ میرے جگر کے ٹکڑے کو موت کی نیند سلا سکے۔ میرے ساتھ شاہی محل میں چلو۔ میں تمہیں لینے آئی ہوں بیٹا۔"

شعبان نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر اسے بڑے احترام سے اپنے پاس بٹھایا اور بولا۔ "اماں! قانون کی نگاہوں میں، میں مجرم ہوں۔ قانون نے مجھے مجرم گردانا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قانون ہی مجھے بے گناہ قرار دے اور میں عزت و آبرو کے ساتھ شاہی محل میں واپس جاؤں۔"

شہزادی ساہتی نے کہا۔ "مگر بیٹا! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ سب گواہیاں تمہارے خلاف تھیں۔ دربار میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تم نے ہی فرعون کو زہر دے کر ہلاک کیا تھا۔ اب یہ کیسے ثابت ہو گا کہ تم بے گناہ ہو۔"

شعبان بولا۔

''اماں! دیوتا کو معلوم ہے کہ فرعون کی دوائی میں، میں نے زہر نہیں ملایا تھا۔ زہر کسی اور شخص نے ملایا تھا اور یہ شخص سوائے شاہی حکیم زوناش کے دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا۔''

''مگر تم اسے ثابت کیسے کرو گے؟'' شہزادی ساہتی نے سوال کیا۔

شعبان بولا۔ ''مجھے یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور ظہور پذیر ہوگا۔ سچائی کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے۔ تم سب سے پہلے میری موت کی سزا کو ملتوی کرا دو۔ اس کے بعد اپنے بھائی فرعون اخناتون سے کہو کہ میرا مقدمہ شاہی دربار میں دوبارہ پیش کیا جائے اور گواہوں کے بیانات دوبارہ لئے جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ جس کسی نے بھی جھوٹی گواہی دی ہے اس کا ضمیر اُسے ضرور سچ بولنے پر مجبور کر دے گا اور یہی وہ معجزہ ہوگا جس کا مجھے انتظار ہے۔''

شہزادی ساہتی سوچ میں پڑ گئی۔ اس پر کنیز سوانا کہنے لگی۔ ''شہزادی صاحبہ! شعبان کا مؤقف بڑا درست ہے۔ وہ جس طرح کہتا ہے آپ اس پر اسی طرح عمل کریں۔ دیوتا اسیرس ضرور سچ کا ساتھ دیتے ہوئے ہماری مدد کرے گا۔''

یہ بات شہزادی ساہتی کی سمجھ میں آگئی۔ اُس نے شعبان کا ماتھا چوم کر کہا۔ ''میرے بیٹے! اب مجھے بھی یقین ہوگیا ہے کہ غیب سے کچھ ظاہر ہونے والا ہے۔ اگر تم سچے ہو تو دیوتا ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ میں تمہارے کہے پر عمل کرتی ہوں۔ تم مطمئن رہو، میں ابھی فرعون کے پاس جا کر تمہاری سزا رُکواتی ہوں۔''

شہزادی ساہتی اسی لمحے کنیز سوانا کو لے کر قید خانے سے نکلی اور شاہی محل میں واپس آ کر سوانا کنیز کو اپنی خواب گاہ میں بٹھایا اور خود اپنے بھائی فرعون اخناتون کے محل میں آ گئی۔ اس وقت فرعون اپنی خواب گاہ میں سو رہا تھا۔ مامتا کی ماری شہزادی ساہتی ایک لمحہ ضائع کئے بغیر فرعون کی خواب گاہ میں پہنچ گئی۔ خواب گاہ کے محافظوں نے ہچکچاتے ہوئے شہزادی کو روکنے کی کوشش کی مگر اس وقت شہزادی ساہتی ایک ماں تھی جس کے اکلوتے جوان بیٹے کو بے گناہ پھانسی کے تختے پر لٹکایا جا رہا تھا۔ اس وقت شہزادی ساہتی فرعون کی خواب گاہ تو کیا، دیوتاؤں کی خواب گاہ کا بھی دروازہ توڑ کر ان کے پاس پہنچ سکتی تھی۔

فرعون اخناتون گہری نیند سے بیدار ہو کر شہزادی ساہتی کو اپنی خواب گاہ میں دیکھ کر حیران سا ہوا۔ کہنے لگا۔

''میری ہمشیرہ! اپنی خواب گاہ میں آدھی رات کو تمہاری موجودگی دیکھ کر میں حیران

ہوں۔ کیا بات ہے؟''

شہزادی ساہتی نے کہا۔ ''سب سے پہلے شعبان کی موت کی سزا رُکواؤ۔ اس کے بعد میں تمہیں بتاؤں گی کہ تم سے کتنا بڑا گناہ سرزد ہونے والا تھا۔''

فرعون اُٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا۔ ''لیکن میری بہن!......''

شہزادی ساہتی نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''وقت گزرتا جا رہا ہے، اسے باتوں میں ضائع نہ کرو۔ جتنی جلدی ہو سکے قید خانے کے محافظ خاص کو حکم پہنچاؤ کہ وہ شعبان کی پھانسی ایک دن کے لئے ملتوی کر دے۔ ورنہ یاد رکھو، تم پر آسمان کے سارے دیوتاؤں کا اتنا شدید عذاب نازل ہوگا کہ تمہاری رُوح ہزار برس تک اس عذاب میں تڑپتی رہے گی۔''

فرعون اخناتون دیوتاؤں وغیرہ کو نہیں مانتا تھا۔ لیکن بہن کی حالت دیکھ کر اُس نے اسی وقت خاص ہرکارہ دوڑایا اور شعبان کی پھانسی رُکوا دی۔ جب خادم خاص نے آ کر فرعون کو بتایا کہ شعبان کو پھانسی کی کوٹھڑی سے نکال کر عام قید خانے میں بند کر دیا گیا ہے تو فرعون نے اپنی بہن ساہتی سے کہا۔

''محترم ہمشیرہ! اب بتاؤ تم مجھے کس عذاب سے بچانے کی کوشش کر رہی ہو؟''

شہزادی ساہتی آخر شعبان کی ماں تھی۔ وہ اس کا اپنا خون تھا۔ اسے دل سے یقین ہو گیا تھا کہ شعبان کسی بڑی خطرناک درباری سازش کا شکار ہوا ہے اور فرعون ہوتپ کو زہر دے کر کسی اور نے ہلاک کیا تھا۔ اُس نے کہا۔

''میرے پیارے بھائی! کسی بے گناہ کو موت کے گھاٹ اتارنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی قبر میں انگارے بھر رہا ہو۔ جس جرم کی سزا شعبان کو تمہارے ہاتھوں دلوائی گئی ہے وہ جرم شعبان کے ہاتھوں سرزد نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے میں نے تمہیں ایک بے گناہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے سے بچایا ہے۔''

فرعون کہنے لگا۔ ''لیکن اگر یہ جرم شعبان نے نہیں کیا تو پھر کس نے کیا ہے؟ دربار میں تمام گواہیاں شعبان کے خلاف گئی تھیں۔''

شہزادی ساہتی بولی۔ ''گواہیاں جھوٹی بھی ہوسکتی ہیں۔''

فرعون نے پوچھا۔ ''تو پھر یہ کون بتائے گا کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے؟''

شہزادی ساہتی نے کہا۔ ''اس کا فیصلہ سورج دیوتا کریں گے۔ کل اس مقدمے میں ملوث تمام افراد کو دربار میں بلوایا جائے۔ شعبان بھی وہاں موجود ہو اور گواہوں کو سورج دیوتا کی قسم دے کر دوبارہ گواہی دینے کو کہا جائے۔''

فرعون کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ پھر بولا۔ ''اگر دیوتاؤں کی یہی مرضی ہے تو مجھے کوئی انکار نہیں ہے۔''

دوسرے دن دربار میں سبھی موجود تھے۔ فرعون پورے جاہ و جلال کے ساتھ تخت شاہی پر بیٹھا تھا۔ تمام درباری حاضر تھے۔ شہزادی ساہتی فرعون کے پہلو میں ایک تخت پر بیٹھی تھی۔ کنیز سوانا اس کے پیچھے ادب سے کھڑی تھی۔ دوسری جانب سپہ سالار عشمون اور حکیم زوناش اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ نیا کاہن اعظم ماطو بھی موجود تھا۔ حکیم زوناش اور سپہ سالار عشمون دل میں گھبرائے ہوئے تھے کہ اس مقدمے کی کارروائی دوبارہ کیوں شروع کی گئی ہے۔ لیکن انہیں یقین تھا کہ کوئی بھی موقع کا گواہ موجود نہیں ہے۔ کسی نے بھی زوناش کو شعبان کی دوائی کی بوتل میں سانپ کا زہر ملاتے نہیں دیکھا اس لئے سب گواہیاں شعبان کے خلاف ہی جائیں گی۔ لیکن انہیں یہ علم نہیں تھا کہ دربار میں ایک ایسا شخص موجود تھا جس نے اپنی آنکھوں سے حکیم زوناش کو شعبان کی دوائی کی بوتل میں زہر ملاتے دیکھا تھا۔ اور یہ گواہ شاہی حکیم زوناش کا شاگرد خاص طرطوش تھا۔

فرعون کے حکم سے شعبان کو قید خانے سے دربار میں بلوایا گیا۔ شعبان زنجیریں پہنے دربار میں حاضر ہو گیا۔ فرعون نے مقدمے کی کارروائی شروع کرتے ہوئے اہل دربار سے مخاطب ہو کر کہا۔

''جو شخص کسی دوسرے بے گناہ شخص کی جان لیتا ہے، دیوتاؤں کے حکم سے اسے مرنے کے بعد جہنم کی آگ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ جو شخص کسی بے گناہ انسان کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر وہ اس کوشش میں ناکام بھی ہو جائے تو اس کی سزا دیوتاؤں کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق موت ہی ہوتی ہے۔ ہم نے شعبان کو اس لئے پھانسی کی سزا کا حکم سنایا تھا کہ تمام گواہوں کی گواہیاں اس کے خلاف جاتی تھیں اور یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ شعبان ہی نے میرے والد یعنی فرعون ہوتپ کو زہر دے کر ہلاک کیا تھا۔ اب شعبان کی درخواست پر اس مقدمے کی کارروائی دوبارہ شروع کی جا رہی ہے کیونکہ شعبان

کا کہنا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ چنانچہ ہم ایک ایک کر کے تمام گواہوں کو حکم دیں گے کہ وہ دربار میں آ کر دوبارہ اپنی اپنی گواہی دیں تا کہ یہ پتہ چل سکے کہ کیا واقعی شعبان ہی مجرم ہے یا مجرم کوئی اور ہے؟''

فرعون خاموش ہو گیا۔ دربار میں خاموشی چھا گئی۔ شہزادی ساہتی کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ اپنے بیٹے کی جان بچانے کے لئے کسی معجزے کا انتظار کر رہی تھی۔ فرعون نے کاہن اعظم کو اشارہ کیا۔ کاہن اعظم اپنا عصا تھامے درمیان میں آ گیا۔ اُس نے کچھ منتر پڑھے اور پھر ایک ہاتھ بلند کرتے ہوئے بولا۔

''دیوتاؤں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں سچ اور جھوٹ کو الگ کروں۔ ہر گواہ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر سورج دیوتا کے نام کی قسم کھائے گا کہ وہ سچ بولے گا۔ جھوٹ نہیں بولے گا۔''

اس کے بعد فرعون نے پہلے گواہ کو بلایا۔ شعبان بڑی توجہ سے یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ وہ اپنی جان بچا سکے گا۔ اسے دیوتاؤں سے ایک موہوم سی اُمید تھی کہ شاید غیب سے کوئی معجزہ رونما ہو جائے جس کی اُسے بہت کم توقع تھی۔ اہل دربار میں سے پہلا گواہ اُٹھ کر کاہن اعظم کے پاس آیا۔ اُس کے پاؤں چھوئے اور کاہن اعظم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر دیوتاؤں کے نام پر قسم کھائی کہ وہ سچ بولے گا اور سچ کے سوا کچھ نہیں بولے گا۔

اسی طرح ایک ایک کر کے سب گواہ آئے۔ ہر گواہ نے کاہن اعظم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر سورج دیوتا کے نام کی قسم کھائی اور وہی گواہی دی جو اس سے پہلے وہ دے چکا تھا۔

جب سارے گواہ اپنی اپنی گواہی دے چکے تو فرعون نے اہل دربار سے مخاطب ہو کر کہا۔

''سورج دیوتا کے حکم کو میں نے پورا کر دیا۔ تمام گواہوں نے اپنی گواہی کو دہرایا ہے۔ اس طرح یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ شعبان ہی مجرم ہے اور میں نے شعبان کو موت کا جو حکم سنایا تھا وہ درست فیصلہ تھا۔ چنانچہ میں اپنے اس حق بجانب فیصلے کو ایک بار پھر دہراتا ہوں کہ شعبان نے میرے والد فرعون ہوتپ کو زہر دے کر ہلاک کرنے کا جو مذموم فعل کیا تھا اس کی پاداش میں......''

فرعون نے ابھی اپنا جملہ پورا نہیں کیا تھا کہ اہل دربار میں سے شاہی حکیم کا شاگرد خاص طرطوش اپنی کرسی پر سے اُٹھا اور بڑے ادب سے عرض کی۔

"عظیم فرعونِ مصر! میں نے آپ کی بات کاٹ کر جو گستاخی کی ہے، دیوتا مجھے معاف کریں۔ لیکن میں نے سورج دیوتا کے حکم پر ہی ایسا کیا ہے۔"

دربار پر سناٹا چھا گیا۔ تمام نگاہیں شاہی حکیم کے شاگرد خاص طرطوش کی طرف اُٹھ گئیں۔ شہزادی ساہتی، طاغوت اور شعبان بھی تعجب اور تجسس کے ساتھ طرطوش کی طرف دیکھنے لگے کہ یہ کیا کہنے جا رہا ہے۔

فرعون نے طرطوش کو حکم دیا۔ "تمہیں سورج دیوتا نے جو حکم دیا ہے اسے بیان کرو۔"

سب سے زیادہ پریشان اس وقت شاہی حکیم زوناش تھا۔ اگرچہ اُسے یقین تھا کہ طرطوش اُس کے خلاف گواہی نہیں دے سکے گا کیونکہ اس کے پاس اسے مجرم ثابت کرنے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے لیکن پھر بھی جب طرطوش نے یہ کہا کہ وہ دیوتا کے حکم پر ایسا کر رہا ہے تو شاہی حکیم کا دل بیٹھنے لگا۔ دیوتاؤں کی طاقت اور آسمانی عظمت کا اس کے دل میں بھی خوف تھا۔ دوسرے مصریوں کی طرح اس کا بھی عقیدہ تھا کہ انسان جو کچھ کرتا ہے جو کچھ سوچتا ہے دیوتاؤں کو اس کا علم ہوتا ہے۔ اس لئے وہ دل میں خوفزدہ ہو گیا تھا۔

فرعون اخناتون کی اجازت پانے کے بعد طرطوش نے کہا۔

"عظیم فرزند شمس! عظیم فرعونِ مصر! میں آسمان کے تمام دیوتاؤں اور خاص طور پر سورج دیوتا کی مقدس قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں جو بیان دوں گا وہ سچا بیان ہوگا اور حقیقت پر مبنی ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ شعبان بے گناہ ہے۔ عظیم فرعون کو زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش شعبان نے نہیں کی تھی۔"

اس پر دربار میں سکوت طاری ہو گیا۔ شاہی حکیم زوناش کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ سپہ سالار عشمون کے دل کی دھڑکن بھی تیز ہو گئی۔ اسے بھی ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ اگر طرطوش نے اصل مجرم کا نام لے دیا تو وہ یعنی عشمون بھی نہیں بچ سکے گا کیونکہ فرعون کو قتل کروانے کی سازش میں وہ بھی شریک تھا۔ طاغوت، شہزادی ساہتی اور شعبان اپنی اپنی جگہ پر چپ تھے اور غیب سے کسی معجزے کے نمودار ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ فرعون نے طرطوش سے کہا۔

"تم جو کہنا چاہتے ہو وہ کہو۔"

اس پر طرطوش بولا۔ "عظیم فرعون! آپ کے والد فرعون ہوتپ کو زہر دے کر ہلاک

کرنے کی ناپاک جسارت میرے استادِ مکرم اور شاہی حکیم زوناش نے کی تھی۔"

اس کے ساتھ ہی درباریوں پر ایک سکتہ سا طاری ہو گیا۔ شاہی حکیم زوناش کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اُسے پھانسی کا پھندا اپنی گردن میں محسوس ہونے لگا۔ شہزادی ساہتی، طاغوت اور شعبان کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ خود فرعون اخناتون بھی حیران ہوا کہ یہ شخص شاہی حکیم پر اتنا سنگین الزام کیسے لگا رہا ہے۔ چنانچہ اُس نے طرطوش سے کہا۔

"تم جانتے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور دربار کی ایک اہم شخصیت پر کتنا سنگین الزام عائد کر رہے ہو؟"

طرطوش کا ضمیر بیدار ہو چکا تھا۔ ضمیر کی اس بیداری کو وہ سورج دیوتا کا حکم سمجھ رہا تھا۔ چنانچہ اُس نے بے خوف ہو کر کہا۔

"عظیم فرعون! میں نے جو کچھ کہا، حقیقت کی ترجمانی کی ہے۔"

"تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ میرے والد فرعون ہوتپ کو زہر دینے کی ناپاک جرأت شاہی حکیم زوناش نے کی ہے؟"

اس سوال پر اہل دربار کے جیسے سانس رُک گئے۔ عشمون کا دل ڈوبنے لگا۔ حکیم زوناش پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔ طاغوت آنکھیں کھولے طرطوش کو تکنے لگا۔ شہزادی ساہتی اور شعبان دم بخود سے ہو گئے۔ تب طرطوش نے آوازِ حق بلند کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے شاہی حکیم زوناش کو شعبان کی اس بوتل میں سانپ کا زہر ملاتے دیکھا تھا جس بوتل میں سے شعبان نے آپ کے والد کی خواب گاہ میں جا کر دوا کی خوراک پلائی تھی۔ یہ سب کچھ شعبان کی عدم موجودگی میں ہوا۔ چنانچہ جب شعبان نے فرعون ہوتپ کو اس بوتل میں سے روزمرہ کی دوا پلائی تو اسے بالکل علم نہیں تھا کہ شاہی حکیم نے اس بوتل میں زہر ملا دیا ہوا ہے۔"

اس بیان پر اہل دربار کے منہ سے بے ساختہ حیرت و استعجاب کی آواز بلند ہوئی اور اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔ طاغوت اور شعبان نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ شہزادی ساہتی کے چہرے پر ماں کی مامتا کا سکون تھا۔ فرعون نے کہا۔

"ہم تمہاری اس بات پر کیسے یقین کر لیں کہ تم نے شاہی حکیم کو اپنی آنکھوں سے دوا

میں زہر ملاتے دیکھا ہے؟ تم جھوٹ بھی تو بول سکتے ہو۔"
طرطوش ادب سے جھک گیا۔ پھر عرض کی۔
"فرزند شمس! میرے پاس اپنے بیان کو سچ ثابت کرنے کے لئے سوائے اس کے اور کوئی دلیل نہیں ہے کہ میں نے عظیم دیوتا سورج کے حکم پر سچ بولا ہے۔ میں نے اپنے ضمیر کا بوجھ اتار دیا ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ میرے بیان پر یقین کریں یا نہ کریں۔"
فرعون خود سورج دیوتا کا پجاری تھا اور اس کی عظمت و ہیبت کا عقیدت مند تھا۔ اُس نے شاہی حکیم زوناش کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا اور کہا۔
"محترم زوناش! تمہارے شاگرد خاص نے تم پر جو الزام عائد کیا ہے تم نے اسے سن لیا ہوگا۔ تم اس سلسلے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟"
فرعون کے منہ سے نکلے ہوئے جملے اور اُس کی آواز جیسے بجلی کی کڑک بن کر حکیم زوناش پر گری۔ وہ تڑپ کر اٹھا اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے چلتا تخت شاہی کے پاس آیا۔ اُس نے تخت شاہی کو بوسہ دے کر اپنے ہاتھ سینے سے باندھ لئے اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔
"فرزند شمس! طرطوش نے سچ کہا ہے۔ میں ہی وہ بدبخت ہوں جس نے ہوسِ اقتدار اور دولت کے لالچ میں آ کر فرعون ہوتپ کو زہر دیا تھا۔"
حکیم زوناش کا یہ کہنا تھا کہ سارا دربار تم پر دیوتاؤں کی لعنت ہو کے الفاظ سے گونج اُٹھا۔ فرعون نے اپنا ہاتھ اُٹھا کر سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ شعبان نے فرطِ اطمینان سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ شہزادی ساہتی کے چہرے پر مامتا کا سکون آ گیا۔ طاغوت نے آگے بڑھ کر شعبان کو اپنے گلے لگا لیا۔ حکیم زوناش نے اپنے اعترافِ گناہ کے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔
"مجھ پر دیوتاؤں کی جتنی لعنت ملامت، جتنا عذاب نازل ہو کم ہے۔ لیکن آج میری رُوح کو جو سکون نصیب ہو رہا ہے وہ اس سے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوا۔ اب مجھے اپنی موت کا بھی کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ اپنے گناہ کا اعتراف کر کے میں نے اپنی رُوح کو ایک عذابِ مسلسل کی اذیت سے نجات دلا دی ہے۔ اب اگر میرے جسم کے ٹکڑے کر کے گِدھوں کو بھی کھلا دیئے جائیں تو مجھے کوئی دُکھ نہیں ہوگا۔ لیکن اے فرعونِ مقدس! میں آپ

کے قدموں میں جھک کر آپ سے معافی کا ضرور طلب گار رہوں گا۔ میرے ضمیر نے تو مجھے معاف کر دیا ہے لیکن اگر آپ نے مجھے معاف نہ کیا تو میری رُوح مرنے کے بعد شاید سکونِ ابدی حاصل نہ کر سکے گی۔"
حکیم زوناش کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اُس کا سر ندامت کے بوجھ سے جھکا ہوا تھا مگر اُس کی آواز میں سچائی کی گونج تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے اُس کی زبان سے سورج دیوتا بول رہا ہو۔ زوناش آنسو بہا رہا تھا۔ اُس کا جسم تیز ہوا میں نازک شاخ کی طرح کانپ رہا تھا۔ دربار میں ہر ایک کی زبان پر خاموشی کی مُہر لگ گئی تھی۔ وہ اس بات کے منتظر تھے کہ زوناش کے بارے میں دیکھیں تخت شاہی سے کیا فیصلہ صادر ہوتا ہے۔ فرعون اخناتون نے نگاہ اُٹھا کر چھت کی طرف دیکھا، پھر زوناش کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔
"زوناش! رحم کی اپنی ایک جگہ ہے۔ مگر انصاف کی بھی اپنی ایک جگہ مقرر ہے۔ جس طرح رحم اپنے فرائض پورے کرتا ہے اسی طرح انصاف کو بھی اپنے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں۔ رحم کو انسانی جذبات زندہ رکھتے ہیں اور انصاف کو قانون سربلند رکھتا ہے۔ انسانی معاشرہ صرف اس وقت مکمل کہلاتا ہے جب نہ قانون رحم کے راستے میں آتا ہے اور نہ رحم قانون کے معاملات میں مداخلت کرتا ہے۔ ایک سلطنت کے سربراہ کی حیثیت سے اس وقت میں قانون کے، انصاف کے تقاضے پورے کروں گا اور رحم کو قانون میں مداخلت کی اجازت نہیں دوں گا۔ لہٰذا میں حکیم زوناش کو اس کے گھناؤنے جرم کی پاداش میں موت کی سزا سناتا ہوں۔ زوناش کے ہاتھوں میرے والد فرعون ہوتپ کے قتل کا جرم سرزد ہو چکا ہے۔ اس نے ان کی دوا میں زہر ملا کر انہیں ہلاک کیا ہے۔"
دربار داد و تحسین کے نعروں سے گونج اُٹھا۔ فرعون نے ساتھ ہی حکم دیا۔
"شعبان کی زنجیریں کھول کر اسے اسی وقت آزاد کر دیا جائے۔"
اسی لمحے شعبان کی زنجیریں کھول کر اُسے آزاد کر دیا گیا۔ فرعون نے شعبان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "شعبان! قانون کی غفلت اور میری لاعلمی کی وجہ سے تم نے قید و بند کی جو تکلیفیں اُٹھائیں ہم اس کے لئے تم سے معافی کے خواست گار ہیں۔"
شعبان نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "عظیم فرعون! میری جان بھی آپ کے لئے حاضر ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے بارے میں آپ کے دل میں جو بدگمانی پیدا ہوئی تھی وہ

جاتی رہی۔"

فرعون نے دوسرا حکم یہ صادر کیا کہ سرکاری اعلان کے ساتھ شعبان کو پھر سے حکیم شاہی کا عہدہ سونپ دیا گیا۔ سپاہی اسی لمحے حکیم زوناش کو زنجیروں میں جکڑ کر قید خانے کی طرف لے گئے۔ اس کے جانے کے بعد سپہ سالار عشمون نے اطمینان کا سانس لیا لیکن دل ہی دل میں وہ زوناش کا شکرگزار تھا کہ اس نے بھرے دربار میں فرعون کے سامنے یہ نہیں کہا کہ اس سازش میں میرے ساتھ سپہ سالار عشمون بھی شامل تھا۔

سب سے آخر میں فرعون نے زوناش کے شاگرد خاص طرطوش کی طرف دیکھا اور کہا۔

"تم نے سچی گواہی دے کر ایک بے گناہ کو پھانسی چڑھنے سے ضرور بچا لیا ہے لیکن یہ سچ تم نے قانون کا تقاضہ پورا کرنے کے لئے نہیں بولا بلکہ اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے بولا ہے۔ یہ سچ تمہیں اس وقت بولنا چاہئے تھا جب تم نے اپنے استاد حکیم زوناش کو میرے والد فرعون ہوتپ کی دوا میں زہر ملاتے دیکھا تھا۔ لیکن اس وقت تم خاموش رہے۔ اس طرح تم بھی میرے والد کے قتل کی سازش میں برابر کے شریک ہو۔"

اتنا سن کر طرطوش بے چارے کے ہوش اُڑ گئے۔ سمجھ گیا کہ اسے اب موت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ فرعون نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"لہٰذا آج صرف تمہارے سچ بولنے سے ایک بے گناہ کی جان بچ گئی ہے۔ اس لئے رحم کے تقاضے پورے کرتے ہوئے تمہیں سلطنت مصر کی حدود سے جلاوطن کرتا ہوں۔"

اس کے بعد دربار برخاست ہو گیا۔

فرعون کے ساتھ شہزادی ساحتی بھی شعبان پر ایک مامتا بھری نگاہ ڈال کر دربار سے رخصت ہو گئی۔ طاغوت کے علاوہ سبھی درباریوں نے شعبان کو شاہی حکیم کے عہدے پر متعین ہونے کی مبارکباد دی۔ سیاسی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے سپہ سالار عشمون نے بھی آگے بڑھ کر شعبان سے مصافحہ کیا اور اُسے مبارکباد دی۔

سپہ سالار عشمون کو اب اس بات کی فکر لگ گئی تھی کہ زوناش کو موت کی سزا ضرور سنا دی گئی ہے لیکن وہ مرا نہیں، ابھی زندہ ہے۔ اور جب تک وہ زندہ ہے وہ کسی بھی وقت یہ بیان دے سکتا ہے کہ فرعون کے قتل کی سازش میں سپہ سالار عشمون بھی شریک تھا اور اپنے ساتھ اس کی گردن میں بھی پھانسی کا پھندا ڈال سکتا ہے۔ عشمون کو اپنے سر پر موت

منڈلاتی نظر آنے لگی۔ اُس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ زوناش کو قید خانے میں ہی موت کی نیند سلا دینا چاہئے اور یہ کام جتنی جلدی ہو سکے کر ڈالنا چاہئے۔ چنانچہ عشمون نے زوناش کو ٹھکانے لگانے کی ترکیبوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔ آخر ایک ترکیب اُس کے ذہن میں آ گئی۔

عشمون سپہ سالار تھا اور اُس کا ہر جگہ اثر و رسوخ تھا۔ فوج اور شہری محکموں کے اہلکار اس کی خوشنودی حاصل کرنے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ شاہی قید خانے کا محافظ پہلے ہی سے عشمون کی جیب میں تھا اور کسی حد تک بعض معاملات میں اس کا رازدار تھا۔ عشمون نے زوناش کو قتل کرنے کی سازش میں اُسے ساتھ ملا لیا اور ایک روز اُس کو خفیہ طریقے سے کپڑے میں لپٹی ہوئی ایک چھوٹی ٹوکری دے کر کہا۔

"اس میں وادیٔ نیل کا سب سے زہریلا کالا ناگ ہے۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ آج رات یہ سانپ زوناش کی کوٹھڑی میں چھوڑ دینا۔ اس کے بعد کا کام یہ زہریلا ناگ خود ہی کر لے گا۔ اس کام میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔"

قید خانے کے محافظ نے ٹوکری لے کر کہا۔ "آپ کے حکم کی پوری پوری تعمیل ہو گی۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔ جو خبر آپ سننا چاہتے ہیں کل وہ خبر آپ سن لیں گے۔"

سپہ سالار عشمون نے کہا۔ "کام ہو جانے کے بعد تمہیں اس خدمت کا پورا معاوضہ دیا جائے گا۔"

محافظ قید خانہ جات سانپ والی ٹوکری لے گیا اور اُس نے ٹوکری قید خانے کی ایک کوٹھڑی میں لے جا کر چھپا دی اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

شاہی حکیم زوناش جس کوٹھڑی میں قید تھا، وہ قید خانے کے جنوبی کونے میں تھی اور وہاں تک ایک سرنگ میں سے راستہ جاتا تھا۔ یہ پھانسی کی کوٹھڑی تھی۔ جب رات آدھی گزر گئی تو محافظ قید خانہ جات زہریلے سانپ والی ٹوکری لئے پھانسی کی کوٹھڑی کی طرف چل پڑا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ کوئی پہریدار اُسے روکتا۔ وہ سرنگ میں سے گزر کر پھانسی کی کوٹھڑی میں آ گیا۔

اُس وقت زوناش لکڑی کے تختے پر لیٹا جاگ رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر اس نے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ مشعل کی روشنی میں اُسے داروغہ جیل خانہ

جات نظر پڑا تو سمجھ گیا کہ اس کی موت کا وقت آن پہنچا ہے۔ زوناش کو احساسِ گناہ کے عذاب نے نیم مُردہ کر دیا تھا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور محافظ قید خانہ جات سے کہنے لگا۔

''میں جانتا ہوں تم مجھے سپردِ موت کرنے آئے ہو۔ مجھے موت کو گلے لگاتے ہوئے بڑا سکون ملے گا۔ مجھے یقین ہے کہ موت مجھے پچھتاووں کی اس اذیت سے نجات دلا دے گی جس کے شعلے مجھے جلا رہے ہیں۔''

محافظ قید خانہ نے ٹوکری پر سے کپڑا ہٹا دیا اور بولا۔

''سورج دیوتا کے فرزند مقدس فرعون نے تمہارے لئے بڑی پُرسکون موت تجویز کی ہے۔ اس ٹوکری میں دریائے نیل کے سرکنڈوں میں رہنے والا سب سے زہریلا سانپ ہے۔ یہ تمہیں موت کی نیند سلا دے گا۔''

زوناش بولا۔ ''دوست تمہارا شکریہ۔''

یہ کہہ کر زوناش دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ محافظ قید خانہ نے ٹوکری کا منہ کھول کر ٹوکری اُس پر اُلٹ دی۔ ٹوکری میں سے کالا ناگ پھنکارتا ہوا زوناش پر گرا اور ایک دم پھن کھول کر پھنکارتا ہوا اُس کے سامنے لہرانے لگا۔ زوناش بالکل خوفزدہ نہ ہوا۔ اُس نے سانپ کو گردن سے پکڑنے کی خاطر اپنا ہاتھ اُس کی طرف بڑھایا۔ جیسے ہی زوناش کا ہاتھ بڑھا، سانپ نے ایک زوردار پھنکار ماری اور اُچھل کر زوناش کی گردن پر ڈس دیا۔ سانپ گردن پر ڈس دے تو اس کا زہر بڑی تیزی سے اور بڑی جلدی انسان کے دماغ تک پہنچ کر اسے ماؤف کر دیتا ہے۔ چنانچہ سانپ کے ڈسنے کے چند لمحوں بعد ہی زوناش کا سانس اُکھڑنا شروع ہو گیا۔ پھر اُس کے نتھنوں سے خون بہنے لگا۔ وہ بے حس ہو کر تختے پر ڈھیر ہو گیا اور دیکھتے دیکھتے اُس کے سارے بدن پر بڑے بڑے چھالے اُبھرنے لگے۔ پھر یہ چھالے ایک ایک کر کے پھٹ گئے اور زوناش کا بدن نیلا ہو کر پانی کی طرح بہنا شروع ہو گیا۔

اس کے بعد محافظ قید خانہ سے یہ عبرت ناک منظر نہ دیکھا گیا۔

اگلے روز محافظ قید خانہ جات نے شاہی محل میں آ کر فرعون اخناتون کو یہ خبر دی کہ حکیم زوناش کو رات ایک زہریلے سانپ نے ڈس لیا ہے اور اس کی لاش سبز و سیاہ کیچڑ کی شکل میں پھانسی کی کوٹھڑی میں پڑی ہے۔ اس وقت سپہ سالار عشمون، شاہی حکیم شعبان اور

فرعون کا محافظ خاص طاغوت بھی فرعون کے کمرۂ خاص میں موجود تھے۔ یہ خبر سن کر فرعون نے کہا۔

''برائی کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ دیوتاؤں نے زوناش کو وہی موت دی جو اس نے کسی دوسرے کے لئے تجویز کی تھی۔''

سپہ سالار عشمون نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ زوناش کی موت سے اس کی اپنی موت ٹل گئی تھی۔ اب وہ بے فکر ہو کر تخت فرعون پر قبضہ کرنے اور ہیکل اعظم کے اقتدارِ اعلیٰ اور کاہن اعظم اور ہیکل سے وابستہ ضبط شدہ جاگیروں اور جائیداد کی واپسی اور سورج دیوتا کی جگہ مصر کے قدیم دیوتا آمون کی بحالی کے لئے آزادی سے ریشہ دوانیاں کر سکتا تھا۔ سپہ سالار عشمون کو کسی ذریعے سے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ شعبان کا تعلق شاہی خاندان سے ہے اور شہزادی ساہتی کی درپردہ خواہش ہے کہ اخناتون کی وفات کے بعد شعبان کو تخت شاہی پر بٹھائے۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ فرعون اخناتون پر اپنی بہن شہزادی ساہتی کا بڑا اثر ہے۔ اور وہ سلطنت کے معاملات میں شہزادی ساہتی سے ضرور مشورہ لیتا ہے۔

چنانچہ اس بات کا قوی امکان تھا کہ شہزادی ساہتی فرعون کو قائل کر لے کہ اس کے بعد شعبان ہی تخت شاہی کے لائق ہے۔ جبکہ شعبان کی رگوں میں فراعنہ مصر کا خون گردش کر رہا ہے اور فرعون اخناتون اپنی بہن کی باتوں سے متاثر ہو کر شعبان کے ولی عہد سلطنت ہونے کا اعلان کر دے۔

سپہ سالار کو اس سے سخت تشویش ہوئی۔ اُس نے کاہن اعظم ماطو سے مشورہ کیا۔ ماطو نے تمام احوال سن کر کہا۔

''اس بات کی بھنک میرے کانوں میں بھی پڑ چکی ہے کہ شعبان کا تعلق کسی ذریعے سے فراعنہ مصر کے خاندان سے ہے۔ دیکھنے میں بھی وہ فراعنہ مصر کے شاہی خاندان کا کوئی فرد لگتا ہے۔ ان حالات میں تمہارا یہ نتیجہ نکالنا بالکل بجا ہے کہ فرعون اخناتون کسی بھی وقت شعبان کے ولی عہد ہونے کا اعلان کر سکتا ہے۔ ہمیں اس سے پہلے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ اگر شعبان تخت پر بیٹھ گیا تو ہیکل اعظم کی ضبط شدہ جاگیریں اور جائیدادیں اور اس کا خزانہ ہمیں کبھی واپس نہیں مل سکے گا۔''

سپہ سالار عشمون بولا۔ ''اس مسئلے کا ایک ہی حل ہے کہ شاہ بابل بخت نصر مصر پر حملہ کر

دے۔ ہماری فوج سپاہِ بابل کی فولاد صفت تلواروں کا مقابلہ نہیں کر سکے گی اور مصر کو شکست کا سامنا ہو گا۔''

کاہن اعظم ماطو نے کہا۔ ''لیکن اس سے پہلے تمہیں شاہ بابل بخت نصر کو یہ شرط پیش کرنی ہو گی کہ فتح کے بعد تم بطور فرعون تخت پر بیٹھو گے۔''

عشمون نے عیاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ شرط میں سب سے پہلے پیش کروں گا۔ میں اُسے یہ تھوڑی ہی بتاؤں گا کہ مصریوں کی تلواریں سپاہِ بابل کی فولادی تلواروں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ میں اسے یہ کہوں گا کہ سپاہِ مصر کے پاس ایسی مضبوط اور طاقت ور تلواریں ہیں جن کے مقابلے میں سپاہِ بابل کی فولادی تلواریں لکڑی کی تلواریں ثابت ہوں گی۔''

کاہن اعظم نے پوچھا۔ ''تم بخت نصر کو کیا لالچ دو گے؟''

سپہ سالار عشمون کہنے لگا۔

''میں اُسے یہ لالچ دوں گا کہ جب بابل کی فوج مصر کے دارالحکومت پر چڑھائی کرے گی تو فصیل شہر کے بڑے دروازے کے قبضے میں نے پہلے ہی اُتروا دیئے ہوں گے۔ بابل کی فوج کے ایک ہی ہلے سے فصیل شہر کا دروازہ ریت کی دیوار کی طرح گر پڑے گا اور سپاہِ بابل مصر کے دارالحکومت میں بے روک ٹوک داخل ہو جائیں گی۔''

کاہن اعظم کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''میرا مشورہ یہ ہے کہ تم یہ ساری باتیں خود کسی طریقے سے بخت نصر کے محل میں جا کر اسے زبانی بتاؤ۔ کسی کے ہاتھ پیغام بھیجنے میں ہر قسم کا خطرہ موجود رہے گا۔''

یہ نکتہ عشمون کی سمجھ میں آ گیا۔ اُس نے کہا۔ ''ماطو! تم نے بہت اچھا مشورہ دیا ہے۔ یہ ساری باتیں مجھے خود جا کر شاہ بابل بخت نصر سے کرنی چاہئیں۔''

''مگر تم جاؤ گے کیسے؟ اگر فرعون کو پتہ چل گیا کہ تم خفیہ طریقے سے شاہ بابل بخت نصر سے ملاقات کرنے گئے ہو تو ہمارے سارے منصوبوں پر پانی پھر جائے گا۔ فرعون اسی لمحے طاغوت کو تمہاری جگہ سپہ سالار بنا دے گا اور ہمارے سارے خواب ادھورے رہ جائیں گے۔''

سپہ سالار عشمون بولا۔ ''مجھ پر بھروسہ رکھو۔ میں ایسے طریقے سے غائب ہوں گا کہ کسی

کو ذرا سا بھی شک نہیں پڑے گا کہ میں بخت نصر سے ملاقات کرنے بابل گیا ہوا ہوں۔''

عشمون کی ایک سوتیلی بڑی بہن سلطنت مصر کی جنوبی سرحد پر واقع ایک گاؤں میں رہتی تھی۔ اُس نے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق شاہی دربار کے حلقوں میں یہ خبر اُڑا دی کہ اس کی سوتیلی بڑی بہن ان دنوں بیمار ہے۔ یہ خبر فرعون تک بھی پہنچی۔ اُس نے عشمون سے اُس کی بہن کی خیریت دریافت کی تو وہ کہنے لگا۔

''جہاں پناہ! میری ایک ہی بہن ہے۔ وہ اب بوڑھی ہو گئی ہے۔ مجھے اس کا پیغام ملا ہے کہ میں بہت بیمار ہوں، اسے آ کر مل جاؤں۔ مگر امورِ سلطنت مجھے اپنی بہن کی علالت سے زیادہ عزیز ہیں۔ اس لئے اُس کی مزاج پرسی کو نہیں جا سکا۔''

اس پر سادہ دل شاعر مزاج فرعون بڑا متاثر ہوا۔ کہنے لگا۔ ''امورِ سلطنت کا کاروبار تو چلتا رہتا ہے۔ تمہیں اپنی بہن کی بیمار پرسی کے لئے ضرور جانا چاہئے۔''

سپہ سالار عشمون نے تیر نشانے پر لگتا دیکھا تو بولا۔ ''جہاں پناہ کی اگر اجازت ہے تو میں دو ایک روز کے لئے اپنی بہن کی خیر خیریت معلوم کرنے ضرور چلا جاتا ہوں۔''

''ضرور جاؤ۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔'' فرعون نے جواب دیا۔

چنانچہ سپہ سالار عشمون اسی روز شام ہوتے ہی اپنے فوجی رتھ پر سوار ہو کر شاہی محل سے نکل پڑا۔ اس خیال سے کہ کسی کو شک نہ گزرے کہ سپہ سالار اکیلا کیوں گیا ہے، اُس نے اپنے چار محافظوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ ایک رات کے سفر کے بعد وہ مصر کی جنوبی سرحد پر واقع اپنی بہن کے گاؤں پہنچ گیا۔ اس کی یہ بہن کافی ضعیف ہو چکی تھی اور اکثر بیمار رہتی تھی۔ بہن بھائی کو دیکھ کر بڑی خوش ہوئی۔ عشمون نے کہا کہ مجھے تمہاری علالت کی خبر ملی تھی اس لئے تمہاری خیریت معلوم کرنے آ گیا۔ بہن بولی۔

''بڑھاپا سب سے بڑی علالت ہے۔ اب میرے چل چلاؤ کے دن ہیں۔ پتہ نہیں کب دیوتا مجھے اپنے پاس بلا لیں۔''

عشمون نے کہا۔

''دیوتا تمہیں ہزار سال کی زندگی دیں۔ تم ایسی باتیں کیوں کرتی ہو؟''

یہ ساری ہمدردی کی باتیں عشمون اوپری دل سے کہہ رہا تھا ورنہ اُسے اپنی سوتیلی بہن سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ جیئے یا مرے۔ اُس وقت وہ اس سوچ میں تھا کہ بخت نصر

شہنشاہِ بابل سے ملاقات کے لئے اُسے کس وقت روانہ ہونا چاہئے۔ بابل کی سرحد وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔ صرف تین ساعتوں (آج کے تین گھنٹوں) کا سفر تھا۔ اس خفیہ سفر پر وہ اپنے محافظوں کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ دوسرا دن اُس نے بہن کی حویلی میں آرام کیا۔ جب سورج ڈھلنے لگا تو عشمون نے اپنے رتھ کو باہر نکالا اور اپنے محافظوں سے کہا۔

"میں جنگل میں کالے ہرنوں کا شکار کرنے جا رہا ہوں۔ میں جب بھی یہاں آتا ہوں کالے ہرن کے شکار کو ضرور جاتا ہوں اور ہمیشہ اکیلا جاتا ہوں۔ تم لوگ یہیں ٹھہرو اور میری فکر نہ کرنا۔ یہ جنگل میرے دیکھے بھالے ہیں۔ میں رات جنگل میں ہی گزاروں گا۔ صبح ہوتے ہی واپس آجاؤں گا۔"

محافظوں نے سپہ سالار کی حفاظت کی خاطر ساتھ جانے پر نیم دلی سے اصرار کیا لیکن عشمون اکیلا ہی شکار پر جانے پر مصر رہا۔ محافظوں کو بھی قدرت کی طرف سے دیہات میں کچھ دن آرام کرنے کا سنہری موقع مل گیا تھا انہوں نے بھی زیادہ اصرار نہ کیا اور خاموش رہے۔

سپہ سالار عشمون رتھ لے کر جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔

نکلتے وقت اُس کا رُخ جنوب کی سمت تھا۔ لیکن ایک گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد اُس نے اپنے رتھ کا رُخ جنوب مشرق کی طرف کر لیا کیونکہ بابل کا ملک اسی جانب تھا۔ رات کا اندھیرا ہوتے ہی وہ سنگلاخ جنگل کی بنجر پہاڑیاں عبور کرتا ہوا بابل کی سرحد میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ سپہ سالار کی وردی میں نہیں تھا بلکہ ایک امیر آدمی کے لباس میں تھا۔ بابل کی سپاہ کے سپہ سالار قرطاس کے ساتھ اس کی پہلے ہی سے دوستی بھی تھی اور وہ عشمون کی سازش میں شریک بھی تھا۔ عشمون سیدھا شاہِ بابل کے سپہ سالار قرطاس کی حویلی میں آ گیا۔ سپہ سالار قرطاس نے عشمون کو دیکھا تو اس سے گلے لگ کر ملا۔ عشمون بولا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تم سے دو ایک ضروری باتیں کرنی ہیں۔ اندر چلو۔"

حویلی کے دیوان خانے میں آ کر عشمون نے سپہ سالار قرطاس کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا اور کہا۔

"اس سلسلے میں مجھے شہنشاہ بخت نصر کی بالمشافہ یقین دہانی کی ضرورت ہے کہ مصر پر

قبضہ ہو جانے کے بعد میں فرعونِ مصر ہوں گا۔"

قرطاس بولا۔ "وہ تو پہلے سے طے ہے۔ شاید بخت نصر نے اس ضمن میں تم سے کوئی بات نہیں کی۔ ویسے میں بادشاہ سے تمہاری ملاقات کرا دوں گا۔"

عشمون نے کہا۔ "یہ ملاقات آج رات کو ہی ہو جانی چاہئے۔ مجھے منہ اندھیرے تمہارے ملک سے نکل جانا چاہئے تاکہ میرے یہاں آنے کا راز نہ کھلے۔"

سپہ سالار قرطاس نے شاہ بابل بخت نصر سے بات کی تو بادشاہ نے اسی وقت عشمون کو اپنے دیوانِ خاص میں بلوا لیا۔ عشمون نے بادشاہ کی خدمت میں پہنچ کر سلام ادب پیش کیا اور سارا منصوبہ گوش گزار کر دیا اور کہا۔

"شاہ بابل! آپ کی فوجوں کو جتنی جلدی ہو سکے مصر پر چڑھائی کر دینی چاہئے۔ میری طرف سے اطمینان رکھیے، میں آپ کو بھی اور آپ کی سپاہ کے سالارِ اول قرطاس کو بھی اس بات کی یقین دہانی کراتا ہوں کہ آپ کی فوجوں کو حملے کے وقت مصر کے دارالحکومت تھیبز کی فصیلِ شہر کا بڑا دروازہ کھلا ملے گا۔ بظاہر دروازہ بند ہو گا لیکن میں نے اُس کے دُھرے اور قبضے پہلے ہی سے نکلوا دیئے ہوں گے۔"

بادشاہ بخت نصر نے خوش ہو کر کہا۔ "ہمیں تم سے یہی اُمید ہے اور ہمیں تمہاری باتوں پر پورا اعتماد ہے۔"

تب عشمون نے کہا۔ "لیکن جہاں پناہ! اس کے عوض میں آپ کی جانب سے اس بات کی یقین دہانی چاہتا ہوں کہ مصر کو فتح کرنے اور اس کے دارالحکومت پر قبضہ کرنے کے بعد تختِ شاہی پر مجھے بحیثیت فرعونِ مصر کے بٹھا دیا جائے گا۔"

بادشاہ بخت نصر نے کہا۔ "اس کا فیصلہ تو ہم پہلے ہی کر چکے ہیں لیکن ہم ایک بار پھر تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ ایک شہنشاہ کی حیثیت سے تمہیں اپنا قول دیتے ہیں کہ مصر فتح ہو جانے کے بعد اخناتون کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کی جگہ تم تخت پر بیٹھو گے اور ہیکل اعظم کی تمام ضبط شدہ املاک ہیکل کو واپس مل جائیں گی۔"

سپہ سالار عشمون مطمئن ہو گیا۔ اُسے معلوم تھا کہ بادشاہ اپنے قول سے کبھی نہیں پھرا کرتے اور جو وعدہ کرتے ہیں اسے پورا بھی کرتے ہیں۔ اس بات چیت کے ساتھ ہی یہ بھی طے ہو گیا کہ چاند کی آٹھویں تاریخ کو بابل مصر پر حملہ کر دے گا۔"

سپہ سالار عشمون پوری تسلی کر کے سپہ سالار قرطاس کی حویلی میں واپس آ گیا۔ اس وقت رات کا آخری پہر گزر رہا تھا۔ عشمون نے کہا۔

"ابھی رات کا اندھیرا ہے۔ مجھے اسی وقت اپنے ملک کی طرف روانہ ہو جانا چاہئے۔"

قرطاس نے بھی عام لباس پہنا اور عشمون کو چھوڑنے بابل کی سرحد تک اس کے ساتھ گیا۔ مصر کی سرحد میں داخل ہوتے ہی عشمون نے گھوڑوں کو تیز دوڑاتے ہوئے رتھ کی رفتار تیز کر دی اور یوں صبح ہوتے ہی وہ اپنی سوتیلی بہن کے گاؤں میں پہنچ گیا۔ راستے میں اُس نے جنگل میں پھرتے دو تین کالے ہرن شکار کر لئے تھے۔ حویلی میں پہنچ کر اُس نے کالے ہرن اپنے محافظوں کے سپرد کئے تا کہ انہیں یقین ہو جائے کہ وہ رات بھر جنگل میں شکار کھیلتا رہا تھا۔

اب سپہ سالار عشمون کو اپنی بہن کے ہاں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی چنانچہ وہ اسی رات کو واپس دارالحکومت کی طرف روانہ ہو گیا۔ شاہی محل میں پہنچا تو سب نے اس کی بہن کی خیریت دریافت کی۔ طاغوت اور شعبان کو بھی معلوم تھا کہ عشمون فرعون کے اصرار پر اپنی بیمار بہن کی خیریت معلوم کرنے اس کے گاؤں گیا ہوا ہے واپسی پر انہوں نے بھی عشمون سے پوچھا کہ اب اس کی ہمشیرہ کا کیا حال ہے جس کے جواب میں عشمون نے افسردہ سا منہ بنا کر کہا۔

"اس کا کوئی پتہ نہیں کب دیوتا اُسے اپنے پاس بلا لیں۔ میں نے سات بکروں کی قربانی دی ہے۔ باقی دیوتاؤں کی جو رضا ہو گی وہی ہو گا۔"

عشمون نے فوراً کاہن اعظم ماطو سے ملاقات کی اور اُسے بخت نصر سے اپنی ملاقات کا سارا حال بیان کیا۔ اب وہ چاند کی آٹھویں تاریخ کا بے صبری سے انتظار کرنے لگے۔ یہ وہ رات تھی جس رات بابل کی فوجوں نے مصر پر حملہ کرنا تھا......!

ٹھیک چاند کی آٹھویں تاریخ کی رات کو شاہِ بابل بخت نصر کی فوجیں مصر کی سرحدوں میں داخل ہو گئیں......سرحدوں پر متعین محافظ سپاہیوں نے کچھ دیر دشمن کا مقابلہ کیا مگر بخت نصر کا لشکر عظیم انہیں کچلتا ہوا آگے نکل گیا۔ فرعون کی فوجوں کو اس وقت خبر ہوئی جب بابل کی فوج دارالحکومت تھیبز کے قریب آ گئی تھی۔ سپہ سالار عشمون اپنی سپاہ لے کر دشمن کے مقابلے کے لئے آگے بڑھا لیکن وہی ہوا جس کی توقع تھی۔ بابلی سپاہیوں کی فولادی تلواروں کے آگے مصری سپاہیوں کی کمزور تلواریں زیادہ دیر نہ چل سکیں اور مصری فوج نے پسپا ہونا شروع کر دیا۔

سپہ سالار عشمون نے فصیل شہر کے سب سے بڑے دروازے کے محافظ کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا چنانچہ اُس نے عشمون کے حکم پر بڑے دروازے کے قبضے اور دُھرے پہلے ہی سے نکلوا دیئے تھے۔ چنانچہ جب بابل کی فوج کے سپاہیوں نے دروازے کو یکجا ہو کر دھکیلا تو دروازہ اندر کی جانب گر پڑا اور بخت نصر کی فوج مصری سپاہیوں کو گاجر مولی کی مانند کاٹتی ہوئی دارالحکومت میں داخل ہو گئی۔ اس وقت فرعون اپنے محل کے دیوانِ خاص میں عالم اضطراب میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا کہ ایک غلام نے آ کر خبر دی کہ دشمن کی فوج شہر میں داخل ہو گئی ہے اور اب شاہی محل کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے۔

اس وقت فرعون اخناتون کو چاہئے تھا کہ وہ اپنی فوج کی قیادت کرتا اور میدانِ جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ کرتا لیکن اس کی بجائے وہ شاہی رتھ پر سوار ہو کر ایک خفیہ دروازے سے ہیکل اعظم میں آ گیا اور سورج دیوتا کے گول سنہری نشان کے آگے دوزانو ہو کر فتح کی دُعائیں مانگنے میں مصروف ہو گیا۔

بخت نصر کے جاسوسوں نے اُسے خبر کر دی کہ فرعون شاہی محل کی بجائے ہیکل اعظم میں ہے۔ چنانچہ بخت نصر کا سپہ سالار قرطاس پانچ سو سپاہیوں پر مشتمل دستہ لے کر ہیکل

اعظم میں گھس آیا کیونکہ فرعون کو قتل کرنا ضروری تھا۔ سپہ سالار عشمون نے جان بوجھ کر ہیکل اعظم کی حفاظت پر متعین مصری سپاہیوں کے دستے کو وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ بابلی سپاہی بغیر مقابلہ کئے ہیکل اعظم میں داخل ہو گئے۔ سپاہ بابل کا سپہ سالار قرطاس فوج کی قیادت کر رہا تھا۔ ننگی تلوار اُس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہیکل کے شاہی عبادت خانے کے دروازے پر آ کر گھوڑے سے اُتر پڑا اور تلوار لئے عبادت خانے میں گھس گیا۔

فرعون اخناتون سورج دیوتا کے نشان کے آگے دو زانو بیٹھا سر جھکائے فتح و نصرت کی دُعائیں مانگنے میں محو تھا۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ جنگ دُعائیں مانگ کر نہیں بلکہ دشمن کا مقابلہ کر کے جیتی جاتی ہیں۔ سپہ سالار قرطاس فرعون کے سر پر پہنچ گیا اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اُس نے تلوار کے ایک ہی وار سے فرعون اخناتون کا سر اس کے تن سے جدا کر دیا۔ پھر اُس نے فرعون کا سر نیزے میں پرو کر اسے بلند کیا اور فلک شگاف نعرہ لگا کر بابل کی فتح کا اعلان کر دیا۔ مصری سپاہی پہلے ہی شکست سے دوچار تھے۔ فرعون کا سر نیزے میں پرویا ہوا دیکھ کر ان کے رہے سہے حوصلے بھی جواب دے گئے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

سپہ سالار قرطاس، فرعون کا سر نیزے پر بلند کئے گھوڑا دوڑاتا شاہی محل کی طرف چلا۔ شاہی محل کے دروازے پر مصری سپاہی ابھی تک لڑ رہے تھے۔ ان میں طاغوت بھی تھا۔ طاغوت کے دائیں جانب سپہ سالار عشمون بھی محض دکھانے کے لئے لڑ رہا تھا۔ عشمون لڑتے لڑتے طاغوت کے عقب میں آ گیا۔ طاغوت بے جگری سے لڑ رہا تھا۔ اُس کی پشت عشمون کی طرف تھی۔ عشمون اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے نیزہ اُٹھا کر اُسے اپنے ہاتھ میں تولا اور پوری طاقت سے اسے طاغوت کی طرف پھینکا۔ نیزہ طاغوت کی پسلیوں کو چیرتا ہوا اُس کے دل کے پار ہو گیا...... طاغوت گرا اور پھر نہ اُٹھ سکا۔

شعبان شاہی محل کے مشرقی دروازے کے محاذ پر بابلی سپاہیوں سے برسر پیکار تھا۔ اس کی والدہ اسی محل کے ایک دیوان خانے میں مقیم تھی اور شعبان کسی طرح اس کی حفاظت کے لئے اس کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

شہزادی ساہتی اپنے خاص کمرے میں آرام دہ کرسی پر دراز حسب معمول شراب نوشی میں مصروف تھی۔ اتنے میں بابلی سپاہیوں کا ایک دستہ محل میں لوٹ مار کرتا اندر آ گیا۔

انہوں نے ایک بوڑھی عورت کو شاہی کرسی پر دراز شراب نوشی کرتے دیکھا تو ہنستے، قہقہے لگاتے شہزادی ساہتی کے قریب آ گئے۔ ایک سپاہی نے دوسرے سپاہی سے کہا۔

''اس بوڑھی عورت نے شراب نوشی کے واسطے بڑا صحیح وقت چنا ہے۔''

دوسرے سپاہی نے تلوار کی نوک سے شہزادی ساہتی کی ٹھوڑی اوپر اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''کون ہو تم......؟''

شہزادی ساہتی نے اپنی آنکھوں پر جھکی ہوئی بوڑھی پلکوں کو اٹھا کر سپاہی کو ایک نظر دیکھا اور شاہانہ تمکنت کے ساتھ بولی۔

''کیا تم شہزادی ساہتی کے نام سے واقف نہیں ہو؟ میں شہزادی ساہتی ہوں۔ فرعونِ مصر کی بہن شہزادی ساہتی۔''

یہ سننا تھا کہ سپاہی نے تلوار کے ایک ہی وار سے بوڑھی شہزادی کا خاتمہ کر دیا...... سپاہی دیوان خانے کا سارا سامان لوٹ کر وہاں سے نکل گئے۔

ان کے جانے کے بعد شعبان کمرے میں اس عالم میں داخل ہوا کہ اس کے جسم پر کئی زخم لگے تھے جن سے خون بہہ رہا تھا اور تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ اپنی والدہ کی لاش کو دیکھ کر تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ ماں کی لاش کو اپنے ساتھ لگا کر آنسو بہانے لگا۔

اب سپاہیوں کا ایک اور دستہ محل میں لوٹ مار کرتا شہزادی ساہتی کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ایک نوجوان کو ایک بوڑھی عورت کی لاش سے لگ کر روتے دیکھا تو پوچھا۔

''کون ہو تم؟ اور یہ کس عورت کی لاش ہے؟''

سپاہیوں میں سے ایک سپاہی نے شعبان کو پہچان لیا۔ اُس نے کہا۔ ''ارے یہ تو فرعون کا شاہی حکیم ہے۔ میں نے اسے اپنے سپہ سالار قرطاس کے محل میں دیکھا تھا۔ اس نے ہمارے سپہ سالار کا علاج کیا تھا اور وہ اچھا ہو گیا تھا۔ اسے قتل نہ کرنا بلکہ گرفتار کر کے اپنے سپہ سالار کے پاس لے چلو۔'' چنانچہ شعبان کو اسی لمحے گرفتار کر لیا گیا۔

مصر فتح کر لیا جاتا ہے...... شاہ بابل بخت نصر کے حکم سے مصر کے تخت پر سپہ سالار عشمون کو بطور فرعون بٹھا دیا جاتا ہے۔ بڑی دھوم دھام سے نئے فرعون عشمون کی تاج

پوشی ہوتی ہے۔ سپہ سالار عشمون اپنے سر پر فرعونِ مصر کا تاج پہنتے ہی پہلا حکم صادر کرتا ہے کہ ہیکل اعظم کی تمام جاگیریں اور مال و متاع جو فرعون اخناتون نے بحق سرکار ضبط کیا تھا اسے بحال کیا جاتا ہے اور ملک میں سورج دیوتا کی جگہ پھر سے مصر کے قدیم دیوی دیوتاؤں کی پرستش ہوا کرے گی۔ ملک کے طول و عرض میں ان احکامات پر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ کیونکہ ملک کی اکثریت اخناتون کی مذہبی اصلاحات کے خلاف تھی اور پرانے دیوی دیوتاؤں کی پجاری تھی۔

تمام بت خانوں میں سے سورج دیوتا کے نشان کھرچ کر مٹا دیئے جاتے ہیں اور پھر سے پرانے دیوتاؤں اور دیویوں کی مورتیوں کو لا کر سجا دیا جاتا ہے۔ ہیکل اعظم میں بھی پرانے بتوں کے مجسمے دوبارہ نظر آنے لگتے ہیں۔ ہیکل اعظم کے کاہن اعظم کی شان و شوکت پھر سے زندہ ہو جاتی ہے اور ہیکل اعظم میں پھر سے دولت کی ریل پیل شروع ہو جاتی ہے۔ بادشاہ بخت نصر، نئے فرعون عشمون کو اپنے محل میں بلاتا ہے۔ عشمون بخت نصر کے سامنے آتے ہی جھک کر اس کی تعظیم کرتا ہے۔ پہلے کبھی کسی فرعون نے ایسا نہیں کیا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ فراعنہ مصر کی خاندانی سلطنت کا ناقابل قیاس حد تک خاتمہ ہو چکا ہے۔ سوائے شعبان کے کوئی ذی رُوح شاہی خاندان کا باقی نہیں بچا تھا اور شعبان قید خانے کی کوٹھڑی میں بے یار و مددگار پڑا تھا۔ اس کا مستقبل کیا ہوگا؟ خود اسے بھی اس کا علم نہیں تھا۔

بخت نصر نے ایسی نگاہ سے نئے فرعون عشمون کو دیکھا جیسے کوئی آقا اپنے غلام کی طرف دیکھتا ہے۔ بخت نصر نے کہا۔ ”عشمون! ہم نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا۔ اب مصر کی سلطنت پر تم فرعون کی حیثیت سے حکومت کرو گے۔ تمہیں میری حمایت اور میرا تحفظ حاصل ہو گا۔ لیکن تم میرے غلام کی حیثیت سے حکومت کرو گے۔ میرا ایک فوجی صوبے دار بظاہر تمہاری حفاظت اور حقیقت میں تمہاری نگرانی کرے گا۔ جب تک تم شاہ بابل بخت نصر کے وفادار رہو گے اور اس کی منشا کے مطابق ہر سال خراج ادا کرتے رہو گے تمہاری حکومت قائم رہے گی۔ لیکن اگر تمہارے دل میں مجھ سے غداری کرنے اور خود مختار ہونے کا خیال بھی آیا تو دوسرے لمحے تمہارا سر کاٹ کر شہر کے سب سے بڑے دروازے پر لٹکا دیا جائے گا۔“

سپہ سالار عشمون کا جسم بخت نصر کے خوف سے اور اُس کے جاہ و جلال کے آگے لرز اُٹھا۔ وہ سجدے میں گر گیا اور بولا۔ ”شاہ بابل! عشمون کے دل میں تم سے غداری کرنے کا خیال کبھی خواب میں بھی نہیں آ سکے گا۔ میں تمہارا غلام رہوں گا۔ مصر کی سلطنت اور فرعون کی جاہ و حشمت عشمون کی نہیں بلکہ شاہ بابل کی ہے۔ میرا سر ہمیشہ تمہارے آگے جھکا رہے گا۔“

شاہ بابل بخت نصر کو عشمون سے یہی اُمید تھی۔ اس کے اگلے روز بخت نصر اپنی تمام فوج کو لے کر فتح و کامرانی کے پرچم لہراتا اپنے وطن ملک بابل واپس چلا گیا لیکن اپنے ایک فوجی افسر کو جو اس کی ایک نو آبادی کا صوبے دار بھی تھا، عشمون کی نگرانی کی غرض سے شاہی محل میں چھوڑ گیا۔ اس کے علاوہ بابلی سپاہیوں کی ایک بھاری تعداد بھی شاہی محلات اور فوجی چھاؤنیوں میں متعین کر دی گئی۔

عشمون رب فرعون کا شاہی لقب اختیار کر کے تخت پر بیٹھ گیا۔ اُس نے چن چن کر سابقہ فرعون اخناتون کے حمایتیوں کو قتل کروا دیا اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لیں۔ اپنے ایک وفادار ساتھی اور دوست کو سپہ سالارِ سپاہِ مصر بنا دیا۔ شاہی خاندان کی جتنی جوان عورتیں محل میں تھیں ان کو اپنے حبشی اور دوسرے ملک کے غلاموں میں تقسیم کر دیا تا کہ خاندانِ فراعنہ کی نسل ہمیشہ کے لئے دوغلی ہو جائے۔ کاہن اعظم ماطو، عشمون فرعون کا چہیتا تھا۔ وہ پروہتوں اور ملک کی تمام عبادت گاہوں کا بے تاج بادشاہ بنا پھرتا تھا۔ فرعون عشمون کی خوشامد میں وہ سب سے آگے تھا۔ اُس نے عشمون کو یاد دلایا کہ ابھی شاہی خاندان کا ایک فرد باقی ہے اور اس کا نام شعبان ہے۔

فرعون عشمون نے تعجب سے پوچھا۔ ”کیا وہ اب تک زندہ ہے؟ کیا طاغوت کے ساتھ وہ بھی قتل نہیں ہو گیا تھا؟“

کاہن اعظم بولا۔ ”نہیں مقدس فرعون! سانپ کا یہ بچہ ابھی زندہ ہے اور شاہی قید خانے میں ہے۔“

عشمون نے اسی وقت حکم صادر کیا کہ شعبان کو آج کی رات گزر جانے کے بعد کل دن کی روشنی میں شاہی محل کی چھت پر زنجیروں میں جکڑ کر لایا جائے۔ ہم اپنے ہاتھوں اس کی گردن اتار کر اس کے جسم کے ٹکڑے کر کے گِدھوں کو کھلائیں گے۔

یہ حکم بوڑھی کنیز سوانا کے کانوں تک بھی پہنچ گیا۔شعبان کی والدہ شہزادی ساہتی کی اس عمر رسیدہ کنیز کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔لیکن اس نے اسی لمحے دل میں فیصلہ کرلیا کہ وہ شاہی خاندان کی آخری امانت اور اپنی مالکن کی نشانی شعبان کو مرنے سے بچا لے گی۔

یہ خبر شعبان کی بچپن کی دوست اور اُس سے روحانی پیار کرنے والی سائنا نے سنی تو اُس کا دل تڑپ اُٹھا۔اُسے معلوم تھا کہ بوڑھی کنیز سوانا ابھی زندہ ہے اور شاہی محلات سے دُور دریا کنارے ایک جھونپڑی میں زندگی کے آخری ایام بسر کر رہی ہے۔وہ سیدھی اس کے پاس پہنچ گئی۔کنیز سوانا نے کہا۔

''میں یہ اندوہناک خبر سن چکی ہوں لیکن میں اپنی سہیلی کے جگر کے ٹکڑے اور شاہی خاندان کے آخری چشم و چراغ کو اپنے جیتے جی موت کے منہ میں نہیں جانے دُوں گی۔''

سائنا نے افسردہ لہجے میں کہا۔''لیکن اماں! ہم کیا کر سکتے ہیں؟ شعبان شاہی قید خانے کی کوٹھڑی میں پڑا ہے۔ وہاں تو کوئی پرندہ بھی پَر نہیں مار سکتا۔تم اُسے موت کی کوٹھڑی سے کیسے نکال سکو گی؟''

اس پر بوڑھی کنیز بولی۔''دیوتاؤں کی رضا ہمارے ساتھ ہے۔ دیوتا نہیں چاہتے کہ شاہی خاندان کا آخری چراغ بھی گل ہو جائے۔ وہ ہماری مدد کریں گے۔تم اپنے گھر جاؤ اور اپنے گھر پر ہی رہنا۔تمہیں شعبان کے ساتھ اپنی محبت کا آخری فرض پورا کرنا ہوگا۔''

سوانا کی یہ بات سائنا کی سمجھ میں نہ آئی۔اُس نے کہا۔

''اماں! میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔''

بوڑھی کنیز نے کہا۔''بہت جلد سارا مطلب تمہاری سمجھ میں آ جائے گا۔ ہمارے پاس صرف آج کی رات ہی ہے۔تم اپنے مکان پر جاگتی رہنا۔بس اب تم جاؤ۔''

سائنا درد بھرا دل لئے خاموشی کے ساتھ واپس اپنے مکان کی طرف چل پڑی۔اُس کے جاتے ہی بوڑھی کنیز سوانا نے سیاہ چادر سے اپنا منہ سر ڈھانپا اور رات کے اندھیرے میں اپنی جھونپڑی سے نکل پڑی۔اُس کا رُخ فراعنہ مصر کے شاہی قبرستان کی جانب تھا۔ شاہی قبرستان پر موت سے بھی گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔قبرستان میں شاہی خاندان کے افراد کی قبریں تھیں جو اندھیرے میں عبرت کا سماں پیش کر رہی تھیں۔اس قبرستان میں دیوی

تانیت کا چھوٹا سا معبد تھا جو فرعونوں کے حکم سے دیوی تانیت کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر بنایا گیا تھا۔کبھی اس معبد میں انسانوں کی قربانی دی جاتی تھی۔لیکن اب ہر سال ایک خاص موسم میں ایک سو ایک جانور دیوی تانیت کے نام پر قربان کر کے ان کے خون سے دیوی تانیت کے بت کو غسل دیا جاتا تھا۔

دیوی تانیت ان لوگوں کے عقیدے کے مطابق موت کے دیوتا کی دیوی تھی جو خود بھی انسانوں کو موت کی نیند سلاتی تھی۔کنیز سوانا دیوی تانیت کی پجارن تھی اور بچپن سے لے کر جوانی اور بڑھاپے تک اس کی عبادت گزار رہی تھی۔ دیوی تانیت کا معبد خالی تھا۔ دو مشعلوں کی روشنی میں دیوی کا بت ایک چبوترے پر کھڑا تھا۔ دیوی تانیت کے چہرے کو دیکھ کر ہی انسان پر موت کی دہشت طاری ہو جاتی تھی۔اس کا چہرہ سیاہ تھا، آنکھیں سرخ تھیں اور اس کے ایک ہاتھ میں نیزہ اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی۔سوانا کنیز دیوی تانیت کے بت کے سامنے جاتے ہی اس کے قدموں سے لپٹ گئی اور رو رو کر فریاد کرنے لگی۔

''دیوی ماں! میں نے ساری زندگی تمہاری پوجا کی ہے۔صدق دلی سے تمہاری پرستش کی ہے اور تم سے کبھی کچھ نہیں مانگا اس لئے کہ تم سے میری عقیدت اور میری محبت ہی میرا سب سے بڑا انعام ہے۔لیکن دیوی! آج میں تم سے کچھ مانگنے آئی ہوں۔ اس وقت فراعنہ مصر کے شاہی خاندان کا آخری چراغ بھی گل ہونے کو ہے۔دیوی! تم جان لیتی بھی ہو اور کبھی کبھی جاں بخشی بھی کرا دیتی ہو۔میری التجا قبول کرو اور میری سہیلی اور مرحوم شہزادی ساہتی کے بیٹے شعبان کی زندگی بچا لو۔ تاکہ شاہی خاندان کا نام و نشان مٹنے سے بچ جائے۔''

بوڑھی کنیز سوانا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔اُس نے آنسوؤں بھری آنکھوں سے دیوی تانیت کی طرف دیکھا، اُسے یوں محسوس ہوا جیسے دیوی تانیت بھی اُس کی طرف دیکھ رہی ہو۔پھر کنیز سوانا کے کانوں میں ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

''سوانا! تم جو کہنا چاہتی ہو وہ سب کچھ مجھے معلوم ہے۔لیکن موت کے دیوتا نے شعبان کی موت لکھ دی ہے۔ میں اُسے نہیں بچا سکتی۔ یہ بات میرے اختیار سے باہر ہے۔''

کنیز سوانا نے یہ سنا تو زار و قطار روتے ہوئے دیوی تانیت کے پتھریلے قدموں سے

لپٹ گئی۔ ''دیوی تانیت! میں بڑی اُمید لے کر تمہارے پاس آئی ہوں۔ مجھے مایوس نہ کرو۔ میں شعبان کی جان بچانے کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہوں۔''

ایک لمحے کے لئے ویران معبد میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ اس سناٹے میں صرف کنیز سوانا کی سسکیوں کی دھیمی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ پھر سوانا کو دیوی تانیت کی آواز سنائی دی۔ ''سوانا! موت کے دیوتا نے ایک قبر تیار کر لی ہے۔ اس قبر میں کسی مُردے کے تابوت کا اُترنا لازمی ہو گیا ہے۔ لیکن ایک طریقے سے شعبان کی جان بچائی جا سکتی ہے۔''

بوڑھی کنیز سوانا کی آنکھیں اُمید کی روشنی سے چمکنے لگیں۔ اُس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

''دیوی! میں شعبان کی جان بچانے کی خاطر وہ کچھ بھی کر سکتی ہوں جو میرے اختیار میں نہیں ہے۔''

دیوی تانیت نے کہا۔ ''اگر شعبان کی جگہ تم مرنے کے لئے تیار ہو تو شعبان زندہ رہے گا۔''

بوڑھی کنیز نے روتے ہوئے اپنا سر دیوی کے قدموں میں رکھ دیا اور بولی۔ ''دیوی تانیت! اپنی مالکن اور سہیلی شہزادی ساہتی کے لخت جگر کی زندگی کی خاطر میں اپنی ایک زندگی تو کیا ایسی ہزاروں زندگیاں قربان کر سکتی ہوں۔ ہاں دیوی! میں شعبان کی جگہ موت کو اپنے سینے سے لگانے کے لئے تیار ہوں۔''

دیوی تانیت بولی۔ ''تم نے اپنی سہیلی سے محبت کا پورا حق ادا کر دیا ہے سوانا! محبت میں جو لوگ اپنی جان تک قربان کر دیں وہی محبت کی قدر و قیمت کو پہچانتے ہیں۔ اسی وقت شاہی جیل خانے میں جاؤ اور شعبان کو وہاں سے نکال کر لے جاؤ۔''

کنیز سوانا نے کہا۔ ''لیکن دیوی! قید خانے میں تو قدم قدم پر پہرہ لگا ہے۔''

دیوی تانیت بولی۔ ''بدگمانی کا خیال دل میں نہ لاؤ۔ جاؤ، تمہارا راستہ کوئی نہیں روکے گا۔''

کنیز سوانا نے دیوی کے قدموں کو بوسہ دیا اور سیاہ چادر سے اپنے سر کو ڈھانپتے ہوئے خاموشی کے ساتھ معبد سے نکل گئی۔ سوانا اس بڑھاپے میں جتنی تیز چل سکتی تھی چل رہی تھی۔ شاہی قید خانہ شاہی قبرستان سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ اُسے قید خانے کی فصیل پر جلتی شعلوں کی روشنی نظر آنے لگی۔ قریب پہنچی تو دیکھا کہ شاہی قید خانے کے بڑے دروازے

کی دونوں جانب حبشی سپاہی پہرے پر کھڑے تھے۔ سوانا ہچکچائی۔ دروازے کی دونوں جانب مشعلیں روشن تھیں۔ جن کی روشنی میں اگر کوئی چیونٹی بھی اندر آ جاتی تو نظر آ سکتی تھی جبکہ پہرے دار سپاہی چاق و چوبند کھڑے تھے۔ وہ ڈر گئی۔ قدرتی طور پر اُس کے دل میں خیال آیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ جیل کے بڑے دروازے میں داخل ہو اور پہرے پر چاق و چوبند کھڑے سپاہی اُسے نہ دیکھیں۔ اس لمحے اُس کے کان میں دیوی تانیت کی آواز آئی۔

''سوانا! کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں؟ جب میں نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ تمہیں کوئی نہیں روکے گا تو پھر کس لئے ڈرتی ہو۔ تم نے اپنی جان کی قیمت دے کر یہ اعزاز حاصل کیا ہے۔ بے دھڑک آگے بڑھو۔''

دیوی تانیت کی دوبارہ یقین دہانی پر بوڑھی کنیز سوانا میں نیا حوصلہ پیدا ہو گیا۔ اس کے باوجود جب وہ پہرے پر کھڑے سپاہیوں کے قریب پہنچی تو اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور ایک بار قدم بھی لڑکھڑا گئے۔ لیکن بہت جلد اُس نے محسوس کر لیا کہ سپاہی اُس کی موجودگی سے بالکل بے خبر ہیں اور ایسے کھڑے ہیں جیسے پتھر کے بت بن گئے ہوں۔ نہ کچھ دیکھ رہے ہوں نہ کچھ سن رہے ہوں۔ وہ بے دھڑک دروازے میں سے گزر گئی۔

کنیز سوانا شاہی محلات میں پروان چڑھی تھی۔ اور وہ اس قید خانے کے تمام نشیب و فراز سے واقف تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ کوٹھڑی کہاں ہے جہاں ان قیدیوں کو رکھا جاتا ہے جنہیں موت کی سزا ملنے والی ہو۔ دروازے میں سے گزرنے کے بعد ایک کشادہ صحن آ گیا جس کی دونوں جانب دروازے اور کوٹھڑیاں تھیں۔ ان میں سے ایک دروازہ اس سرنگ میں جاتا تھا جس کے دوسرے سرے پر پھانسی کی کوٹھڑیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ اس دروازے پر بھی دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ اگرچہ کنیز سوانا بے خوف ہو گئی تھی پھر بھی وہ سپاہیوں کے قریب پہنچ کر رُک گئی۔

جب اُس نے محسوس کیا کہ یہ سپاہی بھی اُسے نہیں دیکھ رہے اور اپنی اپنی جگہ پر پتھر کے بت بن کر کھڑے ہیں اور ذرا سی حرکت نہیں کر رہے تو سوانا اُن کے درمیان سے بھی گزر گئی۔ اب وہ سرنگ میں اُتر آئی۔ سرنگ کی دونوں جانب پھانسی کی کوٹھڑیاں تھیں جن کے دروازے لوہے کی سلاخوں والے تھے۔ جگہ جگہ مشعلیں جل رہی تھیں اور ہر کوٹھڑی کے

باہر ایک سپاہی پہرے پر کھڑا تھا۔ کنیز سوانا ان سپاہیوں کے قریب سے ہو کر گزرنے لگی۔ عجیب بات تھی کہ ذرا پہلے دو سپاہی ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ لیکن جب سوانا ان کے قریب سے گزری تو دونوں سپاہی پتھر کے مجسموں کی مانند ساکت ہو گئے۔ اس طرح سرنگ میں سے گزرتی سوانا سب سے آخری کوٹھڑی کے دروازے پر پہنچ گئی۔ یہاں بھی ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ وہ سپاہی بھی بالکل بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ کوٹھڑی کا سلاخ دار دروازہ بند تھا۔ کنیز سوانا نے دیکھا کہ شعبان کوٹھڑی کے فرش پر سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ سوانا نے آہستہ سے دروازے کو کھولا تو شعبان نے گردن اٹھا کر دروازے کی جانب دیکھا۔ مشعل کی روشنی میں وہ بوڑھی سوانا کو دیکھ کر حیرت میں ڈوب گیا۔ پہرے دار سپاہی بدستور پتھر بن کر کھڑا تھا۔ سوانا کوٹھڑی میں داخل ہو کر شعبان کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور بولی۔

"اُٹھو اور میرے ساتھ یہاں سے نکل چلو۔"

شعبان حیرت میں گم بوڑھی سوانا کا منہ تکنے لگا کہ یہ کیا کہہ رہی ہے۔ ویسے وہ اس بات پر حیرت زدہ بھی تھا کہ سوانا کو کوٹھڑی میں داخل ہوتا دیکھ کر پہرے پر کھڑے سپاہی نے اسے بالکل نہیں روکا۔ وہ یہی سمجھا کہ شاید اس کی سزا معاف ہو گئی ہے اور سوانا اس کو لینے آئی ہے۔ لیکن اُسے یہ تعجب بھی تھا کہ پہرے دار سپاہی نے سوانا سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ کس غرض سے آئی ہے اور معافی نامہ کہاں ہے۔ شعبان اسی کشش و پیچ میں تھا کہ سوانا نے اُس کو بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "سوچ میں مت پڑو...... وقت بہت کم ہے۔ یہاں سے نکلو۔ باہر چل کر میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔"

شعبان اٹھ کر سوانا کے پیچھے چل پڑا۔ سوانا اب پورے اعتماد کے ساتھ شعبان کو لئے پہرے دار سپاہیوں اور محافظوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا۔ شعبان نے محسوس کیا کہ سپاہیوں اور محافظوں میں سے کوئی بھی کسی قسم کی حرکت نہیں کر رہا تھا۔ وہ سب کے سب جیسے پتھر بن گئے تھے۔ جب سوانا، شعبان کو ساتھ لئے قید خانے کی عمارت سے دُور آ گئی تو شعبان نے پوچھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ کنیز سوانا چلتے چلتے کہنے لگی۔ "اس راز کو راز ہی رہنے دو تو بہتر ہے۔ اب ہم سائنا کے گھر جا رہے ہیں جہاں سے تم دونوں برق رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر سرزمین مصر سے راتوں رات

نکل جاؤ گے۔"

"کیا سائنا کو یہ سب کچھ معلوم ہے؟" شعبان نے پوچھا۔

کنیز سوانا نے بتایا کہ سائنا کو سب معلوم ہے اور وہ اپنے مکان پر اس کا انتظار کر رہی ہے۔

سائنا کے مکان پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کونے والی کوٹھڑی میں ایک چراغ کی دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ سائنا اور شعبان نے ایک دوسرے کو دیکھا تو بچپن کی محبت ایک سیلاب کی طرح سارے بند توڑ کر اُمڈ آئی۔ دونوں محبت کرنے والے ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

کنیز سوانا کہنے لگی۔ "اب جلدی کرو۔ تمہارے پاس بہت تھوڑا وقت باقی ہے۔"

مکان کے پچھواڑے دو گھوڑے جن پر زین کسے ہوئے تھے، تیار کھڑے تھے۔ ایک گھوڑے پر دو تھیلے بندھے تھے جن میں سائنا نے زادِ سفر کے واسطے کچھ ساتھ رکھ لیا تھا۔ ایک پانی کی چھاگل بھی تھی۔ سائنا، کنیز سوانا کے گلے لگ کر ملی۔ شعبان نے سائنا کو اُس کے گھوڑے پر بٹھا دیا اور بوڑھی کنیز کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگاتے ہوئے بولا۔

"سوانا! تمہاری شفقت اور محبت جب تک میں زندہ ہوں مجھے یاد رہے گی۔"

کنیز سوانا نے بڑھ کر شعبان کا ماتھا چوما اور کہا۔ "دیر نہ کرو میرے بیٹے۔ دیوتا تمہاری حفاظت کریں۔"

شعبان گھوڑے پر سوار ہو گیا اور دونوں گھوڑے سائنا کے مکان کے صحن میں سے نکل کر رات کی تاریکی میں کنیز سوانا کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے......!

سوانا نے ہاتھ باندھ کر آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا۔

"دیوی تانیت! اب میں موت کو گلے لگانے کے لئے تیار ہوں...... اب مجھے اپنے مرنے کی خوشی ہو گی۔"

اُس نے دو تین بار دیوی تانیت کو کمزور آواز میں پکارا مگر کسی طرف سے بھی اُسے دیوی تانیت کی آواز نہ آئی۔ بوڑھی سوانا سائنا کے مکان سے نکلی اور آہستہ آہستہ اپنی جھونپڑی کی طرف چل پڑی۔ اُس کے دل میں خیال آیا کہ دیوی تانیت نے اُس کی

موت کوٹال دیا ہے ورنہ وہ اس کی آواز پر اُسے جواب ضرور دیتی۔

رات کا آخری پہر گزر رہا تھا۔ آسمان پر ستارے پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہے تھے۔ اپنی جھونپڑی کی طرف جاتے ہوئے وہ شاہی قبرستان میں سے گزری تو اُس نے دیکھا کہ ایک جگہ دو گورکن ایک قبر کھود رہے تھے۔ ایک تابوت قبر کے کنارے پڑا تھا۔ بوڑھی کنیز وہاں رُک گئی۔ اُس نے ایک گورکن سے پوچھا۔ ''تم لوگ کس کی قبر کھود رہے ہو؟''

گورکن نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ''جس کی قبر ہے وہ خود یہاں آجائے گا۔''

بوڑھی سوانا یہ جواب سن کر چپ ہو گئی۔ وہ چلنے لگی۔ ابھی وہ دو قدم ہی چلی تھی کہ اچانک کسی پرندے کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ کی آواز آئی...... بوڑھی سوانا کے قدم اپنے آپ وہیں رُک گئے۔ پھر اُسے اُن ماتم دار لڑکیوں کی سوگوار آواز سنائی دی جو جنازے کے آگے آگے ماتمی گیت گاتی چلا کرتی تھیں۔ یہ ماتمی آوازیں دُور سے آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھیں...... بوڑھی سوانا کے کانوں میں صحرائی بگولوں کے شور کی آوازیں گونجنے لگیں۔ اُسے ایک چکر سا آ گیا...... وہ گرنے لگی تو کسی نادیدہ ہاتھوں نے اُسے تھام لیا اور اُسے آرام سے زمین پر لٹا دیا۔ بوڑھی سوانا کے ہونٹوں پر زندگی کی آخری مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے اپنی کمزور آواز میں پوچھا۔ ''دیوی تانیت! کیا یہ تم ہو؟''

دیوی تانیت نے بوڑھی کنیز کے سوال کا جواب ضرور دیا مگر وہ اُسے نہ سن سکی۔ اس کی رُوح پرواز کر چکی تھی...... رات کی تاریکی میں دو انسانی سائے بوڑھی کنیز کی بے حس و حرکت لاش کی طرف بڑھے۔ یہ وہی دو گورکن تھے جو قبر کھود رہے تھے۔ انہوں نے بڑے احترام سے سوانا کی نعش کو اٹھایا اور قبر کے پاس رکھے تابوت میں لے جا کر لٹا دیا۔ کچھ ہی دیر کے بعد بوڑھی سوانا کا تابوت قبر میں دفن ہو چکا تھا اور دونوں گورکن جیسے غائب ہو گئے تھے......!

شعبان اور سائنا راتوں رات سفر کرتے ہوئے مصر کی سرحدوں سے نکل گئے۔ ان کی کوئی منزل نہیں تھی، کوئی نشانِ منزل نہیں تھا۔ انہیں شہرت کی وادیوں سے نکل کر گمنامی کے اندھیروں میں گم ہو جانا تھا۔ وہ سفر میں ہی تھے کہ سورج نے اپنا رُخِ روشن دریچہ مشرق سے ہویدا کیا۔ جب صحرا کی ریت تمازتِ آفتاب سے تپنے لگی تو ایک سنگلاخ ٹیلے

کے سائے میں وہ دم بھر آرام کرنے کو رُک گئے۔ یہ وادئ دجلہ و فرات کی تاریخ ساز سرزمین تھی جس کے صفحۂ قرطاس پر وقت نے انسانی تہذیب و علوم و فنون کے کئی سنہری باب رقم کئے اور انقلاباتِ زمانہ کی تیز آندھیاں انہیں خاک کے ذرّوں کی مانند اُٹھا کر لے گئیں اور پیچھے چشمِ عبرت کے لئے فقط بے نام و نشان آسیب زدہ کھنڈر چھوڑ گئیں۔

سورج کے غروب ہوتے ہی وہ دوبارہ اپنے سفرِ بے منزل پر روانہ ہو گئے۔ راستے میں آگ میں جھلستے صحرا آئے، انگاروں کی طرح تپتے سنگلاخ ٹیلوں کے سلسلے آئے اور پیاسے دریا آئے جن کا پانی گرم ریت کے بگولے اور پیاسی زمین پی گئی تھی۔ جن کے کنارے پھٹے ہوئے خشک ہونٹوں کی مانند ہو گئے تھے اور جن کی تہہ کی سفید گرم ریت اندھی آنکھ کی طرح بارانِ رحمت کے لئے آسمان کو تک رہی تھی۔ مگر دو محبت کرنے والے دل ایک دوسرے کے ساتھ لگے بلا خبر سفر کی منزلیں طے کرتے چلے جا رہے تھے۔ یہ وہ محبت کرنے والے تھے جنہیں دولت و حشمت کی نشاط انگیز سرمستیوں نے بار بار ایک دوسرے سے جدا کیا تھا مگر جنہیں عبرت ناک انجام کے غم و آلام نے ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے ملا دیا تھا۔

سائنا اور شعبان...... محبت کرنے والے یہ دو چہرے تھے جو وقت کے خلاؤں میں گمنام سیاروں کی مانند کئی بار ایک دوسرے کے قریب آئے اور ہر بار ایک دوسرے کو دُور ہی دُور سے حیرت کے ساتھ تکتے ہوئے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ لیکن سچی لگن، سچی محبت، بے غرض اور پاک محبت کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے۔ دل میں سچی لگن، پاکیزہ محبت زندہ ہو تو تمازتِ آفتاب میں جھلستا صحرا بھی گل و گلزار بن جاتا ہے اور جھونپڑی میں بھی وہ ابدی راحت اور روحانی سکون ملتا ہے جو عظیم سلطنتوں کے شہنشاہوں کو بھی اپنے سونے چاندی کے محلات میں نصیب نہیں ہوتا۔ انقلابات کی چکی میں پس کر، حالات کی بھٹی میں تپ کر سائنا اور شعبان...... دونوں محبت کرنے والوں کے دلوں کا میل اتر چکا تھا۔ ان کے دلوں کا کھوٹ دُور ہو چکا تھا۔ ان کے دل اصلی اور سچے سونے کی طرح چمک رہے تھے، دمک رہے تھے۔ اب محبت ہی محبت تھی اور محبت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ اپنے عہد کے تمام بادشاہوں کی سلطنتوں سے دُور...... بہت دُور نکل چکے تھے۔ یہاں نہ کوئی غریب تھا نہ امیر۔ نہ کوئی غلام تھا نہ کوئی آقا تھا۔ سنگلاخ پہاڑیوں کے درمیان

سے نکلتی ایک نہر کے کنارے دونوں محبت کرنے والوں نے ایک جھونپڑی بنا لی اور وہاں رہنا شروع کر دیا۔ نہر کا شفاف پانی اور کھجور کے چند ایک درختوں کی گری پڑی کھجوریں، یہی ان کا کھانا اور یہی ان کا پینا تھا۔ نہر کے کنارے انہوں نے ایک چھوٹی سی کھیتی اُگا لی تھی۔ دن کے وقت وہ اس کھیتی میں کام کرتے اور رات کو جھونپڑی میں سو جاتے۔ اس جھونپڑی کی شکستہ چٹائی پر انہیں وہ نیند آتی جو شاہی محلات کے بستر سنجاب وسمور پر انہیں کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

وقت گزرتا چلا گیا...... وقت گزرتے ہوئے ان دونوں محبت کرنے والوں کی جوانی کے نقش و نگار کو مٹاتا چلا گیا ......شوخ تحریروں کے رنگ و روغن پھیکے پڑنے لگے۔ بڑھاپا اُن پر سورج بن کر طلوع ہوا۔ گردشِ حالات نے ان دونوں کے دلوں کا کھوٹ پہلے ہی دُور کر دیا تھا۔ اب بڑھاپے کے سورج نے طلوع ہو کر ان کے سیاہ بالوں میں چاندی کے تار اور چاندی کے تاروں میں سفید موتیوں کی لڑیاں پرو دیں...... اور ان کے بالوں کی سیاہی بھی اُتار دی۔ سائنا اور شعبان کے سفید بال اس طرح چمکتے جیسے انہوں نے سر پر جڑے ہوئے موتیوں والے چاندی کے تاج پہن رکھے ہوں۔

اور پھر جب وہ وقت آیا جو ہر فانی انسان پر آتا ہے تو اس طرح آسمان پر چودھویں کا چاند اپنی نورانی کرنیں بکھیر رہا تھا۔ دونوں محبت کرنے والے سائنا اور شعبان نہر کنارے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے بیٹھے تھے اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور آسمان پر چودھویں کا چاند ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے اُن کی رُوحیں قفس عنصری سے پرواز کر گئیں...... اُن کے سفید بالوں والے چہروں پر نور ہی نور تھا اور اُن کی رُوحیں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے پھر کبھی جدا نہ ہونے کے لئے آسمان کی بلندیوں میں پرواز کر رہی تھیں......!

(ختم شد)